جلد ۵ جنوری ۱۹۶۴ء شمارہ ۱

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

جنوری سنہ ۱۹۶۳ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ: چھ روپے ؛ فی پرچہ: ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

روحانیت کا زندگی بخش موسم بہار	ایڈیٹر	۳
تزکیۂ نفس کے لئے کم کھانے اور بھوک برداشت کرنے کی اہمیت	حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام	۹
خدا تعالیٰ کا مقرب ضرور عزت پاتا ہے (عربی نظم)	" " "	۱۲
ہمارے لئے خدا کی دوستی ہی کافی ہے (فارسی نظم)	" " "	۱۲
روزہ کے فوائد	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۴
رمضان کی حقیقت	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے	۱۸
سادہ زندگی	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے	۲۴
صحت کو برقرار رکھنے کا ایک بنیادی اصول	ایک ماہرِ طب ڈاکٹر کے قلم سے	۲۹
مردِ وفا سرشت اور پیکرِ محبت و عشق	مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مرحوم	۳۵
فاضلِ اجل اور عالم باعمل کی المناک رحلت	ایڈیٹر	۴۰
افریقہ میں عیسائیت کے زوال کی وجہ	ایڈیٹر	۴۱
بچوں کے صفحات:۔		
انوکھی مَنَّت	محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی	۴۵
ملکِ رُوحانی کی شاہی (نظم)	دُرِّ ثمین	۴۶
اہم مرکزی اعلانات	قائدین مجلس انصار اللہ مرکزیہ	۴۷

طابع و ناشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دارالصدر جنوبی ربوہ ٭

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۵	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۱

جنوری ۱۹۶۴ء

روحانیت کا زندگی بخش موسمِ بہار

ماہِ صیام اور اس کی عظیم الشان برکات

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور اُس کا عظیم الشان احسان ہے کہ اُس نے ہمیں قرآن مجید جیسی کامل کتاب جو تمام صداقتوں کی جامع اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے عطا فرمائی ہے اور اس طرح ہمیشہ ہمیش کے لئے ہماری کامل رہنمائی اور ہدایت کا سامان فرمایا ہے۔ اس پر ہم جس قدر بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ پھر اس پر زبان اور عمل سے شکر کا اظہار فرضِ عین کے طور پر اس لئے بھی لازمی اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اس بے مثل و مانند عظیم الشان نعمت پر نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر شکر بجالانے کا حکم دیا ہے اور اجتماعی شکر بھی اس رنگ اور اس شان کا کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمان بالغ مرد اور عورتیں بیک وقت اس میں شریک ہوں۔ یہ اجتماعی شکر بجالانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں دیا ہے۔ فرماتا ہے:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ	رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا
الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ	جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور ایسے
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ	دلائل پر مشتمل ہے جو بذاتِ خود ہدایت اور حق و باطل
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ	میں تمیز کرنے والے ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص اس
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ	مہینے کو پائے اسے چاہیئے کہ وہ اس کے روزے
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ	رکھے۔ اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو اُس پر

بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (البقرہ آیت ۱۸۶)

اور دنوں میں تعداد پوری کرنی واجب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا تاکہ تم تعداد کو پورا کرلو۔ (یہ سب احکام اس لئے ہیں) تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اُس نے تم کو ہدایت (یعنی قرآن جیسی کامل کتاب) عطا کی ہے اور یہ کہ (اس طرح) تم اُس کے شکرگزار بنو۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اِس میں قرآن جیسی کامل اور ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والی ہدایت کا نزول ہوا۔ اِس آیت کے نزول کی یادگار کے طور پر اُس نے ہر مسلمان کے لئے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ جب بھی سال کے بعد یہ مبارک مہینہ آئے تو وہ سارا مہینہ روزے رکھے۔ اِس کا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں گے تو انہیں اِس کے نتیجے میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرنے کی توفیق ملے گی اور یہ تحمید و تمجید قرآن جیسی نعمت عطا ہونے پر شکرگزاری کے طور پر ہوگی۔ سو گویا رمضان کے روزے فرض قرار دینے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ تا تمام مسلمان بحیثیتِ مجموعی اللہ کی بڑائی بیان کرکے اِس بات پر اُس کا شکر ادا کریں کہ اُس نے انہیں قرآنی ہدایت کی شکل میں عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے اور اُن پر اپنا خاص فضل کیا ہے۔ اِس اجتماعی شکرگزاری کی وجہ سے رمضان کے روزوں کی جو نزولِ قرآن کی یادگار کے طور پر تمام بالغ مردوں اور عورتوں پر فرض ہیں عظمت و اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایسی صورت میں جہاں پوری شرائط کے ساتھ روزے رکھنے کے نتیجہ میں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ کی بشارت صادق آتی ہے وہاں اِس کے برعکس روزوں میں سستی دکھانے یا ان سے عمداً گریز کرنے کے نتیجہ میں وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ کی وعید بھی صادق آئے بغیر نہیں رہتی۔ اگر دیکھا جائے تو بلا عذرِ شرعی روزوں سے عمداً گریز قرآن مجید کے تعلق میں ناشکری کے ارتکاب کے باعث انسان کو مستحقِ عذاب بنا سکتا ہے۔ یہ وہ خوفناک انجام ہے جس کے تصور سے ہی ایک حقیقی مومن کا دل لرز اٹھتا ہے۔

پھر وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزوں کے علاوہ جو خود اپنی ذات میں ایک عظیم الشان عبادت ہیں بعض ایسی مخصوص عبادات بجا لانی بھی ضروری ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان کا زیادہ سے زیادہ وقت ذکرِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید میں گزرے۔ اِسی لئے رمضان کے روزے محض مقررہ اوقات میں کھانے پینے سے اجتناب تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دعاؤں، ذکرِ الٰہی اور نوافل کی مخصوص عبادات بھی ادا کرنا ہوتی ہیں۔ ان کے بغیر روزہ اپنے حقیقی معنوں کی رُو سے روزہ نہیں ہوتا۔

اسے ہم فاقہ کا نام تو دے سکتے ہیں لیکن روزہ نہیں کہہ سکتے۔

جہاں تک روزہ کا تعلق ہے اس کا عبادت ہونا اس سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں انسان دن کے اوقات میں کھانے پینے کی اُن چیزوں سے جن پر اس کی زندگی کا دار و مدار ہے محض اس لئے مجتنب رہتا ہے اور ان کے قریب بھی نہیں جاتا کہ خدا نے اسے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ پھر ان ضروریات سے پرہیز کے علاوہ جن پر بقائے ذات کا دار و مدار ہے وہ اپنے نفس پر قابو کر کے دن کے اوقات میں اُن حوائج سے بھی ہاتھ کھینچ لیتا ہے جن پر بقائے نوع کا انحصار ہے یعنی ازدواجی تعلقات سے بھی کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات پر کنٹرول وہ محض اس لئے کرتا ہے کہ تا خدا کے حکم کی تعمیل کر کے وہ اس کی رضا حاصل کرے۔ سو جب وہ حصولِ رضائے الٰہی کی خاطر تمام جائز اور حلال چیزوں کے استعمال سے دستکش ہو جاتا ہے تو پھر ناجائز اور حرام چیزوں کے قریب پھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ وہ عبادت ہے جس کی جزا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن جیسا کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک مضمون میں رقم فرمایا تھا روزہ محض کھانے پینے سے اجتناب کا نام نہیں بلکہ اصل روزہ دل کی نیکی اور ضبطِ نفس اور تقویٰ اور اخلاص اور انابت الی اللہ اور خصوصی دعاؤں کا روزہ ہے جس کے نتیجہ میں انسان خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اور زمین سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔

رمضان میں وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کے تحت روزہ کے علاوہ سب سے بڑا اور کامل ذکرِ الٰہی یہ ہے کہ خود قرآن مجید کی جس کے نزول کی یادگار کے طور پر یہ روزے رکھے جاتے ہیں بہت تلاوت کی جائے، اس کے معانی اور مطالب پر غور کیا جائے، اس کے اوامر و نواہی پر بدل و جان عمل پیرا ہونے کے عزم کو اور زیادہ راسخ کیا جائے اور خدا سے اس کی توفیق مانگی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت تھی کہ حضور رمضان میں قرآن مجید کی زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے اور کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن مجید ضرور تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث میں آتا ہے کہ ہر رمضان میں جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قرآنی وحی دُہراتے تھے اور آنحضورؐ کے وصال تک برابر ایسا کرتے رہے۔ سو جہاں نزولِ قرآن رمضان میں شروع ہوا وہاں ایک رنگ میں کہا جا سکتا ہے کہ سارا قرآن رمضان میں ہی اُترا۔ پس رمضان میں جس کے روزے نزولِ قرآن کی یادگار کے رنگ میں قرآن جیسی نعمت عطا ہونے پر شکر گزاری کے لئے فرض کئے گئے ہیں یہ امر بہت ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت پر خاص زور دیا جائے اور اس کے انوار و برکات سے اپنے سینہ و دل کو منوّر کیا جائے۔

ایک اور عملِ خیر جو وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کے تحت رمضان میں بجا لانا ضروری ہے یہ ہے کہ حسبِ توفیق زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کی جائے۔ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو

باہمی ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ علی الخصوص اس مہینہ میں صدقہ وخیرات کرنے سے مومن کا رزق بڑھتا ہے۔ حضور کا اپنا طریق یہ تھا کہ رمضان میں بہت کثرت کے ساتھ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ آپ اس قدر صدقہ وخیرات فرماتے تھے کہ گویا آپ کا ہاتھ ایک تیز آندھی کی طرح چلتا تھا۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کے تحت رمضان میں ایک اور نہایت اہم عبادت نماز تہجد یا نماز تراویح کا التزام ہے۔ نماز تہجد قرب الٰہی کے حصول کا ایک نہایت ہی اہم ذریعہ ہے۔ اس میں انسان کو رات کی نیند قربان کرکے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے، اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کی بخشش مانگنے کا انمول موقع میسر آتا ہے۔ یہی وہ زینہ ہے جس کی مدد سے وہ آسمان کی بلندیوں میں پہنچ کر عالم لاہوت میں محو پرواز ہوتا اور حسب استعداد روحانی علو وارتفاع سے ہمکنار ہوتا ہے اور رحمتِ خداوندی خاص بندوں میں شامل کرکے اسے فائز المرام کر دیتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رمضان اور قرآن بندہ کی سفارش کریں گے۔ روزہ یہ کہے گا کہ اے خدا میں نے اس کو کھانے پینے اور دیگر خواہشات سے دن میں روکے رکھا اس کے لئے تو میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن یہ کہے گا کہ میں نے اس کو رات کی نیند سے باز رکھا یعنی نماز تہجد کی خاطر سونے نہیں دیا اس کے حق میں میری سفارش قبول کر۔ پس ان دونوں کی سفارشیں قبول کی جائیں گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ علی الخصوص رمضان کے مہینے میں جبکہ انسان روزہ دار ہو اور پھر وہ رات کو اٹھ کر عبادتِ الٰہی میں اس کا ایک حصہ بسر کرے تو یہ وہ بہترین زادِ راہ ہے جس سے اس کی عاقبت محمود ہو سکتی ہے۔

پھر رمضان کی ایک خاص برکت جو وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کے خدائی ارشاد کی تعمیل کو نقطۂ عروج پر پہنچانے والی ہے وہ اعتکاف کی عبادت ہے۔ یہ خصوصی عبادت رمضان کے آخری عشرہ میں روحانی چلہ کے طور پر ہمہ وقت مسجد میں مقیم رہ کر کی جاتی ہے۔ اس میں انسان وقتی طور پر تمام دنیوی علائق سے منہ موڑ کر حقیقۃً خدا ہی کے لئے ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جسے صحیح طور پر بجا لا کر ہر انسان اپنی اپنی استعداد اور اپنے اپنے رنگ میں خدا تعالیٰ کے حضور یہ عرض کرنے کے قابل ہو سکتا ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

الغرض رمضان کا بابرکت مہینہ صبر، ایثار، ضبطِ نفس، عفو، حلم، اعتدال اور باہمی ہمدردی و غمخواری کے اوصاف کو ترقی دینے اور ذکرِ الٰہی اور تحمید و تمجید کے غیر معمولی مواقع مہیا کرنے کے اعتبار سے روحانیت کے زندگی بخش موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں اس میں دعائیں بکثرت قبول ہوتی ہیں اور انسان قربِ الٰہی حاصل کرکے زمین سے اٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتا ہے وہاں اس میں طالبِ صادق کو انتشارِ روحانیت کی عظمت و برکت والی ایک ایسی رات بھی میسر آتی ہے جسے خدا نے اپنے کلامِ پاک میں ہزار مہینوں سے بھی بہتر قرار دیا ہے۔

اُس کے خوش بخت و بلند اقبال ہونے میں کیا شک ہے جس نے یہ رات پالی اور اس سے تقربِ الی اللہ کے رنگ میں پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ بلاشبہ وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ وہ خوش انجام یقیناً فائز المرام ہے۔

جس طرح موسمِ بہار میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور پھول ہی پھول نظر آتے ہیں اور دماغ ان کی مشامِ جانفزا سے معطر اور دل باغ باغ ہوئے جاتے ہیں اسی طرح روحانیت کے اس زندگی بخش موسمِ بہار میں ہر جگہ ماحول میں یکایک ایک تبدیلی آجاتی ہے۔ ہر طرف ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن مجید، درسِ قرآن میں شمولیت، نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد میں حاضری، اور باہمی ہمدردی و غمخواری کی فراوانی نظر آتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یکدم دنیا کی کایا پلٹ گئی ہے اور ہر سمت نیکی، تقویٰ، پارسائی اور خشیت کی حکمرانی اور خدائی رحمتوں اور برکتوں اور فضلوں کی ارزانی ہے —— رمضان کی یہی وہ عظیم الشان برکتیں ہیں جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رحمت، مغفرت، اور حصولِ جنت کا مہینہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ کو اپنے اصحابؓ کو بلوایا۔ جب تمام صحابہؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو گئے تو آپؐ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ
عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ
خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ
فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا. مَنْ
تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ
كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ.
وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ
الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ
يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ. مَنْ فَطَّرَ
فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ وِقَايَةً وَّمَغْفِرَةً
لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ
وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ
يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ. يُعْطِي اللّٰهُ
هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى

اے لوگو! تمہارے پاس عظمت اور برکت والا مہینہ آرہا ہے۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینہ کے روزے فرض کر دیئے ہیں اور رات کا قیام نفل قرار دیا ہے اس میں نفلی عبادت کا ثواب اور دنوں کی فرض عبادت کے برابر ہے۔ یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ مہینہ باہمی غمخواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق بڑھتا ہے جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا اُس کے گناہ بخشے جائیں گے اور وہ آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا اور اس کے روزہ کے برابر ثواب پائے گا بغیر اس کے کہ اُس (غریب) کے ثواب سے کچھ گھٹا دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ یہ ثواب ہر اس شخص کو دے گا جو کسی روزہ دار کو

مُذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ۔ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ۔ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (مشکوٰۃ)

فقط لسّی، کھجور یا پانی کا ایک گھونٹ پلا دے۔ اور جس نے روزہ دار کو کھلا کر سیر کیا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض میں سے ایسا پانی پلائے گا کہ وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہیں ہوگا۔ اس مہینہ کا اوّل حصّہ رحمت، درمیانی حصّہ مغفرت اور آخری حصّہ جہنّم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ہے۔ جو اس مہینہ میں اپنے خادم اور غلام کا کام ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے آگ سے نجات عطا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو رمضان کی عظمت و اہمیت کو سمجھنے اور اس کی عظیم الشان برکات سے صحیح معنوں میں متمتّع ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم قرآنی حکم وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رمضان کی خصوصی عبادات بجا لائیں اور اس طرح اس کے شکر گزار بندے قرار پائیں۔ ہمیں محض اس کے فضل سے پوری شرائط کے ساتھ روزے رکھنے، قرآن مجید کی پورے طور پر تلاوت کرنے، تراویح اور تہجّد کی نمازیں بالالتزام ادا کرنے، انشراح صدر سے صدقہ و خیرات دینے، اعتکاف کی عبادت بجا لا کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اس طرح اس کے مقبول بندوں میں شامل ہونے کی توفیق ملے۔ اور فی الحقیقت اس مہینے کا اوّل حصّہ ہمارے لئے رحمت، درمیانی حصّہ مغفرت اور آخری حصّہ جہنّم سے چھٹکارا دلا کر جنّت کا وارث بنانے کا موجب ثابت ہو اور ہم ہمیشہ ہمیش کے لئے اس کے فضلوں، رحمتوں اور برکتوں کے وارث قرار پائیں۔ آمین اللّٰھم آمین۔

قرآن کو کثرت سے پڑھو!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا قصّہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۱۵۵)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیۂ نفس کے واسطے ضروری ہے

اِس سے کشفی طاقت بڑھتی اور ترقی پذیر ہوتی ہے

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رُوح پرور ملفوظات میں رمضان کی عظمت و اہمیت اور اس کی عظیم الشان برکات پر بہت مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں حضورؑ کے ان ملفوظات کے دو نہایت اہم اقتباسات ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں۔ امید ہے احباب انہیں بہت توجہ اور غور سے مطالعہ فرمائیں گے اور رمضان کی عظیم الشان برکات سے پورے طور پر متمتع ہونے کی کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

---

(۱) "صلوٰۃ کے بعد روزہ کی عبادت ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض مسلمان کہلانے والے ایسے بھی ہیں جو اِن عبادات میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں اور خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آگاہ نہیں۔ تزکیۂ نفس کے واسطے یہ عبادات لازمی پڑی ہوئی ہیں ۔۔۔۔ کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیۂ نفس کے واسطے ضروری ہے۔ اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ بالکل ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اُوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے۔

"روزہ دار کو خیال رکھنا چاہیئے کہ روزہ سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتّل الی اللہ حاصل کرنا چاہیئے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اُس نے روحانی روٹی کی پرواہ نہیں کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں۔" (لیکچر لا الٰہ الّا اللہ صـ۲۳)

(۲) "عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں عبادات مالی اور بدنی۔ مالی عبادتیں تو اُس کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جس کے

پاس نہیں وہ معذور ہے۔ بدنی عبادتیں بھی انسان جوانی ہی میں کر سکتا ہے ورنہ ساٹھ سال کے بعد طرح طرح کے عوارضات لاحق ہو جاتے ہیں۔ نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر نابینائی آجاتی ہے۔ سچ ہے پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اس کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اُسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ موئے سفید ز اجل آورد پیام۔

اس لئے انسان کو چاہیئے کہ حسبِ استطاعت خدا کے فرض بجا لاوے۔ روزہ کے بارہ میں خدا فرماتا ہے اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ۔ یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو اس میں تمہارے لئے بڑی خیر ہے۔

ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملے۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے۔ اور ہر شئے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقت روزہ کی عطا کر سکتا ہے۔

اِس لئے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم رہا جاتا ہوں تو دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا اِن فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اس سے اُس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا۔

اگر خدا چاہتا تو دوسری اُمتوں کی طرح اِس اُمت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمالِ اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اِس مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا اسے محروم نہیں رکھتا اور اس حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کر دے۔

جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت بھی درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا، اس کا دل اِس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جُو نہ ہو تو خدا تعالیٰ ہرگز اُسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کی کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے

اور بیمار ہوگا اور وہ بیمار ہوگا تو ایسا آدمی جو خدا کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے رکھ نہیں سکتا وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہلِ دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش لیتے ہیں اور تکلّفات کو شامل کرکے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہے۔ تکلّفات کا باب تو بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کے رُو سے ساری عمر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے اور روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیّت اور ارادے کو جانتا ہے۔ جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے خدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا اُسے اصلی ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شے ہے۔ حیلہ جو آدمی تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں۔ جب میں نے چھ ماہ کے روزے رکھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاءؑ کا کشف میں ملا اور اُنہوں نے کہا کہ تُو نے کیوں اپنے نفس کو اتنی مشقّت میں ڈالا ہوا ہے تو اس سے باہر نکل۔ اس طرح جب انسان خدا کے واسطے اپنے آپ کو مشقّت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کرکے اُسے کہتا ہے کہ تُو کیوں مشقّت میں پڑا ہے مگر جو تکلّف سے اپنے آپ کو مشقّت سے محروم رکھتے ہیں خدا ان کو دوسری مشقّت میں ڈال دیتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقّت میں پڑتے ہیں ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا اس کے نفس پر شفقت کرے۔ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے لئے جہنّم ہے اور خدا کی شفقت جنّت۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصّہ پر غور کرو۔ جو آگ میں خود گرنا چاہتا ہے اُسے تو وہ خدا آگ سے بچاتا ہے اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ اسلم ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں آوے اس سے انکار نہ کرے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عظمت کے فکر میں خود لگتے تو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظتِ الٰہی کا یہی سرّ ہے۔‘‘

(الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی منظوم کلام

إِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا أَبَا لَكَ يُكْرَمُ

(خدا تعالےٰ کا مقرب ضرور عزت دیا جاتا ہے۔)

فَاللّٰهُ أَرْسَلَنِي لِأُحْيِيَ دِينَهُ — حَقٌّ فَهَلْ مِنْ رَاشِدٍ يَسْتَسْلِمُ

سو خدا نے مجھے بھیجا تاکہ میں اس کے دین کو زندہ کروں — یہ سچ ہے، پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے۔

جُهْدُ الْمُخَالِفِ بَاطِلٌ فِي أَمْرِنَا — سَيْفٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ لَا يَتَثَلَّمُ

مخالف کی کوشش ہمارے مقصد کے خلاف باطل ہے — یہ خدا کی تلوار ہے جس میں رخنہ نہیں ہو سکتا۔

فِي وَجْهِنَا نُورُ الْمُهَيْمِنِ لَائِحٌ — إِنْ كَانَ فِيكُمْ نَاظِرٌ مُتَوَسِّمُ

ہمارے مُنہ میں خدا تعالےٰ کا نُور ظاہر ہے — اگر تم میں کوئی دیکھنے والا ہو!۔

اَلْيَوْمَ يُنْقَضُ كُلُّ خَيْطٍ مَكَائِدٍ — لَيْنٌ سَحِيلٌ أَوْ شَدِيدٌ مُبْرَمُ

آج مکر و فریب کا ہر دھاگہ توڑ دیا جائے گا — وہ ایک ہی تار سے بٹا ہوا نرم ہو یا دو تاروں سے بٹا ہوا مضبوط ہو

مَنْ كَانَ صَوَّالًا فَيُقْطَعُ عِرْقُهُ — يُرْدِيهِ عَالِيَةُ الْقَنَا أَوْ لَهْذَمُ

جو شخص حملہ آور ہو پس اس کی رگ کاٹ دی جائے گی — اور نیزہ کا اُوپر کا سرا یا نیچے کا سرا اس کو ہلاک کر دے گا۔

اَللّٰهُ آثَرَنَا وَكَفَّلَ أَمْرَنَا — فَالْقَلْبُ عِنْدَ الْفِتَنِ لَا يَتَجَمْجَمُ

خدا نے ہمیں چُن لیا اور ہمارے کام کا متکفل ہو گیا — پس دل فتنوں کے وقت متردد نہیں ہوتا۔

مَلِكٌ فَلَا يُخْزَى عَزِيزُ جَنَابِهِ — إِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا أَبَا لَكَ يُكْرَمُ

وہ بادشاہ ہے اس کی جناب کا عزیز کبھی رُسوا نہیں ہوتا — اور مقرب ضرور عزت پا لیتا ہے۔

(حمامۃ البشریٰ)

فارسی منظوم کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ذاتِ پاکت بس است یارِ یکے

(ہمارے لئے تیری پاک ذات ہی دوست کے طور پر کافی ہے)

ذاتِ پاکت بس است یارِ یکے
ہمارے لئے ایک ہی دوست یعنی تیری پاک ذات کافی ہے

دِل یکے۔ جاں یکے۔ نگار یکے
دل بھی ایک ہے۔ جان بھی ایک ہے۔ محبوب بھی ایک

ہر کہ گیرد درت بصدق و حضور
جو صدق اور اخلاص سے تیری چوکھٹ پکڑتا ہے

از در و بامِ او ببارد نور
تو اُس کے در و بام سے نور برستا ہے۔

ہر کہ راہت گرفت کارش شد
جو تیری راہ پر گامزن ہوا اُس کا کام بن گیا۔

صد امیدے بروزگارش شد
اور اُس کی کامیابی کی سَو امیدیں بندھ گئیں

ہر کہ راہِ تو جست۔ یافتہ است
جس نے تیری راہ ڈھونڈی اُس نے پا لیا۔

تافت آں رو کہ سر نتافتہ است
وہ چہرہ نورانی ہو گیا جس نے تجھ سے سرکشی نہ کی۔

و آنکہ از ظلّ قربتِ تو رمید
مگر جو تیرے قرب کے سایہ سے بھاگا

بر درِ ہر کہ رفت ذلّت دید
وہ جس کے دروازہ پر بھی گیا ذلّت دیکھی۔

اے خداوندِ من گناہم بخش
اے میرے خداوند! میرے گناہ بخش

سوئے درگاہِ خویش راہم بخش
اور اپنی بارگاہ کی طرف مجھے رستہ دکھا۔

روشنی بخش در دل و جانم!
میری جان اور میرے دل میں روشنی دے

پاک کن از گناہِ پنہانم
اور مجھے میرے مخفی گناہوں سے پاک کر!

(دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ اوّل)

رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

روزہ کے فوائد

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر میں روزہ کے بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کی برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔ (ادارہ)

"روزوں کی فضیلت اور اس کے فوائد پر لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کے الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ۔ اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مثلاً ایک معنی تو یہی ہیں کہ ہم نے تم پر اس لئے روزے فرض کئے ہیں تاکہ تم اُن قوموں کے اعتراضوں سے بچ جاؤ جو روزے رکھتی ہیں، جو بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرتی رہی ہیں، جو موسم کی شدت کو برداشت کر کے خدا تعالیٰ کو خوش کرتی رہی ہیں۔ اگر تم روزے نہیں رکھو گے تو وہ کہیں گی تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم باقی قوموں سے روحانیت میں بڑھ کر ہیں لیکن وہ تقویٰ تم میں نہیں جو دوسری قوموں میں پایا جاتا تھا۔ غرض اگر اسلام میں روزے نہ ہوتے تو مسلمان دوسری قوموں کے سامنے ہدفِ ملامت بنے رہتے۔ عیسائی کہتے یہ بھی کوئی مذہب ہے اس میں روزے تو ہیں ہی نہیں جن سے قلوب کی صفائی ہوتی ہے، جن کے ساتھ روحانی ساکھ بیٹھتی ہے، جن کے ذریعہ انسان بدی سے بچتا ہے۔ یہودی کہتے کہ ہم نے سینکڑوں سال روزے رکھے لیکن مسلمانوں میں روزے نہیں۔ اسی طرح زرتشتی، ہندو اور دوسری سب قومیں کہتیں اسلام بھی کوئی مذہب ہے اس میں روزے نہیں۔ ہم روزے رکھتے ہیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ غرض ساری دنیا مسلمانوں کے مقابلہ میں آجاتی اور کہتی مسلمانوں میں روزے کیوں نہیں۔ پس فرمایا اے مسلمانو! ہم تم پر روزے فرض کرتے ہیں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم دشمن کے اعتراضات سے بچ جاؤ۔ اگر اسلام میں روزہ نہ ہوتا یا تم روزے نہ رکھتے تو غیر مذاہب والے تم پر جائز طور پر اعتراض کرتے اور تم اُن کی نگاہوں میں حقیر ہو جاتے۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں دوسرا اشارہ اس امر کی طرف کیا گیا ہے کہ اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ روزہ دار کا محافظ ہو جاتا ہے کیونکہ اِتّقاء کے معنی ہیں ڈھال بنانا، وقایہ بنانا، نجات کا ذریعہ بنانا۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم پر روزے رکھنے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنا لو اور ہر شر سے اور ہر خیر کے فقدان سے محفوظ رہو۔۔۔۔۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کے یہ معنی ہوئے کہ تا تم دینی اور دنیوی شرور سے محفوظ رہو۔ دینی خیر و برکت تمہارے ہاتھ سے نہ جاتی رہے یا تمہاری صحت کو نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ بعض دفعہ

روزے کئی قسم کے امراض سے نجات دلانے کا بھی موجب ہوتے ہیں۔

آجکل کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بڑھاپا یا ضعف آتے ہی اس وجہ سے ہیں کہ انسان کے جسم میں زائد مواد جمع ہوجاتے ہیں اور اُن سے بیماری یا موت پیدا ہوتی ہے۔ بعض نادان تو اس خیال میں اس حد تک ترقی کر گئے ہیں کہ کہتے ہیں جس دن ہم زائد مواد کو فنا کرنے میں کامیاب ہوگئے اُس دن موت بھی دنیا سے اُٹھ جائے گی۔ یہ خیال اگرچہ احمقانہ ہے تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تھکان اور کمزوری وغیرہ جسم میں زائد مواد جمع ہونے ہی سے پیدا ہوتی ہے اور روزہ اس کے لئے بہت مفید ہے۔ مَیں نے خود دیکھا ہے کہ صحت کی حالت میں جب روزے رکھے جائیں تو دورانِ رمضان میں بے شک کچھ کوفت محسوس ہوتی ہے مگر رمضان کے بعد جسم میں ایک نئی قوت اور تروتازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ فائدہ تو صحتِ جسمانی کے لحاظ سے ہے مگر روحانی لحاظ سے اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ روزے رکھتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے۔ اسی لئے روزوں کے ذکر کے بعد خدا تعالیٰ نے دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مَیں اپنے بندوں کے قریب ہوں اور اُن کی دعاؤں کو سنتا ہوں۔ پس روزے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی چیز ہیں جو اسے ہر قسم کے دُکھوں اور شرور سے محفوظ رکھتے ہیں۔

پھر روزے کے ذریعہ دُکھوں سے انسان اس طرح بھی بچتا ہے کہ (۱) جب وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کیلئے تکلیف میں ڈالتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کے گناہوں کی سزا سے اُسے بچا لیتا ہے (۲) جب وہ فاقے سے رہ کر بھوک کی تکلیف محسوس کرتا ہے تو اپنے غریب بھائیوں کی خبر گیری کرتا ہے اور اُن کا ہلاکت سے بچنا خود اُسے بھی ہلاکت سے بچا لیتا ہے کیونکہ بعض افرادِ قوم کے بچنے سے آخر میں ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے دنوں میں بہت کثرت سے صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رمضان کے دنوں میں آپ تیز چلنے والی آندھی کی طرح صدقہ کیا کرتے تھے۔ اور درحقیقت یہ قومی ترقی کا ایک بہت بڑا گُر ہے کہ انسان اپنی چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ تمام قسم کی تباہیاں اُسی وقت آتی ہیں جب کسی قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہوجائے کہ اُن کی چیزیں اُنہی کی ہیں دوسروں کا اُن میں کوئی حق نہیں اور اُن سے فائدہ اٹھانے کا حق اُنہی کو ہے جن کو وہ چیزیں دی گئی ہیں۔ دنیا کے نظام کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ میری چیز دوسرا استعمال کرے اور رمضان اس کی عادت ڈالتا ہے۔ روپیہ ہمارا ہے، کھانے پینے کی چیزیں ہماری ہیں، مگر حکم یہ ہے کہ دوسروں کو ان سے فائدہ پہنچاؤ اور کھلاؤ۔ کیونکہ اس سے دنیا کے تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

پھر روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور جو لوگ، ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر

ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتے اور کامیابی حاصل کرتے ہیں ...... روزے قوم میں قربانی کی عادت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ دین کی خدمت کے لئے بالعموم مومنوں کو گھروں سے نکلنا پڑتا ہے اور تبلیغی جہاد میں کھانے پینے کی تکالیف کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرباء کو تو ایسی تکالیف برداشت کرنے کی عادت ہوتی ہے مگر امراء کو اس کی عادت نہیں ہوتی۔ پس روزوں کے ذریعہ اُن کو بھی بھوک اور پیاس کی برداشت کی مشق کرائی جاتی ہے تا کہ جس دن خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے کہ اے مسلمانو! آؤ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو تو وہ سب اکٹھے اُٹھ کھڑے ہوں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں بغیر کسی قسم کا بوجھ محسوس کئے اپنے آپ کو پیش کر دیں۔

پس روزوں کا ایک بہت بڑا فائدہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کو نیکی کے لئے مشقت برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے ..... انسانی آرام انہی چند باتوں میں مضمر ہے کہ وہ کھاتا ہے، وہ پیتا ہے، وہ سوتا ہے، اور وہ جنسی تعلقات قائم رکھتا ہے۔ کسی صوفی نے کہا ہے کہ تصوف کی جان کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا ہے۔ اور رمضان اس تصوف کی ساری جان کا نچوڑ اپنے اندر رکھتا ہے۔ کم سونا آپ ہی اس میں آجاتا ہے کیونکہ رات کو تہجد کے لئے اُٹھنا پڑتا ہے۔ کم کھانا بھی ظاہر بات ہے کیونکہ سارا دن فاقہ کرنا پڑتا ہے اور جنسی تعلقات کی کمی بھی ظاہر ہے۔ پھر کم بولنا بھی رمضان میں آجاتا ہے اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:-

"روزہ یہ نہیں کہ انسان اپنا منہ کھانے پینے سے بند رکھے بلکہ روزہ یہ ہے کہ تو لغو باتیں بھی نہ کرے۔"

پس روزہ دار کے لئے بیہودہ باتوں سے بچنا، لڑائی جھگڑے سے بچنا اور اسی طرح کی اور لغو باتوں سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح کم بولنا بھی رمضان میں آگیا۔ گویا کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور جنسی تعلقات کم کرنا یہ چاروں باتیں رمضان میں آگئیں اور یہ چاروں چیزیں نہایت ہی اہم ہیں اور انسانی زندگی کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ پس جب ایک روزہ دار ان چاروں آرام و آسائش کے سامانوں میں کمی کرتا ہے تو اس میں مشقت برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کے ہر دور میں مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا اور کامیابی حاصل کرتا ہے۔

پھر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں ایک اور فائدہ یہ بتایا کہ روزہ رکھنے والا برائیوں اور بدیوں سے بچ جاتا ہے اور یہ غرض اس طرح پوری ہوتی ہے کہ دنیا سے انقطاع کی وجہ سے انسان کی روحانی نظر تیز ہو جاتی ہے اور وہ ان عیوب کو دیکھ لیتا ہے جو اُسے پہلے نظر نہ آتے تھے۔ اسی طرح گناہوں سے انسان اس طرح بھی بچ جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے روزہ اس چیز کا نام نہیں کہ کوئی شخص اپنا منہ بند رکھے اور سارا دن کچھ نہ کھائے اور نہ پیئے۔ بلکہ روزہ یہ ہے کہ منہ کھانے پینے سے ہی نہ روکا جائے بلکہ اُسے ہر روحانی نقصان دہ اور ضرر رساں چیز سے بھی بچایا جائے۔ نہ جھوٹ بولا جائے، نہ گالیاں دی جائیں، نہ غیبت کی جائے، نہ جھگڑا کیا جائے۔ اب دیکھو زبان

پر قابو رکھنے کا حکم تو ہمیشہ کے لئے ہے لیکن روزہ دار خاص طور پر اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اُس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی شخص ایک مہینہ تک اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے تو یہ امر باقی گیارہ مہینوں میں بھی اُس کے لئے حفاظت کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے اور اِس طرح روزہ اُسے ہمیشہ کے لئے گناہوں سے بچا لیتا ہے۔

پھر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں روزہ کا ایک اَور فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں تقویٰ پر ثباتِ قدم حاصل ہوتا ہے اور انسان کو روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ روزوں کے نتیجہ میں صرف امراء ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتے بلکہ غرباء بھی اپنے اندر ایک نیا روحانی انقلاب محسوس کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے وصال سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ غرباء بیچارے سارا سال تنگی سے گزارہ کرتے ہیں اور بعض دفعہ انہیں کئی کئی فاقے بھی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے ذریعہ انہیں توجہ دلائی ہے کہ وہ اِن فاقوں سے بھی ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے فاقوں کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اُجْزٰی بِہٖ یعنی ساری نیکیوں کے فوائد اور ثواب الگ الگ ہیں لیکن روزہ کی جزاء خود میری ذات ہے اور خدا تعالیٰ کے ملنے کے بعد انسان کو اور کیا چاہیئے۔ غرض روزوں کے ذریعہ غرباء کو یہ نکتہ بتایا گیا ہے کہ اِن تنگیوں میں بھی اگر وہ سینے اور ناشکرے نہ ہوں اور حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں جیسا کہ بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے کیا دیا ہے کہ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں تو یہی فاقے اُن کے لئے نیکیاں بن جائیں گی اور ان کا بدلہ خود خدا تعالیٰ ہو جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے روزوں کو غرباء کے لئے تسکین کا موجب بنایا ...... اگر وہ اِس فقر و فاقہ کی زندگی کو خدا تعالیٰ کی رضاء کے مطابق گزاریں تو یہی انہیں خدا تعالیٰ سے ملا سکتی ہے ..... اس کے مقابلہ میں روزہ امیر لوگوں کے لئے تقویٰ کے حصول کا ذریعہ اِس طرح ہوتا ہے کہ جب ایک انسان جس کے پاس کھانے پینے کے تمام سامان موجود ہوتے ہیں محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے اپنے آپ کو فاقہ میں ڈالتا ہے اور خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کچھ نہیں کھاتا اور جو حلال چیزیں خدا تعالیٰ نے اُسے دی ہیں اُنہیں بھی استعمال نہیں کرتا اُس کے گھر میں گھی، گوشت، چاول وغیرہ کھانے کی تمام ضروریات موجود ہوتی ہیں مگر وہ خدا تعالیٰ کے لئے انہیں ترک کر دیتا ہے تو اُس کے دل میں خود بخود یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب میں نے حلال چیزوں کو بھی خدا تعالیٰ کی رضاء کے لئے چھوڑ دیا ہے تو میں اُن چیزوں کی کیوں خواہش کروں جنہیں خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہوا ہے۔ اِس طرح اُس کے اندر ضبطِ نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کے قدم کو نیکیوں کے میدان میں بڑھاتا چلا جاتا ہے۔"

(تفسیر کبیر سورۃ البقرہ صفحہ ۳۷۵-۳۷۰)

رمضان کی حقیقت

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے)

ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے ساتھ وصال ولقاء کی تڑپ فطرتِ انسانی میں ودیعت کی ہے اور جب تک انسان کی یہ تشنگی دُور نہیں ہوتی اُسے اطمینانِ کامل نصیب نہیں ہو سکتا۔ فطرتِ انسانی کی اس کیفیت کا نقشہ تصویری زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں پیش کیا ہے۔ فرماتا ہے:-

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(الاعراف ع ۲۲)

یعنی اُس وقت کو یاد کر جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے اُن کی اولادوں کو لیا اور اُن کو اپنی جانوں پر گواہ ٹھہرایا اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہاں ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ ہم نے یہ اس لئے کیا تا ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہہ دو کہ ہم تو اس حقیقت سے بالکل ناواقف تھے۔ یا یہ کہہ دو کہ ہمارے زمانے سے پہلے صرف ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا تھا اور ہم اُن کے بعد ایک کمزور نسل تھے۔ کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے فعل کے بدلہ میں ہلاک کریگا جو جھوٹے تھے۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیات و احکام و تعلیمات کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ لوگ اپنی غلطیوں سے لَوٹ کر ہماری طرف رجوع کریں گے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے تصویری زبان میں ایک حقیقت کو بیان کیا ہے ورنہ یہ مراد ہرگز نہیں کہ دنیا کی ابتداء میں کسی وقت تمام ارواح کا اجتماع ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے اس طرح سے سوال کیا تھا۔ اس تمثیلی واقعہ سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک برتر محبوب و معبود ہستی کی تلاش انسانی فطرت میں ودیعت کی ہے اور ہر نبی نے ابتدائے آفرینش سے اپنی اپنی استعداد و قوتِ قدسیہ کے مطابق اس انسانی پیاس کو بجھانے کی کوشش کی اور اس فطرتی جذبہ کو ترقی دے کر انسان کو اللہ تعالیٰ کے عشق کی مے سے سیراب کیا۔ اسی

انسانی سرشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؂

تُو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
جس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں انسان کی وصلِ الٰہی کی پیاس کو بُجھایا۔ آخر ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور آپؐ نے وصلِ الٰہی کی شراب سے انسان کی روحانی تشنگی کو کامل طور پر دُور کردیا۔ چنانچہ آپؐ کے ایک روحانی فرزند نے دنیا میں بر اعلان کیا کہ ؂

رَأَیْنَا مِنْ جَلَالِ اللّٰہِ شَمْسًا
فَاٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا یَقِیْنًا
شَرِبْنَا مِنْ عُیُوْنِ اللّٰہِ مَاءً
بِوَحْیٍ مُشْرِقٍ حَتّٰی رَوِیْنَا

(مسیح موعود علیہ السلام)

یعنی ہم نے اللہ کے جلال کا ایک سورج دیکھا اور ہم یقین کے ساتھ اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تصدیق کی۔ ہم نے اس آفتابِ رسالت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ چشموں سے پانی پیا یعنی اللہ تعالیٰ کی چمکتی ہوئی وحی ہم پر نازل ہوئی یہاں تک کہ ہم سیراب ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل طور پر اس لئے انسان کی روحانی پیاس کو بُجھایا کہ آپؐ نے قربِ الٰہی کے آخری درجات تک رسائی حاصل کی، اُن انتہائی درجات تک جن تک آپؐ سے پہلے کوئی نبی بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ آپؐ کی روح میں اللہ تعالیٰ کی محبّت کی انتہائی تپش پیدا ہوئی اور اِس انتہائی عشقِ الٰہی کے نتیجہ میں آپؐ کے دل میں مخلوقِ خدا کی ہمدردی اور اُن پر شفقت کی تپش بھی انتہائی طور پر پیدا ہوئی جس کا نظارہ اِس سے پہلے دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود دو روحانی تپشوں کا جامع بن گیا، اللہ تعالیٰ کے عشق کی تپش اور مخلوقِ خدا سے ہمدردی و شفقت کی کامل تپش۔

رمضان کا لفظ رَمَضٌ کا تثنیہ ہے۔ رمض کے معنی حرارت، تپش اور گرمی کے ہیں اور رَمَضَان کے معنی دو دو حرارتیں اور دو گرمیاں۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود اِن دو تپشوں (رَمَضَان) کا جامع تھا اور آپؐ نے اِن دونوں محبّتوں کا کامل اور اکمل جلوہ دکھایا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اُمّت کے لئے ایک ماہ مقرر کردیا جس میں آپؐ کے اُمّتی علی حسبِ استعداد آپؐ کے نمونہ پر چلتے ہوئے اِن دو تپشوں (رَمَضَان) کو اپنے دل میں پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن دو محبّتوں کا اِس طرح نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتا ہے :-

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے انتہائی طور پر قریب ہوئے اور قربِ الٰہی کے لازمی نتیجہ کے طور پر پھر مخلوقِ خدا کی طرف انتہائی شفقت کے ساتھ جھکے اور آپ قوسِ الوہیت و قوسِ بشریت میں ایک درمیانی وتر کی طرح ہو گئے بلکہ آپ کا تعلق اس سے بھی قریب تر ہو گیا۔

رمضان اور مندرجہ بالا آیت کریمہ کی دوسری تشریح کے لحاظ سے یہ دو محبتیں اس رنگ میں بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کی اور اس سے قریب ہوئے۔ اس وفورِ محبت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش سے اُتر آیا اور وہ آپ کی طرف دوڑا۔ یہاں تک کہ ان دو محبتوں کا اتصال کامل ہو گیا پس رمضان سے یہ دو محبتیں بھی مراد ہیں یعنی بندے کی محبت اللہ تعالیٰ کے لئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے بندے کے لئے۔

اس لحاظ سے مندرجہ بالا آیت کریمہ کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا اور اس بندہ کو ملنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے اُتر آیا اور قوسِ الوہیت و قوسِ بشریت میں یہ ایک مشترکہ وتر کی طرح ہو گیا بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اس سے بھی قریب کا ہو گیا۔

اسی مضمون کو حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ آتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ کے الفاظ "اَوْ اَدْنٰی" کا مقام انسانی ادراک و سمجھ سے قطعی طور پر بالا ہے۔ حدیث میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اَوْ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ۔

میرے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کے ایسے اوقات بھی آتے ہیں کہ اُن میں کوئی نبی مرسل یا مقرب فرشتہ بھی میرا شریک نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم میں اس "اَوْ اَدْنٰی" کے مقام کو ان الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کہ :۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی طرف وحی کی جو اس نے کی یعنی اس ہم کلامی کے راز کو تم نہیں سمجھ سکتے۔ یہ راز و نیاز تمہارے ادراک سے بالا ہے۔

اسی مقام کو "لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی" کے الفاظ سے بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اُس نے اس مقام میں جو اُس کا انتہائی معراج تھا اپنے رب کے انتہائی حسن و جمال کو دیکھا اور اس کے عظیم ترین نشانات مشاہدہ کئے۔ پھر اسی مقام کو عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی۔ وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی۔

کے الفاظ سے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کلام بڑی ہی شدید قوتوں والے خدا نے اُس پر نازل کیا ہے۔ وہ خدا جس کی قوتیں بار بار ظاہر ہونے والی ہیں اور جو اس وقت اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے اپنی عزت و جلال کی انتہائی بلندی پر جلوہ فگن ہے اور بالغ نظر والے کو آسمانِ روحانی کی بلند ترین کناروں پر اس کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔

پھر اس مقام کو "عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى" کے لفظوں سے بھی ظاہر کیا ہے یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پاکیزگی اور تقدس کے انتہائی مقام کو حاصل کر لیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رَمَضَان کو یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی مخلوق پر شفقت۔ اِن دو تپشوں کو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندہ کی محبت، اور پھر اللہ تعالےٰ کی بندہ پر شفقت۔ اِن دو تپشوں کو بھی کامل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجود باجود میں جمع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو روحانی طور پر اور پھر کامل طور پر رَمَضَان حاصل ہوئیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی دو محبتوں کو اور بھی اجاگر کرنے کے لئے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے سال میں ایک مہینہ مقرر کر دیا اور اس کا نام بھی رَمَضَان تھا۔ چنانچہ رَمَضَان کے لفظ میں یہی بھید ہے کہ اس مہینہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی انتہائی تپش اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور اسی طرح اس کی مخلوق پر شفقت کی تپش بھی اپنے دل میں اجاگر کرتا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی اُس کی طرف دوڑتا چلا آتا ہے ؎

الفت کا تب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

چنانچہ اللہ تعالیٰ رَمَضَان کے سلسلہ میں قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ؕ

یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لئے دو تپشوں یعنی رمضان کے مہینے کو مقرر کیا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے انتہائی محبت کی اور اُس کے بندوں پر رحم کی درخواست کرتے ہوئے اُس نے خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کی تپش کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ نے بھی اُس کے لئے اور اُس کی اُمت کے لئے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور قرآن جیسی نعمت کا نزول اسی مہینہ میں ہی شروع ہوا۔

اس مہینے کو روزوں کا مہینہ مقرر کیا گیا کیونکہ روزہ کے ذریعہ سے بندہ اپنی حیثیت و استعداد کے مطابق اللہ تعالےٰ سے انتہائی مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے پاک ہے۔ اِس مہینے میں بندہ بھی ایک حد تک اپنے آپ کو اِن خواہشات سے بالا کر کے اپنے خدا سے مشابہت پیدا کر لیتا ہے اور اس مشابہت کے واسطے سے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اُجْزٰی بِہٖ -

یعنی حقیقی روزہ یعنی کھانے پینے اور شہوانی تعلقات سے بالا ہونے کا مقام تو در اصل میرا مقام ہے اور جب بندہ میری لقاء کے لئے مجھ سے ایک حد تک یہ مشابہت پیدا کرتا ہے تو اُس کی جزا ئیں خود ہوتا ہوں یعنی بندہ کو مَیں اپنی لقاء عطاء کر دیتا ہوں۔

اسی طرح روزہ کے ذریعہ سے بنی نوع پر شفقت بھی انسان کے دل میں اُجاگر ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اُسے احساس ہوتا ہے کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف یہ ہوتی ہے۔تب اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی مخلوق کی تکالیف کا صحیح احساس پیدا ہونے کی وجہ سے ان تکالیف کو رفع کرنے کا جوش بھی پیدا ہوتا ہے اور وہ انتہائی شفقت کے ساتھ ان پر متوجہ ہوتا ہے۔چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقِ خدا پر بہت سخاوت کرتے تھے اور رمضان کے مہینے میں تو یہ سخاوت اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی تھی اور آپؐ ایک تیز ہوا سے بھی زیادہ جوش اور تیزی کے ساتھ مخلوقِ خدا پر سخاوت کی بارش برساتے تھے۔ایسی تیز ہوا جو کسی رُکاوٹ کو برداشت نہیں کرتی اور اُٹھاکر پرے پھینک دیتی ہے۔اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے مومنوں کو رمضان کے مہینے میں زیادہ سے زیادہ صدقات کرنے کا حکم دیا۔صدقۃ الفطر کو بھی اسی لئے مقرر کیا گیا۔

پس رمضان کے مہینے کے مقرر کرنے اور اس میں روزہ رکھنے کے احکام کو نازل کرنے سے اللہ تعالےٰ کا مقصد یہی تھا کہ خاص طور پر اس مہینہ کو ایک روحانی ڈرل کا مہینہ مقرر کیا جائے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف برق رفتاری سے رجوع کرے اور اس سے ایک گونہ مشابہت اُس کے ساتھ پیدا کرے اور پھر اس کے بندوں پر انتہائی طور پر شفقت کرے اور مہینے کے نام کے مطابق اِن دُو رَمَضَان یعنی دُو محبّتوں کو اپنے اندر پیدا کرے تا اس کے لئے رَمَضَان ایک دوسرے رنگ میں بھی ظاہر ہو کر وہ خدا کی طرف چلے تو اللہ تعالےٰ بمطابق حدیث نبوی اس کی طرف دَوڑ کر آئے اور اس طرح بندہ کی طرف سے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو محبّتوں کا اتصال ہو جائے۔چنانچہ جو شخص رَمَضَان کے مہینے میں ان امور کے حصول کے لئے کامل تقویٰ شعاری اور خلوص نیت کے ساتھ روزے رکھتا ہے جب اللہ تعالےٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ بالکل قریب ہو کر اسے خود جواب دیتا ہے۔شرط صرف یہ ہے کہ پکارنے والا بندہ الدَّاعِ بنے یعنی کامل شرائط کے ساتھ اللہ تعالےٰ کو پکارے۔چنانچہ اسی رَمَضَان اور اس میں روزوں کے احکام کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ

یعنی اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو تُو جواب دے کہ مَیں اُنکے

إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ (البقرۃ ع ۲۳) بالکل ہی قریب ہوں۔ اور جب کوئی دعا کرنے والا میری بیان کردہ کامل شرائط کے ساتھ مجھے پکارتا ہے تو اس کی دعا کا خود جواب دیتا ہوں اور اُسے قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ مجھے پکارنے والے بھی میرے تمام احکام کو قبول کریں اور میری لقاء اور میرے ساتھ تعلق پیدا ہونے اور قبولیتِ دعا پر کامل یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں رمضان کے مہینے کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق دے اور ایسے رنگ میں روزے رکھنے کی توفیق دے کہ روزہ کا حق ادا ہو جائے۔ ہم انتہائی شوق و ولولہ کے ساتھ اپنے خدا کی طرف پرواز کریں اور ہمارا خدا اِس سے بھی بڑھ کر محبت، رأفت اور شفقت کے ساتھ ہم پر رجوع برحمت ہو۔ پھر ہمارے دل اس کی مخلوق پر شفقت و رأفت کے جذبات سے بھی لبریز ہو جائیں تا ہمارے ذریعہ سے اِس دنیا میں ہی جنت کا سماں پیدا ہو جائے اور خدا کی بادشاہت جیسے آسمان پر ہے زمین پر بھی قائم ہو۔

وَآخِرُ كَلِمِنَا حَمْدٌ وَ شُكْرٌ
لِرَبٍّ مُحْسِنٍ ذِي الْامْتِنَانِ

ماہِ رمضان کی عظمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ سے ماہِ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیوں نے اِس مہینے کو تنویرِ قلب کے لئے عمدہ لکھا ہے۔ اِس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ نماز تزکیۂ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلّیٔ قلب ہوتی ہے۔ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے۔ اور تجلّیٔ قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں جن سے مومن خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ میں یہی اشارہ ہے۔"

(الحکم ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

سادہ زندگی

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

(۱)

اسلام ایک سیدھا اور سادہ مذہب ہے جس میں تکلّف و تصنّع کے لئے کہیں گنجائش نہیں۔ تکلّف کی وہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے جہاں کوئی چیز اندر سے کھوکھلی اور حقیقت سے عاری ہو۔ اسے اپنی اصلیت کو چھپانے کے لئے تکلّف کا لبادہ اوڑھنا پڑتا ہے۔ مگر اسلام ایک صداقت ہے جو تکلّفات و تصنّعات سے بے نیاز ہے۔

انبیاء اور مامورین کی زندگی سیدھی اور سادہ زندگی ہوتی ہے۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے۔ جیسے ان کا دل صاف ہوتا ہے ویسے ہی اُن کا کردار بھی پاک ہوتا ہے۔ انہیں نہ تو اپنے کسی قول میں تکلّف کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ کسی فعل میں۔ ان کے سامنے ایک عظیم مقصد ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت۔ بشری مقتضیات سے قطع نظر جو چیز بھی ان میں حارج اور مزاحم ہو اُسے وہ یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، بشری مقتضیات کو پورا کرتے ہیں مگر سیدھے اور سادہ طریق پر بغیر کسی تکلّف و تصنّع کے۔ ظاہری تکلّفات بلندیٔ کردار کا ثبوت نہیں بلکہ کھوکھلے پن کا ثبوت ہوتے ہیں اسی لئے وہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بادشاہت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سادہ ہی رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ مجمع میں بعض اوقات لوگ حضورؑ کو پہچان نہ سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضورؑ بعض خدام کے ہمراہ گورو نانک علیہ الرحمۃ کے چولہ کے ملاحظہ کے لئے گئے تو وہاں لوگ حضور علیہ السلام کی بجائے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحبؓ سے مصافحہ کر کے بیٹھ جاتے اور یہی سمجھتے کہ حضورؑ سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ بعض اور روایتوں میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے دوستوں کے ہمراہ بعض اوقات چارپائی پر پائنتی کی طرف تشریف رکھتے جبکہ دوسرے دوست سرہانہ کی طرف بیٹھے ہوتے۔ ابتداء میں حضورؑ مہمانوں کے ساتھ کھانا مسجد مبارک میں تناول فرماتے چنانچہ حضورؑ اندرون خانہ سے خود کھانا اٹھا کر لاتے اور دوستوں کے آگے رکھتے۔ دوستوں کو جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ بلا تکلّف کہہ دیتے اور حضورؑ بنفسِ نفیس اندر تشریف لیجا کر اُن کے لئے وہ چیز لے آتے۔ ایک بار جبکہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ قادیان سے واپس جا رہے تھے تو حضور علیہ السلام نے اپنی دستار مبارک سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس میں اُن کیلئے کھانا باندھ دیا۔ حضور علیہ السلام اپنے دوستوں کو الوداع کہنے کے لئے بعض اوقات کافی دُور تک اُن کے ہمراہ تشریف لے جاتے۔ غرض حضور علیہ السلام کسی بات میں بھی تکلّف نہ برتتے اور سیدھی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"یاد رکھو بچوں جیسی سادگی جب تک نہیں اُس وقت تک انسان نیکیوں کا مذہب اختیار نہیں کرتا"
(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۰۳)

(۲)

اسلام میں خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے ہر بات میں آسانی پیدا کر دی ہے تاکہ امیر اور غریب سب ہر بات میں برابر کے شریک ہو سکیں۔ نماز ہے تو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ فلاں قسم کا لباس اور فلاں قسم کی پگڑی یا ٹوپی پہن کر آؤ۔ ہاں اجلے کپڑے ہوں خواہ کیسے ہی سادہ اور معمولی کیوں نہ ہوں۔ روزہ رکھنے کے لئے یہ شرط نہیں کہ فلاں قسم کے کھانے سحری کے وقت کھاؤ یا فلاں چیز پر افطاری کرو حتیّٰ کہ عید پر بھی یہ ضروری نہیں قرار دیا گیا کہ فلاں قسم کے کھانے کھاؤ یا فلاں قسم کا لباس پہنو۔ صاف ستھرے کپڑے زیب تن ہوں تو کافی ہے۔

مگر ہم ہیں کہ تکلفاً محض اس خیال سے کہ لوگ کیا کہیں گے بعض اوقات اپنے اُوپر ایسی شرائط عائد کر لیتے ہیں جو ہماری حیثیت سے زیادہ اور بساط سے بڑھ کر ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے ہم خواہ مخواہ زیر بار ہو جاتے اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ حدیث شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے ہی ہو۔ ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ اَوْلَمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَعْضِ نِسَاءِہٖ بِمُدَّیْنِ مِنْ شَعِیْرٍ حضورؐ نے اپنی ایک شادی کے موقعہ پر ایک مُد یعنی پانچ سیر کے قریب جَو سے اپنا ولیمہ کیا مگر اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب تک بڑے پیمانہ پر ولیمہ کا اہتمام نہ کیا جائے اُس وقت تک ولیمہ نہیں ہوتا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے سے بڑا ولیمہ بھی اتنا ہوتا ہو گا جتنے ہمارے ہاں چھوٹے ہوتے ہیں۔ ولیمہ پر دس پندرہ دوستوں کو بلا لینا کافی ہوتا ہے یا جیسا کہ سنّت ہے ایک بکرا ذبح کیا، شوربہ پکایا اور خاندان کے لوگوں میں بانٹ دیا" (خطبہ جمعہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مہر کے متعلق کوئی قید نہ تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم مقرر کر لیتے تھے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر اوقات مہر شادی سے قبل ہی ادا کر دیتے تھے مگر اب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے الفاظ میں:۔

"مہر بھی حد سے زیادہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں عام طور پر ایک ہزار روپیہ مہر ہوتا ہے بعض زیادہ بھی ہیں۔ زیادہ ان حالتوں میں ہیں جن میں عورتوں کو شرعی حصّہ نہیں مل سکتا وہاں پر اتنا ہے کہ وہ کمی پوری ہو جائے۔ مگر یہاں میں نے دیکھا ہے کہ معمولی معمولی آدمی دس دس اور پانچ پانچ ہزار مہر مقرر کرتے ہیں حالانکہ ان کی جائدادیں اور آمدنیاں بہت ہی کم ہوتی ہیں۔ مہر بہرحال حیثیت کے مطابق ہوتا

بچا ہے۔" (خطبہ جمعہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء)

اور مہر کی حد بندی کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں :-

"میں نے مہر کی تعیین چھ ماہ سے ایک سال تک کی آمدنی کی ہے ..... ایک سال کی آمد جو گویا متواتر دس سال کی آمد کا دسواں حصہ ہوتی ہے بیوی کے مہر میں مقرر کر دینا مہر کی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بہت کافی ہے بلکہ میرے نزدیک انتہائی حد ہے۔" (الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۴۲ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"امراء بہت سے فضول خرچ کرتے ہیں جس سے آخر انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر وہ اعتدال کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں تو کچھ حرج نہیں۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۴۰۳)

(۳)

اسی قسم کے تکلفات میں سے ایک فیشن پرستی ہے جو ایک لعنت ہے۔ لباس سے اصل مقصد تن ڈھانکنا ہے اور جس لباس سے یہ مقصد حاصل ہو جائے وہ انسان کے لئے کافی ہے۔ لباس میں خواہ مخواہ کے تکلفات قوم کی یکرنگی اور اتحاد کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں :-

"لباس میں سادگی نہایت ضروری ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لباس میں سادگی نہ ہونے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ امیروں اور غریبوں میں ایک بیّن فرق ہے۔ امیر اپنے کپڑوں کو سنبھالے رہتے ہیں اور ہر وقت انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں کپڑے پر داغ نہ لگ جائے، کہیں میلا نہ ہو جائے اور اس طرح وہ غرباء سے پرے پرے رہتے ہیں۔" (خطبہ جمعہ ۴ فروری ۱۹۳۸ء)

اور فیشن پرستی کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے حضور ایدہ اللہ اسی خطبہ میں فرماتے ہیں :-

"شہری لوگ لباس میں بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور اگر غلطی نہ ہو تو بھی ضرورت سے زیادہ لباس پر خرچ کرتے ہیں حالانکہ لباس کی غرض یہ ہے کہ عریانی نہ ہو اور زینت ہو لیکن عام طور پر لباس کے معنی زینت سے نکل کر فخر اور فیشن کی طرف چلے گئے ہیں۔ بہت سے لوگ دکھانے کے لئے کپڑے بناتے ہیں۔"

وہ لوگ جو فیشن کے مطابق عمدہ لباس کو باعث عزت سمجھتے ہیں غلطی خوردہ ہیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو ہم نے ہمیشہ ایک ہی لباس میں دیکھا اور اپنے تو اپنے غیروں کو بھی ہمیشہ حضور کا احترام کرتے پایا۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ ایسے پاکیزہ بزرگوں کو ہمیشہ سادہ اور یکساں لباس میں ملبوس دیکھا۔ اس سادگی کے باوجود جماعت ان نیک وجودوں کو ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھاتی تھی۔ حضرت مولوی محمد الدین صاحب بی۔اے ناظر تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہ میں سے ایک بہت ہی

نیک سیرت بزرگ ہیں جن کی بلندیٔ کردار، حسنِ اخلاق، پاکیزگی، اخلاص اور بے پناہ جذبۂ خدمتِ دین کی وجہ سے چھوٹے بڑے سبھی عزت کرتے ہیں اور دل سے احترام کرتے ہیں گو آپ نہایت ہی سادہ لباس زیب تن کئے ہوتے ہیں۔ عزت نئے سے نئے فیشن کے کپڑے زیب تن کرنے سے نہیں بلکہ بلندیٔ کردار اور نیکی اور تقویٰ سے ملتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ خدا کی نظر میں اور اسی طرح اس کے نیک بندوں کی نگاہ میں وہی معزز قرار پاتا ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہو۔ پس ہمیں فیشن کی اندھا دھند تقلید کرنے کی بجائے سیرت اور کردار میں حسن پیدا کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

(۴)

اسی قسم کے تکلفات میں سے رسم و رواج کی پابندی بھی ہے جو انسان کے لئے زحمت کا باعث بن جاتی ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان رسم و رواج کی اندھی تقلید کی بجائے ایسے معاملات میں انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر نظر کرے اور یہ دیکھے کہ انہوں نے ان حالات میں کیا طریق اختیار کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو رسم و عادت سے نجات دینے اور سچا اخلاص اور ایمان حاصل کرنے کی یہ راہ بتائی ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یہ سچی بات ہے اس کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ جس نے نبی کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ رسم اور عادت کی غلامی سے انسان اسی وقت نکل سکتا ہے جب وہ عرصہ دراز تک صادقوں کی صحبت اختیار کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۰۲)

پس ہمیں رسم و رواج کی پابندی کی بجائے انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ انسانوں کی پیروی کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے اور انہی کی راہ کو اختیار کرنا چاہیئے اور ہر وقت دیکھنا چاہیئے کہ ایسے مواقع پر ان بزرگوں نے کیا طریق اختیار کیا تھا۔

رسوم و عادات کی پیروی حد درجہ مذموم ہے۔ بعض اوقات ایک نیک اور مستحسن امر بھی جب اسے محض رسم و رواج کے طور پر کیا جائے گناہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ محرم کے دنوں میں امامین کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

"عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ شرک کی رسومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسومات کرنا ناجائز ہے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۹۳)

گویا رسم نے ایک جائز بات کو بھی ناجائز بنا دیا۔ اس لئے ہمیں رسم و رواج کے معاملات میں بھی ہمیشہ محتاط رہنا چاہیئے اور ہر بات میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اِس بارہ میں کیا طریق عمل ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ان امور میں بھی انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاہم اپنے اموال، اپنے اوقات، اور اپنی توجہات کو ان تکلفات میں ضائع کرنے کی بجائے خدمتِ دین میں صرف کر سکیں۔ اللّٰھم آمین +

مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لئے میزان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"افسوس کی بات ہے کہ مسلمان خود شریعت کی توہین کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھو جنہوں نے ان دنوں روزے رکھے ہیں وہ کچھ دبلے نہیں ہوگئے۔ سو جنہوں نے استخفاف کے ساتھ اس مہینہ کو گزارہ ہے وہ کچھ موٹے نہیں ہو گئے۔ ان کا بھی وقت گزر گیا اور ان کا بھی زمانہ گزر گیا۔ جاڑہ کے روزے تھے، صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی۔ سات آٹھ بجے نہ کھائی چار یا پانچ بجے کھا لی۔ باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی اور خدا تعالےٰ کے اس واجب التکریم مہمان ماہ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا۔ اس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک قسم کا معیار تھا اور مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لئے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے۔"

(روئیداد جلسہ دعا ص۱۵)

صحت کو برقرار رکھنے کا ایک بنیادی اصول

معمولاتِ زندگی میں اعتدال پسندی اور اس کی اہمیت!

(ایک فاضل ماہر طبّ ڈاکٹر کے قلم سے)

ہر انسان کا اِس لحاظ سے بھی صحت مند ہونا ازحد ضروری ہے کہ وہ کماحقُّہٗ عبادت کر سکے اور اِس طرح اپنی پیدائش کی غرض کو باحسن وجوہ پورا کر سکے۔ جہاں کماحقُّہٗ عبادت کے لئے صحت ضروری ہے وہاں صحت کو برقرار رکھنے کے لئے عبادت گزاری کو بھی کچھ کم اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ عبادت کرو تا لمبی عمر پاؤ۔

یہ بات کہ عبادت سے عمر لمبی ہوتی ہے طبّی نقطۂ نگاہ سے بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ایک بہت بڑی صداقت پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے جو شخص بھی پوری مداومت کے ساتھ عبادت بجا لانے کی نیّت اور عزم کرے گا وہ اپنی صحت کا پورا خیال رکھے گا اور علی الخصوص زندگی کے جملہ معمولات میں اعتدال پسندی سے کام لیگا۔ معمولاتِ زندگی میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا صحت کو برقرار رکھنے کا ایک بنیادی اصول ہے۔ سب سے پہلے وہ خوراک کے معاملہ میں اعتدال سے کام لے گا کیونکہ اسے احساس ہوگا کہ بسیار خوری صحت کو برباد کر کے اُسے عبادت کے بہت سے قیمتی مواقع سے محروم کر دے گی اِسی طرح وہ سوچے گا کہ اعتدال سے بڑھی ہوئی فاقہ کشی اُسے اتنا لاغر بنا دے گی کہ اُس کے لئے عبادت کی کماحقُّہٗ بجا آوری ناممکن ہو جائے گی۔ یہی حال نیند کا ہے۔ ایک ایسا شخص جو تہجّد کے لئے رات کو اُٹھنا چاہتا ہے وہ لازمی طور پر مناسب مقدار میں غذا کھانے کے بعد اوّلِ شب سونے کی فکر کرے گا تاکہ نیند پوری کر کے آخرِ شب بآسانی بیدار ہو سکے اور پورے اطمینان اور حضورِ قلب کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کر سکے۔ ہمارے احباب نے گزشتہ ماہِ اگست میں اور ستمبر کے اوائل میں ہمارے واجب الاحترام صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی مبارک تحریکِ دعا میں شمولیت کے دَوران جملہ معمولات میں اعتدال پسندی کا عملاً خود تجربہ کیا ہوگا اور اُن مبارک ایّام میں اِس اعتدال پسندی کی بدولت اپنے اندر روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے ایک پُرکیف تر و تازگی اور بشاشت محسوس کی ہوگی۔

جہاں تک خوراک میں اعتدال پسندی کا تعلق ہے اِس ضمن میں ہمارے شہری دوستوں اور علی الخصوص بڑی بڑی شہری جماعتوں کے ذی ثروت احباب کو اِس طرف خاص طور پر بہت توجہ دینی چاہیئے اور بہت زیادہ احتیاط سے کام

لینا چاہیئے۔ شہروں کی پُر آسائش زندگی میں جسمانی محنت و مشقت اور کھُلی ہوا میں سیر و تفریح کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اس لئے خاص کر شہری دوستوں اور ذی ثروت احباب کے لئے بسیار خوری سے اجتناب از بس ضروری ہے۔ دیگر شہروں کی جماعتوں کے بالمقابل کراچی کی جماعت کے دوست خاص طور پر اپنی خوراک کو حدِ اعتدال کے اندر رکھیں۔ گزشتہ چند سالوں میں خوراک کے متعلق جو جدید تحقیقات ہوئی ہے اُس کے نتیجہ میں پتہ چلا ہے کہ بسیار خوری کی وجہ سے خون میں چربی کا جزو دل اور دماغ کی رگوں میں کیمیائی مادہ کا اثر چھوڑ جاتا ہے جسے کولیسٹرول (CHOLESTROL) کہتے ہیں۔ اِس سے خون کی رگیں زخم خوردہ اور تنگ ہو جاتی ہیں۔ آگے چل کر رگوں کے تنگ ہو جانے کی وجہ سے دل پر مختلف عوارض حملہ کرتے ہیں یا پھر دل کی حرکت ہی بند ہو جاتی ہے۔ کم عمر کے لوگ بھی جو خوراک میں اعتدال سے کام نہیں لیتے اِس قسم کے قلبی امراض میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ پھر خوراک میں زیادتی کا ایک اثر موٹاپے کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے جو صحت کی علامت نہیں ہوتا۔ فربہ پن جسم میں توانائی نہیں بلکہ کسل پیدا کرتا ہے۔ ایسے لوگ اکثر ذیابیطس کا شکار ہو جاتے ہیں اور بالعموم لمبی عمریں نہیں پاتے۔

گھی، مکھن، انڈے، اور دیگر مرغن غذائیں بہت کم مقدار میں استعمال کرنی چاہئیں۔ خاص طور پر شہری دوست جنہیں روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ورزش کھیل کود یا سیر گردش کے مواقع میسّر نہیں اِس قسم کی غذاؤں کے بکثرت استعمال سے پرہیز کریں۔ اُن کے لئے بہت ضروری ہے کہ ایسی غذاؤں کا استعمال حدِ اعتدال سے ہرگز تجاوز نہ کرے۔

دیہاتی دوستوں کے لئے بھی خوراک میں اعتدال ضروری ہے لیکن اُن کے اعتدال کی نوعیت مختلف ہے۔ اُنہیں اعتدال کو اِس رنگ میں قائم کرنا چاہیئے کہ اُن کی خوراک متوازن ہو یعنی جسمِ انسانی کی نشو و نما کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن میں سے کسی چیز کی کمی نہ رہے۔ اُنہیں بالعموم زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے اِس لئے اُنہیں بہت زیادہ متوازن غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ خوراک ایسی ہونی چاہیئے جس میں پروٹین اور حیاتین کا توازن برقرار رہے۔ آٹا، گوشت اور سبز ترکاریاں کھانے سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ اگر بعض سبز ترکاریاں کچّی استعمال کی جائیں تو حیاتین کی کمی بڑی حد تک پوری ہو سکتی ہے۔ اِس سلسلہ میں دوست جماعتی طور پر مرکز میں وکالتِ زراعت کی طرف اور اپنے اپنے ضلع میں محکمہ زراعت کی طرف رجوع کر کے مفید مشورے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور صحت کو برقرار رکھنے کی غرض سے اُنہیں ایسے مشورے ضرور حاصل کرنے چاہئیں۔

سبز ترکاریوں کے علاوہ گوشت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ یہ بھی غذا کا ایک اہم جزو ہے۔ اِس ضمن میں گائے اور بکری کے گوشت کے علاوہ مچھلی سے بھی خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ وہی غذا جو جانوروں کے گوشت سے حاصل ہوتی ہے مچھلی سے بھی بطریقِ احسن حاصل ہو سکتی ہے۔ نہروں، دریاؤں اور جوہڑوں میں مچھلی بکثرت

ہوتی ہے لیکن ہمارے مغربی پاکستان کے لوگ اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اُن کی اس طرف توجہ ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو بہت کم۔ سندھ کے علاقے میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ آبپاشی کے نالوں میں بہت کثرت سے مچھلی ضائع ہوتی ہے۔ لوگ مچھلی استعمال نہیں کرتے۔ انہیں مچھلی پکانے اور کھانے کا طریق ہی معلوم نہیں۔ اب تو دنیا کے ممالک سمندر سے غذا حاصل کرنے کی طرف بڑی شد و مد سے متوجہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کا نصف سے زیادہ حصّہ سمندر رہے اور اُس میں انسان کے لئے بکثرت فوائد مضمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں اس طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے جیسا کہ فرمایا وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (النحل آیت ۱۵) یعنی اُس نے سمندر کو بھی تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے تاکہ تم اُس میں سے مچھلی کا تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور کا سامان بھی نکالو جسے تم لوگ پہننے کے کام میں لاتے ہو۔ اور اے مخاطب تو سمندر میں کشتیوں کو پانی پھاڑتے اور زور سے چلتے ہوئے دیکھتا ہے جو اس لئے چلتی ہیں کہ تم سمندری سفر طے کرو اور اُس کے بعض اور فضل بھی تلاش کرو اور تاکہ تم اُس کا شکر ادا کرو۔

کسی وقت ہم بطور جماعت اس طرف ضرور زیادہ متوجہ ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خوراک کے ضمن میں اعتدال پسندی کے نقطۂ نگاہ سے روزہ کی اہمیت بھی واضح ہے۔ اس میں فائدے ہی فائدے ہیں اور کوئی نقصان نہیں۔ رمضان کے روزے ایک ایسی دوا کا حکم رکھتے ہیں جو سارا سال اپنا اثر ظاہر کرتی رہتی ہے۔ بدقسمت ہوگا وہ مسلمان جو ایسی مفید اور دیر تک اثر دکھانے والی روحانی دوا سے مستفید نہ ہوتا ہو۔ اب تو موجودہ دور کے ڈاکٹر روزہ کے فوائد گنتے نہیں تھکتے۔

خوراک کی طرح سونا بھی اعتدال کا ہونا چاہیئے۔ مثل مشہور ہے کم خوردن و کم خفتن و کم گفتن۔ رات اور دن میں چھ گھنٹے کی نیند کافی ہے البتہ بچوں اور نوجوانوں کے لئے آٹھ گھنٹے آخری حد ہے۔ اس سے زیادہ سونا نہیں چاہیئے۔ رات کو جلدی سونا اور معمول کی نیند پوری کرنے کے بعد منہ اندھیرے جلدی اُٹھ جانا صحت کے نقطۂ نگاہ سے بہت ہی مفید ہے۔ خدام کو خاص طور پر علی الصبح اُٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ عمر کی زیادتی کے ساتھ نیند میں قدرتی طور پر از خود کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جلدی اُٹھنا خاص طور پر ہماری جماعت کے ہر فرد کے لئے بہت باعث مسرت ہونا چاہیئے کیونکہ علاوہ جسمانی صحت کے اِس سے عبادت کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ علی الصبح بیدار ہونے سے طبیعت میں چستی اور بشاشت پیدا ہوتی ہے اور انسان اپنے کاروبار اور تعلیم وغیرہ میں بر وقت مصروف ہو جاتا ہے۔ اس بارہ میں بھی ہمارے شہری دوستوں کو زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ دیہات میں تو علی الصبح اُٹھنے کے سوا چارہ ہی نہیں۔

خوراک اور نیند وغیرہ میں اعتدال کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ ہے دانتوں کی صفائی۔ اسلام میں اس

چیز پر بہت زور دیا گیا ہے۔ وضو میں جو ہر روز پانچ مرتبہ کیا جاتا ہے دانتوں کی صفائی شامل ہے۔ اکثر احباب مسنون طریقے پر مسواک استعمال کرتے ہیں۔ مسواک کا طریق برش کے استعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر برش سخت ہو تو بعض حالات میں وہ مسوڑھوں اور دانتوں کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر برش کو استعمال کرنے کے بعد اُسی طرح چھوڑ دیا جائے یا اُسے صاف ستھرا رکھنے میں تمام احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو اُس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ پیلو کی خشک مسواک نرم ہوتی ہے اور بآسانی ہر نماز کے وقت استعمال ہو سکتی ہے۔ سبز شاخ کی مسواک اور بھی بہتر ہے خاص طور پر نیم یا کیکر کی مسواک زیادہ مفید رہتی ہے اور بہت پسند کی جاتی ہے۔ اگر پیلو، نیم یا کیکر کی مسواک دستیاب نہ ہو تو کسی بھی سبز اور نرم شاخ سے دانت صاف کئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر کسی بھی قسم کی مسواک نہ ملے تو انگلی سے دانتوں پر نمک مَل کر ہی دانت صاف کر لینے چاہئیں۔ بہرحال صحت کے نقطۂ نگاہ سے مسواک نہایت ہی ضروری اور حد درجہ مفید چیز ہے۔ اس کی طرف انصار کو خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے اور سختی کے ساتھ ہر ایک کو اسے استعمال کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے۔

مسواک نہ کرنے کے نقصان سے عام طور پر لوگ آگاہ نہیں ہوتے۔ جو غذا ہم کھاتے ہیں اُس کے ذرّات دانتوں کے ساتھ لگے رہ جاتے ہیں۔ رات کو سوتے وقت مُنہ بند رہنے سے یہ ذرّات گل سڑ جاتے ہیں اور ان میں تعفّن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے اثر سے مسوڑھوں میں جراثیم پیدا ہو کر انہیں زخم خوردہ کر دیتے ہیں۔ ان جراثیم کی وجہ سے بالآخر پائیوریا کی شکایت ہو جاتی ہے جس سے تمام عمر چھٹکارا نہیں ہوتا۔ یہ پیپ معدے میں جا جا کر تمام جسم میں سرایت کرتی رہتی ہے۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا اور مختلف قسم کے عوارض مثلاً جوڑوں کا درد اور کمر کی ہڈی کا کُبڑا پن وغیرہ لاحق ہو جاتے ہیں۔ مغربی ممالک کے لوگوں کے بالعموم دانت خراب ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں مسوڑھوں میں بالعموم خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ باریک پسے ہوئے آٹے کی اشیاء از قسم کیک، پیسٹری اور چینی وغیرہ بکثرت استعمال کرتے ہیں اور ہم مُنہ کی صفائی اور کُلّی وغیرہ کرنے میں سُست ہیں۔ ہمیں بہرحال دانتوں اور مسوڑھوں کی صفائی کا بہت خیال رکھنا چاہیئے اور اس طرف خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے۔ دانتوں اور مسوڑھوں کو صحت مند رکھنے کے لئے نوجوانی کے زمانہ سے ہی کم از کم صبح اور شام دو وقت مسواک اور گاہے گاہے کسی مستند ڈاکٹر سے معائنہ اور مشورہ ضروری ہے۔ ہر ڈسٹرکٹ ہسپتال میں ایک ماہر امراض دندان ہوتا ہے اور لاہور کا ڈینٹل ہسپتال تو ایک مثالی ہسپتال ہے۔ دانتوں کے علاج اور مشورہ کے لئے ان سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ گلی کوچوں میں دکانوں پر جو دندان ساز ہوتے ہیں وہ معالج نہیں ہوتے صرف دانت لگانا جانتے ہیں۔ اگر معمولی کُلّی سے دانتوں میں سے خون آنے لگ جائے تو فوراً سمجھ لینا چاہیئے کہ معاملہ علاج طلب ہونے کے باعث کسی مستند ڈاکٹر سے مشورہ ضروری ہے۔ تاہم اگر شروع ہی سے دانتوں کی صفائی اور مسواک وغیرہ کا التزام

رکھا جائے تو کسی مرض میں مبتلا ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ اس لئے شروع ہی سے دانتوں کی صفائی از بس ضروری ہے۔

اسی طرح آنکھوں کی خاطر خواہ حفاظت کی اہمیت بھی ظاہر و باہر ہے۔ آنکھوں کی صفائی بھی دن میں پانچ مرتبہ وضو کرنے سے خود بخود ہوتی رہتی ہے اور گرد و غبار دھل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں گرد و غبار کی کثرت کے باعث ککروں کی شکایت عام ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جسے عمر بھر کبھی اس کی شکایت نہ ہوئی ہو۔ اگر بروقت علاج نہ کیا جائے تو اس کی وجہ سے آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو کر پڑبال وغیرہ امراض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور انجام کار بینائی زائل ہو جاتی ہے۔ بروقت علاج سے یہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔ آنکھوں کی حفاظت کے ضمن میں یہ امر بہت ضروری ہے کہ کام کاج والے لوگ اندھیرے میں آنکھوں پر زور نہ ڈالیں۔ کم روشنی یا اندھیرے میں پڑھنے سے بینائی پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس بارہ میں خاص احتیاط کرنی چاہیئے۔ چالیس سال کے بعد آنکھوں کی پتلیاں اپنی طاقت زائل کر بیٹھتی ہیں۔ لہذا انصار کے لئے اپنی عمر کے مطابق پڑھتے وقت مثبت شیشے کی عینک لگانا ضروری ہے۔

پھر ایک عبادت گزار شخص جسم کی صفائی کے علاوہ ماحول کی صفائی کا بھی بہت خیال رکھتا ہے۔ اسلام میں ماحول کو صاف رکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے اسی لئے شعبۂ ایثار کی طرف سے مکھی اور مچھر کے انسداد کی بہت تلقین کی جاتی ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں نصف کے قریب بیماریاں مکھی اور مچھر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جن کا علاج بسا اوقات بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور روپیہ بھی بہت خرچ کرنا پڑتا ہے لیکن مکھی اور مچھر کا انسداد بہت ہی آسان ہے۔ صفائی کا خیال رکھ کر ان کی افزائش کو بآسانی روکا جا سکتا ہے اور بیماریوں سے محفوظ رہ کر اخراجات کی زیر باری سے بھی بچا جا سکتا ہے۔

جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ کی پاک بستی میں ساٹھ ستر ہزار احباب جمع ہوتے ہیں۔ ان ایام میں ہر ایک مہمان کو یہ واضح طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے کسی فعل سے فضا کے خراب ہونے سے کارکنوں کے لئے کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔ احباب رفع حاجت کے لئے صرف مقررہ جگہوں ہی کو استعمال کریں۔ باہر محلوں، دیواروں، باغیچوں، پہاڑیوں کے گرد و پیش یا دریا کے کنارے پر ہرگز اپنی ضروریات سے فارغ نہ ہوں۔

اسی طرح دیہات میں بھی کھلی جگہ کو استعمال نہ کریں۔ رفع حاجت کے لئے دیہات میں جگہیں مقرر کر کے گڑھے کھود لینے چاہئیں جو کھاد کا بھی کام دیں گے۔ اس طرح مکھی وغیرہ پیدا نہ ہونے سے بہت سی مہلک بیماریوں سے نجات مل جائے گی۔

بیر یاد رکھنا چاہیئے کہ مکھیوں کی افزائش کی وجہ سے معدہ اور انتڑیوں کی خرابی، پیچش، تپ محرقہ اور ہیضہ جیسے مہلک امراض پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے جن سے ہر سال بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ پس ماحول کو صاف رکھ کر مکھی اور مچھر کے انسداد سے ہرگز غفلت نہ برتنی چاہیئے۔

قارئین نے غور فرمایا ہوگا کہ صحت کے اِن اصولوں میں کوئی بھی نئی بات نہیں ہے یہ سب آج سے چودہ سو سال پہلے کے پُر حکمت احکامات ہیں۔ آئندہ بھی یہ سب اصول من وعن قائم رہیں گے۔ حصولِ ثواب کی نیت اور افادۂ عام کی غرض سے احباب کو یاددہانی کرائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہمیں صحت کے اِن اصولوں پر کما حقہٗ کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

حضرت آدم علیہ السّلام کی دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"بعض آدمی ایسے ہیں کہ اُن کو گناہ کی خبر ہوتی ہے اور بعض ایسے کہ اُن کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے استغفار کا التزام کرایا ہے کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے، خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا، اُسے علم ہو یا نہ ہو، ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آجکل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہیئے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ یہ دُعا اوّل ہی قبول ہو چکی ہے۔ غفلت سے زندگی مت بسر کرو۔ جو شخص غفلت سے زندگی نہیں گزارتا ہرگز امید نہیں کہ وہ کسی فوق الطاقت بلا میں مبتلا ہو۔"

(البدر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء)

مردِ وفا سرشت اور پیکرِ محبت و عشق

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مرحوم)

ذیل کا مضمون اُن قابلِ قدر مضامین میں سے ایک ہے جو اُردو ادب کے نہایت لائق مؤلف و مترجم مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مرحوم نے "غلامانِ محمدؐ" کے تذکرۂ جمیل کے سلسلہ میں اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھے تھے۔ اس مضمون میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان خدمات اور آپ کے ایمان افروز حالات پر بہت سادہ اور سلیس زبان میں روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

عامر نام، ابو عمرو کنیت۔ والد کا نام فہیرہ تھا۔ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہ رضؓ کے اخیافی بھائی اور اُمِّ رومان رضؓ کے بیٹے تھے اور قبیلۂ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔

ہر چند کہ رنگت سیاہ تھی اور غلام ہونے کے باعث اہلِ دنیا کی نگاہ میں کسی عزت و توقیر کے مالک نہ تھے لیکن آپ کے سینہ میں ایک ایسا دل تھا جو حق قبول کرنے کے لئے بیتاب اور آمادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی آپ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سُنی اور کلامِ ربانی آپ کے کانوں میں پہنچا آپ ایمان لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تک حضرت ارقم رضؓ بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزین نہ ہوئے تھے۔

اسلام قبول کرنے پر دوسرے کمزور لوگوں اور غلاموں کی طرح حضرت عامر رضؓ کو بھی شدید اذیتیں دی گئیں۔ بدن کو لوہے کی سلاخوں سے داغ دیا گیا۔ تپتی ہوئی ریت پر لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر لٹایا گیا۔ بدن پر بھاری بھاری پتھر رکھے گئے۔ غرضیکہ جو اذیتیں دی جا سکتی تھیں کفار نے آپ کو دیں۔ مگر آپ نے بڑی پامردی، استقلال اور جوانمردی کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کیا اور اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بے حد نرم تھا اور اُن سے غلاموں کی مصیبتیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت عامرؓ کی یہ حالت دیکھی تو اُنہیں بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے بہت سے دیگر غلاموں کی طرح انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

جب آپ آزاد ہو گئے تو شکم پروری کے لئے کام کی ضرورت تھی۔ کفار کے ماتحت کام کرنا آپ کو پسند نہ تھا اور نہ ہی کفار آپ سے کوئی کام لینا چاہتے تھے اس لئے آپ حضرت ابوبکرؓ ہی کی خدمت میں رہے اور اُن کی بکریاں چرانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عامرؓ کو یہ خدمت سپرد کی کہ وہ شام کے وقت بکریاں لے کر غار ثور پر آ جایا کریں۔ چنانچہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں مقیم رہے آپ کا یہ دستور رہا کہ تمام دن مکہ کے چرواہوں کے ساتھ مل کر بکریاں چراتے اور شام کے وقت انہیں غار کے پاس لے آتے۔ یہاں اُن کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا۔ صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ (جو بالعموم رات کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگزشت سنایا کرتے تھے) واپس جاتے تو آپ بکریوں کو اُن کے نشانِ قدم پر سے چلاتے تاکہ سب نشان مٹ جائیں اور مشرکین کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔

جب تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عامرؓ کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھا لیا اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ پہنچ کر آپ حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے مہمان ہوئے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثؓ بن اوس سے آپ کی مواخات کرا دی۔

مہاجرین کو ابتداء میں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ ملیریا بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہؓ کو بھی بخار نے آ لیا اور وہ اتنے سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اُن کے ساتھ حضرت بلالؓ اور حضرت ابوبکرؓ بھی بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی بیمار پرسی کرنے کی اجازت مانگی۔ پردہ کا حکم اُس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ حضورؐ نے مجھے اجازت دے دی۔ چنانچہ مَیں ان بیماروں کی عیادت کے لئے گئی جو اتفاق سے ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ سب سے پہلے مَیں اپنے والد حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچی اور کہا "اباجان آپ کا کیا حال ہے؟" اُس وقت آپ کو سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ میرے پوچھنے پر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

كُلُّ امرئٍ مصبّح فی اهله　　　والموت ادنیٰ من شراك نعله

(یعنی ہر آدمی اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرنے والا ہے اور موت اُس کے جوتے کے تسمے سے

بھی زیادہ قریب ہے۔

مَیں نے اپنے دل میں کہا بخار کی شدّت میں والد کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد عامرؓ بن فہیرہ کے پاس گئی اُن کی مزاج پُرسی کی وہ کہنے لگے:۔

لقد وجدت الموت قبل ذوقہ ان الجبان حتفہ من فوقہ

کلّ امرئ مجاھد بطوقہ کالثور یحمی انفہ بروقہ

مَیں نے موت کا مزا چکھنے سے پہلے ہی اسے پالیا ہے۔ بزدل کی موت اُوپر سے آتی ہے ہر ایک آدمی اپنی طاقت کے موافق جد وجہد کرتا ہے۔ جس طرح بَیل اپنے سینگوں کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتا ہے۔

مَیں نے کہا "عامرؓ بھی اپنے ہوش میں نہیں ہیں"۔۔۔ بلالؓ کو جس وقت زور کا بخار چڑھتا تو وہ یہ اشعار پڑھتے ؎

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بوادٍ وحولی اذخر وجلیل

وھل اردن یومًا میاہ مجنّۃ وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب مَیں وادیٔ مکّہ میں رات گزاروں گا اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل کی خوشبودار گھاس ہوگی۔ اور کاش کوئی دن ایسا بھی میسّر ہوگا جب مَیں مجنّہ کے چشمے سے پانی پیوں گا اور شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں میری نظروں کے سامنے ہوں گی۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ مَیں نے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب حال بیان کیا اور کہا کہ بخار کی وجہ سے کسی کو اپنا ہوش نہیں ہے اور سب بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے اللہ! ہمارے دلوں میں مکّہ کی طرح مدینہ کی محبت بھی ڈال دے بلکہ اس سے زیادہ مدینہ کی آب وہوا کو درست کردے۔ اِس کے مُدّ اور صاع میں برکت ڈال دے اور اِس میں پیدا ہونے والے بخار کو جُحفہ میں منتقل کردے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ مدینہ کی آب وہوا بیماریوں سے پاک ہوگئی اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور دیگر مہاجرین تندرست ہوگئے۔

حضرت عامرؓ بن فہیرہ غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک تھے۔ ان دونوں جنگوں میں انھوں نے اپنی

شجاعت اور مردانگی کے خوب جوہر دکھائے۔

آپ صفر ۴ھ میں بئرِ معونہ کے حادثہ میں شہید ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ صفر ۴ھ میں ایک شخص ابوبراء عامری جو وسط عرب کے قبیلہ بنو عامر کا ایک رئیس تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ اسے اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اس نے بھی بظاہر شوق اور توجہ کے ساتھ آپ کی تقریر کو سُنا مگر مسلمان نہیں ہوا البتہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ چند اصحاب کو نجد کی طرف روانہ فرمائیں جو وہاں جاکر اہلِ نجد میں اسلام کی تبلیغ کریں اور مجھے امید ہے کہ نجدی لوگ آپ کی دعوت کو رد نہیں کریں گے۔ حضور نے فرمایا مجھے تو اہلِ نجد پر اعتماد نہیں ہے۔ ابوبراء نے کہا "آپ ہرگز فکر نہ کریں میں اُن کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہوں۔" چونکہ ابوبراء ایک قبیلہ کا رئیس اور صاحبِ اثر آدمی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے اطمینان دلانے پر یقین کر لیا اور منذرؓ بن عمرو انصاری کی امارت میں ستّر صحابہ کی ایک جماعت نجد کی جانب روانہ فرما دی۔ اس جماعت میں حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حارثؓ بن عمہ اور حرامؓ بن ملحان بھی تھے۔ یہ لوگ سارے کے سارے قاری یعنی قرآن خواں تھے جو دن کے وقت جنگل کی لکڑیاں جمع کر کے اُن کی قیمت پر اپنا پیٹ پالتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارا کرتے تھے۔

جب یہ لوگ اُس مقام پر پہنچے جو ایک کنویں کی وجہ سے "بئرِ معونہ" کے نام سے مشہور تھا تو اُن میں سے ایک شخص حرامؓ بن ملحان جو حضرت انسؓ بن مالک کے ماموں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت اسلام کا پیغام لے کر قبیلہ عامر کے رئیس اور ابوبراء عامری کے بھتیجے عامر بن طفیل کے پاس آگے گئے اور باقی صحابہؓ پیچھے رہے۔ جب حرامؓ بن ملحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے طور پر عامر بن طفیل اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے شروع میں تو منافقانہ طور پر ان کی آؤ بھگت کی لیکن جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے تو اُن میں سے بعض شریروں نے کسی آدمی کو اشارہ کر کے اس بے گناہ ایلچی کو پیچھے کی طرف سے نیزہ کا وار کر کے وہیں شہید کر دیا۔ عامر بن طفیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے قتل پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اُس نے اپنے قبیلہ بنو عامر کے لوگوں کو اکسایا کہ وہ مسلمانوں کی بقیہ جماعت پر حملہ آور ہو جائیں مگر انہوں نے اس بات سے انکار کیا اور کہا کہ ہم ابوبراء کی ذمہ داری کے ہوتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس پر عامر نے قبیلہ سلیم میں سے بنو رعل اور ذکوان اور عصیّہ وغیرہ کو اپنے ساتھ لیا اور یہ سب لوگ مسلمانوں کی اس قلیل اور بے بس جماعت پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمانوں نے جب ان وحشی درندوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُن سے کہا کہ ہمیں تم سے کوئی تعرض نہیں ہے ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک کام کے لئے آئے ہیں۔ تم سے لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ مگر

انہوں نے ایک، نہ کسی اور سب کو مع حضرت عامرؓ بن فہیرہ کے شہید کر دیا۔ صرف دو صحابی بچے ایک کعبؓ بن زید جنہیں کافر مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر در اصل ان میں جان باقی تھی اور ایک عمروؓ بن امیہ ضمری جو اس وقت اونٹوں وغیرہ کو چرانے کے لئے اپنی جماعت سے الگ ہو کر ادھر ادھر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر کفار نے انہیں زندہ گرفتار کر لیا اور بعد میں عامر بن طفیل نے ایک نذر پوری کرنے کے لئے انہیں چھوڑ دیا۔

حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو ایک شخص جبار بن سلمیٰ نے شہید کیا تھا۔ جبار بعد میں مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بیان کیا کرتا تھا کہ میں نے جب عامرؓ بن فہیرہ کو شہید کیا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا "فُزْتُ وَاللّٰہِ" یعنی خدا کی قسم میں تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جبار کہتا ہے کہ میں یہ الفاظ سن کر سخت متعجب ہوا کہ میں نے تو اس شخص کو قتل کیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوں، یہ کیا بات ہے؟ چنانچہ میں نے بعد میں لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان لوگ خدا کے راستہ میں جان دینے کو سب سے بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں۔ اس بات کا میری طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آخر اسی اثر کے ماتحت میں مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ کے واقعہ کا بے حد صدمہ ہوا اور برابر تیس دن تک آپ ہر روز صبح کی نماز میں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ قبائل رعل اور ذکوان اور عصیہ اور بنو لحیان کا نام لے لے کر خدا تعالیٰ کے حضور بددعا کرتے رہے یہاں تک کہ آیت لیس لک من الامر شیءٌ (آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے) نازل ہوئی +

رات اور دن تضرّع میں لگے رہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"کوشش کرو کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہو تو نیک بنو، متّقی بنو، ہر ایک بدی سے بچو۔ یہ وقت دعاؤں سے گزارو۔ رات اور دن تضرّع میں لگے رہو۔"

(البدر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء)

ایک فاضل اجلّ، عالم باعمل اور مستجاب الدعوات بزرگ کا

المناک وصال

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ حادثہ بہت ہی درد انگیز اور المناک ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیمی اور مخلص صحابی فاضل اجلّ، عالم باعمل، علم و عرفان کے بحر بیکراں، مسیح پاکؑ کی قوتِ قدسیہ کے تابندہ نشان، صاحبِ رؤیا و کشوف، توکّل و استغناء اور عجز و انکسار میں ہمہ صفت موصوف حضرت علاّمہ مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۳ء کو ۸۵ سال کی عمر میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا صاحب موصوفؓ اپنے علم و ہدیٰ، زہد و اتّقاء، تعلق باللہ، اور استجابتِ دعا کے لحاظ سے صداقتِ احمدیت کا ایک درخشندہ ثبوت تھے۔ آپ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسیحائی کے نتیجہ میں ایک نئی زندگی سے ہمکنار ہونے کے بعد مسلسل نصف صدی سے زائد عرصہ تک اپنے وجود سے ایک دنیا کو یہ باور کراتے رہے کہ احمدیت جو حقیقی اسلام ہی کا دوسرا نام ہے انسانوں کو باخدا انسان ہی نہیں بلکہ خدا نما انسان بنانے آئی ہے۔ حضور علیہ السلام سے براہِ راست اکتسابِ فیض کے بعد آپ کو علم و معرفت میں وہ کمال حاصل ہوا جس کی بشارت حضورؑ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر ان الفاظ میں دی تھی:-

> "میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"
>
> (تجلیاتِ الٰہیہ)

اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مولانا راجیکی صاحب مرحومؓ غلامانِ مسیح موعودؑ کے اسی مقدس زمرہ کے ایک درخشندہ گوہر تھے۔ آپ نے متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ کر ہزاروں لیکچر دینے کے علاوہ صدہا کامیاب مناظرے کئے اور آریوں، سناتن دھرمیوں، عیسائیوں، دہریوں اور حق کے دیگر مخالفوں

(بقیہ صفحہ ۴۹ پر)

افریقہ میں عیسائیت کے زوال کی وجہ

مشہور امریکی سیّاح وِلارڈ پرائس کا ذاتی مشاہدہ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ستّر سال قبل عیسائیت کے زوال پذیر ہونے اور صلیب کا غلبہ مٹنے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا:-

"اِس عاجز کو اور بزرگوں کی فطرتی مشابہت سے علاوہ ...... حضرت مسیح کی فطرت سے ایک خاص مشابہت ہے اور اسی فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اُترا ہوں اُن پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرے کام کے پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے۔ اور اگر میں چُپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رُکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اُترے ہیں اپنا کام بند نہیں کر سکتے۔ اور ان کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لئے دی گئی ہیں۔" (فتح اسلام)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اِس بشارت کے مطابق علی الخصوص افریقہ کے برِّاعظم میں مخلوق پرستی کی ہیکل جس بُری طرح کچلی جا رہی ہے اور صلیب ٹوٹ ٹوٹ کر پاش پاش ہو رہی ہے اِس کا اعتراف آج یورپ اور امریکہ سے شائع ہونیوالے اخبارات و رسائل میں بڑی کثرت سے منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ نیز افریقہ کی موجودہ صورتِ حال کے متعلق کتابیں لکھنے والے مغربی مصنفین بھی اِس حقیقت کا اعتراف کرنے میں اُن سے پیچھے نہیں ہیں۔ چنانچہ اِس قسم کے متعدد اعتراف ہم قبل ازیں انہی صفحات میں ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ایک اور اہم اعتراف ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ اعتراف اِس لئے خصوصی اہمیّت کا حامل ہے کہ یہ ایک نامور مصنّف کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔

یہ اعتراف ہے مشہور امریکی سیاح وِلارڈ پرائس (Willard Price) کا۔ وہ اب تک مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک کی سیاحت کے بعد چشم دید حالات پر مشتمل دو درجن کے قریب کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ انہیں امریکہ کے اہل قلم سیّاحوں میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور ان کی کتابیں نہ صرف امریکہ میں بلکہ دنیا بھر میں بہت دلچسپی اور شوق

کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ آج سے دو سال قبل انہوں نے برِّ اعظم افریقہ کا ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بہت وسیع دَورہ کیا تھا۔ وہاں کے حالات بچشمِ خود مطالعہ کرکے انہوں نے اپنے مشاہدات اور تاثرات کو کتابی شکل میں "Incredible Africa" (ناقابلِ یقین افریقہ) کے نام سے شائع کیا۔ ان کی یہ کتاب پہلی بار لندن سے شائع ہوئی جیسے وہاں کے اشاعتی ادارہ ولیم ہینے من لمیٹڈ (William Heinemann Ltd.) نے شائع کیا۔ کتاب بہت مقبول ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی۔ اگلے ہی سال یعنی ۱۹۶۳ء میں اسے دوبارہ شائع کرنا پڑا۔ اس میں انہوں نے افریقہ میں عیسائیت کی ناکامی اور اسلام کی روزافزوں ترقی پر بھی روشنی ڈالی ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:-

"کیا سفید نسل کے لوگوں کا دَور اب افریقہ میں یکسر ختم ہوچکا ہے اور ان کے لئے اب وہاں کسی لحاظ سے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے؟

یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ اب افریقہ پر وہاں کی اکثریت ہی حکومت کرے گی اور کون نہیں جانتا کہ وہاں اکثریت سیاہ فام لوگوں ہی کی ہے۔

کیا افریقہ جدید کے رنگدار حکمرانوں میں اپنے سابق آقاؤں کے متعلق حقارت کا جذبہ اس قدر گہرا ہے کہ وہاں یورپ اور امریکہ کے لئے ہر قسم کی کارفرمائی کے دروازے بالکل بند ہوجائیں گے؟ سو جاننا چاہیئے کہ وہاں ہر نو آزاد ملک میں سب سے پہلے جو جذبہ اُبھر کر بروئے کار آتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ اوّلاً تمام غیرملکیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ مراکش میں اوّل دن سے ہی فرانسیسی افسروں کو ہٹا کر مراکشی افسر اُن کی جگہ مقرر کئے جا رہے ہیں حتیٰ کہ امریکہ سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے اڈے ختم کردے چنانچہ وہ ایسا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ گنی نے فرانسیسی آبادی کو صرف اتنی مہلت دی کہ وہ آٹھ یوم کے اندر اندر وہاں سے چلے جائیں۔ کانگو نے قتل و غارت کے بل پر بلجیمی باشندوں کو وہاں سے مار بھگایا۔ ایسے ظالمانہ اور بہیمانہ قتلِ عام کی افریقہ کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اور تو اور عیسائی مشنری جو مقامی آبادی کے سب سے زیادہ پُرزور حامی اور ایک طرح سے اُن کے محافظ تھے جنہوں نے سکول جاری کئے، مغربی طریق علاج اور ادویہ کو رواج دیا، مشرکانہ رسم و رواج کے بالمقابل مسیحی نظریات سے انہیں روشناس کرایا انہیں بھی دوسرے سفید فام لوگوں کے ساتھ نکال دیا گیا۔

بنابریں اسلام افریقہ میں عیسائیت کی نسبت تین گنا زیادہ تیز رفتاری سے پنپ رہا ہے۔ باہر کے کسی مذہب کو قبول کرنے کا سوال ہو تو اہل افریقہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ اس بارہ میں مسلمانوں کی طرف رجوع کریں جن کا بجز اپنے مذہب کی اشاعت کے افریقہ کے ساتھ اَور کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ یورپین آبادکاروں کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں بائبل تو دیتے

رہے لیکن ساتھ کے ساتھ اِس کے عوض میں ہمیں ہماری زمینوں سے محروم کرتے رہے۔

عیسائی مُنّاد بلی گراہم نے افریقہ کے دورہ سے واپس آکر وہاں عیسائیت کے زوال کی پیشگوئی کی ہے اور کہا ہے کہ وہ وقت آنیوالا ہے کہ جب عیسائیوں کو جان بچانے کے لئے غاروں اور زمین دوز خفیہ مقامات میں پناہ لینی پڑے گی۔" (نافی بالیقین افریقہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰)

مسٹر ولارڈ پرائس نے کتاب مذکور کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر افریقہ کے مناظر کی بہت دلکش تصاویر کو بھی جگہ دی ہے۔ ان میں سے تصویر نمبر ۳۰ شمالی نائیجیریا کے شہر کانو کی ایک مسجد کی ہے۔ اُس کے نیچے انہوں نے وضاحت کے طور پر جو عبارت درج کی ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے:-

"مسجد کے ایک مینار سے بہت دلکش آواز بلند ہوکر وفا شعار مسلمانوں کو نماز کے لئے بلاتی ہے۔ یہ وفا شعار مسلمان عرب باشندے نہیں ہیں (جو باہر سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہوں) بلکہ یہاں کے سیاہ فام ہوسا قبائل کے لوگ ہیں جنہیں مبلغینِ اسلام نے اسلام میں داخل کیا ہے۔ افریقہ میں اسلام عیسائیت کی نسبت تین گنا زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔"

مسٹر ولارڈ پرائس نے افریقہ میں عیسائیت اور اسلام کے مابین لڑی جانیوالی روحانی جنگ کے متعلق جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان سے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ افریقہ میں عیسائیت بُری طرح ناکام ہو رہی ہے اور اس کی بجائے اسلام دن بدن غالب آ رہا ہے، قابلِ غور امر یہ ہے کہ انہوں نے عیسائیت کی ناکامی کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ وجوہات جیسا کہ خود انہوں نے ان کی جانب اشارہ کیا ہے ایسی ہیں کہ جن سے یہ حقیقت خود بخود مبرہن ہو جاتی ہے کہ اوّلاً افریقہ میں عیسائیت کیسے داخل ہوئی اور وہاں اِس کے داخل ہونے کا مقصد کیا تھا۔ عیسائیت وہاں پیاسی روحوں کو تسکین دینے نہیں پہنچی تھی اور نہ وہ تسکین دے سکتی تھی۔ وہ وہاں مغربی استعماریت کے آلۂ کار کے طور پر اُس کے پاؤں جمانے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی غرض سے جا براجمان ہوئی تھی۔ اہلِ افریقہ روحانی تسکین کی خاطر نہیں بلکہ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبہ و استیلاء سے مرعوب ہوکر طوعاً و کرہاً اس کے دامِ تزویر میں پھنستے چلے گئے استعماریت کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں اور ان کی اپنی بے بسی دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ بالآخر ایک صدی گزرنے کے بعد نیشنلزم کی بڑھتی ہوئی رَو اور بین الاقوامی حالات کے زیرِ اثر استعماریت کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں اور بالآخر اسے براعظم افریقہ سے اپنا بستر بوریا اٹھا کر رخصت ہونا پڑا۔ اب اِس کے رخصت ہونے کے ساتھ مذہب کے روپ میں اس کے سیاسی آلۂ کار یعنی عیسائی مشنوں کو بھی وہاں سے اپنا بوریا بستر اٹھانا پڑ رہا ہے۔ وہ افریقی باشندے جنہوں نے حالات سے مجبور ہوکر عیسائیت قبول کر لی تھی اب ان کی آنکھیں کھل رہی ہیں کہ جسے انہوں نے مذہب کے طور پر قبول کیا تھا وہ تو دراصل بھیڑ کے لباس میں

خون چوسنے والا بھیڑیا تھا۔ اسی لئے اب وہ عیسائیت کو خیر باد کہہ کر اپنی روحانی تسکین کیلئے اسلام کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں۔

رہی ڈاکٹر بلی گراہم کی یہ پیشگوئی کہ افریقہ میں عیسائیت زوال پذیر ہوتی چلی جائیگی سو یہ ایک نامی گرامی عیسائی منّاد کی طرف سے اعترافِ حقیقت کی زبردست مثال ہے کیونکہ عیسائیت فی الحقیقت وہاں زوال پذیر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جو چیز واضح حقیقت کا درجہ رکھتی ہو اسے پیشگوئی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ اس حقیقت کا خود مشہورِ عالم عیسائی منّاد کی طرف سے اعتراف عیسائیت کی ناکامی پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے اور دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے آج سے ستّر سال قبل عیسائیت کے انتہائی عروج کے زمانہ میں اس کے غلبہ کے ٹوٹنے اور ناپید ہونے کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی تھی وہ آپکی صداقت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ ڈاکٹر بلی گراہم کا یہ کہنا کہ ظلم و تشدّد کی وجہ سے افریقہ میں عیسائیوں کو جانیں بچانے کے لئے غاروں اور زمین دوز سرنگوں وغیرہ میں پناہ لینی پڑیگی انتہا درجہ کی مبالغہ آمیزی ہے۔ ان کا یہ بیان اسلام اور اہلِ افریقہ کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کا درجہ رکھتا ہے۔ ایسا کچھ ظہور میں آنا اسلئے ممکن نہیں ہے کہ اسلام اپنے روشن دلائل اور نہایت درجہ قابلِ عمل تعلیم کی وجہ سے اہلِ افریقہ کے دل فتح کرتا چلا جائیگا یہاں تک کہ پورے براعظم پر غالب آجائے گا۔ جب تمام اہلِ افریقہ کے شرحِ صدر کیساتھ اسلام قبول کر لینے سے وہاں عیسائی ہوں گے ہی نہیں تو غاروں وغیرہ میں انکے پناہ لینے کا سوال ہی کیسے پیدا ہوگا۔ اور اگر غالب اکثریت کے مسلمان ہو جانے کے بعد کچھ لوگ عیسائیت پر قائم رہے بھی تو بھی انہیں جانیں بچانے کے لئے غاروں وغیرہ میں پناہ لینے کی ضرورت پیش نہ آئیگی کیونکہ اسلام اقلیتوں کیساتھ مساویانہ بنیادوں پر انتہائی رحم دلانہ اور مشفقانہ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں یقیناً پورے پورے شہری اور مذہبی حقوق حاصل ہوں گے۔ دراصل ڈاکٹر بلی گراہم عیسائیت کے زوال سے جو ظاہر و باہر ہے بہت خوفزدہ ہیں۔ اور خود عیسائیت کے اپنے کردار اور معیار کی رو سے اُس کا جو حشر ہونا چاہیئے وہ انکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

بہرحال عیسائیت کے زوال کے متعلق مسٹر والارڈ پرائس کا مندرجہ بالا اعتراف اور ڈاکٹر بلی گراہم کا خوف و ہراس اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح دنیا پر عیاں کر رہا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے آج سے ستّر سال قبل عیسائیت کے زوال کے متعلق پیشگوئی کے رنگ میں جو بشارت دی تھی وہ آج بڑی شان کے ساتھ پوری ہو رہی ہے۔ حالات کا از خود پلٹا کھا کر افریقہ میں عیسائی طاقتوں کے غلبہ و استیلاء کو ختم کر دینا اور اسکے نتیجے میں عیسائیت کے دن بدن زوال پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں بڑی تیز رفتاری کیساتھ اسلام کا غالب آتے چلے جانا اس امر پر دال ہے کہ فی الحقیقت وہ فرشتے جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ساتھ دائیں اور بائیں آسمان سے اُترے تھے اپنا کام کرنے میں برابر مصروف ہیں۔ وہ گرزیں چلا چلا کر مخلوق پرستی کی ہیکل کو کچل رہے ہیں اور مستعد دلوں میں داخل ہو ہو کر انہیں اسلام کی طرف لا رہے ہیں۔ وہ برابر اس کام میں مصروف رہیں گے یہاں تک کہ اسلام افریقہ میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں غالب آ کر تمام بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لا جمع کریگا۔ اُسوقت دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ یہ خدائی تقدیر ہے جو بہرحال پوری ہو کر رہیگی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے بدل نہیں سکتی۔ ؎

قضائے آسمان است ایں بہرحالت شود پیدا

بچوں کا صفحہ

انوکھی مَنّت

(محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی۔ لاہور)

عرب میں قریش کی قوم سب سے زیادہ معزّز تھی اور قریش میں بنی ہاشم کا قبیلہ سب سے شریف سمجھا جاتا تھا۔ عبدالمطلب بن ہاشم اُس قبیلے کے رئیس اور مکّہ کے سردار تھے۔ کعبہ کے متولّی ہونے کی وجہ سے تمام عرب اُن کی عزّت کرتا تھا۔

عبدالمطلب نے ایک دفعہ ایسی عجیب وغریب مَنّت مانی کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے آج تک شاید کسی نے نہ مانی ہوگی۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر میرے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور سارے میرے سامنے جوان بھی ہو گئے تو میں اُن میں سے ایک بیٹے کو خدا کے نام پر قربان کر دونگا۔

اللہ تعالےٰ کی قدرت عجیب ہے کہ اُن کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور دسوں ہی اُن کی زندگی میں جوان ہو گئے۔ مَنّت مانتے وقت تو عبدالمطلب کو کچھ بھی خیال نہ تھا۔ مگر جب اُسے پورا کرنے کا وقت آیا تو وہ بڑے سٹ پٹائے۔ لیکن آدمی بات کے سچّے اور دل کے پکّے تھے۔ سارے بیٹوں کو خانہ کعبہ میں لے گئے تاکہ حسبِ وعدہ اُن میں سے ایک کو قربان کر دیں۔

کعبہ میں پہنچ کر انہوں نے قُرعہ ڈالا تو وہ اُنکے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ اُن کی عمر اگرچہ ابھی صرف سترہ برس کی تھی مگر سارے بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق اور نیک تھے۔ علاوہ ازیں صورت شکل کے لحاظ سے بھی اپنے سب بھائیوں سے بہتر تھے۔ اِس وجہ سے عبدالمطلب کو اُن سے بہت محبت تھی۔ ویسے بھی چھوٹی اولاد سے عام طور پر والدین کو زیادہ محبّت ہوا ہی کرتی ہے۔ اِس لئے جب عبداللہ کے نام قُرعہ نکلا تو عبدالمطلب قدرتاً بہت گھبرائے مگر بہرحال اُنہوں نے مَنّت پوری کرنی چاہی۔

اِتنے میں قریش کے بہت سے آدمی کعبہ میں جمع ہو گئے۔ جب اُنہوں نے یہ قصّہ سُنا تو عبدالمطلب سے کہنے لگے " ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اتنا لائق نوجوان اِس طرح موت کی نیند سُلا دیا جائے۔ آپ یہ کام کریں کہ دس اونٹوں پر اور عبداللہ پر قُرعہ ڈالیں۔ اگر قُرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا تو اُنہیں ذبح کر ڈالیں۔

چنانچہ دوسری دفعہ قُرعہ ڈالا گیا مگر اُس وقت بھی وہ عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ لوگوں نے پھر کہا کہ اچھا اب بیس اونٹوں اور عبداللہ پر قُرعہ ڈالو لیکن اُس مرتبہ بھی قُرعہ میں عبداللہ ہی کا نام آیا۔ قوم کے بار بار اصرار سے عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کرکے قُرعہ ڈالتے رہے مگر ہر بار قُرعہ عبداللہ

کے نام ہی نکلتا رہا۔ آخر جب تعداد ایک سو اونٹوں تک پہنچ گئی اُس وقت قُرعہ اونٹوں کے نام نکلا یہ دیکھ کر عبدالمطلب نہایت خوش ہوئے۔ مگر انہوں نے مزید اطمینان کے لئے دوبارہ قُرعہ ڈالا۔ اُس وقت بھی وہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔

اِس کے بعد انہوں نے انتہائی مسرت کے ساتھ عبد اللہ پر ایک سو اونٹ قربان کر دئیے۔ یہی عبداللہ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد تھے۔

مُلکِ رُوحانی کی شاہی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مُلکِ روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر .. گو بہت دُنیا میں گزرے ہیں امیر و تاجدار

داغِ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عزّ و جاہ .. جس کا جی چاہے کرے اِس داغ سے وہ تن فگار

کام کیا عزّت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض .. گر وہ ذلّت سے ہو راضی اُس پہ سو عزّت نثار

ہم اُسی کے ہو گئے ہیں جو ہمارا ہو گیا .. چھوڑ کر دنیائے دُوں کو ہم نے پایا وہ نگار

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ ربّ العالمیں

قُرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

(دُرِّ ثمین)

اہم مرکزی اعلانات

انصار اللہ کی ماہانہ رپورٹیں!

بعض مجالس قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنے، درس دینے، نماز باجماعت ادا کرنے، ناخواندہ اصحاب کو پڑھانے اور سلسلہ کی کتب کے مطالعہ وغیرہ کی تلقین ایسے نیک کام کرتی رہتی ہیں اور ایسے کام قریباً ہر مجلس میں جاری ہیں لیکن مجالس اپنی نیک مساعی کی اطلاع باقاعدہ ہر ماہ مرکز کو نہیں بھجواتیں۔ چنانچہ اس وقت تک ماہ دسمبر کی رپورٹیں بعض مجالس کی طرف سے ہمیں نہیں پہنچیں۔ عہدیداران سے گزارش ہے کہ وہ اپنی اولین فرصت میں دسمبر کی رپورٹ کارگزاری بھجوادیں۔

کارگزاری کی رپورٹ مطبوعہ فارم پر آنی چاہیئے۔ جن مجالس کے پاس فارم نہ ہوں وہ خط لکھ کر دفتر سے منگوا سکتی ہیں۔ (قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

انسپکٹران انصار اللہ کا دورہ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے انسپکٹر مکرم چوہدری محمد یعقوب خان صاحب و مکرم محمد بشیر صاحب علی الترتیب ضلع سیالکوٹ، گوجرانوالہ و ضلع منٹگمری، ضلع مظفر گڑھ، ضلع ڈیرہ غازیخان کا دورہ ۱۰ر جنوری ۱۹۶۴ء سے کر رہے ہیں مذکورہ بالا اضلاع کی مجالس انصار اللہ کے عہدیداران سے گزارش ہے کہ وہ ہر دو انسپکٹر صاحبان سے پورا پورا تعاون فرماویں۔ دورہ کی ایک غرض ماہنامہ انصار اللہ کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ (قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کا المناک وصال - بقیہ صفحہ کے فی الحقیقت منہ بند کر دیئے۔ آپ کا درِ فیض نصف صدی سے زائد عرصہ تک مرجع خاص و عام بنا رہا۔ ایسے فاضلِ اجل، عالمِ باعمل اور مستجاب الدعوات بزرگ کا وصال ایک بہت بڑا قومی نقصان ہے جس کی تلافی خدا تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

ادارہ "انصار اللہ" حضرت مولانا مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ، صاحبزادگان اور دیگر افرادِ خاندان نیز جملہ احباب جماعت سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دردمند دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے آپ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے خاص مقامِ قرب سے نوازے۔ اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدائی انوار و برکات کو اپنے اندر جذب کرنے اور علم و معرفت میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم نسلاً بعد نسلٍ مذکورہ بالا آسمانی بشارت کے مصداق بنتے چلے جائیں اور اپنی سچائی کے نور اور دلائل اور نشانوں کی رو سے دنیا میں صداقت کو پھیلانے اور ہر قوم و نسل کے لوگوں کو فیض پہنچانے کا وسیلہ قرار پائیں۔ آمین اللّٰھم آمین۔

مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ برائے ۱۹۶۴ء

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

مجالس انصار اللہ کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری سے یکم جنوری ۱۹۶۴ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء تک کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب کو مجلس عاملہ مرکزیہ کا رکن مقرر کیا گیا ہے۔ مجالس و اراکین تعاون فرماویں۔

اراکین خصوصی :-

۱۔ محترم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے

۲۔ محترم سید ولی اللہ شاہ صاحب

۳۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

اراکین عمومی :-

۱۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب	نائب صدر
۲۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے	قائد عمومی
۳۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس	قائد تعلیم
۴۔ مکرم مولوی ابو العطاء صاحب	قائد تربیت
۵۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب	قائد مال
۶۔ مکرم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب	قائد ذہانت و صحت جسمانی
۷۔ مکرم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب	قائد ایثار
۸۔ مکرم حبیب اللہ خان صاحب	قائد تجنید
۹۔ مکرم مسعود احمد خاں صاحب دہلوی	قائد اشاعت
۱۰۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب	قائد اصلاح و ارشاد

(خاکسار۔ مرزا ناصر احمد صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

نمازیں عمدہ طرح سے پڑھا کرو اور روزہ صدق سے رکھو

ایک روز چند احباب بیعت کر چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :-

'' پانچوں نمازیں عمدہ طرح سے پڑھا کرو ، روزہ صدق سے رکھو ، اور اگر صاحب توفیق ہو تو زکوۃ ، حج وغیرہ اعمال میں بھی کمربستہ رہو اور ہر قسم کے گناہ اور شرک اور بدعت سے بیزار رہو ۔

اصل میں گناہ کی شناخت کے اصول صرف دو ہی ہیں اول حق اللہ کی بجا آوری میں کمی یا کوتاہی ، دوم حق العباد کا خیال نہ کرنا ۔ اصل اصول عبادت بھی یہی ہیں کہ ان دونوں حقوں کی محافظت کما حقہ کی جاوے اور گناہ بھی انہیں میں کوتاہی کرنے کا نام ہے ۔ اپنے عہد پر قائم رہو اور جو الفاظ اس وقت تم نے میرے ہاتھ پر بطور اقرار زبان سے نکالے ہیں ان پر مرتے دم تک قائم رہو ۔ انسان بعض اوقات دھوکہ کھاتا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے لئے توبہ کا درخت بو لیا ہے اور اس کے پھل کی امید رکھتا ہے ۔ یا سمجھتا ہے کہ ایمان میں نے حاصل کر لیا ہے اور اس کے نتائج مترتب ہونے کا منتظر ہوتا ہے ۔ مگر اصل میں وہ خدا کے نزدیک نہ تائب اور نہ سچا مومن کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ جو چیز اللہ تعالی کی پسندیدگی اور منظوری کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو وہ چیز اس کی نظر میں ردی اور حقیر ہوتی ہے ، اس کی کوئی قدروقیمت خداتعالی کے نزدیک نہیں ہوتی ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جب تک کوئی چیز اس کی پسندیدگی میں نہ آوے تب تک اس کی نظر میں ایک ردی محض اور بے قیمت ہوتی ہے ۔ تو جب انسان کا یہ حال ہے تو خدا تو قدوس اور پاک اور بے لوث ہستی ہے وہ ایسی ردی چیز کو اپنی جناب میں کب منظور کرنے لگا ؟

دیکھو یہ دن ابتلاء کے دن ہیں ، وبائیں ہیں قحط ہے ، غرض اس وقت خداتعالی کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے ۔ ایسے وقت میں اپنے آپ کو دھوکہ مت دو اور صاف دل سے اپنی کوئی پناہ بنا لو ۔ ،،

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

ڈائٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ہؤا

جلد ۵ فروری ۱۹۶۴ء شمارہ ۲

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

فروری سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ۔ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

کروڑوں اسیروں کی عدیم النظیر رستگاری	ایڈیٹر	۳
پیشگوئی مصلح موعود کا دوسرا مہتم بالشان پہلو	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۵
تبتّل الی اللہ (عربی نظم)	" " "	۱۷
در مدح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فارسی نظم)	" " "	۱۸
"میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں"	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۹
تفسیر آیات	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	۲۲
مصلح موعود کا مثالی بچپن	مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے	۲۵
"وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا"	مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل کراچی	۲۹
مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا ایک کشف	ایڈیٹر	۳۷
غلامانِ محمدؐ (نظم)	مکرم شیخ روشن دین صاحب تنویر	۴۲
بچوں کے صفحات:۔		
بچے کا پہلا سفر	محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	۴۳
خدا تعالیٰ کی عظمت کے کرشمے (نظم)	درِ ثمین	۴۴
مجالس انصار اللہ کے لئے سالانہ ہدایات	مکرم قائد صاحب عمومی	۴۵

طابع و ناشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ۔ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی ۔ ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۵ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ شمارہ ۲

فروری ۱۹۶۴ء

مصلح موعود کی ایک عظیم الشان ظاہری برکت

کروڑوں اسیروں کی عدیم النظیر رستگاری

۲۰ر فروری کا دن اسلام کی تاریخ میں ایک انتہائی اہم اور مبارک دن ہے۔ کیونکہ آج سے ۷۸ سال قبل عین اس تاریخ یعنی ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر وہ عظیم الشان پیشگوئی شائع فرمائی جو عرفِ عام میں "پیشگوئی مصلح موعود" کے نام سے موسوم ہے۔ اس پیشگوئی کے رُو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تضرعات کو سُن کر اور ہوشیارپور کے مقام پر کی گئیں آپ کی چالیس روزہ دعاؤں کو پایۂ قبولیت جگہ دے کر ایک عظیم الشان صفات والے اولوالعزم فرزند کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ اولوالعزم فرزندِ موعود خدا کے سایہ میں پرورش پا کر جلد جلد بڑھے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا میں دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کر دکھائے گا، وہ بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا، اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی، الغرض اُس کے وجود سے اسلام کو دنیا میں وہ سربلندی اور وہ عظمت و رفعت اور وہ شان و شوکت نصیب ہوگی کہ اسلام کی تمام مخالف طاقتیں لرزہ براندام ہو کر رہ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہامِ خاص کے ذریعہ آپ کو جو بشارت دی اُس کے الہامی الفاظ ایک اشتہار میں شائع کرتے ہوئے آپ نے رقم فرمایا:۔

"بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہٖ عزّ و جلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا

نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے، فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے، اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو، اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے، اور تا لوگ سمجھیں کہ مَیں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اُس کی کتاب اور اُس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ صلعم کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھُلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا، ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا...... اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اِس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کأنّ اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وکان امراً مقضیاً۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے یہ عظیم الشان بشارت شائع کرنے کے ایک ماہ بعد اِس

فرزندِ موعود کے متعلق مزید فرمایا:۔

"بفضلہٖ تعالیٰ و احسانہٖ و بہ برکت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خداوندِ کریم نے اِس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت رُوح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء بروز دوشنبہ)

یہ مہتم بالشان پیشگوئی حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند دلبند گرامی ارجمند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ کی ذات و الاصفات میں جس عظمت و شان کے ساتھ پوری ہوئی ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور ایک زمانہ اس کا قائل و معترف ہے۔ اپنے اور پرائے سب اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ رُوئے زمین پر بسنے والے کروڑہا مسلمانوں میں سے صرف اور صرف یہی ایک نابغہ اور نادرِ روزگار وجود ہے جس نے انتہائی نامساعد حالات اور کمالی درجہ بے بضاعتی کے باوجود اِس زمانے میں رُوئے زمین پر تبلیغ و اشاعت اسلام کے ایک ایسے وسیع نظام کی بنیاد ڈالی ہے جس کی نہ صرف اِس زمانہ میں بلکہ ازمنہ گزشتہ میں بھی اَور کوئی مثال نہیں ملتی۔ آج حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کے اِس اولو العزم فرزندِ موعود کے قائم کردہ تبلیغی نظام کی بدولت مشرق و مغرب کے ممالک میں اسلام کا پیغام اِس شان سے پہنچ رہا ہے اور دنیا کی ہر قوم اور نسل کے لوگ ایسے والہانہ انداز میں اسلام کی طرف دَوڑے چلے آ رہے ہیں کہ وہ تمام مخالف مذاہب جو اسلام کو نابود کرنے کے درپے تھے اور ساری دنیا پر چھائے ہوئے تھے حیران و پریشان ہیں کہ اسلام کے تنِ مُردہ میں یہ جوانی کی سی تب و تاب اور قوت و توانائی کیسے عود کر آئی کہ اب وہ دنیا میں پھیلتا اور آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ مصلح موعود کے ہاتھوں دنیا میں اسلام کی یہ روز افزوں ترقی اُس کی عظیم الشان باطنی برکت کا درجہ رکھتی ہے۔ اِس عظیم الشان باطنی برکت کے علاوہ مصلح موعود کی ظاہری برکتیں بھی جن سے یہ دنیا متمتع ہو رہی ہے کچھ کم مہتم بالشان نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک عظیم الشان برکت یہ ہے کہ اُس کا وجود آج دنیا میں نہایت درجہ غیر معمولی رنگ میں اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا ہُوا ہے اور ہزاروں اور لاکھوں ہی نہیں کروڑوں کروڑ اسیر اس کے وجود کی برکت سے رستگاری سے ہمکنار ہو رہے ہیں اور ان کی رستگاری سے متعلق آئے دن دنیا بھر کے اخباروں میں خبریں شائع ہو ہو کر اس امر کو روزِ روشن کی طرح آشکار کر رہی ہیں کہ اِس زمانہ میں پیشگوئی کا یہ حصہ بھی کمال آب و تاب کے ساتھ پُورا ہو رہا ہے۔ وہ کروڑوں کروڑ اسیر کون ہیں جنہیں مصلح موعود کے وجود کی برکت سے رستگاری نصیب ہوتی ہے اور برابر ہو رہی ہے؟ اِس کے جواب کے لئے اُن اسباب و عوامل پر روشنی ڈالنی ضروری ہے جن کے تحت آج بہت وسیع پیمانے پر دنیا میں اسیروں کی رستگاری عمل میں آ رہی ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم اِن اسباب و

عوامل اور مصلح موعود کے ساتھ ان کے تعلق کو واضح کرتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم ان اسباب و عوامل پر روشنی ڈالیں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں یہ صراحت موجود تھی (جیسا کہ پیشگوئی کے آخری الفاظ "تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا" سے ظاہر ہے) کہ پیشگوئی کی ایک علامت پوری ہونے کے بعد خدا تعالیٰ خود مصلح موعود پر یہ انکشاف فرمائے گا کہ وہی اس پیشگوئی کا اصل اور حقیقی مصداق ہے۔ اس انکشاف کے بعد وہ اپنے مصلح موعود ہونے کا باقاعدہ اعلان کرے گا اور ایک ایک علامت کو جو اس کے وجود میں پوری ہو چکی ہو گی اس کے ثبوت میں پیش کرے گا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں مقالہ افتتاحیہ ماہنامہ "انصار اللہ" بابت فروری ۱۹۶۳ء) چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پیدائش کے ۵۵ سال بعد آپ کے وجود میں پیشگوئی کی ایک ایک علامت پوری ہو گئی، آپ نے قرآنی علوم کے دریا بہا کر اور "تفسیر کبیر" جیسی قرآن مجید کی عدیم النظیر تفسیر رقم فرما کر دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر فرما دیا اور آپ کے ہاتھوں دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے تبلیغی مشنوں کا قیام عمل میں آنے سے زمین کے کناروں تک آپ کی شہرت پھیل گئی اور ہر رنگ و نسل کی قومیں اسلام میں داخل ہو ہو کر آپ سے برکت حاصل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے ۵ اور ۶ جنوری ۱۹۴۴ء کی درمیانی رات ایک رؤیا کے ذریعہ آپ پر منکشف فرمایا کہ آپ ہی اس پیشگوئی کے مصداق اور مصلح موعود ہیں۔ اس انکشاف کے معاً بعد آپ نے مختلف شہروں میں جلسے منعقد کر کے اپنے مصلح موعود ہونے کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔ ہر چند کہ اوّل دن سے ہی پیشگوئی کی علامتیں ایک ایک کر کے آپ کے وجود میں بین طور پر پوری ہوتی چلی آرہی تھیں اور آپ کی ظاہری اور باطنی برکتیں زمین میں پھیل پھیل کر آپ کے مصلح موعود ہونے کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہی تھیں تاہم ۱۹۴۴ء میں آپ پر اس خدائی انکشاف اور اس انکشاف کی روشنی میں آپ کے باقاعدہ اعلان کے بعد آپ کی ظاہری و باطنی برکتیں اس قدر تیزی اور سرعت کے ساتھ بیک وقت تمام دنیا میں پھیلی ہیں اور اُس وقت سے برابر پھیل رہی ہیں کہ ان کے تصور پر عقل دنگ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وہ مخفی ارادے اور مخفی تدبیریں جنہیں اُس نے مصلحتاً مخفی رکھا ہوا تھا آپ کے اعلان کے بعد یکدم بروئے کار آگئیں اور انہوں نے دنیا کے حالات کو یکسر بدل کر دنیا میں اسلام کے غالب آنے کی راہ کو یکایک استوار کر ڈالا۔ خدا تعالیٰ کے انہی مخفی ارادوں اور مخفی تدبیروں میں سے ایک، دنیا کے کروڑوں کروڑ اسیروں کی رستگاری کا آسمانی منصوبہ بھی ہے اور اس منصوبہ کا غلبۂ اسلام کی آسمانی سکیم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پیشگوئی کے بموجب مصلح موعود کا اصل کام اسلام کو ساری دنیا میں

پھیلانے کی آسمانی سکیم کو عملاً بروئے کار لانا تھا۔ سو آپ کی ظاہری اور باطنی برکتوں کے زمین پر پھیلنے کا تعلق آپ کے اسی مفوضہ کام سے تھا۔ اس کام کی انجام دہی میں سب سے بڑی روک یہ تھی کہ مغرب کی عیسائی طاقتیں اپنے سیاسی غلبہ و استیلاء اور بے پناہ مادی وسائل کے بل پر روئے زمین پر چھائی ہوئی تھیں اور انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں کروڑ انسانوں کو سیاسی اور مادی لحاظ سے اپنا اسیر بنا رکھا تھا۔ ادھر عیسائی طاقتوں کے اس ہمہ گیر غلبہ کی وجہ سے بہت طاقتور عیسائی مشنوں کی شکل میں عیسائیت نے مشرق و مغرب میں ہر جگہ اپنے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے ان کروڑوں کروڑ انسانوں کو جسمانی غلامی کے ساتھ ساتھ روحانی اسیری کے بندھنوں میں جکڑتی چلی جا رہی تھی حتیٰ کہ خود مسلمان ہر جگہ لاکھوں کی تعداد میں اسلام کو خیرباد کہہ کہہ کر عیسائیت کے جنگل میں پھنستے چلے جا رہے تھے۔ سو گویا مغربی طاقتوں کا سیاسی غلبہ و استیلاء اور اس کی آڑ میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی غلبۂ اسلام کی راہ میں جو مصلحِ موعود کا اصل کام تھا سدِ سکندری بنی ہوئی تھی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۴ء میں اس انکشاف کے ساتھ ہی کہ آپ ہی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے مصداق اور مصلح موعود ہیں اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کی راہ سے اس سدِ سکندری کو اٹھا دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ چنانچہ فی الحقیقت آپ کے دعوئ مصلحِ موعود کے بعد آپ کی ایک عظیم الشان ظاہری برکت کے طور پر بہت ہی قلیل مدت کے اندر اندر یہ سدِ سکندری اپنی جگہ سے ہلنی شروع ہو گئی اور اب جبکہ آپ کے دعوے پر ابھی بلیس سال کا عرصہ ہی گزرا ہے یہ سدِ سکندری ہماری آنکھوں کے سامنے ناپید ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں جہاں ایشیا اور افریقہ کے وہ کروڑوں کروڑ باشندے جو پہلے سیاسی لحاظ سے مغرب کی عیسائی طاقتوں کے اسیر تھے آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں وہاں دوسری طرف آپ کی باطنی برکت کے طور پر ان تمام آزاد کردہ علاقوں میں غلبۂ اسلام کی راہ دن بدن ہموار ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ علی الخصوص افریقہ کے ان نو آزاد علاقوں میں لوگوں کا میلان عیسائیت کی بجائے اسلام کی طرف دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

دنیا کے بدلے ہوئے حالات جن کے ہم چشم دید گواہ ہیں زمانہ کی اس نئی کروٹ پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آپ کے دعوئ مصلحِ موعود کے بعد سوا سال کے اندر اندر دوسری عالمگیر جنگ اختتام پذیر ہوئی اور اس کے اختتام پذیر ہونے کے ساتھ ہی یکایک ایسے حالات رونما ہوئے کہ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، بلجیم اور پرتگال وغیرہ استعماری طاقتوں کو ایشیا اور افریقہ کے اُن وسیع علاقوں پر سے جن پر انہوں نے ایک صدی سے بھی زائد عرصہ سے قبضہ جما رکھا تھا چار و ناچار اپنا اقتدار ختم کرنا پڑا۔ چنانچہ ایشیا اور افریقہ کے وہ تمام ممالک جو ان طاقتوں کے زیرِ نگیں تھے ایک ایک کر کے آزاد ہوتے چلے گئے۔ سب سے پہلے برصغیر جو مصلحِ موعود کا اپنا مولد و مسکن تھا آزاد ہوا اور بھارت اور پاکستان کی دو آزاد و خود مختار مملکتیں

معرضِ وجود میں آئیں۔ اس کے بعد ایشیا میں یکے بعد دیگرے برما، سیلون، انڈونیشیا، ملایا وغیرہ آزاد ہوتے چلے گئے۔ اُدھر افریقہ میں آزادی کی ایسی زبردست رَو چلی کہ ایک دو نہیں بلکہ دو درجن سے زائد ملکوں میں سے مغربی طاقتوں کے اقتدار کی صف لپیٹ کر رہ گئی۔ چنانچہ اب تک وہاں الجیریا، لبیا، سوڈان، تونس، مراکش، ماری تانیا، سینیگال، گنی، سیرالیون، غانا، نائیجیریا، آئیوری کوسٹ، اَپر وولٹا، مالی، ڈاہومی، ٹوگولینڈ، نائیجر، کیمرون، چاڈ، سنٹرل افریقن ری پبلک، کانگو، ٹانگانیکا، یوگنڈا، کینیا، سمالی لینڈ، اور زنجبار آزادی سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایشیا اور افریقہ کے وہ کروڑوں کروڑ باشندے جنہیں مغربی طاقتوں نے سیاسی لحاظ سے اپنا اسیر بنا رکھا تھا خدائی تقدیر کے ماتحت یکدم ان کی رستگاری کے سامان ہو گئے۔ اب اِن سب ممالک میں برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، بلجیم اور پرتگال وغیرہ کی غیر ملکی عیسائی حکومتوں کی بجائے خود ان کی آزاد و خودمختار حکومتیں قائم ہیں۔ پہلے یہ سب ممالک محکوم تھے اور اب سب اپنی اپنی جگہ حکمران ہیں۔ الغرض ایک عظیم الشان انقلاب ہے جس نے مصلحِ موعود کی ظاہری برکت کے طور پر چشم زدن میں رونما ہو کر دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اِس میں کیا شک ہے کہ اِن کروڑوں کروڑ اسیروں کی رستگاری کا موجب خدا تعالیٰ کی مخفی تقدیر کی رُو سے مصلحِ موعود کا وجود ہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ کروڑوں کروڑ اسیر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دعویٔ مصلحِ موعود کے بعد غیر معمولی طور پر بہت قلیل عرصہ میں رستگاری سے ہمکنار ہوئے ہیں بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے ہوئے بھی ہیں اِس لئے کہ انہیں عیسائیت کے چنگل سے آزاد ہو کر مصلحِ موعود کے قائم کردہ تبلیغی نظام کے ذریعہ اسلام کی آغوش میں آنے سے رُوحانی اسیری سے بھی رستگاری نصیب ہو۔

چنانچہ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں کروڑ انسانوں کی سیاسی اسیری سے رستگاری کا ایک لازمی نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اِن سب ممالک میں عیسائی طاقتوں کے غلبہ و استیلاء کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ عیسائیت کا اثر و نفوذ بھی دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے اور صدیوں پرانے عیسائی مشن وہاں سے اپنا بوریا بستر اٹھانے پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔ اِس طرح عیسائی طاقتوں کے غلبہ و استیلاء اور اس کی آڑ میں عیسائیت کے اثر و نفوذ کی وہ سدِّ سکندری جو اِن ممالک میں غلبۂ اسلام کی راہ میں روک بنی ہوئی تھی دن بدن کالعدم ہوتی جا رہی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب اِن سب ممالک میں عیسائیت کی بجائے غلبۂ اسلام کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ مصلحِ موعود کی باطنی برکت کے طور پر اِن سب نو آزاد ممالک میں جہاں مصلحِ موعود کے قائم کردہ تبلیغی مشن پہلے سے موجود ہیں لوگ عیسائیت کو خیرباد

کھہ کھہ کر زیادہ سے زیادہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں حتّٰی کہ علی الخصوص افریقہ میں تو اسلام کے حق میں ایک عام رَو چلی ہوئی ہے۔ اِس صورتِ حال پر مغرب کے عیسائی حلقوں میں ایک شور پڑا ہوا ہے اور انہوں نے افریقہ میں عیسائیت کی ناکامی اور اسلام کی روز افزوں ترقی پر واویلا کر کے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اُن بے شمار اور اَن گنت بیانات میں سے جو اِس صورتِ حال پر نوحہ خوانی کے رنگ میں مغرب کے عیسائی حلقوں کی طرف سے آجکل شائع ہو رہے ہیں صرف ایک تازہ ترین بیان ہی یہاں درج کر دینا کافی ہوگا۔ وہ بیان ہے امریکہ کے مشہور سیاح مسٹر ولارڈ پرائس کا جو انہوں نے افریقہ کا دَورہ کرنے کے بعد دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب "ناقابلِ یقین افریقہ" (Incredible Africa) میں رقمطراز ہیں:-

"کیا اب افریقہ میں سفید نسل کے لوگوں کا دَور یکسر ختم ہو چکا ہے اور اُن کے لئے اب وہاں کسی لحاظ سے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ سو یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ اب افریقہ پر وہاں کی اکثریت ہی حکومت کرے گی اور کون نہیں جانتا وہاں اکثریت سیاہ فام لوگوں ہی کی ہے۔ (ایک اَور سوال جو رہ رہ کر ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے یہ ہے کہ) کیا افریقہ جدید کے رنگدار حکمرانوں میں اپنے سابق آقاؤں (مغرب کی عیسائی طاقتوں) کے خلاف حقارت کا جذبہ اِس قدر گہرا ہے کہ وہاں یورپ اور امریکہ کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کے دروازے بالکل بند ہو جائیں گے؟ سو جاننا چاہیئے کہ وہاں ہر نو آزاد ملک میں سب سے اوّل جو جذبہ اُبھر کر بروئے کار آتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ اوّلین فرصت میں تمام غیر ملکیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ مراکش میں اوّل دن سے ہی فرانسیسی افسروں کو ہٹا کر مراکشی افسران کی جگہ مقرر کئے جا رہے ہیں حتّٰی کہ امریکہ سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ مراکش میں اپنے اڈے ختم کر دے چنانچہ وہ اپنے اڈے ختم کرنے پر رضامند ہو گیا۔ گنی نے فرانسیسی آبادی کو صرف اتنی مہلت دی کہ وہ آٹھ یوم کے اندر اندر وہاں سے چلے جائیں۔ کانگو نے قتل و غارت کے بل پر بلجیمی باشندوں کو وہاں سے مار بھگایا۔ ایسے ظالمانہ اور بہیمانہ قتلِ عام کی افریقہ کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اَور تو اَور عیسائی مشنری جو مقامی آبادی کے سب سے زیادہ پُرزور حامی اور ایک طرح سے اُن کے محافظ تھے، جنہوں نے وہاں سکول جاری کئے، مغربی طریقِ علاج اور ادویہ کو رواج دیا، مشرکانہ رسم و رواج کے بالمقابل مسیحی نظریات سے انہیں روشناس کرایا انہیں بھی دوسرے سفید فام لوگوں کے ساتھ نکال دیا گیا۔

برخلاف اِس کے اسلام افریقہ میں عیسائیت کی نسبت تین گُنا زیادہ تیز رفتاری سے پنپ رہا ہے۔ باہر کے کسی مذہب کو قبول کرنے کا سوال ہو تو اہلِ افریقہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ اِس بارہ میں مسلمانوں کی طرف رجوع کریں جن کا بجز اپنے مذہب کی اشاعت کے افریقہ کے ساتھ اور کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ یورپین آباد کاروں کے متعلق اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں بائبل تو دیتے رہے لیکن ساتھ کے ساتھ اس کے عوض میں ہمیں ہماری زمینوں سے محروم کرتے رہے۔ عیسائی مناد بلی گراہم نے افریقہ کے دَورہ سے واپس آکر وہاں عیسائیت کے زوال کی پیشگوئی کی ہے اور کہا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب افریقہ میں عیسائیوں کو جان بچانے کے لئے غاروں اور زمین دوز خفیہ مقامات میں پناہ لینی پڑے گی۔"

(ترجمہ از" ناقابلِ یقین افریقہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰)

افریقہ کی صورتِ حال کے بارہ میں مشہور امریکی سیّاح مسٹر ولارڈ پرائس کا یہ بیان اِس امر کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہا ہے کہ خدائی تقدیر کے ماتحت افریقہ کے کروڑوں کروڑ باشندوں کی مغربی طاقتوں کی سیاسی اسیری سے رستگاری اِسی لئے معرضِ وجود میں آئی ہے کہ اب وہاں عیسائیت کی بجائے اسلام غالب آئے اور آئے بھی مصلحِ موعود کے بھیجے ہوئے مبلغینِ اسلام کی بے لوث مساعی کے نتیجہ میں جن کا بجز اپنے مذہب کی اشاعت کے افریقہ کے ساتھ سیاسی نوعیت کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ وہاں مغربی طاقتوں کا غلبہ عیسائیت کے فروغ کے لئے زبردست پشت پناہی کا کام دے رہا تھا۔ اِس غلبہ کے ختم ہونے کی دیر تھی کہ مصلحِ موعود کے قائم کردہ تبلیغی مشنوں کی بے لوث مساعی کے نتیجہ میں وہاں زور شور سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور عیسائیت کو اُلٹے لینے کے دینے پڑ گئے حتیٰ کہ بلی گراہم جیسے مشہور عالم عیسائی مناد کو انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں یہ کہتے ہی بن پڑی کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب افریقہ میں عیسائیوں کو جان بچانے کے لئے غاروں اور زمین دوز خفیہ مقامات میں پناہ لینی پڑے گی۔ ایسا ہوتا ہے یا نہیں یہ امر دیگر ہے لیکن ڈاکٹر بلی گراہم کا یہ خوف و ہراس اِس امر پر مُہرِ تصدیق ثبت کر رہا ہے

کہ افریقہ میں غلبۂ اسلام کی راہ وہاں کے کروڑوں کروڑ سیاسی اسیروں کی رستگاری کے بعد ہی ہموار ہوئی ہے۔ جبکہ افریقہ میں صرف اور صرف مصلح موعود کے قائم کردہ مشن اور بھیجے ہوئے مبلغین ہی گزشتہ تیس سال سے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں اور اب انہی کے ہاتھوں وہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہاں کے کروڑوں کروڑ اسیروں کی رستگاری کا موجب مصلح موعود کا مقدس وجود نہیں ہے۔ یہ خدائی تقدیر خاص مصلح موعود کی ظاہری برکت کے طور پر ہی ظہور میں آئی ہے اور اس لئے ظہور میں آئی ہے کہ سیاسی اور جسمانی اسیری سے رستگاری کے بعد وہ انہیں روحانی اسیری سے بھی رستگاری عطا کرے۔

افریقہ کے جن ممالک میں خدائی تقدیر کے ماتحت مصلح موعود کی ظاہری برکت کے طور پر کروڑوں کروڑ انسانوں کو سیاسی اسیری سے رستگاری نصیب ہوئی ہے اُن میں سے (مارشیس اور جنوبی افریقہ کے علاوہ) نائیجیریا، غانا، سیرالیون، لائبیریا، گیمبیا، آئیوری کوسٹ، ٹوگولینڈ، کینیا، یوگنڈا اور ٹانگانیکا میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن قائم ہیں جن کے ماتحت مصلح موعود کے بھیجے ہوئے اور مقرر کردہ مبلغین اسلام وہاں نہایت جانفشانی کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اِن مبلغین اسلام کی بے لوث تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں وہاں نہایت مضبوط جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں مساجد تعمیر کرنے کے علاوہ اِس وقت تک جماعت احمدیہ وہاں ۴۵ سکول جاری کر چکی ہے۔ علاوہ ازیں نائیجیریا اور سیرالیون میں تین میڈیکل مشنریز بھی کام کر رہے ہیں۔ اُن کی طبی خدمات کا خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت نیک اثر ظاہر ہو رہا ہے۔ جماعت کی طرف سے مشرقی افریقہ کی زبان سواحیلی میں قرآنِ مجید کا ترجمہ دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر افریقہ کے طول و عرض میں پھیلا دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہاں کی بعض لوکل زبانوں میں بھی قرآن مجید کے تراجم کرائے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض مقامی زبانوں میں تو ابتدائی پاروں کے تراجم ہو کر منظرِ عام پر بھی آ چکے ہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے دو انتخاب "چالیس جواہر پارے" اور "ریاض احادیث النبیؐ" کے انگریزی تراجم بھی شائع کئے گئے ہیں۔ بہت وسیع پیمانہ پر یہ سب مساعی اسی لئے کی جا رہی ہیں کہ اِن علاقوں کے کروڑوں کروڑ باشندوں کو سیاسی اسیری سے رستگاری کے علاوہ روحانی اسیری سے بھی رستگاری نصیب ہو اور وہ عیسائیت کی مُردہ پرستی پر مبنی تعلیم سے نجات حاصل کر کے اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی توحید پر قائم ہوں اور دنیا کے حقیقی نجات دہندہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والہ و شیدا بنیں۔

چنانچہ اِن مساعی کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو رہا ہے۔ اسلام اِن سب علاقوں میں زور شور سے پھیل رہا ہے اور

افریقہ کی قومیں اسلام میں داخل ہو ہو کر مصلح موعود سے برکت حاصل کر رہی ہیں اُسی مصلح موعود سے جس کے قائم کردہ تبلیغی نظام کی برکت سے اُنہیں سیاسی اسیری سے رستگاری کے ساتھ ساتھ روحانی اسیری سے بھی رستگاری نصیب ہو رہی ہے۔ الغرض مصلح موعود کی ظاہری اور باطنی برکتوں کے طفیل افریقہ میں ایک عظیم الشان مادی اور روحانی انقلاب رونما ہو رہا ہے جس نے نہ صرف مغرب کی عیسائی طاقتوں کو بلکہ خود دنیائے عیسائیت کو لرزہ براندام کر کے رکھ دیا ہے اور بڑے بڑے عیسائی پادریوں اور نامی گرامی منادوں کی راتوں کی نیند حرام ہو کر رہ گئی ہے اور وہ خوف زدہ ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب افریقہ میں عیسائیوں کو اپنی جانیں بچانے کے لئے غاروں اور زمین دوز خفیہ مقامات میں پناہ لینی پڑے گی۔ ہرچند کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ مصلح موعود کی باطنی برکت کے طفیل سارا افریقہ ہی انشراح صدر کے ساتھ اسلام قبول کرلے گا تاہم اُن کے اس خوف و ہراس سے مصلح موعود کے ذریعہ رونما ہونے والے عظیم الشان روحانی انقلاب کی وسعت اور ہمہ گیر نوعیت واضح ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

پھر ہم دیکھتے ہیں افریقہ ہی نہیں ایشیا، یورپ، اور امریکہ کے مختلف ممالک میں سے انگلستان، سپین، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، سکنڈے نیوین ممالک (یعنی سویڈن، ڈنمارک اور ناروے)، شمالی امریکہ، برٹش گی آنا، نیز اسرائیل، لبنان، شام، عدن، سنگاپور، کوالالمپور، برما، سیلون، انڈونیشیا، بورنیو، اور جزائر فجی میں بھی جماعت احمدیہ کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں جو ان سب ممالک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بہت محنت، تندہی اور جانفشانی سے انجام دے رہے ہیں۔ افریقہ، ایشیا، یورپ، اور امریکہ کو ملا کر مجموعی طور پر دنیا کے تیس ممالک میں اس وقت جماعت کے کم و بیش ۶۲ مشن ہیں جن میں ۱۵۲ مبلغ کام کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ممالک ایسے بھی ہیں جن میں اس وقت کوئی مبلغ تو نہیں ہے لیکن وہاں جماعتیں قائم ہیں اور مرکز کی براہ راست نگرانی اور ہدایات کے ماتحت تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام کر رہی ہیں۔ ان میں فلپائن، جاپان، ڈچ گی آنا، مصر اور سائپرس شامل ہیں۔ اب تک ان سب ممالک میں جماعت احمدیہ تین صد کے قریب مساجد تعمیر کر چکی ہے جن میں سے بعض ہزاروں پونڈ کے خرچ سے بنائی گئی ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دعویٰ مصلح موعود کے وقت تک مغربی ممالک میں سے صرف انگلستان میں مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ اس کے بعد یورپ میں اب تک چار نئی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ یہ چار مساجد ہالینڈ کے دارالحکومت دی ہیگ، جرمنی کے شہر ہمبورگ اور فرانکفورٹ اور سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورک میں تعمیر کی گئی ہیں۔ سو گویا اب انگلستان اور یورپ میں جماعت کی تعمیر کردہ مساجد کی تعداد پانچ ہے۔ علاوہ ازیں ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں مسجد کے لئے زمین خریدی جا چکی ہے جو یورپ میں خدا کے فضل سے چھٹی مسجد ہوگی۔ پھر اس وقت تک انگریزی، ڈچ، جرمنی اور سواحیلی

میں قرآن مجید کے تراجم شائع ہو چکے ہیں اور قرآن مجید کی انگریزی تفسیر بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اس وقت پریس میں ہے۔ روسی، اٹیلین، سپینش اور ڈینش زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم تو کرائے گئے ہیں لیکن ابھی طبع نہیں ہو سکے ہیں۔ مزید برآں سلسلہ کی ۴۳ کتب انگریزی، عربی اور فرانسیسی زبانوں میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اسی طرح مزید ایک درجن کتابوں کے تراجم بھی کرائے جا چکے ہیں جنہیں وسائل اور سہولت میسر آنے پر طبع کرایا جائیگا۔ پھر کتبِ سلسلہ کے علاوہ احمدیہ مشنوں کی طرف سے دنیا کی مختلف زبانوں میں ۲۲ جرائد اور اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ الغرض مصلح موعود نے خدائی وعدوں اور بشارتوں کے عین مطابق تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی ایک عالمگیر مہم جاری رکھی ہے اور اس میں زیادہ تر وسعت ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے دعویٰ مصلح موعود کے بعد ہی ہوئی ہے۔ ایک چھوٹی سی جماعت کے ذریعہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے ضمن میں اتنا محیّر العقول کارنامہ ظہور میں آنا ایک ایسا معجزہ ہے جسے دیکھ کر مغرب کے اہلِ علم اور دانشور انگشت بدنداں ہیں اور وہ برملا کہہ رہے ہیں کہ کوئی عجب نہیں کہ یہ جماعت ساری دنیا پر چھا جائے اور مستقبل میں دنیا کا عوامی مذہب اسلام ہی ہو۔ چنانچہ امریکہ کی ریاست پنسلوانیہ کے "ولکیز کالج" میں شعبۂ فلسفہ و مذاہب کے صدر، پروفیسر سٹیکو ایم۔ وو جیکا نے جماعت کے اس حیرت انگیز کارنامہ پر جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ جماعت احمدیہ کے مشنوں اور ان کی کارگزاریوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں :-

> "ایک مذہبی فرقہ کے لئے بلحاظ تعداد اس کے افراد کا کم ہونا یا معتقدات کا ایسی مخصوص نوعیت کا حامل ہونا جو دوسروں کے لئے پورے طور پر قابلِ فہم نہ ہو نقصان کا موجب نہیں ہوا کرتا۔ ایسے فرقے صدیوں تک زمانہ کے حالات سے نبرد آزما رہنے کے انداز سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ ایسے چھوٹے چھوٹے فرقوں کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے جنہوں نے زمانہ کے اُتار چڑھاؤ اور اکثریت کے دباؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ہستی کو برقرار رکھا۔ ان دریں حالات اس بات کا امکان ہے کہ احمدیت بھی مستقبل میں اسی طرح نمایاں طور پر پھلے پھولے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلامی دنیا مغرب کی لادینی ثقافت کے زیر اثر آ جانے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹک رہی ہے۔ احمدیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کی تحریک اسلام کو اس طور سے پیش کرتی ہے کہ جو دنیائے جدید کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ پھر وہ اسلام کی آخری فتح کے بارہ میں نہایت درجہ پُر اعتماد ہیں۔ ایسی صورت میں احمدیت اُن نئی نسلوں کے لئے دلکش اور جاذبِ نظر ثابت ہو سکتی ہے جو اصلاحِ حال کے پیشِ نظر نئے اندازِ فکر کی تلاش میں سرگرداں ہیں"۔
>
> (رسالہ "ایسٹرن ورلڈ" بابت دسمبر ۱۹۶۱ء)

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ مصلح موعود کی ظاہری اور باطنی برکتیں رُوئے زمین پر نہیں پھیلیں۔ وہ پھیل رہی ہیں اور برابر پھیلتی ہی جا رہی ہیں اور یہ ان ظاہری اور باطنی برکتوں ہی کا عظیم الشان ثمرہ ہے کہ نہ صرف دنیا کے کروڑوں کروڑ باشندوں کو سیاسی اسیری سے رستگاری نصیب ہوئی ہے بلکہ روحانی اسیری سے بھی انہیں رستگاری نصیب ہو رہی ہے۔ اور اس طرح دنیا میں اسلام کے غالب آنے کے امکانات دن بدن روشن سے روشن تر ہوتے جا رہے ہیں۔

حسب پیشگوئی، سیّدنا حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی عظیم الشان ظاہری اور باطنی برکتوں کا تمام زمین پر اس قدر مہتم بالشان طریق پر پھیلنا اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے ہر خطہ میں لوگوں کا اسلام کی طرف کھنچے چلے آنا اور غلبۂ اسلام کی راہ کا دن بدن استوار ہوتے چلے جانا ہمارے لئے بے انتہا خوشی اور ازدیادِ ایمان کا موجب ہے لیکن خوش ہونا اور خوشی منانا ہمیں اُس وقت ہی زیب دے سکتا ہے جبکہ ہم اُن ذمہ داریوں کو بھی کماحقہٗ ادا کریں جو مصلح موعود کی روحانی فوج میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ مصلح موعود کی روحانی فوج میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کو بارش کی طرح برستا دیکھ کر ہمارا سب سے مقدم اور اوّلین فرض یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں ایسی پاک تبدیلی کریں کہ صحیح معنوں میں مصلح موعود کے دستِ راست بننے کے قابل بن سکیں اور پھر اسلام اور احمدیت کی فتح اور کامیابی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جب تک ہم میں سے ہر فرد اپنے اُوپر یہ انقلاب وارد نہیں کر دکھاتا اُس وقت تک ہم اسلام کی ان فتوحات پر جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی برکت سے رونما ہو رہی ہیں خوش ہونے کے حقدار نہیں بن سکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جو مصلح موعود کی عظیم الشان ظاہری و باطنی برکتوں کے زمین پر پھیلنے کے عینی شاہد ہیں اس ضمن میں اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور انہیں کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم فی الحقیقت اپنی زندگیوں میں پاک تبدیلی کر کے اس قابل بن جائیں کہ اسلام اور احمدیت کی فتح اور کامیابی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا ڈالیں تا یہ دنیا اسلام میں داخل ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے آ جمع ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین +

پیشگوئی مصلح موعود کا دوسرا اہم بالشان پہلو

"تیری ذرّیت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی"

"خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزّت کے ساتھ قائم رکھیگا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا"

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی دو اہم بالشان پہلوؤں پر مشتمل تھی۔ ایک پہلو سے یہ پیشگوئی مصلح موعود یعنی ایک عظیم الشان صفات والے اولوالعزم فرزندِ موعود کی بشارت پر مشتمل تھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذاتِ والاصفات میں پوری ہوئی اور گزشتہ ۵۰ سال سے برابر پوری ہوتی چلی آرہی ہے۔ دوسرے پہلو کے اعتبار سے یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذرّیت کے تاقیامت سرسبز رہنے اور غلبۂ اسلام کے ضمن میں مصلحِ موعود کے کام کو نسلاً بعد نسلٍ قیامت تک جاری رکھنے کی بشارت پر مشتمل تھی جس کا صاف اور واضح مطلب یہ تھا کہ مصلح موعود کی برکات بعد میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت میں جاری رہینگی اور حضور علیہ السلام کی ذرّیت کے ہاتھوں جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اسلام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے اور اسکے غلبہ کو تاقیامت قائم ودائم رکھنے کا کام انجام پذیر ہوتا چلا جائے گا۔ پیشگوئی کا پہلا حصہ جو خاص مصلحِ موعود کی ولادت اور اسکے عظیم الشان کارناموں سے تعلق رکھتا ہے ہم مقالۂ افتتاحیہ میں درج کر چکے ہیں۔ دوسرا حصہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاقیامت سرسبز رہنے والی ذرّیت اور اس کے کارناموں سے متعلق ہے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے دوسرے پہلو کا اسی اشتہار میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

".... پھر (یعنی مصلح موعود کی بشارت کے علاوہ۔ ناقل) خدائے کریم جلّشانہٗ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور مَیں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی اور مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔ اور ہر ایک شاخ تیرے جدّی بھائیوں کی کاٹی جائیگی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا نازل کرے گا، یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے۔ ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور انکی دیواروں

پر غضب نازل ہوگا لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا
تیری برکتیں اردگرد پھیلائے گا اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا اور ایک ڈراؤنا
گھر برکتوں سے بھر دے گا۔ تیری ذرّیت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک
سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اُس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزّت
کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔
مَیں تجھے اُٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلالوں گا پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا اور
ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلّت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے
کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور
نامرادی میں مریں گے۔ لیکن خدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں
تجھے دے گا۔ مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور اُن کے
نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور اُن میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے
اُس دوسرے گروہ پر تابروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا
گروہ ہے۔ خدا اُنہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ
حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا انبیاء بنی اسرائیل (یعنی
ظلّی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ
سے اور مَیں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں
اور امیروں کے دل میں تیری محبّت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں
سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو! اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے
بندے کی نسبت شک میں ہو، اگر تمہیں اُس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو
ہم نے اپنے بندے پر کیا تو اِس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی
سچّا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے ڈرو
کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔"

(اشتہار ۲۰ فروری سنہ ۱۸۸۶ء منقول از تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۶۰ تا ۶۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی منظوم کلام

تبتّل الی اللہ

حِبٌّ لَنَا فِیْ حُبِّہٖ نَتَحَبَّبُ ۔۔۔ وَعَنِ الْمَنَازِلِ وَالْمَرَاتِبِ نَرْغَبُ

ہمارا ایک دوست ہے اور ہم اس کی محبت سے پُر ہیں اور مراتب و منازل سے ہمیں بے رغبتی اور نفرت ہے

اِنِّیْ أَرَی الدُّنْیَا وَبَلْدَۃَ اَھْلِھَا ۔۔۔ جَدَبَتْ وَاَرْضُ وِدَادِنَا لَا تَجْدِبُ

مَیں دیکھتا ہوں کہ دنیا اور اس کے طالبوں کی زمین قحط زدہ ہے یعنی جلد تباہ ہو جائیگی اور ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہ ہوگی۔

یَتَمَایَلُوْنَ عَلَی النَّعِیْمِ وَاِنَّنَا ۔۔۔ مِلْنَا اِلٰی وَجْہٍ یَّسُرُّ وَیُطْرِبُ

لوگ دنیا کی نعمتوں پر جُھکتے ہیں مگر ہم اُس مُنہ کی طرف جُھک گئے ہیں جو خوشی پہنچانے والا اور طرب انگیز ہے۔

اِنَّا تَعَلَّقْنَا بِنُوْرِ حَبِیْبِنَا ۔۔۔ حَتّٰی اسْتَنَارَ لَنَا الَّذِیْ لَا یُخْشَبُ

ہم اپنے حبیب کے دامن سے وابستہ ہیں۔ اس طرح کہ جو صاف و شفاف نہیں ہو سکتا وہ بھی ہمارے لئے منوّر ہو گیا

سَبُّوْا وَمَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ ۔۔۔ سَبُّوْا اَنَعْصِی الْحِبَّ اَوْ نَتَجَنَّبُ

مخالفین نے گالیاں دیں اور مَیں نہیں جانتا کس جُرم میں دیں۔ کیا ہم اُس محبوب کی مخالفت کریں یا اُس سے کنارہ کریں۔

اَقْسَمْتُ اَنِّیْ لَنْ اُفَارِقَہٗ وَلَوْ ۔۔۔ مَزَّقَتْ اُسُوْدُ جُثَّتِیْ اَوْ اَذْئُبُ

مَیں نے قسم کھائی ہے کہ مَیں اُس سے علیحدہ نہیں ہوں گا اگرچہ شیر یا بھیڑیئے مجھے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

ذَھَبَتْ رِیَاسَاتُ الدَّفَانِیْنَ بِمَوْتِھِمْ ۔۔۔ وَلَنَا رِیَاسَۃُ خُلَّۃٍ لَّا تَذْھَبُ

لوگوں کی ریاستیں اُن کے مرنے کے ساتھ ختم ہو گئی ہیں۔ اور ہمارے لئے دوستی کی وہ ریاست ہے جو زوال پذیر نہیں۔

(نجم الہدیٰ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی منظوم کلام

در مدح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حسنِ رُویش بہ زماہ و آفتاب　　خاکِ کُویش بہ زمشک و عنبرے

آپ (آنحضرتؐ) کا حسن شمس و قمر سے زیادہ ہے۔ اور آپؐ کے کوچہ کی خاک مُشک و عنبر سے بہتر ہے۔

آفتاب و مہ چہ مے ماند بدو　　در دِلش از نورِ حق صد نیّرے

سورج اور چاند آپؐ سے کہاں مشابہت رکھ سکتے ہیں۔ آپؐ کے دل میں تو خدائی نور سے سَو سورج روشن ہیں۔

یک نظر بہتر زعمرِ جاوداں　　گر فتد کس را بر آں خوش پیکرے

ہمیشہ کی زندگی سے ایک نظر بہتر ہے　　اگر کسی کی آنکھ پیکرِ حُسن پر پڑ جائے۔

منکہ از حُسنش ہمے دارم خبر　　جاں فشانم گر دہد دل دیگرے

میں جو آپؐ کے حُسن سے باخبر ہوں – آپؐ پر اپنی جان قربان کرتا ہوں جبکہ دوسرا صرف دل دیتا ہے

یادِ آں صورت مرا از خود برد　　ہر زماں مستم کند از ساغرے

آپؐ کی یاد مجھے بے خود بنا دیتی ہے –　　آپؐ ہر وقت مجھے ایک ساغر سے مست رکھتے ہیں۔

مے پریدم سُوئے کُوئے او مدام　　من اگر مے داشتم بال و پَرے

میں ہمیشہ آپؐ کے کوچہ میں اُڑتا پھرتا اگر میں بال و پَر رکھتا۔

لالہ و ریحاں چہ کار آید مرا　　من سرے دارم بآں رُو و سرے

لالہ و ریحان میرے کس کام کے ہیں –　　میں تو اس چہرہ و سر سے تعلق رکھتا ہوں۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ اوّل)

"میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پُرجلال حلفیہ اعلان!

جب اللہ تعالیٰ نے ۵ ر اور ۶ ر جنوری ۱۹۴۴ء کی درمیانی رات کو ایک خواب کے ذریعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ پر یہ منکشف فرمایا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں تو آپ نے ۲۰ ر فروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیارپور کے مقام پر ایک عظیم الشان جلسہ میں اپنے مصلح موعود ہونے اعلان فرمایا۔ آپ کا یہ اعلان خاص تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ مزید برآں اس کا لفظ لفظ اس امر پر گواہ ہے کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے اصل اور حقیقی مصداق ہیں۔ ۲۰ ر فروری کی مناسبت سے دلوں کو ہلا دینے والا یہ حلفیہ بیان ذیل میں ھدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

فرمایا:-

"آج (۲۰ ر فروری ۱۹۴۴ء) سے پُورے اٹھاون سال پہلے جس کو آج انسٹھواں سال شروع ہو رہا ہے ۲۰ ر فروری کے دن ۱۸۸۶ء میں اِس شہر ہوشیارپور میں اس مکان میں جو کہ میری اُنگلی کے سامنے ہے ایک ایسے مکان میں جو کہ اُس وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کا طویلہ کہلاتا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں رہائش کا اصلی مقام نہیں تھا بلکہ ایک رئیس کے زائد مکانوں میں سے وہ ایک مکان تھا جس میں شاید اتفاقی طور پر کوئی مہمان ٹھہر جاتا ہو یا سٹور بنا رکھا ہو یا حسب ضرورت جانور باندھے جاتے ہوں قادیان کا ایک گمنام شخص جس کو خود قادیان کے لوگ بھی پوری طرح نہیں جانتے تھے لوگوں کی اُس مخالفت کو دیکھ کر جو اسلام اور بانیٔ اسلام سے وہ رکھتے تھے اپنے خدا کے حضور علیحدگی میں عبادت کرنے اور اُس کی نصرت اور مدد طلب کرنے کے لئے آیا اور چالیس دن علیحدگی میں اُس نے خدا تعالیٰ سے تضرّع کے ساتھ دعائیں کیں۔ ان دعاؤں کے نتیجہ میں خدا نے اس کو ایک نشان دیا۔ وہ نشان یہ تھا کہ میں تم کو نہ صرف یہ کہ جو تمہارے ساتھ میرے وعدے ہیں

ان کو پورا کروں گا بلکہ ان وعدوں کو زیادہ شان اور زیادہ عظمت کے ساتھ پورا کرنے کیلئے میں تمہیں ایک خاص بیٹا دوں گا۔ وہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ کلامِ الٰہی کے معارف لوگوں کو سمجھائے گا۔ رحمت اور فضل کا نشان ہوگا اور دینی اور دنیوی علوم جو اسلام کی اشاعت کے لئے ضروری ہیں اسے عطا کئے جائیں گے۔ اللہ اُسے لمبی عمر دے گا یہاں تک کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت حاصل کریں گی۔

یہ اعلان بانی سلسلہ احمدیہؑ نے یہیں ہوشیارپور سے شائع فرمایا اور اُس وقت شائع فرمایا جب ابھی تک سلسلہ احمدیہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جہاں تک دنیوی وجاہت کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے ذاتی طور پر کوئی عزت حاصل نہیں تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا خاندان ایک معزز زمیندار خاندان تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کے عہد میں اس خاندان کو بڑی عزت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے عہد میں بھی اس خاندان کے افراد کو بعض معزز عہدے حاصل رہے۔ لیکن وہ خاندان قدیم عزت کھو چکا تھا اور بعض وجوہ سے انگریزی زمانہ میں اس کی جائیداد کا اکثر حصہ ضبط ہو چکا تھا اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیوی حیثیت ایک معمولی زمیندار کی سی تھی۔ اور پھر آپؑ کو اپنی عزت بڑھانے کا بھی شوق نہ تھا۔ باپ نے انہیں بار بار توجہ دلائی کہ وہ ملازمت اختیار کرلیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسا شخص اُس زمانہ میں اعلان کرتا ہے کہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کو پھیلائے گا۔ اور پھر میرے کام کو لمبا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مجھے ایک خاص بیٹا دے گا جو ۹ سال کے اندر پیدا ہوگا اور اِن خاص صفات سے متصف ہوگا۔ اور میرا جانشین ہوگا اور دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ یہ خبر ایسی زبردست خبر ہے کہ کوئی انسان ایسی خبر دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آخر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

جس لڑکے کا میں نے ذکر کیا ہے وہ میں ہی ہوں۔ میرے ذریعہ اس پیشگوئی کی بہت سی شقیں پوری ہو چکی ہیں اس لئے جماعت کا اصرار تھا کہ میں اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا

اعلان کروں مگر میں خاموش رہا۔ حتیٰ کہ گزشتہ جنوری کے مہینہ میں لاہور میں مجھے ایک رؤیا دکھایا گیا۔ جس میں مجھے بتایا گیا کہ اس پیشگوئی کا میں ہی مصداق ہوں۔۔۔۔۔

میں اُس واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے جو رؤیا بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح ہوئی ہے۔ الا ماشاء اللہ کچھ خفیف سا فرق نظارہ کے بیان کرنے میں ہو گیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ پس میں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچانا ہے۔۔۔۔۔

میں آسمان کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں، زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں، ہوشیارپور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ حکومتیں اگر اس کے مقابلہ میں کھڑی ہوں گی تو مٹ جائیں گی، بادشاہتیں کھڑی ہوں گی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔ لوگوں کے دل سخت ہوں گے تو فرشتے ان کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائیں گے اور اُن کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔"

(الفضل ۲۴ر فروری ۱۹۴۴ء)

"اُخْرِجُ مِنْكَ قَوْمًا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اُرِيْحُكَ وَلَا اُجِيْحُكَ وَاُخْرِجُ مِنْكَ قَوْمًا (یعنی میں تجھے راحت دوں گا اور تجھے نہ مٹاؤں گا اور تجھ سے ایک بڑی قوم نکالوں گا)۔ اس کے ساتھ ہی دل میں ایک تفہیم ہوئی جس کا یہ مطلب تھا ــــ جیسا کہ میں نے ابراہیم کو قوم بنایا۔"

(تذکرہ صـ ۱۶۱)

تفسیر آیات ـــــ سورۃ العنکبوت رکوع ۷

از افاضات حضرت امیر المومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ
لَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ
الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ
اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا
جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ
النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ
يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورہ عنکبوت - رکوع ۷)

اور یہ ورلی زندگی صرف ایک غفلت اور کھیل کا سامان ہے اور اُخروی زندگی کا گھر ہی درحقیقت اصلی زندگی کا گھر کہلا سکتا ہے ۔ کاش کہ وہ لوگ جانتے ۔ اور جب وہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اپنی عقیدت کو خالصۃً اللہ (تعالیٰ) کے لئے کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں ۔ مگر جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دیکر پہنچا دیتا ہے تو اچانک پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں تاکہ ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس کا انکار کر دیں (اور اس انعام کو خدا کے سوا دوسرے شریکوں کی طرف منسوب کریں) اور اس (عارضی توبہ) کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ ان کو چھوڑ دیتا ہے اور) وہ ایک عرصہ تک دنیوی سامانوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ پس (ایک دن یہ بخشش ختم ہو جائیگی اور) وہ (اپنی حقیقی جزا کو) دیکھ لیں گے ۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم (یعنی مکّہ) کو امن کی جگہ بنا دیا ہے اور ان لوگوں کے ارد گرد سے (یعنی مکّہ کے باہر سے) لوگ اُچک لئے جاتے ہیں تو کیا وہ جُھوٹ پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ۔ اور جو شخص اللہ (تعالیٰ) پر جھوٹ باندھ کر افتراء کرتا ہے اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا

ہے یا (اس سے) جو سچی بات کو اُس وقت جُھٹلاتا ہے جب وہ اُس کے پاس آجاتی ہے۔ کیا ایسے کافروں کی جگہ جہنم میں نہیں ہونی چاہیئے۔ اور وُہ (لوگ) جو ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں ہم اُن کو ضرور اپنے رستوں کی طرف آنے کی توفیق بخشیں گے اور اللہ (تعالیٰ) یقیناً محسنوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر

فرمایا:۔ انسان یا تو آرام اور سکون حاصل کر رہا ہوتا ہے یا مختلف طریق پر اپنی قوتوں کو بروئے کار لا رہا ہوتا ہے فرمایا کہ اگر تم اس حقیقت کو سمجھتے کہ دنیا دارِ آخرت کی تیاری کے لئے رکھی گئی ہے اور اس کی حیثیت لہو و لعب کی سی ہے تو تم دنیا پر لات مار کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لیتے اور سمجھتے کہ مادی ترقیات روحانی ترقیات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ مگر تم نے تو دارِ آخرت پر دنیوی زندگی کو ترجیح دیدی اور چند کھوٹے پیسوں کے لئے آسمانی دولت کو رد کر دیا۔ فرمایا کہ دیکھو جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور کشتی بھنور میں پھنس جاتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنے بچاؤ کی دعا کرتے ہیں۔ کوئی دیوتا انہیں یاد نہیں آتا۔ لیکن جب کشتی بھنور سے نکل جاتی ہے تو پھر شرک کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور ہمارے انعامات کا انکار کر دیتے ہیں اور اس کامیابی کو اپنی تدبیر یا کسی دیوتا کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرمایا بیشک ہم انہیں ایک عرصہ تک توبہ کا موقعہ دیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ دنیوی سامانوں سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں لیکن ایک دن وہ اُن مواقع سے بھی محروم ہو جائیں گے اور پھر دیکھ لیں گے کہ ان کا کوئی جھوٹا معبود اُن کی مدد نہیں کر سکے گا اور وہ عذاب کی طوفانی موجوں سے رہائی کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔ فرمایا کہ خود خانہ کعبہ کا وجود توحیدِ باری کا کافی ثبوت ہے۔ دیکھو دعائے ابراہیمی کی وجہ سے ہی انہیں امن میسر آیا، دعائے ابراہیمی کی وجہ سے ہی انہیں رزق ملا، اور دعائے ابراہیمی کی وجہ سے ہی انہیں عزت اور شہرت نصیب ہوئی، تو انہیں سوچنا چاہیئے کہ ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کیا اس لئے کی تھی کہ انسان اپنی جبینِ نیاز رب العالمین کی بجائے پتھر کے بے جان بتوں کے آگے جھکا دے۔ کعبہ کی بنا تو خدائے واحد کا نام بلند کرنے کے لئے رکھی گئی تھی۔ پھر کیوں ان کی خطا کار پیشانی ہمیشہ باطل کے سامنے جھکتی ہے اور کیوں وہ احسان ناشناسی کا بدترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔ فرمایا کہ منکرینِ اسلام میں دو بڑے عیب ہیں، ایک تو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں اور دوسرے الٰہی صداقتوں کو جھٹلاتے ہیں اس لئے اُن کے لئے تباہی اور ناکامی مقدر ہو چکی ہے۔ فرمایا حسنِ انجام تو اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو اُس کی خاطر ہر قسم کے ابتلاؤں کو برداشت کرتے ہیں۔ ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آتی۔ قربانیوں کی راہ

میں اُن کا قدم بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور اُن کی یہ جدوجہد ہمارے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ ہمارا بھی اُن سے حُسنِ سلوک ہوتا ہے، علم و عرفان اور قربِ الٰہی کے راستے ان پر کھولے جاتے ہیں، کامیابی اور عروج کی غیر متناہی راہیں اُن پر وا کی جاتی ہیں اور اُن کا ہر قدم اُنہیں زیادہ سے زیادہ خدائی برکات اور انوار کا مورد بنا دیتا ہے۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم بھی اُس کے محسن بندے بنیں اور ابتلاؤں کے طوفانوں میں ایمان کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنی جانی اور مالی قربانیوں کے ذریعہ اخلاص اور فدائیت کا نمونہ پیش کریں تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری مدد کے لئے آسمان سے اُترے گا اور وہ ہمیں ایک پیارے بچے کی طرح اپنی گود میں اٹھا لے گا۔

اے خدا! ہم تجھ سے ہی اِس کی توفیق چاہتے ہیں۔ علیك توكّلنا ✱

"خدا تیری ذرّیت کو بڑھائیگا"

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ ہم نے تجھے خالص دوستی کے ساتھ چُن لیا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ تُو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید اور تفرید۔ خدا ایسا نہیں جو تجھے چھوڑ دے۔ جب تک وہ خبیث کو طیّب سے جُدا نہ کرے۔ وہ تیرے مجد کو زیادہ کرے گا اور تیری ذرّیت کو بڑھائے گا۔ اور مِن بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائے گا۔ مَیں تجھے زمین کے کناروں تک عزّت کے ساتھ شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند کرونگا اور تیری محبّت دلوں میں ڈال دوں گا۔" (تذکرہ صفحہ ۱۹۱)

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

مصلح موعود کا مثالی بچپن

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود نے بچپن میں خدا کے فضل سے روحانیت سے معمور فضاؤں میں پرورش پائی۔ جہاں دن رات اللہ اور اس کے رسولؐ کی باتیں ہوتیں، جہاں شب و روز اسلام کی مدافعت کی تدابیر سوچی جاتیں اور اُس کی برتری اور غلبہ کا چرچا رہتا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور پُرخلوص دعائیں ہوتیں، جہاں قرآن مجید کے معارف و مطالب کھلتے اور ہر گھڑی بے انتہا انوار و افضالِ الٰہی نازل ہوتے اور خدا تعالیٰ کے مقرب فرشتے اُترتے۔ آپ نے اپنی فطری سعادت کی وجہ سے ان مقدس فضاؤں سے گہرا اثر قبول کیا۔ چنانچہ آپ کے دل میں بچپن ہی میں دینی ذوق و شوق اور خدمتِ دین کا شدید ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا۔ ذکرِ الٰہی، نوافل اور دعاؤں میں آپ کا شغف اور خدا اور اُس کے رسولؐ کی باتوں اور دینی کاموں میں آپ کی گہری دلچسپی اس قدر نمایاں تھی کہ ہر دیکھنے والا اس سے متأثر ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے اس جذبہ کو دیکھ کر اس پر بارہا اظہارِ خوشنودی فرماتے۔ چنانچہ حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساویؓ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے:۔

"میاں محمود احمد میں اس قدر دینی جوش پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات ان کے لئے خاص طور پر دعا کرتا ہوں"

اسلام کے لئے آپ کے دل میں بچپن ہی میں کس قدر شدید درد اور اس کے غلبہ کے لئے کس قدر تڑپ تھی اُس کا اندازہ حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساویؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ غلام احمد صاحب نومسلم واعظ جو ایک نہایت نیک اور باخدا صحابی تھے انہوں نے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بچپن کا ایک واقعہ سُنایا جو یہ ہے کہ:۔

"ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج رات مسجد مبارک میں گزاروں گا اور تنہائی میں اپنے مولیٰ سے جو چاہوں گا مانگوں گا مگر جب میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے

اور الحاح سے دعا کر رہا ہے۔ اُس کے اِس الحاح کی وجہ سے مَیں نماز بھی نہ پڑھ سکا اور اس شخص کی دعا کا اثر مجھ پر بھی طاری ہو گیا اور مَیں بھی دعا میں محو ہو گیا اور مَیں نے یہ دعا کی کہ یا الٰہی یہ شخص تیرے حضور سے جو کچھ بھی مانگ رہا ہے وہ اس کو دیدے۔ مَیں کھڑا کھڑا تھک گیا کہ یہ شخص سر اٹھالے تو معلوم کروں کہ یہ کون ہے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے تھے مگر جب آپ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ مَیں نے السلام علیکم عرض کی اور مصافحہ کیا اور پوچھا کہ میاں! آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا تو آپ نے فرمایا کہ:-

مَیں نے تو یہی مانگا ہے کہ الٰہی! مجھے میری آنکھوں سے اسلام کو زندہ کر کے دکھا۔

اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔" (الحکم جوبلی نمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۰)

اللہ اللہ! یہ عمر اور رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں حضور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عجز و انکسار کیساتھ گڑگڑاتے ہوئے مانگتے ہیں تو یہ کہ اے اللہ! تو جلد اسلام کی فتح کا دن لے آ یہاں تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے اسلام کو دنیا میں غالب آتے دیکھ لیں۔ یہی حضور کی سب سے بڑی خواہش اور یہی آپ کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا تھی جو اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت درجہ عاجزی اور الحاح کے ساتھ آپ عرض کر رہے تھے۔

حضور ایدہ اللہ کے دینی ذوق و شوق کی اِس شدّت کو سبھی نے دیکھا اور محسوس کیا اور آپکے ولولۂ خدمتِ دین کا اعتراف کیا۔ یہاں تک کہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اسے سلسلۂ عالیہ احمدیہ کی سچائی کی ایک بیّن دلیل قرار دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں جب کہ حضور ایدہ اللہ کی عمر صرف ۱۷ سال تھی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود نے اسلام کی حقانیت و صداقت ثابت کرنے کے لئے للّٰہیت کے اسی جذبہ کے تحت رسالہ "تشحیذ الاذہان" جاری فرمایا تو مولوی صاحب موصوف نے ریویو آف ریلیجز میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

"اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی مگر مَیں اس مضمون کو مخالفینِ سلسلہ کے سامنے بطور ایک بیّن دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے۔... اس وقت صاحبزادہ صاحب کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال ان کے دلوں میں ہوگا مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے۔ صرف اسی موقعہ پر نہیں بلکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ ہر موقعہ پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے۔..... ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس

جوش اور ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں .... اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا۔ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو چاہیئے تھا گندہ ہوتا نہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی نظیر نہیں ملتی .... اے بد قسمت لوگو! غور کرو کہ کیا مفتری کی اولاد جو اس کے افتراء کے زمانہ میں پیدا ہوا اور افتراء کے زمانہ میں پرورش پائے ایسی ہوا کرتی ہے؟ غور کرو کہ جس کی تعلیم و تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ کاذب ہے تو صادق کا نشان کیا ہے؟" (ریویو آف ریلیجنز جلد ۵ نمبر ۳)

اس ضمن میں محولہ بالا انٹروڈکشن سے حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے تحریر فرمودہ چند ایک فقرات ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں جن سے حضور کے زورِ قلم اسلوب بیان اور اندازِ فکر کا پتہ چلتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"کیا یہ تیرا خیال ہے کہ میں کسی بڑی قوم کا ہوں یا میرے پاس زر و جواہر ہیں یا میری قوتِ بازو بہت لوگ ہیں یا میں بڑا رئیس ہوں یا بادشاہ ہوں یا بڑا ذی علم آدمی ہوں، سجادہ نشین ہوں یا فقیر ہوں اس لئے مجھ کو اس رسول کے ماننے کی حاجت نہیں .... تھوڑوں نے اسے قبول کیا اور بہتوں نے انکار کیا جیسا کہ پہلے نبیوں کی سنت چلی آئی ہے۔" (تشحیذ الاذہان ملہ ایم مارچ ۱۹۰۶ء)

جب آپ کا یہ مضمون شائع ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ بھی اس کے مطالعہ سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بھی اس کا ذکر کیا۔

ذیل میں چند ایک اور ایسے امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے حضور دینی کاموں سے بے حد دلچسپی رکھتے اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

حضور ایدہ اللہ جب دس سال کے تھے اور پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے (یہ امر ملحوظ رہے کہ پانچویں جماعت کے بچے دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوتے اور لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہیں) تو آپ اس وقت "انجمن ہمدردانِ اسلام" کے صدر تھے جس کا پہلا اجلاس آپ کی صدارت میں ۳ مارچ ۱۸۹۹ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس مجلس کے مقاصد اس کے نام سے واضح ہیں۔

حضور خود نوشت سوانح حیات میں فرماتے ہیں کہ سن ۱۹۰۰ء میں جب حضور کی عمر ۱۱ سال کی تھی تو ایک رات آپ دیر تک خدا تعالیٰ کی ہستی پر غور فرماتے رہے آخر دس گیارہ بجے آپ کے دل نے فیصلہ کیا کہ فی الواقع ایک خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ یہ حضور ایدہ اللہ کے لئے بے حد خوشی کی گھڑی تھی جبکہ علیٰ وجہ البصیرت آپ نے خدا کو پالیا تھا۔ چنانچہ آپ نے دعا کی:-

"خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔"

سنہ ۱۹۰۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "انجمن ہمدردانِ اسلام" کا نام تبدیل فرما کر "انجمن تشحیذ الاذہان" رکھ دیا جس کے قیام سے غرض نوجوانوں کو تبلیغِ اسلام کے لئے تیار کرنا تھا۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ نے ۱۱ سال کی عمر میں ایک روز چاشت کے وقت نماز پڑھی اور یہ عہد کیا کہ آپ آئندہ نماز کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے نماز کبھی نہیں چھوڑی۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صدر انجمن احمدیہ قائم فرمائی اور حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ کو مجلس معتمدین میں شامل فرمایا جو آپ کے دینی کاموں میں شغف اور سلسلہ کے کاموں سے گہری وابستگی کی دلیل ہے۔ اسوقت آپ کی عمر ۱۷ سال تھی۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں جبکہ آپ کی عمر ۱۹ سال تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کے جسم مبارک کے پاس کھڑے ہو کر حضور علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو مخاطب کر کے آپ نے عہد کیا کہ:۔

"اگر سارے لوگ آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا" (بحوالہ الحکم جوبلی نمبر)

حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے اسوقت جبکہ احباب جماعت نے آپ سے عرض کیا کہ آپ خلافت قبول فرمائیں ایک تقریر فرمائی جس میں خلافت کے لئے آپ نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ گرامی اوّل نمبر پر رکھا۔

الغرض بچپن ہی میں المصلح الموعود ایدہ اللہ کے قلبِ صافی میں جذبۂ خدمتِ دین کا یہ وہی بیج تھا جو پڑھا، پھولا اور پھلا اور آج خدا کے فضل سے ایک تناور درخت کی صورت میں ہمیں چاردانگِ عالم میں پھیلا نظر آرہا ہے۔ اگر ایک طرف اسکی شاخیں یورپ، انگلستان، سپین اور امریکہ تک پھیلی ہوئی ہیں تو دوسری طرف اسکی شاخیں ملائشیا، انڈونیشیا اور فلپائن تک جا پہنچی ہیں اور اس تناور درخت کے شیریں پھلوں سے آج خدا کے فضل سے دنیا کی ہر قوم کے لوگ کثیر تعداد میں لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اسلام اپنی حقیقی شکل میں احمدیت کے رنگ میں آج دنیا کے کناروں تک جا پہنچا ہے اور قومیں اس سے فیضیاب ہو رہی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی نہایت آب و تاب سے پوری ہوتی ہم نے خود دیکھ لی ہے کہ:۔

"چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالیگا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کریگا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔" (تریاق القلوب صد ۶۴)

اللہ تعالیٰ حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ کو صحت و عافیت والی کامیاب و کامران لمبی زندگی عطا فرمائے تا آپ ساری دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اپنے کانوں سے سنیں۔ اللّٰھم اٰمین۔ اللّٰھم صلّ علی محمدٍ وعلی آل محمدٍ وبارک وسلم انّک حمید مجید ٭

"وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا"

(مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل منتظم عمومی مجلس انصار اللہ کراچی)

۱۲ر جنوری وہ مبارک تاریخ ہے جب آج سے ۷۵ برس پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح پاک امام زمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے مطابق مصلح موعود کا مقدس وجود عطا فرمایا اور ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو ہمارے پیارے امام حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کاشانۂ مسیح پاک میں رونق افروز ہوئے ؎

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد		دیر آمدۂ زراہ دور آمدۂ

حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی دربارہ مصلح موعود میں علاوہ اور بہت سی باتوں کے اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کی ایک خصوصیت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ "وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے الہام میں کوئی لفظ بغیر مقصد استعمال نہیں ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی خصوصیت ہے کہ وہ رطب و یابس سے پاک ہوتا ہے۔ پس ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ حضرت مصلح موعود حسن و احسان میں حضرت مسیح موعودؑ کے کن مختلف پہلوؤں سے نظیر ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر غور سے حضور کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو ایک دیدۂ بینا کو قدم قدم پر اس الہام کی عظمت و صداقت کا ثبوت ملتا ہے اور غور و فکر اور تدبر سے کام لینے والا انسان حیران رہ جاتا ہے کہ حضور اپنے مقدس باپ مسیح موعودؑ سے کتنے مشابہ ہیں۔ حضور کی پاک زندگی کو دیکھتے ہوئے اور حضور کی سیرت طیبہ کے گوہر آبدار کے مختلف درخشاں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم		کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

لیکن پیشتر اس کے کہ میں اس بارے میں کچھ عرض کروں مناسب ہوگا کہ حضور کی ابتدائی زندگی کے حالات اور سوانح مختصر طور پر بیان کر دیئے جائیں۔ سو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے حضرت اقدس ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو بروز شنبہ قادیان دارالامان میں پردۂ غیب سے عالم شہود میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کی ولادت پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں آپ کی ولادت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اپنی بعض سابقہ پیشگوئیاں یاد دلائیں اور اسی اشتہار میں لوگوں کو بیعت پر آمادہ کرنے کے لئے دس شرائط بیعت کا اعلان فرمایا جس کے کچھ عرصے بعد لدھیانہ میں پہلی بیعت ہوئی۔ گویا حضرت مصلح موعود کی ولادت اور جماعت احمدیہ کی ابتدا ایک ساتھ ہوئی اور جسمانی اور روحانی اعتبار سے

یہ دونوں توام ہیں۔ جب حضور تعلیم کی عمر کو پہنچے تو مقامی اسکول میں آپ کو داخل کیا گیا مگر آپ کو کتابی تعلیم سے کبھی بھی دلچسپی پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ بعض اوقات اساتذہ حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کرتے کہ انہیں پڑھائی کی طرف توجہ نہیں۔ ایک دفعہ جب ریاضی کے استاد نے زیادہ اصرار کے ساتھ اس طرف توجہ دلائی تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا "جس حد تک یہ شوق سے پڑھتا ہے پڑھنے دو ہمیں ان پڑھائیوں کی زیادہ ضرورت نہیں ہے"۔ چنانچہ انٹرنس تک یہی حال رہا اور آخر میٹرک میں فیل ہوجانے کی وجہ سے آپ کی درسی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس طرح یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود آپ کا استاد ہے۔ اگر دنیوی لحاظ سے آپ کو بڑی بڑی ڈگریاں مل جاتیں تو پیشگوئی کا یہ پہلو کہ "وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا" اتنی شان کے ساتھ کس طرح ظاہر ہوتا لیکن آپ کی زندگی کا یہ پہلو ایک دوسرے رنگ میں خود حضرت مسیح موعودؑ کی ابتدائی زندگی سے مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی دنیوی اور تدریسی علم برائے نام حاصل کیا اور آپ بھی کسی کالج یا یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ نہیں تھے گویا حضرت مسیح موعودؑ سے حضرت مصلح موعود کی مشابہت ابتدائی زمانہ ہی سے شروع ہوگئی۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مصلح موعود کو بچپن ہی سے خدمتِ دین کا بڑا شوق رہا ہے۔ جب حضرت مسیح موعودؑ نے احمدی نوجوانوں سے خدمتِ دین کے لئے آگے آنے کی اپیل کی تو باوجود اس کے کہ حضرت مصلح موعود کی نوعمری کا زمانہ تھا آپ نے اس ارشاد کی تعمیل میں ایک انجمن تشحیذ الاذہان قائم کرکے اور اسی نام کا ایک رسالہ جاری کرکے خدمتِ دین شروع کردی۔ گویا تحریر و تقریر کا ولولہ اور خدمتِ دین کا جذبہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرح آپ کی گھٹی میں پڑا ہے اور آخر کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کا الہام یہ بتا چکا ہے کہ "وہ حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا"۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رحلت کے وقت حضرت مصلح موعود کی عمر ساڑھے اُنیس سال تھی۔ اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے آپ کو خصوصی تربیت میں لے لیا۔ آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ سے قرآن کریم اور حدیث و تصوف کی بعض کتب کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے اپنے شاگردوں کو سوال پوچھنے کی آزادی دے رکھی تھی لیکن حضرت مصلح موعود کا فطری جوہر چونکہ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کی دوربین نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا اس لئے آپ کو یہ ہدایت تھی کہ آپ سوال پوچھنے کی بجائے خود غور و فکر کرکے مسائل حل کریں۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کو زبردست مشابہت حاصل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ بھی قرآن کریم اور دینی مسائل پر انتہائی گہرے غور و فکر کے عادی تھے اور خود مسائل کا حل تلاش فرماتے تھے۔ آپؑ کے صحابہؓ کا کہنا ہے کہ بعض اوقات حضرت اقدسؑ کئی کئی گھنٹے قرآن کریم کی ایک آیت پر غور فرماتے رہتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضورؑ قادیان سے بٹالہ کی طرف بیل گاڑی میں تشریف لے جا رہے تھے اُس زمانے کی سفر کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے یہ سفر پانچ چھ گھنٹے سے کم کا نہیں تھا۔ اس تمام عرصے میں حضورؑ قرآن کریم کے مطالعہ میں انتہائی انہماک سے مصروف رہے اور صفحہ تک نہیں اُلٹا۔ الغرض مسیح پاک کا حُسن و احسان میں یہ نظیر ہر پہلو سے

اپنے مقدس باپ سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔

۱۹۱۱ء کے اوائل میں آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی اجازت سے ایک انجمن انصار اللہ قائم فرمائی جس کے اراکین کا فرض تھا کہ وہ خدمتِ دین اور تبلیغِ اسلام کے لئے اپنا وقت دیں، لوگوں کے لئے پاک نمونہ بنیں اور آپس میں محبت اور اخوّت کا تعلق بڑھائیں۔ ۱۹۱۲ء میں آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور اس سفر میں بھی خوب تبلیغ کی ۱۹۱۳ء میں الفضل جاری فرمایا۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ میں صدر انجمن احمدیہ کے صدر بھی رہے۔ گویا اوائل عمر ہی میں حضور کو خدمتِ دین اور تبلیغِ اسلام کا زبردست شوق تھا اور آپ صحیح معنوں میں حضرت مسیح موعودؑ کے نظیر ہیں۔

۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو ہفتہ کے روز بعد نماز عصر آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفۂ ثانی منتخب ہوئے۔ گویا جسمانی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی روحانی اولاد میں بھی نمایاں مقام حاصل کر کے اور جماعت کے امام بن کر اپنے بزرگ باپ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوئے۔

حضرت امیر المومنین اطال اللہ بقاءہٗ کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اس سال ۵۰ برس پورے ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سال آپ کی خلافت کی گولڈن جوبلی منائی جائے گی۔ اس بابرکت عہد میں دنیا میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ایک واضح شکل اختیار کر چکی ہے اور جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھوں یحی الدّین ویقیم الشریعۃ کا عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔ اسی طرح حضرت مصلح موعود کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو غیر معمولی ترقی اور کامیابی عطا فرمائی اور دنیا میں غلبۂ اسلام کے اسباب مہیا کرنے کی توفیق دی۔

حضرت مسیح موعودؑ کی طرح آپ کی ذات بھی مجموعۂ صفاتِ حسنہ نظر آتی ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعودؑ مردانہ حُسن کا ایک باوقار نمونہ تھے اسی طرح حضرت مصلح موعود بھی ایک باوقار اور پُرشکوہ شخصیت کے مالک ہیں اور آپ سے ملاقات کرنے والا ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے اور کسی مقام سے تعلق رکھتا ہو مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے بڑے سے بڑے پادری یا بڑے سے بڑے عالم کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی تھی اسی طرح حضرت مصلح موعود کے سامنے ہم نے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوتے دیکھا ہے۔ بڑے بڑے عالم، فلاسفر، سائنسدان، سیاستدان، ادیب، شاعر، منطقی، صوفی، دہریہ، غرضیکہ کسی طبقے اور کسی بھی مقام کا آدمی ہو آپ کے سامنے خود کو طفلِ مکتب پاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جلسۂ اعظم مذاہب کے لئے جو ۱۸۹۶ء میں لاہور میں ہوا "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا لیکچر تصنیف فرمایا۔ اس لیکچر کے سننے کے بعد دشمن تک پکار اٹھے کہ یہ ایک ایسا بے نظیر لیکچر ہے جس کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ اس لیکچر کے ذریعہ حضرت مسیح موعودؑ نے دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری نہایت دلکش اور مؤثر انداز میں ثابت کی بعینہٖ ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعود نے لندن میں منعقد ہونے والی

مذاہب کانفرنس کے لئے ایک مضمون لکھا جو "احمدیت یا حقیقی اسلام" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ عالمانہ مضمون بھی اتنی زبردست شان کا حامل ہے اور اس میں اسلام کی ایسی دلکش تصویر پیش کی گئی ہے کہ کوئی غیر مسلم اسے پڑھ کر اسلام کی خوبیوں سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر مصلح موعود کی پیشگوئی کا یہ حصہ پوری شان کے ساتھ ظہور فرما ہوا کہ "وہ حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا"۔

حضرت مسیح موعودؑ نہایت بُردبار، متحمل مزاج اور حُسنِ اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے اور اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحیح معنوں میں آپؑ کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن یعنی آپؑ کے اخلاق قرآن کی عملی تفسیر تھے یہی حال حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کا ہے۔ آپ بھی قرآن کریم کی جیتی جاگتی تفسیر اور چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ وہی مومنانہ شان، وہی غیرت و حمیت، وہی زہد و ورع، وہی تقدس و عصمت، وہی رأفت و ہمدردی اور وہی عبادتِ الٰہی کا شغف اور خدمتِ بنی نوع انسان کا ولولہ جو قرآن کریم مومنوں کی صفات کے طور پر بیان کرتا ہے آپ میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے اور آپ حُسن و احسان میں مسیح موعود کے واقعی نظیر ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو دو خُلق خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک اپنے خداداد مشن پر کامل یقین اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر عشق۔ یہ دو اوصاف آپؑ کے اندر اس کمال کو پہنچے ہوئے تھے کہ آپؑ کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون میں ان کا پُر زور جلوہ نظر آتا ہے۔ یہی حال حضرت مصلح موعود کی سیرتِ طیبہ پر غور کرنے والوں کو نظر آتا ہے۔ اپنے مشن یعنی احیائے اسلام اور تبلیغِ دین حضرت خیر الانام کے مقدس فریضے پر اتنا غیر متزلزل یقین آپ کو حاصل ہے جس کی نظیر انبیاء کی جماعت کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ اس طرح آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق ہے اس کے ثبوت میں آپ کی زندگی کا ہر لمحہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا کوئی خطبہ، کوئی تقریر، کوئی تحریر ایسی نہیں جس میں قدم قدم پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا نام نہ آتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔

جس طرح حضرت مسیح موعودؑ صبر و استقلال اور شجاعت کا پیکر تھے اور بڑی سے بڑی مصیبت کے مقابلے میں محض اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے تنِ تنہا سینہ سپر ہو جاتے تھے یہی صورت حضرت امیر المومنین میں بھی بڑی شان سے دکھائی دیتی ہے۔ خلافتِ ثانیہ کے اس طویل دور میں بڑے بڑے فتنے اُٹھے۔ منکرینِ خلافت کا فتنہ، مستریوں اور مصری کا فتنہ، احرار کا فتنہ، تقسیم ملک کے وقت، ہجرت کی مصیبت، نئے مرکز کا قیام، ۱۹۵۳ء میں احراریوں اور مودودیوں کا عظیم فتنہ، منافقین کا فتنہ، غرضیکہ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی آپ کو اس قدر صبر و استقلال اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس قدر اطمینان رہا کہ آپ کا قدم ذرا نہیں لڑکھڑایا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ هُوَ النَّاصِرُ کہتے ہوئے آپ اپنی منزلِ مقصود کی طرف آگے ہی آگے بڑھتے گئے اور جماعت کو ہر قسم کی مصیبت کے شر سے

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور تدبر سے پوری طرح محفوظ رکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف عطا فرمایا تھا اسی طرح حضرت مصلح موعود سے بھی اللہ تعالیٰ کا سلوک بڑا مشفقانہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو سنتا اور آپ کو اپنے الہام سے سرفراز فرماتا ہے اور آپ کو رؤیا و کشوف بڑی کثرت سے عطا فرماتا ہے۔ آپ کی سینکڑوں پیشگوئیاں اور الہامات پورے ہو چکے ہیں جس کے لاکھوں گواہ موجود ہیں اور اس طرح آپ کی حضرت مسیح موعودؑ سے ایک اور مماثلت پوری ہوئی۔

حضرت مسیح موعودؑ سے حضرت مصلح موعود کی ایک اور مماثلت آپ کے وہ رؤیا و کشوف ہیں جو آپ کو اپنی اولاد کے متعلق ہوئے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو ہمیشہ اپنی اولاد کے متعلق قبل از وقت خوشخبری دی جاتی رہی چنانچہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ، حضرت مرزا بشیر احمدؓ، حضرت مرزا شریف احمدؓ، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی، حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے انکی ولادت سے پہلے خوشخبریاں دیں خصوصاً ایک بیٹے یعنی حضرت مصلح موعود کے متعلق یہ بتایا گیا کہ آپ سے دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہوگا اسی طرح حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کو بھی اپنی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے خوشخبری ملتی رہی ہے اور ان میں سے ایک بیٹے کے متعلق خاص طور سے بتایا گیا کہ وہ دین کا ناصر ہوگا چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولادت سے پیشتر آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ "میں تجھے ایک لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا اور اسلام کی خدمت میں کمربستہ ہوگا"۔ اس کے مطابق آپ کے ہاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے موجودہ صدر) پیدا ہوئے اور جیسا کہ حضور کو خبر دی گئی تھی آپ ہوش سنبھالتے ہی خدمت اسلام کیلئے وقف ہو گئے۔ آپ نے مجلس خدام الاحمدیہ کی برسوں قیادت فرمائی اور ہر اہم دینی تحریک میں سب سے آگے رہے ہیں۔ آپ نے آکسفورڈ سے ایم۔اے کیا، قرآن کریم کے حافظ ہیں، علوم اسلامیہ کے ماہر اور اقتصادیات پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ خدمت دین کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

پھر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی پیدائش سے پہلے رؤیا میں دیکھا کہ منارہ ہل رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے دیکھا منارہ ہل رہا ہے اور اس کی اوپر کی منزل اتر کر ہمارے گھر میں آ گئی ہے اور بغیر کسی نقص کے سیدھی کھڑی ہو گئی ہے۔ پہلے تو مجھے تشویش ہوئی مگر اس رؤیا کے بعد میرے گھر یہ لڑکا پیدا ہوا اس لئے میں نے اس کا نام منور احمد رکھا"۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن کریم سے عشق تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کے خزانے سے ایسے ایسے تابدار موتی اور گنجہائے گراں مایہ دنیا کے سامنے پیش کئے کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ آپ نے بالمقابل تفسیر نویسی کے لئے تمام علماء عرب و عجم کو چیلنج دیا مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت مصلح موعود نے قرآن کریم کے وہ معارف اور نکات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ تفسیر کبیر اور

تفسیر صغیر قرآن کریم کی شان دنیا پر ظاہر کرنے کے سلسلے میں اس زمانے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ آپ نے بھی بالمقابل تفسیر نویسی کا چیلنج دیا لیکن کسی بڑے سے بڑے عالم کو یہ جرأت آج تک نہ ہو سکی کہ آپ کے مقابلے میں آکر قرآن کریم کی تفسیر کر سکے۔ اس طرح بھی دنیا پر یہ ظاہر ہو گیا کہ مصلح موعود کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا" بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے سلطان القلم قرار دیا اور آپ کی تصانیف و تالیفات اسّی سے زیادہ ہیں۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کو اللہ تعالےٰ نے اس صنف میں بھی مسیح موعودؑ کا مثیل بنایا ہے۔ چنانچہ حضور نے بھی تحریر و تقریر میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی نظیر پچھلے تیرہ سو برس میں نہیں ملتی۔ حضور کی تقریروں کے مجموعے اور متعدد تصانیف چھپ کر قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ تفسیر کبیر جیسی عظیم تالیف کے علاوہ حضور کی بے شمار دوسری کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ حضور صحیح معنوں میں سلطان القلم کے مثیل ہیں۔ لیکن ایک اور خاص بات جو حضور کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس میدان میں مماثلتِ تامہ بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے زمانے میں ملکہ وکٹوریہ کو تبلیغ کر کے پیغام حق پہنچایا اور "تحفہ قیصریہ" کی تصنیف فرمائی اسی طرح حضرت مصلح موعود نے "تحفۃ الملوک" اور "دعوۃ الامیر" جیسی نادر تصانیف کے ذریعہ نظام حیدرآباد اور امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کو پیغام حق پہنچایا۔ اس کے علاوہ "تحفہ شہزادہ ویلز" اور "تحفہ لارڈ ارون" حضور کے اس درد اور جذبۂ تبلیغ کو ظاہر کرتے ہیں جو حضور کے قلبِ مطہر میں اسلام کے لئے پایا جاتا ہے۔ اس طرح حضور کی ان تصنیفات کے ذریعے اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش ہوئی اور ایک مرتبہ پھر بڑے زور کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ الہام سچا ثابت ہوا کہ "وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا"۔

غرض اللہ تعالیٰ نے حضور کی سیرت کی کچھ اس انداز میں تشکیل کی ہے اور حضور کی ذاتِ ستودہ صفات کو ایسے سانچے میں ڈھالا ہے کہ کسی شعبے میں کسی پہلو سے نظر ڈالی جائے نہایت واضح طور پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے عالم الغیب کا یہ ارشاد کہ "وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا" بالکل صحیح، بالکل سچا اور سراسر حقیقت پر مبنی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے عہدِ سعادت میں حکومت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ پیشوایانِ مذاہب کی عزت کی حفاظت کے لئے مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا تھا کہ اس بارے میں ملکی قانون بہت کمزور اور ناقص ہے اس لئے مختلف مذاہب کے بزرگوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں اور اس سے ملکی فضا بہت خراب رہتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس بارے میں چند تجاویز بھی پیش فرمائی تھیں مگر

اُس وقت کی حکومت نے اِس طرف توجہ نہ دی اور حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی اپنے عہد میں حکومت کو اِس طرف توجہ دلائی مگر پھر بھی حکومت متوجہ نہ ہوئی۔ آخر ایک ایسا موقعہ آیا کہ حکومت کو مجبوراً اِس طرف توجہ دینی پڑی۔ ایک آریہ راجپال نے ۱۹۲۴ء میں "رنگیلا رسول" نامی ایک کتاب شائع کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر نہایت گندے حملے کئے گئے تھے۔ حکومت نے اس پر مقدمہ چلایا لیکن قانون کی کمزوری کی وجہ سے مئی ۱۹۲۷ء میں راجپال بُری کر دیا گیا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد اپریل ۱۹۲۹ء میں علم دین نامی ایک مسلمان نوجوان نے راجپال کو قتل کر دیا۔ اِس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے پھر حکومت کو متوجہ کیا اور فرمایا کہ جب تک اِس قسم کی اشتعال انگیز تحریریں اور تقریریں بند نہیں ہوں گی اِس قسم کے واقعات ہوتے رہیں گے۔ آپ نے شملہ میں سرکاری افسروں سے ملاقات کی، آپ کی ہدایت پر مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے انگلستان کے اخبارات میں یہ سوال اٹھایا اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو توجہ دلائی اور آخر حکومت نے قانون کی خامی دُور کر کے اسے زیادہ سخت کر دیا۔ چنانچہ حضور کی اِن کوششوں کا اعتراف اُس وقت بہت سے اخباروں مثلاً انقلاب، ہمدرد، مشرق اور دُرِّ نجف نے کیا۔ اِس طرح حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعودؑ کی اِس خواہش کی تکمیل کرنے میں کامیابی حاصل کی کہ پیشوایانِ مذاہب کے احترام کا مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ اِس طرح گویا حضور نے حضرت مسیح موعودؑ سے مماثلت کا ایک اَور مظاہرہ فرمایا۔

غرض کسی پہلو سے بھی دیکھا جائے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہے کہ خدا تعالیٰ کا الہام انتہائی شان کے ساتھ پورا ہُوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کے بارے میں جو یہ فرمایا تھا کہ "وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا" آج ہماری آنکھوں کے سامنے پورا ہو چکا ہے۔

آخر میں درخواست ہے کہ ہم سب کو حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی صحت یابی کے لئے دردِ دل سے دعا کرنی چاہیئے بقول حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی ؎

آج فرزندِ مسیحائے زماں بیمار ہے   دعوئ دارانِ محبت سو رہے جا کر کہیں؟
قومِ احمدؐ جاگ تُو بھی جاگ اِسکے واسطے   اَن گنت راتیں جو تیرے درد سے سویا نہیں

پس آیئے! ہم سب مل کر دعا کریں کہ مولا کریم ہمارے پیارے امام کو صحتِ کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور حضور کو کام کرنے والی لمبی زندگی دے۔ آمین

اے مرے مولا مرے مالک اے میرے کردگار   اے کہ تیری رحمتیں ہم پر ہیں بے حد و شمار
اے مرے ہادی مرے شافی مرے آمرزگار   اے مرے پیارے نہیں ہوتا ہے اب اَور انتظار

اب تو دل خوں ہو گئے آنکھیں ہیں ہر دم اشکبار
میرے آقا کو شفا دے دے مرے پروردگار

رحم کر ہم پر خطائیں بخش دے مولا کریم
اپنے بندوں پر نظر رحمت کی کر رب الرحیم
دل ہمارے ہو گئے ہیں شدتِ غم سے دو نیم
ختم کر دورِ خزاں اب پھر چلا بادِ نسیم
شافیٔ مطلق مرے مولا مری سن لے پکار
میرے آقا کو شفا دے دے مرے پروردگار

ہم ترے ناچیز بندے ہیں ہمارا تُو ہے رب
تیرے ہی در پہ پڑے ہیں ہم تو مولا روز و شب
تُو نے فرمایا اُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ہے جب
اپنے ان ناچیز بندوں کی دعائیں سن لے اب
چھُٹ چلا ہے ہاتھ سے اب دامنِ صبر و قرار
میرے آقا کو شفا دے دے مرے پروردگار

وہ کہ جس نے رات دن اسلام کی تبلیغ کی
زندگی جس کی سراسر خدمتِ دیں میں کٹی
جس نے دینِ حق کی خاطر جان کی پرواہ نہ کی
خدمتِ قرآں میں جس نے گذاری زندگی
اس کی بیماری نے کر رکھا ہے ہم کو بے قرار
میرے آقا کو شفا دے دے مرے پروردگار

پھر وہ دن آئیں کہ مجلس میں ہو وہ جلوہ کناں
پھر وہ شمع اپنے پروانوں کے آئے درمیاں
پھر ہوں پہلے کی طرح عرفان کے چشمے رواں
پھر ہمیں لے چل الٰہی قادیاں دارالاماں
مضطرب دل کو کسی صورت تو آ جائے قرار
میرے آقا کو شفا دے دے مرے پروردگار

خدا تعالیٰ کے دروازے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

" جو لوگ ہر ایک ناپاکی کے دروازے اپنے پر بند کرتے ہیں اُنہیں پر اُس پاک کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔"

(تبلیغ رسالت جلد چہارم ص۵۰)

مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا ایک کشف

۳۷ سال بعد قلبِ یورپ میں اس کشف کا ایمان افروز ظہور

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے روزِ سعید کی مبارک ساعتوں میں مصلح موعود والی پیشگوئی شائع ہونے کے بعد سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک کشف کے ذریعہ بھی مصلح موعود کے پیدا ہونے اور اُس کے ہاتھوں عظیم الشان کارنامے انجام پانے کی بشارت دی اور آپ پر یہ ظاہر فرمایا کہ آپ کے اِس اولوالعزم فرزندِ موعود کا نام محمود ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اپنے اِس کشف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اُس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور مَیں نے مسجد کی دیوار پر اُس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ:۔

محمود

تب مَیں نے اِس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا جس کی تاریخِ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۴۰)

مذکورہ بالا کشف میں نہ صرف یہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر یہ ظاہر کیا گیا کہ مصلح موعود کا نام محمود ہوگا بلکہ آپ کو مصلح موعود کا یہ نام ایک مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا نظر آیا۔ مسجد کی مناسبت سے اِس کشف کی ایک وسیع تر تعبیر یہ تھی کہ مصلح موعود خلافت کے منصب پر بھی فائز کیا جائے گا۔ چنانچہ جب ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کے خلیفہ ثانی منتخب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جماعت کی قیادت و سربراہی آپ کے سپرد ہوئی تو کشف کا یہ حصہ جس میں مصلح موعود کا نام مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا نظر آیا تھا بڑی آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا اور دنیا پر یہ آشکار کرنے کا موجب بنا کہ فی الحقیقت آپ ہی پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مصداق یعنی مصلح موعود ہیں۔ ہرچند کہ اپنے تعبیری معنوں کی رُو سے

یہ کشف ۱۹۱۴ء میں ہی پورا ہو چکا تھا تاہم الہٰی مقدرات میں اس کا ظاہری لحاظ سے ابھی پورا ہونا باقی تھا اور اسے پورا بھی ہونا تھا پورے ۷۲ سال بعد اور وہ بھی مصلح موعود کے اپنے وطن سے ہزار ہا میل دور خاص قلب یورپ میں۔ وہ اس طرح کہ جب گزشتہ سال سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورک میں سیدنا حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے ارشاد کے ماتحت جماعت احمدیہ کو سوئٹزرلینڈ کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کرنے کی غیر معمولی توفیق ملی تو حضور کی خصوصی اجازت اور منظوری سے اس مسجد کا نام "مسجد محمود" رکھا گیا۔ چنانچہ مصلح موعود کا نام (جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آج سے ۷۳ سال قبل ایک کشف میں دکھایا گیا تھا) اس مسجد کی دیوار پر بخطِ جلی لکھا ہوا ہے اور اہلِ شہر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور اس امر پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہا ہے کہ مصلح موعود کے نام اور اس کے کام کا تذکرہ دنیا کے کناروں تک پہنچ چکا ہے اور اس کی شہرت دنیا میں دور دور تک پھیل چکی ہے۔ چنانچہ جب ۲۲ جون ۱۹۶۳ء کو اس عالیشان مسجد کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی تو مبلغ سوئٹزرلینڈ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے سوئٹزرلینڈ کے سربرآوردہ حضرات سے خطاب کرتے ہوئے اس امر پر بھی روشنی ڈالی کہ سوئٹزرلینڈ میں تعمیر ہونیوالی اس سب سے پہلی مسجد کا نام "مسجد محمود" کیوں رکھا گیا ہے اور یہ نام اس کی دیوار پر جلی حروف میں کیوں کندہ ہے۔ اس تعلق میں انہوں نے پیشگوئی مصلح موعود اور اس کی اہمیت اور اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا کشف کا بھی ذکر کیا اور اس طرح بتایا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا یہ کشف اب ۷۳ سال بعد اپنے ظاہری معنوں کے لحاظ سے بھی پورا ہو کر آپ کی صداقت کو ایک نئے رنگ میں ظاہر کر رہا ہے۔ اُن کی اس نہایت درجہ اہم تقریر کا متعلقہ حصہ ہم انگلستان سے شائع ہونے والے اسلامی مجلّہ "مسلم ہیرلڈ" سے یہاں درج کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:-

"خواتین و حضرات! آپ اس نو تعمیر شدہ مسجد کی دیوار پر جرمن حروف میں یہ نام لکھا ہوا دیکھ رہے ہیں "Mahmud Moschee" (یعنی "مسجد محمود")۔ قدرتی طور پر آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا ہوگا کہ اس نام کا مطلب کیا ہے اور یہ کیوں یہاں لکھا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ صاحبان کی اطلاع کے لئے اس مسجد کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالنا نامناسب نہ ہوگا۔ سو اس ضمن میں عرض ہے کہ وہ جماعت جس نے زرِ کثیر صرف کر کے یہ مسجد تعمیر کی ہے جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم ہے جسے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۸۹ء میں قائم فرمایا تھا۔ آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ آپ اس آخری زمانہ میں اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل کے طور پر دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں اور یہ کہ آپ کے وجود

میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی پوری ہوئی ہے اور اس لحاظ سے آپ وہی موعود دریفادمر ہیں جس کے ظہور کی متعدد انبیائے ماسبق اور دیگر اولیاء اللہ نے خبر دی تھی۔ آپ کی بعثت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ وہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو دنیا میں آشکار کرنے کے لئے ایک عظیم الشان نشان ظاہر کرے گا۔ آپ نے اس خدائی وعدے کو جو ایک پیشگوئی کے رنگ میں تھا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار کی شکل میں شائع فرمایا۔ وہ پیشگوئی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نو سال کے اندر اندر آپ کو ایک زکی غلام یعنی عظیم الشان صفات والا فرزند عطا فرمائے گا۔ وہ لڑکا دنیا میں جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا، وہ لوگوں پر دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کر دکھائے گا، وہ جلد جلد بڑھے گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیشگوئی شائع فرمانے کے بعد یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ایک اور اشتہار شائع فرمایا جو آپ کے ایک کشف پر مشتمل تھا۔ اس کشف میں آپ کو اس فرزندِ موعود کا نام "محمود" ایک مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا دکھایا گیا تھا۔ یہ دراصل پیشگوئی تھی کہ یہ فرزندِ موعود آپ کے جانشین کے طور پر خلافت کے بلند منصب پر فائز کیا جائے گا۔ یہ اولوالعزم فرزندِ موعود خدائی وعدہ کے عین مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا۔ جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام جن کا نام نامی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کے وہی فرزندِ موعود ہیں۔ آسمانی بشارت کے مطابق آپ خارقِ عادت طور پر نہایت درجہ ذہین و فہیم واقع ہوئے ہیں اور آپ نے اپنی زندگی میں بہت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں ابھی آپ کی عمر ۲۵ سال ہی تھی کہ جماعت نے آپ کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا جانشین یعنی خلیفۂ ثانی منتخب کیا۔ آپ کی رہنمائی اور قیادت میں جماعتِ احمدیہ زمین کے کناروں تک پھیل چکی ہے۔ قرآنِ مجید کے دنیا کی اٹھارہ زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں جن میں سے بعض تراجم تو کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں اور باقی بھی رفتہ رفتہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائیں گے۔ برِصغیر پاک و ہند میں قائم ہونے والے مراکز کے علاوہ باقی دنیا میں جماعتِ احمدیہ کے ۵۰ کے قریب تبلیغی مراکز قائم ہو چکے ہیں جو اپنے سے دس گنا زیادہ تعداد میں ذیلی مراکز اور اُن کی شاخوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں

ہیں سکولوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔ ایسے ۵۰ سے زائد تعلیمی ادارے گھانا، نائیجیریا، سیرالیون، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، ملایا اور انڈونیشیا میں کامیابی سے چل رہے ہیں: "مسجد محمود" یورپ میں پانچویں اور اگر جماعت احمدیہ کی طرف سے امریکہ اور افریقہ میں تعمیر کردہ مساجد کو بھی شامل کر لیا جائے تو دنیا میں ۲۰۷ ویں مسجد ہے۔ یہ تمام مساجد جنہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے فرزند موعود حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ہی تعمیر کرایا ہے ایک زبردست نشان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سب مساجد پر ظاہری طور پر نہ سہی معنوی طور پر از خود آپ کا نام کندہ ہے اور یہ اپنی اس حیثیت میں اس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آج سے ۷۷ سال قبل کی گئی تھی۔ اس عظیم الشان خدائی نشان کو اپنے ذہنوں میں مستحضر رکھنے کے لئے آپ کی خاص اجازت اور منظوری سے اس مسجد کا نام آپ کے اپنے نام پر "مسجد محمود" رکھا گیا ہے۔"

(ترجمہ از "مسلم ہیرلڈ" لندن بابت دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۵)

حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے عہد سعادت میں عین قلب یورپ میں ایک عالیشان مسجد کا تعمیر ہونا اور اس کی دیوار پر آپ کے نام کا کندہ ہونا ایک عظیم الشان خدائی نشان ہے جو ہمارے لئے از حد خوشی اور ازدیاد ایمان کا موجب ہے کیونکہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے آج سے ۷۳، ۷۴ سال پہلے دکھایا تھا ایک دفعہ پھر اپنے ظاہری معنوں کی رُو سے بڑی آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا ہے اور اس سے پیشگوئی مصلح موعود کی عظمت و اہمیت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ایک نئے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ خاص خدائی بشارت کے بغیر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ اس کے ہاں ایسا اولوالعزم فرزند پیدا ہوگا اور پھر نہ صرف یہ کہ وہ زندہ رہے گا بلکہ دراز عمر پائے گا اور وہ اسلام کو دنیا میں غالب کر دکھانے میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے گا کہ دنیا مبہوت ہو کر رہ جائے گی۔ اور پھر کس میں یہ طاقت تھی کہ وہ یہ پیشگوئی کرنے کے بعد دنیا کے کونے کونے میں اس کے لفظ لفظ کو پورا بھی کر دکھائے۔ وہ سینکڑوں مساجد جو یورپ و ایشیا اور افریقہ و امریکہ میں حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود نے تعمیر کرائی ہیں اس امر کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہی ہیں کہ آج قلب یورپ میں تعمیر ہونے والی ایک مسجد پر ہی نہیں

بلکہ مشرق و مغرب کی سینکڑوں مسجدوں کی دیواروں پر مصلح موعود کا نامِ نامی جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ وہ مسجد جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج سے ۷۴ سال قبل دکھائی گئی تھی رُوئے زمین پر تعمیر ہونے والی سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں ہزار مسجدوں کی قائم مقام تھی کیونکہ آئندہ بھی دنیا کے دُور و دراز ممالک میں جماعتِ احمدیہ کو جو نئی مسجدیں تعمیر کرنے کی توفیق ملے گی وہ مصلح موعود کی برکت کے طفیل ہی ملے گی اور ان سب کی دیواروں پر معنوی لحاظ سے مصلح موعود ہی کا نام ثبت ہوتا چلا جائے گا اور دنیا پر یہ حقیقت آشکار ہوتا چلا جائے گا کہ دنیا میں اسلام غالب آیا ہے تو مصلح موعود کی موعودہ اولوالعزمی کے طفیل ہی غالب آیا ہے۔

خدائی وعدوں کے پیہم پورا ہوتے چلے جانے پر ہمارا اوّلین فرض یہی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی اس آواز پر لبیک کہیں اور کہتے چلے جائیں:۔

"اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو، اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہو تو قدم بقدم اور شانہ بشانہ میرے ساتھ بڑھتے چلے آؤ تاکہ ہم کفر کے قلب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیں اور باطل کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم سے نیست و نابود کر دیں اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں"

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء مطبوعہ الفضل ۱۹ فروری ۱۹۶۰ء)

مسیح پاکؑ کی عاجزانہ دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

"اے میرے قادر خدا میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اُٹھ جائے اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے اور زمین تیرے راستباز اور موحّد بندوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے"

(حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۱۶۴)

غلامانِ محمدؐ

(مکرم شیخ روشن دین صاحب تنویر۔ ربوہ)

پھر جوش سے اُٹھے ہیں غلامانِ محمدؐ
سینوں سے لگائے ہوئے قرآنِ محمدؐ

ہے خوفِ خدا کا جو جلال اُن کی نظر میں
کردار سے ہے جلوہ نما شانِ محمدؐ

ہے حُسنِ عمل اُسوۂ حسنہ کے سوا کیا
قرآن ہے اِک روضۂ رضوانِ محمدؐ

پھر شور زمانے میں پڑا صلِّ علیٰ کا
خدامِ مسیحؑ ہیں حُدی خوانِ محمدؐ

تنویر کو یارب دے اسی راہ کی توفیق
جس راہ چلے بوذرؓ و سلمانؓ محمدؐ

بچوں کا صفحہ

بچے کا پہلا سفر

(محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی۔ لاہور)

قریش کی ساری قوم تجارت پیشہ تھی۔ ہر سال اُن کے تجارتی قافلے شام، عراق، فلسطین، اور مصر تک جایا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ہندوستان سے لے کر چین تک کے ممالک سے ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جو چیزیں دوسرے ملکوں میں ہوتیں وہ خرید لاتے۔ جو اپنی چیزیں لے جاتے وہ دوسرے ملکوں میں بیچ آتے۔

تجارت میں قریش کو ایک بڑی آسانی یہ تھی کہ اگرچہ عرب میں اُس وقت عام طور سے لُوٹ مار کی گرم بازاری تھی۔ افراد چھوڑ قافلے تک بھی ڈاکوؤں، رہزنوں اور لٹیروں سے امن میں نہ تھے۔ مگر قریش چونکہ کعبہ کے متولّی تھے اور کعبہ کی تعظیم عرب کا ہر شخص کرتا تھا اس لئے قریش کا سارے عرب کے لوگوں میں خاص ادب تھا اور اِسی احترام کا نتیجہ تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے صحراؤں کو عبور کرتے، جنگلوں میں سفر کرتے، وادیوں میں سے پھرتے اور بیابانوں میں سے گزرتے تھے مگر انہیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔

ابوطالب بھی اِسی قوم کے ایک معزز فرد تھے اور اکثر تجارت کے لئے قافلہ کے ساتھ شام جایا کرتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد جب اُن کو شام کا تجارتی سفر پیش آیا تو اُس وقت اُن کے بھتیجے کی عمر دس برس کی تھی۔ ابوطالب کو اگرچہ بھتیجے سے کمال درجہ کی محبت تھی اور وہ اُن کو اپنے سے جُدا کرنا نہیں چاہتے تھے مگر راستہ دشوار اور منزل کٹھن تھی اور بھتیجے کی ذرا سی تکلیف بھی چچا کو گوارا نہ تھی اس لئے انہوں نے چاہا کہ بھتیجے کو گھر پر ہی چھوڑ جائیں اور اسکے دوسرے چچاؤں کو اس کی حفاظت اور خبر گیری کی تاکید کر جائیں چنانچہ سفر کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ سامان بندھتا رہا اور یہ سب کچھ ننھے بچّے کے سامنے ہوتا رہا مگر وہ کچھ نہ بولا اور چُپ رہا۔

جب روانگی کا وقت آیا اور ابوطالب اونٹ پر چڑھ کر جانے لگے تو بھتیجے نے آگے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور بڑے ہی درد بھرے لہجہ میں کہا "چچا! آپ تو جا رہے ہیں مگر مجھے کس پر چھوڑ چلے؟" ـــــ یہ کہتے کہتے بچّے کے آنسو نکل آئے۔

یہ الفاظ تیر تھے جو بھتیجے کے مُنہ سے نکلے اور چچا کے دل میں پیوست ہو گئے۔ ابوطالب کا جی

بھتیجے کی بے کسی پر کٹ گیا۔ فوراً اونٹ کو بٹھایا اور اُتر کر بھتیجے کو چھاتی سے لگا لیا۔ پیار کیا اور فرمانے لگے "نہیں بیٹا! رو مت۔ مَیں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔ چل میرے ساتھ ہی چل"۔ یہ کہہ کر بھتیجے کو اونٹ پر اپنے آگے بٹھا لیا اور شام روانہ ہو گئے۔

یہ تھا میرے آقا (حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) کا پہلا سفر۔

خدا تعالیٰ کی عظمت کے کرشمے

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اے خدا کمزور ہیں ہم اپنے ہاتھوں سے اٹھا　　ناتواں ہم ہیں ہمارا خود اٹھا لے سارا بار

تیری عظمت کے کرشمے دیکھتا ہوں ہر گھڑی　　تیری قدرت دیکھ کر دیکھا جہاں کو مُردہ وار

کام دکھلائے جو تُو نے میری نصرت کیلئے　　پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے ہر زماں وہ کاروبار

کس طرح تُو نے سچائی کو مری ثابت کیا　　مَیں ترے قرباں مری جاں تیرے کُوں پر نثار

ہے عجب اک خاصیت تیرے جمال و حُسن میں

جس نے اک چمکار سے مجھ کو کیا دیوانہ وار

(دُرِّ ثمین)

مجالس انصار اللہ کیلئے ہدایات

برائے سال ۱۹۶۴ء / ۱۳۴۳ ہش

قیادتِ عمومی :-

۱- ہر ماہ کی دس تاریخ تک گذشتہ ماہ کی رپورٹ کارگذاری مرکز میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ازراہ کرم اس میں کسی قسم کا تساہل نہ ہونے دیا جائے۔

۲- سالانہ اجتماع انصار اللہ میں نہ صرف نمائندگان شوریٰ تشریف لائیں بلکہ دیگر اراکین مجلس انصار اللہ بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس میں شرکت فرما کر اس کی برکات سے متمتع ہونے کی کوشش کریں۔ سب زعماء/زعماء اعلیٰ اصحاب اجتماع میں کثرت سے شمولیت کیلئے احباب کو تحریک فرماتے رہیں۔

۳- ماہنامہ "انصار اللہ" کی توسیع اشاعت کیلئے خاص مساعی بروئے کار لائی جائیں تاکہ یہ رسالہ خود کفیل ہو سکے۔

۴- امسال سالانہ اجتماع کے موقعہ پر آئندہ تین سال کے لئے صدر مجلس کا انتخاب ہوگا۔ لہٰذا آپ اپنی مجلس عاملہ کی منظوری سے پندرہ ستمبر تک صدر کے عہدہ کے لئے ایک نام تجویز کر کے مرکز میں بھجوائیں۔

۵- شوریٰ انصار اللہ کے لئے تجاویز مقامی عاملہ کی وساطت سے ۱۵ ستمبر تک مرکز میں پہنچ جانی چاہئیں۔

۶- عہدیداران انصار اللہ کے تقرر کی میعاد ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ختم ہو رہی ہے۔ آئندہ تین سال کے لئے عہدیداران زعماء/زعماء اعلیٰ۔ ناظمین اضلاع اور ناظمین اعلیٰ کا انتخاب یکم نومبر سے ۱۰ دسمبر تک کے دوران کر لیا جائے۔ منظوری کیلئے نام ۱۷ دسمبر تک مرکز میں پہنچ جائیں۔

۷- بڑی مجالس بالخصوص ضلعی و علاقائی مجالس اپنے ہاں تربیتی اجتماعات کے لئے تاریخیں تجویز کر کے منظوری کے لئے مرکز میں بھجوائیں۔

قیادتِ مال :-

(قائد مال :- مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب)

۱- بجٹ فارم اگر اس وقت تک واپس بھجوائے نہیں جا سکے تو بعد تکمیل جلد واپس بھجوا دیئے جائیں۔

۲- کوشش کی جائے کہ ہر رکن انصار اللہ سے باقاعدہ ہر ماہ چندہ جات انصار اللہ وصول کئے جائیں۔ شرح درج ذیل ہے :-

چندہ مجلس :- کل آمد پر بحساب ½ پیسہ فی روپیہ بشرطیکہ تین روپے سالانہ سے کم نہ ہو۔

" اجتماع :- ایک روپیہ سالانہ فی رکن۔

" اشاعت لٹریچر :- ایک روپیہ سالانہ فی رکن۔

" تعمیر دفتر :- حسب استطاعت۔

نوٹ :- حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سال رواں کے لئے مندرجہ ذیل بجٹ منظور فرمایا ہے :-

چندہ مجلس	:-	۳۰،۰۰۰
″ تعمیر دفتر	:-	۴،۰۰۰
″ سالانہ اجتماع	:-	۴،۵۰۰
″ اشاعت لٹریچر	:-	۴،۰۰۰
مستقل ریزرو فنڈ	:-	۲،۰۰۰
ریزرو مشروط بہ آمد	:-	۳،۰۰۰
کل میزان		۴۷،۵۰۰

قیادت اصلاح وارشاد:-

(قائد اصلاح وارشاد:- مکرم شیخ مبارک احمد صاحب)

۱- ہر رکن مجلس کو تحریک کی جائے کہ سال میں کم از کم ایک شخص کی اصلاح کر کے اسے اسلامی انوار کا گرویدہ بنائے نیز جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کرے۔

۲- انصاراللہ کو قلمی جہاد اور مضمون نویسی کی طرف توجہ دلائی جاتی رہے۔

۳- صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فوٹو کی ایک ایک کاپی مرکز میں بھجوائی جائے اور ایک کاپی مقامی مجلس میں محفوظ رکھی جائے نیز مختصر طور پر ان کے حالات ان سے لکھوا کر مرکز میں بھجوائے جائیں۔

۴- ہر رکن کو سال میں کم از کم ایک ہفتہ اصلاح وارشاد کے لئے وقف کرنے کی تحریک کی جائے۔

۵- حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت مطبوعہ صفحہ ۳۲ راہِ ہدیٰ کی تعمیل میں ہر مجلس مرکزی ہدایات کے ماتحت ایک ہفتہ منائے جس میں اس سال عیسائیت اور اس کے اسلام پر اعتراضات اور ان کے جوابات سے دوستوں کو آگاہ کیا جاوے اور ہفتہ ختم ہونے پر لوگوں کا زبانی امتحان لیا جائے۔ (راہِ ہدیٰ کا نسخہ مرکز سے طلب فرمائیے)۔

۶- انصاراللہ کو تحریک جدید اور وقف جدید کے چندہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔

قیادت تربیت:-

(قائد تربیت:- مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل)

۱- تربیتِ اولاد کی طرف خاص توجہ دی جائے والدین کو گاہے بگاہے اس کی طرف توجہ دلائی جاتی رہے۔

۲- نماز باجماعت کی تاکید اور شعائر اسلام بالخصوص سادہ زندگی کی تلقین کی جاتی رہے۔

۳- صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور علماء سلسلہ کے واقعات وحالات قلمبند کر کے مرکز میں بھجوائے جائیں تاکہ ان کی اشاعت کے ذریعہ تربیت جماعت کا فریضہ ادا کیا جاسکے۔

۴۔ تمباکو نوشی و خوری سے اجتناب کی ترغیب دی جائے۔

۵۔ احباب کو ایسی تلقین کی جاتی رہے جس سے احباب کو نظامِ خلافت سے وابستگی کو مضبوط تر کرنے میں مدد مل سکے۔

۶۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے خاص کوشش کی جائے اور اس سلسلہ میں ایک ہفتہ منایا جائے۔

قیادتِ تعلیم :۔

(قائدِ تعلیم :۔ مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ)

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ :۔

"مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ کتبِ سلسلہ کے امتحانوں میں شریک ہونے والوں کی تعداد خدام میں بھی اور انصار میں بھی ابھی تک بہت کم ہے اس کا ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کوئی خواندہ ممبر انصار اللہ سوائے بیماری یا کسی اور سخت معذوری کے ایسے امتحان کی شرکت سے محروم نہ رہے۔ یہ امتحان گویا ایک گھریلو درس گاہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور ضروری ہے کہ ان امتحانوں میں انصار اللہ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔" (ماہنامہ انصار اللہ نومبر ۱۹۶۲ء)

اس ارشاد کی تعمیل میں ہر رکن اپنی لیاقت کے مطابق معیار اوّل یا معیار دوم کے مندرجہ ذیل امتحانات میں شریک ہوگا۔

نصاب

معیار اوّل :۔

۱۔ سہ ماہی اوّل :۔ تاریخ امتحان ۱۳ ۳ / ۴۳/۶۴ بروز جمعہ برائے ربوہ و ۱۵ ۳ / ۴۳/۶۴ بروز اتوار برائے بیرون جات۔

نصاب :۔

(ا)۔ ضرورۃ الامام۔ (ب)۔ ترجمہ نماز۔ (ج)۔ دس شرائط بیعت۔

۲۔ سہ ماہی دوم :۔ تاریخ امتحان ۱۲ ۶ / ۴۳/۶۴ بروز جمعہ برائے ربوہ و ۱۴ ۶ / ۴۳/۶۴ بروز اتوار برائے بیرون جات۔

نصاب :۔

(ا)۔ ترجمہ نصف دوم پارہ پانچ۔ (ب)۔ نماز جنازہ کا طریق اور دعائیں۔ (ج)۔ وفاتِ مسیح کے پانچ دلائل قرآن مجید سے۔

۳۔ سہ ماہی سوم :۔ تاریخ امتحان ۱۱ ۹ / ۴۳/۶۴ بروز جمعہ برائے ربوہ و ۱۳ ۹ / ۴۳/۶۴ بروز اتوار برائے بیرون جات۔

نصاب :۔

(ا)۔ برکات الدعا۔ (ب)۔ نکاح کے متعلق آیاتِ قرآنی حفظ و ترجمہ۔ (ج)۔ صداقتِ حضرت مسیح موعودؑ کے پانچ دلائل۔

۴۔ سہ ماہی چہارم :۔ امتحان کی تاریخ ۱۱ ۱۲ / ۴۳/۶۴ بروز جمعہ برائے ربوہ و ۱۳ ۱۲ / ۴۳/۶۴ بروز اتوار برائے بیرون جات۔

نصاب :۔

(ا)۔ آخری پارہ کا ربع دوم (ترجمہ) (ب)۔ ربع دوم کی پہلی تین سورتیں التطفیف۔ الانشقاق۔ البروج حفظ

(ج)۔ حضرت فضل عمر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پانچ کارنامے۔

معیار دوم:۔ (برائے ناخواندہ اراکین)

۱۔ سہ ماہی اوّل نصاب:۔ (ا)۔ ترجمہ نماز۔ (ب) ضرورۃ الامام کا مضمون زبانی سُن کر۔ (ج)۔ دس شرائط بیعت زبانی سُن کر۔

۲۔ سہ ماہی دوم نصاب:۔ (ا)۔ قاعدہ یسرنا القرآن یا قرآن مجید ناظرہ جتنا ہو سکے۔ (ب)۔ نماز جنازہ حسب معیار اوّل۔

(ج)۔ وفاتِ مسیح کے کوئی سے پانچ دلائل۔

۳۔ سہ ماہی سوم نصاب:۔ (ا)۔ ترجمہ نماز۔ (ب)۔ برکات الدعا کا مضمون سن کر۔ (ج)۔ صداقت حضرت مسیح موعود کے کوئی سے پانچ دلائل۔

۴۔ سہ ماہی چہارم نصاب:۔ (ا)۔ قرآن مجید ناظرہ جتنا ہو سکے۔ (ب)۔ معیار اول کی تین سورتوں میں سے کوئی ایک سورت۔

(ج)۔ حضرت فضل عمر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پانچ کارنامے (مطابق معیار اوّل)

انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر ۹ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کی دینی معلومات کا مقابلہ کا امتحان ہوگا اور حسب قواعد اول و دوم آنے والوں کو انعام بصورت فیس دیا جائیگا۔ بچوں کو ابھی سے تحریک کی جائے کہ وہ اس مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں۔

نصاب امتحان اطفال

(۱) (ا)۔ عبادات اور ان کی ضرورت۔ (ب)۔ اخلاق اور ان کی ضرورت۔ (ج)۔ رسالہ روزہ۔

(د)۔ انٹرویو برائے معلوماتِ عامہ متعلق اسلام و سلسلہ عالیہ احمدیہ۔

(۲)۔ روزانہ بعد نماز فجر یا مغرب یا دونوں اوقات میں درس کا اہتمام کیا جائے جس میں تفسیر کبیر۔ حدیث شریف۔ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ملفوظات یا تذکرہ سنانے کا انتظام ہو۔

نوٹ:۔ کتب مقررہ برائے امتحان الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ گول بازار ربوہ سے مل سکتی ہیں۔ کتب کے متعلق براہِ راست الشرکۃ سے خط و کتابت کی جائے۔

والسلام

خاکسار:۔ شیخ محبوب عالم خالد ایم، اے

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ

۲۴ جنوری ۱۹۶۳ء

(باقی)

ضمیمہ ماہنامہ انصار اللہ ماہ فروری ۱۹۶۴ء

نتیجہ امتحان ترجمہ وحفظ قرآن مجید پارہ تیس ربع اول

قیادت تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے زیر اہتمام ۸ دسمبر ۱۹۶۳ء کو اراکین انصار اللہ سے قرآن مجید کے تیسویں پارہ کے ربع اول کے ترجمہ وحفظ کا امتحان لیا گیا تھا کامیاب ہونے والے دوستوں کے نام ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

اس امتحان کے معیار اول میں مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر ربوہ اول اور مکرم پیرزادہ محمد اکبر صاحب سقراط گولیکی ضلع گجرات دوم رہے ہیں۔ معیار دوم میں مکرم مولوی محمد نورالدین صاحب اجمل گولیکی ضلع گجرات اول اور مکرم چوہدری مولاداد صاحب گولیکی ضلع گجرات دوم رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دوستوں کے لئے یہ اعزاز مبارک کرے

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن	نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
فیکٹری ایریا ربوہ	۱	مکرم محمد علی صاحب	تھرڈ	دارالصدر غربی ب	۱۱	قاری محمد امین صاحب	سیکنڈ
	۲	مکرم محمد عبداللہ صاحب	"		۱۲	مکرم ماسٹر شیر علی صاحب	"
	۳	ٹھیکیدار محمد رمضان صاحب	"		۱۳	" محفوظ الرحمن صاحب	تھرڈ
	۴	سید عبدالمنان صاحب	سیکنڈ		۱۴	" محمد ابراہیم صاحب ناصر ایم اے	فرسٹ
	۵	مکرم محمد احمد صاحب	"	دارالرحمت وسطی ربوہ	۱۵	حاجی محمد فاضل صاحب	"
	۶	مرزا محمد یعقوب صاحب	تھرڈ		۱۶	راجہ نصیرالدین صاحب خادم	سیکنڈ
	۷	ملک بشارت احمد صاحب	"		۱۷	میاں عطاء الرحمن صاحب	فرسٹ
دارالصدر غربی ب	۸	چوہدری اللہ بخش صاحب	فرسٹ	دارالرحمت غربی ربوہ	۱۸	مکرم خان میر صاحب	"
	۹	حاجی عبدالکریم صاحب	"		۱۹	" ملک محمد یار صاحب	تھرڈ
	۱۰	چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب	"		۲۰	" حکیم عبدالرحمن صاحب	سیکنڈ

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
دارالرحمت غربی ربوہ	۲۱	بابو محمد عبداللہ صاحب	فرسٹ
	۲۲	کیپٹن محمد سعید صاحب	سیکنڈ
راولپنڈی	۲۳	مکرم بشیر احمد صاحب بھٹی	تھرڈ
	۲۴	مکرم عبدالقادر صاحب بھٹی	"
	۲۵	مکرم صلاح الدین صاحب	سیکنڈ
	۲۶	مکرم خورشید عالم صاحب	تھرڈ
	۲۷	سید محمد حسین صاحب	"
	۲۸	شیخ غلام علی صاحب	"
	۲۹	ملک عبدالحمید صاحب	"
	۳۰	حکیم محمد جمیل صاحب	سیکنڈ
بشیر آباد سٹیٹ	۳۱	محمد ابراہیم صاحب خلیل	"
	۳۲	پیر محمد صاحب اکاؤنٹنٹ	"
	۳۳	مکرم محمد عبداللہ صاحب	فرسٹ
سول لائن لاہور	۳۴	ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	"
	۳۵	حاجی فضل محمد صاحب	تھرڈ
	۳۶	حکیم جان محمد صاحب	"
	۳۷	منشی سربلند خان صاحب	فرسٹ
اسلامیہ پارک لاہور	۳۸	مکرم مرزا ناصر علی صاحب	تھرڈ
	۳۹	ملک بشیر احمد صاحب	سیکنڈ
	۴۰	مکرم عبدالستار صاحب	"
پشاور شہر	۴۱	مرزا عبدالحمید صاحب	"

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
پشاور شہر	۴۲	مکرم عبدالکریم صاحب	سیکنڈ
	۴۳	خواجہ محمد شریف صاحب	تھرڈ
	۴۴	مکرم محمد الطاف صاحب	سیکنڈ
سیالکوٹ	۴۵	مکرم چوہدری اللہ دتہ صاحب	"
	۴۶	مکرم بابو محمد اقبال صاحب	"
چک نمبر ۳۱ ضلع منٹگمری	۴۷	مکرم ماسٹر چراغ دین صاحب	"
جہلم	۴۸	مکرم عبدالکریم صاحب	فرسٹ
	۴۹	حوالدار محمد ابراہیم صاحب	سیکنڈ
	۵۰	مکرم حکیم عبداللہ صاحب	"
	۵۱	مکرم سید زمان شاہ صاحب	"
سمبڑیال ضلع سیالکوٹ	۵۲	مکرم قریشی محمد ابراہیم صاحب	تھرڈ
	۵۳	مکرم سراج الدین صاحب	سیکنڈ
	۵۴	مکرم محمد امین صاحب	"
	۵۵		
کوئٹہ	۵۶	شیخ بشیر احمد صاحب سکھری	تھرڈ
	۵۷	مکرم عبدالواحد صاحب	"
	۵۸	مکرم احمد دین صاحب بٹ	"
	۵۹	صوبیدار محمد عبدالرحمٰن صاحب	سیکنڈ
	۶۰	مکرم محمد احمد صاحب فاضل	فرسٹ
	۶۱	مکرم عبدالباسط صاحب	سیکنڈ

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
کوئٹہ	۶۲	مکرم نواب دین صاحب	سیکنڈ
	۶۳	مکرم قاضی شریف الدین صاحب	تھرڈ
	۶۴	مکرم فیض الحق خان صاحب	سیکنڈ
	۶۵	مکرم محمد عیسےٰ خان صاحب	فرسٹ
	۶۶	مکرم غلام حسین صاحب	تھرڈ
	۶۷	مکرم محمد عبدالغنی صاحب جنجوعہ	”
سکھر	۶۸	مکرم قریشی عبدالرحمٰن صاحب	سیکنڈ
	۶۹	مکرم راجہ فخرالدین صاحب	”
	۷۰	صوفی محمد فسیح صاحب	”
	۷۱	ملک محمد شریف صاحب	”
اوکاڑہ	۷۲	مستری محمد حسین صاحب	فرسٹ
	۷۳	مکرم جیون خان صاحب	تھرڈ
کراچی	۷۴	محمد اشرف خان صاحب	”
	۷۵	مکرم سردار محمد صاحب	”
	۷۶	مکرم نصیر احمد صاحب ناظم آباد	”
	۷۷	مکرم چوہدری سلطان محمود صاحب	فرسٹ
	۷۸	سید محمد یوسف شاہ صاحب	تھرڈ
	۷۹	مکرم رفیع الزمان صاحب	فرسٹ
	۸۰	مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل	تھرڈ

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
	۸۱	مکرم محمد عبداللہ صاحب جہر	سیکنڈ
	۸۲	مکرم عزیز اللہ صاحب	[illegible]
ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ	۸۳	ڈاکٹر حاجی عبدالرحمٰن صاحب	تھرڈ
	۸۴	چوہدری برکت علی صاحب	”
گولیکی	۸۵	پیرزادہ فیض عالم صاحب	فرسٹ
	۸۶	پیرزادہ محمد اکبر صاحب سقراط	”
	۸۷	مکرم ماسٹر اللہ دتہ صاحب	”
	۸۸	پیرزادہ محمد اکبر صاحب سیکرٹری	فرسٹ
کنری سندھ	۸۹	مکرم ماسٹر فضل دین صاحب طارق	سیکنڈ
	۹۰	مکرم شبیر حسین شاہ صاحب	”
	۹۱	سید عمر شاہ صاحب	تھرڈ
دارالرحمت غربی ربوہ	۹۲	خواجہ عبدالقیوم صاحب	”
		معیار دوم	
بشیر آباد سٹیٹ	۱	مکرم محمد صادق صاحب	سیکنڈ
	۲	مکرم محمد انور صاحب	”
	۳	مکرم منشی محمد الدین صاحب صحابی	”
	۴	مکرم عطاء اللہ صاحب صحابی	”

نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن	نام مجلس	نمبر شمار	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
اوکاڑہ	۵	شیخ فضل دین صاحب	فرسٹ	گولیکی ضلع گجرات	۹	چوہدری احمد خان صاحب	فرسٹ
گولیکی ضلع گجرات	۶	خوشی محمد صاحب	"		۱۰	چوہدری علی محمد صاحب	"
	۷	چوہدری سردار خان صاحب نمبردار	"		۱۱	مولوی محمد نورالدین صاحب اجمل	" نسٹ
					۱۲	سردار خان صاحب ولد کرم دین صاحب	"
	۸	چوہدری محمد خان صاحب	"		۱۳	چوہدری مولاداد صاحب	"

قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ

— ضیاء الاسلام پریس ربوہ —

اس زمانہ میں سب سے بڑا گناہ دنیا کی محبت ھے

خدا کو ہر بات میں مقدم کرنا چاھئیے یہی دین کا خلاصہ ھے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں :-

"سب سے بڑا گناہ جو اس وقت مسلمانوں کے درمیان پھیلا ھؤا ھے وہ دنیا کی محبت ھے ۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت لوگوں کو دنیا کا غم لگا ھؤا ھے ۔ اگر اس قدر غم کسی کو دین کے واسطے ھوتا تو بیڑا پار ھو جاتا ۔ ملازم لوگ اپنی نوکری میں چست رھتے ھیں لیکن جب نماز کا وقت آتا ھے تو فکر میں پڑ جاتے ھیں ۔ خدا کی عظمت کو دل میں قائم رکھنا چاھئیے ۔ اکثر لوگ ھتھیلی پر سرسوں جمانا چاھتے ھیں ۔ دین کے کام میں برسوں صبر کرنے سے کام بنتا ھے ۔ صرف پھونک مار دینے سے کام نہیں بن سکتا ۔ خدا تعالی فرماتا ھے کیا یہ لوگ چاھتے ھیں کہ میں اتنے پر ھی راضی ھو جاؤں گا کہ وہ منہ سے کہدیویں کہ ھم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جاوے ۔ اگر یہ سنت ھوتی کہ پھونک مارنے سے سب ولی ھو جاتے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ھی کرتے اور اپنے اصحاب کو امتحان میں ڈلوا کر ان کے سر نہ کٹواتے ۔ وہ بیوقوف ھے جو خیال کرتا ھے کہ مغفرت الہی کا حاصل کرنا حلوائے بے دودہ ھے ۔ ہر ایک نعمت مشقت کو چاھتی ھے .... جس نے دین کو مقدم کیا وہ خدا کے ساتھ مل گیا ۔ نفس کو خاک کے ساتھ ملا دینا چاھئیے ۔ خدا کو ہر بات میں مقدم کرنا چاھئیے ۔ یہی دین کا خلاصہ ھے "۔

(احمدی اور غیر احمدی میں فرق)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔

جلد ۵ مارچ ۱۹۶۴ء شمارہ ۳۵

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنا

انصار اللہ

ربوہ

مارچ سنہ ۱۹۶۴ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ: چھ روپے ۔ فی پرچہ: ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

قلوبِ انسانی میں زندہ خدا پر زندہ ایمان کی آبیاری	ایڈیٹر	۳
ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے	حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام	۱۵
وحیدٌ فریدٌ مادناہ التکثّرٗ (عربی نظم)	" " "	۲۱
لم یزل لایزال قدیر و بصیر (فارسی نظم)	" " "	۲۲
صفاتِ الٰہی اور ان کے اقسام	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۲۳
ذاتِ باری تعالیٰ	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم-اے	۲۷
تفسیر آیات	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس مرکزیہ	۳۹
اسلامی احکام کی اساس — توحیدِ الٰہی	مکرم شیخ خورشید احمد صاحب - ربوہ	۴۲
بچوں کے صفحات :-		
سب سے بڑی دولت	ایڈیٹر	۴۷
حمدِ ربّ العالمین (نظم)	دُرِّ ثمین اُردو	۴۸

طابع و ناشر :- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
—— دار الصدر جنوبی - ربوہ ——

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۳

مارچ ۱۹۶۴ء

قلوبِ انسانی میں زندہ خدا پر زندہ ایمان کی آبیاری

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی بعثت کا عظیم الشان مقصد

خدا تعالیٰ مختلف دوروں اور مختلف زمانوں میں اپنے ماموروں، مرسلوں اور مصلحینِ خاص کو اُس وقت ہی دنیا میں مبعوث فرماتا ہے جب زمانہ کی حالت پُکار پُکار کر تقاضہ کر رہی ہوتی ہے کہ کوئی فرستادۂ حق آئے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو پھر راہِ حق پر گامزن کر دکھائے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب اصلاحِ خلق کی تمام انسانی تدبیریں اور منصوبے یکسر بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مایوسی اِس قدر غالب آجاتی ہے کہ عمل کی قوت سرے سے باقی ہی نہیں رہتی۔ اِس حال میں انسانی تدبیروں کا خاتمہ ہو جانے کے باعث آسمانی تقدیر بروئے کار آتی اور ایک نئے اور امید افزا دور کے آغاز کا اعلان کرتی ہے۔

اُس وقت عقل و خرد، ہوشمندی و ہوشیاری اور دانشوری کی کیوں کچھ پیش نہیں جاتی؟ اِس لئے کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب اعتقادی و عملی خرابیاں حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں، حلال و حرام کی تمیز یکسر مفقود ہو جانے سے فسق و فجور اور معصیت کی گرم بازاری کی کوئی حد نہیں رہتی یہاں تک کہ ہر شعبۂ حیات میں ایک ہمہ گیر فساد کی ناقابلِ بیان کیفیت رونما ہو کر کیا خواص اور کیا عوام سب کو ہی تباہی کے کنارے لا کھڑا کرتی ہے۔ اُس وقت اصلاح کے بڑے بڑے دعویدار بھی عاجز و درماندہ ہو کر اپنے آپ کو وقت کے بہتے دھاروں کے حوالے کرنے میں عافیت ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ فسادِ عظیم اور ہمہ گیر مایوسی کے ایسے نازک اور ہولناک وقت میں اللہ تعالیٰ جو رحمن و رحیم ہے اپنے بندوں کو تباہی سے بچانے کے لئے اپنی آسمانی تقدیر کو بروئے کار

لاتا ہے یعنی اپنے ایک مامور کو دنیا میں بھیج کر اس کے ذریعہ سے ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

اِس عملی و اعتقادی بگاڑ اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونیوالے ہمہ گیر فساد کی اصل جڑ یا علّت یہ بنیادی خرابی ہوتی ہے کہ لوگ اپنے خالق و مالک کو اِس حد تک بھول جاتے ہیں کہ کبھی بھول کر بھی اُسے یاد نہیں کرتے بعض تو اُس سے برگشتہ ہو کر مختلف قسم کے مصنوعی خدا تجویز کر لیتے ہیں اور پھر انہی کی پوجا میں دن رات مشغول رہنے کو وہ سعادتِ عظمیٰ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض سرے ہی سے اُس کے وجود کے منکر ہو کر دہریہ بن جاتے ہیں۔ جب کسی قادرِ مطلق خالق و مالک ہستی کا خوف اور جزا سزا کا ڈر باقی نہیں رہتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کمال دلیری کے ساتھ گناہوں میں ملوث ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بالآخر ان کی رُوح اِس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ اصلاح کی طرف مائل ہونے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ دُنیا ہی ان کا مقصود ہوتی ہے اور وہ ہمہ وقت دنیا ہی میں منہمک رہتے ہیں۔ سو فی الاصل خدا فراموشی ہی اِس فساد کی اصل جڑ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اِس فساد کو دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کا کوئی مامور آتا ہے تو وہ سب سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جُھکا کر انہیں اس کا والہ و شیدا بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر از سرِ نو ایمان لانے اور اس کے احکام بجا لانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فساد کے تمام سوتے خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور یہ دنیا خدا پرستی، نیکوکاری اور صُلح و آشتی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

گزشتہ صدی کے اواخر میں جب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام دنیا میں مسیحِ موعود کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تو اُس وقت اور مذاہب کا تو ذکر ہی کیا خود اسلام کے نام لیوا ایمان باللہ سے یکسر عاری ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ دہریت کی طرف بہے جا رہے تھے۔ ان میں سے جو خدا کے قائل تھے بھی ان کا تصوّرِ باری حد درجہ ناقص اور ادھورا تھا۔ انہیں اُس کی قدرتوں پر کوئی یقین نہ تھا اور نہ وہ اِس بات کے ہی قائل رہے تھے کہ خدا اپنے بندوں کی دعائیں سُنتا، انہیں قبول کرتا اور ان کی دلی مرادیں انہیں عطا کرتا ہے۔ انہوں نے اسے ایک معذور و مجبور ہستی تصوّر کر رکھا تھا۔ گویا ایمان باللہ کے تعلق میں دو قسم کا بگاڑ پیدا ہو کر دن بدن بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ ایک طرف تو مغربی فلسفہ کی رَو لوگوں کو دہریت کی طرف بہائے لئے جا رہی تھی۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رسمی ایمان رکھنے والے اس کی ذات اور صفات کے بارہ میں سچّی معرفت سے یکسر عاری تھے اور وہ مختلف اقسام کے شرک میں مبتلا ہونے کے باعث گمراہی و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے عین مطابق اِس آخری زمانہ میں اصلاحِ خلق کے لئے مبعوث فرمایا دنیا میں آ کر سب سے اہم اور سب سے مقدّم جو کام انجام دیا وہ یہی تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر زندہ ایمان پیدا کر دکھایا اور پھر اپنے متبعین کو خدا تعالیٰ کا وہ عرفان عطا کیا کہ وہ دل و جان سے اسی پر فریفتہ ہو کر صرف

اور صرف اسی کے ہو رہے۔ انہوں نے روئے زمین سے اعتقادی و عملی فساد کو مٹانے کا عہد باندھ کر اپنی زندگیوں کو اسی کام میں لگا ڈالا۔ اب یہ کام آپ کے بعد نسلاً بعد نسلٍ نہایت درجہ خوش اسلوبی سے انجام پا کر اس دنیا کی کایا پلٹتا چلا آ رہا ہے۔

دلوں کو زندہ خدا پر زندہ ایمان سے معمور کر دکھانے کے سلسلہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا اس کے تعلق میں سب سے پہلی چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ حقیقت بار بار اور بتکرار بڑی کثرت کے ساتھ ذہن نشین کرائی کہ آپ کی بعثت کا عظیم الشان مقصد ہی یہ ہے کہ تا آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا حقیقی عرفان عطا کر کے انہیں تمام جھوٹے اور مصنوعی خداؤں سے برگشتہ کر دکھائیں اور انہیں اُس واحد و یگانہ کے آستانہ پر سجدہ ریز کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے اُس کی امان کے نیچے لے آئیں۔ ذیل میں آپ کے بعض وہ ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے اپنی بعثت کے اس عظیم الشان مقصد کو بڑی شدّ و مدّ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) "انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو شناخت کریں اور اُس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں نجات پائیں حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد اُن کے آگے ہوتا ہے پس اس وقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور اُس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے تو میرے آنے کی بھی وہی مشترک غرض ہے جو سب نبیوں کی تھی یعنی میں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کیا ہے بلکہ دکھانا چاہتا ہوں۔" (ملفوظات جلد سوم صـ۱۱)

(۲) "غرض اس قسم کی ناپاک زندگی جو حقیقت میں گناہ کی لعنت ہے وہ عام ہو رہی ہے اور وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے وہ ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامور کیا ہے کہ میں دنیا کو اس لعلِ تاباں کے حصول کی راہ بتاؤں۔ اس راہ پر چل کر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کر لے گا۔ اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے جس کو خدا کی سچی معرفت کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے کیونکہ یہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔ فلاسفر جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیبِ ابلغ محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہیئے مگر میں اس سے بلند تر مقام پر لیجاتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صـ۱۶)

(۳) "جو ایک خدا کو ماننے والے تھے وہ اب ایک مُردہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ اور اُن خداؤں کا تو شمار ہی نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالیٰ کی غیرت نے یہ تقاضہ کیا ہے کہ ان مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے اور زندوں اور مُردوں میں ایک امتیاز قائم کر کے دنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے۔ اسی غرض کے لئے اُس نے مجھے بھیجا ہے اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۲۷۲)

(۴) "میں دیکھتا ہوں کہ دنیا اپنی دُھن میں ایسی لگی ہے کہ اُس کو آخرت کا کچھ فکر اور خیال ہی نہیں۔ خدا تعالےٰ سے ایسے لاپرواہ ہو رہے ہیں گویا وہ کوئی ہستی ہی نہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ دنیا کی ایمانی حالت اس حد تک کمزور ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تاکہ میں زندہ ایمان زندہ خدا پر پیدا کرنے کی راہ بتلاؤں۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۲۶)

(۵) "ہماری بعثت کی علّتِ غائی یہی ہے کہ رستہ منزلِ جاناں کے بھولے بھٹکوں، دل کے اندھوں، جذامِ ضلالت کے مبتلاؤں، ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے کور باطنوں کو صراطِ مستقیم پر چلا کر وصالِ ذاتِ ذوالجلال کا شیریں جام پلایا جاوے اور عرفانِ الٰہی کے اس نقطۂ انتہا تک ان کو پہنچایا جاوے تاکہ ان کو حیاتِ ابدی اور راحتِ دائمی نصیب ہو اور وہ جوارِ رحمتِ ایزدی میں جگہ لے کر مست و سرشار رہیں۔" (ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۸۹)

(۶) "میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت آسمان باتیں کر رہا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ زمین کے رہنے والوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو۔ جس طرح سے ہر ایک بادشاہ طبعاً چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو اسی طرح منشاء الٰہی یونہی ہو رہا ہے کہ اُس کی عظمت و جبروت کا اہلِ دنیا کو علم ہو اور وہ خدا جو پوشیدہ ہو رہا ہے دنیا پر اپنا ظہور دکھائے اس لئے اُس نے اپنا ایک مامور بھیجا ہے تاکہ دنیا کا جذام جاتا رہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۷۸)

(۷) "جو لوگ خدا کے ساتھ جلدی کرتے ہیں وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز کی ترقی تدریجی ہے روحانی ترقی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ بدُوں مجاہدہ کے کچھ بھی نہیں ہوتا اور مجاہدہ بھی وہ ہو۔ جو خدا تعالیٰ میں ہو، یہ نہیں کہ قرآن کریم کے خلاف خود ہی بے فائدہ ریاضتیں اور مجاہدہ جوگیوں کی طرح تجویز کر بیٹھے۔ یہی کام ہے جس کے لئے خدا نے مجھے مامور کیا ہے تاکہ مَیں دنیا کو دکھلا دوں کہ کس طرح ہر انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔"

(الحکم یکم مئی ۱۹۰۰ء)

اب چونکہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کی بعثت کا ایک عظیم الشان مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کو دہریت اور شرک کی ظلمتوں سے نکال کر اُنہیں سچّے خدا کا پتہ دیں اور اُنہیں اُس تک پہنچا کر اُس کا والہ و شیدا اور مطیع و منقاد بنائیں اِس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں توحید خالص کے قیام اور خدائے واحد و یگانہ کے قدرت و جلال اور کبریائی و جبروت کے اظہار کے لئے وہ جوش اور وہ سوزش و گدازش عطا کی تھی کہ فی زمانہ اس کی اَور کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپؑ کی ایک ہی تمنا، ایک ہی خواہش اور ایک ہی تڑپ تھی کہ لوگوں کو خدائے قادر و قدّوس کی ذات اور اُس کی لازوال و غیر محدود صفات کی سچّی معرفت نصیب ہو اور وہ تمام مصنوعی خداؤں سے بیزار ہو کر صرف اور صرف اُسی کے حضور سجدہ ریز ہوں اور اُسی کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے ہر آن اُسی کی یاد میں محو اور اُسی کی محبت میں سرشار رہیں۔ دنیا و آخرت میں وہی ان کا معبود و مسجود ہو اور وہی ان کا مطلوب و مقصود۔ چنانچہ آپ اپنے اِس فطری جوش اور بے مثال سوزش و گدازش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"مَیں دیکھتا ہوں کہ جس کام کے لئے اُس نے مجھے مقرر کیا ہے اُس کے حسبِ حال جوش اور سوزش بھی میرے سینے میں پیدا کر دی ہے۔ مَیں بیان نہیں کر سکتا کہ اس ظلم صریح کو دیکھ کر جو ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے میرے دل میں کس قدر درد اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں ہزار انسان ہیں جو اپنے اہل و عیال اور دوسری حاجتوں کے لئے دعائیں کرتے اور تڑپتے ہیں۔ مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرے لئے اگر کوئی غم ہے تو یہی ہے کہ نوعِ انسان کو اس ظلم صریح سے بچاؤں کہ وہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے میں مبتلا ہو رہی ہے اور اُس سچّے اور حقیقی خدا کے سامنے ان کو پہنچاؤں جو قادر اور مقتدر خدا ہے۔ میری فطرت میں کسی اَور امر کے لئے کوئی اَور میلان ہی نہیں رکھا گیا اور نہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اَور کسی چیز کی حاجت میرے لئے رہنے دی ہے اِس لئے میری بڑی دعا اور آرزو یہی

یہی ہے کہ میں اِس باطل کا استیصال دیکھ لوں جو خدا تعالیٰ کی مسند پہ ایک عاجز انسان کو بٹھایا جاتا ہے اور یہ کہ حق ظاہر ہو جاوے۔ میں اِس جوش اور درد کو جو مجھے اس حق کے اظہار کے لئے دیا گیا ہے بیان کرنے کے واسطے الفاظ نہیں پاتا۔ اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ کوئی اَور مسیح بھی آسمان سے اُترنے والا ہے تو بھی میں اپنے دل پر نظر کر کے کہہ سکتا ہوں کہ جو گداز ش اور جوش مجھے اِس خدمت کے لئے دیا گیا ہے کبھی کسی اَور کو نہیں دیا گیا۔"

(الحکم ۳۱ رمئی ۱۹۰۴ء)

یہ اسی فطری جوش، سوزش و گدازش، درد و غم اور دلی تڑپ کا نتیجہ تھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کو خدا کی طرف بلانے، اُس کی ذات اور صفات کی حقیقی معرفت عطا کرنے اور انسانی قلوب کو اُسی کی محبت اور اُسی کے عشق سے سرشار کرنے میں ایسی مہتم بالشان جدّ و جہد فرمائی کہ اِس آخری زمانے میں اِس کی کوئی اَور مثال نہیں ملتی اور نہ ہرگز ہرگز مل سکتی ہے۔ آپؑ نے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلانے میں دن رات ایک کر دیئے۔ دن کا آرام اور راتوں کی نیند اپنے پر حرام کر لی۔ دن اور رات، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور بستر پہ لیٹے ہوئے کروٹیں بدلتے آپ کو ایک ہی تڑپ اور ایک ہی لگن تھی کہ دنیا اور اس کی لذات میں پھنسے ہوئے انسان، خدا کی ذات کے منکر اور اس کی ذات سے غافل نادان، بے جان پتھروں اور مُردہ انسانوں کو پُوجنے والے انجان دہریت اور شرک کی نجاست سے پاک ہو کر اپنے خالق و مالک کو پہچاننے لگیں اور اُس کے حضور سجدہ ریز ہو کر سو جان سے اُسی پر فریفتہ اور اُسی پر فدا ہو جائیں تا اُس کی راہ میں موت قبول کرنے سے ابدی حیات اور دائمی راحت کے وارث ٹھہریں۔ آپؑ نے عقلی دلائل کے ذریعہ ہی خدا کی ہستی کو نہیں منوایا کیونکہ عقلی دلائل دینے اور عقل کی نارسائی کے باعث خود اسی بھول بھلیاں میں اُلجھ کر دوسروں کو بھی اُلجھا دینے والوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی۔ آپؑ نے عقلی دلائل سے آگے بڑھ کر روحانی دلائل پر زور دیا اور پھر ان روحانی دلائل کو پیش کرنے میں محض ازمنہ گزشتہ کے قصے کہانیوں اور پدرم سلطان بُود کے نعروں کا سہارا نہیں ڈھونڈا بلکہ ماموارنہ شان کے عین مطابق خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی غیر محدود و لازوال صفات کے ثبوت میں اپنے وجود کو پیش کیا اور دنیا میں ببانگ دہل یہ اعلان فرمایا کہ آج خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی اور اپنی صفات کا ثبوت دینے کے لئے مجھے اپنے الہامِ خاص سے مشرف فرما کر مجھ میں اپنا جلوہ ظاہر فرمایا ہے جو بھی خدا کو پہچاننا ہی نہیں بلکہ خدا کو دیکھنا اور اُس کی سچّی معرفت سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے اور خدا کی قدرت و جلال کے تازہ بتازہ نشانات مشاہدہ کر کے اس کی ذات و صفات پر ایمان لانے میں علم الیقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین اور پھر اس سے بھی بڑھ کر حق الیقین کا درجہ حاصل کرے۔ آپ کا یہی وہ دعویٰ تھا جس نے اُس وقت کے تمام

خود ساختہ مصلحین پر آپؑ کی فوقیت کو ثابت کر دکھایا اور ان سب کے چراغ ایک ایک کر کے آپؑ کے سامنے گُل ہوتے چلے گئے اور آپ نے بفضلہٖ تعالیٰ دنیا سے خدا کی ہستی منوانے میں بظاہر ناممکن کو فی الحقیقت ممکن کر دکھایا۔ بجز آپ کے کوئی ایک بھی نہ تھا اور نہ تا ایں دم کوئی پیدا ہوا کہ جو یہ کہہ سکتا کہ میں خدا کی قدرت اور اُس کے جلال کے اظہار کے لئے آسمان سے بھیجا گیا ہوں، اگر خدا کو دیکھنا اور اُس سے ہمکلام ہونا چاہتے ہو تو میرے پاس آؤ میں تمہیں یہ راہ بتاتا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے مامور ہی اس کام پر کیا ہے۔ آپؑ کے پُرشوکت اعلانات آپؑ کی ماموریت پر شاہدِ ناطق کی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا پر آشکار کر رہے ہیں کہ فی الواقعہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے ہی عظیم الشان روحانی فرزند کی ضرورت تھی ورنہ محض وعظ و نصیحت کے ذریعے دنیا کو خدا کی طرف بُلانے والوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی۔ ذیل میں ہم دنیا کو ہلا دینے والے آپؑ کے ایسے ہی چند ایک اعلانات یہاں درج کرتے ہیں۔ آپ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت پُرجلال انداز میں فرمایا:-

(۱) "میرا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا جس کو ہم دکھانا چاہتے ہیں وہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دنیا اُس سے غافل ہے۔ اُس نے مجھ پر اپنا جلوہ دکھایا ہے جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہے وہ دیکھے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۷۵)

(۲) "ہماری غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں کو اُس خدا کی طرف رہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے سُنی سُنائی بات اور قصّہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات اور اپنے وجود کو پیش کر کے دنیا سے خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۲)

(۳) "(ہماری) یہ مجلس خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے جس میں بیٹھ کر خدا نظر آتا ہے۔ جو راستہ ہم صاف کرتے ہیں مشرق و مغرب کہیں چلے جاؤ کسی جگہ وہ بات نہیں ملے گی۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب ایک یا دو باتیں اسلام کی تائید میں پیدا نہ ہوتی ہوں۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۴۶۳)

(۴۶) "ہماری معیت اور رفاقت کی پاک تاثیرات کے ثمراتِ حسنہ بالکل صاف ہیں ہاں ان کے ادراک کے لئے فہم رسا چاہیئے، ان کے حصول کے لئے رشد و صفا چاہیئے، ساتھ ہی استقامت کے لئے اتقا چاہیئے۔ ورنہ ہماری جانب سے تو چار دانگ عالم کے کانوں میں عرصہ سے کھول کھول کر منادی ہو رہی ہے ؎

بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم　　بدلستاں برم آنرا کہ پارسا باشد

(میں اس لئے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کر دوں اور خدا کے حضور اسے لے چلوں جو نیک و پارسا ہے)

کسیکہ سایۂ بالِ ہماش سُود نداد　　بباید ش کہ دو روز سے بظلِّ ما باشد

(وہ شخص جسے بالِ ہما کے سایہ نے بھی فائدہ نہ دیا ہو اُسے چاہیئے کہ دو دن ہمارے زیرِ سایہ رہے)

گلے کہ رُوئے خزاں را ہگِنے نخواہد دید　　بباغ ماست اگر قسمت رسا باشد

(وہ پھول جو کبھی خزاں کا مُنہ نہ دیکھے گا وہ ہمارے باغ میں ہے اگر تیری قسمت یاور ہو)

ہم نے تو اس مائدۂ الٰہی کو ہر کس و ناکس کے آگے رکھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر آگے ان کی اپنی قسمت، وما علینا الا البلاغ"　　(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۹)

چونکہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کو مامور ہی اس لئے کیا تھا کہ آپؑ تازہ بتازہ نشانوں کے ذریعہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی سچّی معرفت عطا کریں اور اس خاطر خدا تعالیٰ نے آپؑ پر اپنا جلوہ فرمایا تھا اور آپؑ کی معیت اور رفاقت کو تائید و نصرت اور قربِ الٰہی کے ثمراتِ حسنہ سے نوازا تھا اس لئے آپؑ نے بار بار اور باصرار لوگوں کو دعوت دی کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کو پانا چاہتے ہیں اور اس کی معرفت کا زندہ یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ قادیان آکر آپؑ کی صحبت میں رہیں۔ آپؑ نے حتمی طور پر اعلان فرمایا کہ جو بھی پاک ارادہ صدق نیت اور سچّی تلاش کے ساتھ آکر آپؑ کی صحبت میں رہے گا وہ زندہ خدا کی زندہ تجلّیات کو ضرور بالضرور مشاہدہ کرے گا اور اس کا دل خدا تعالیٰ کی معرفت کے زندہ یقین سے لبریز ہو جائیگا چنانچہ آپؑ نے فرمایا:۔

(۱) "جو لوگ صدق دل اور اخلاص کے ساتھ، صحتِ نیّت اور پاک ارادہ اور سچّی تلاش کے ساتھ ایک مدّت تک ہماری صحبت میں رہیں تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی تجلّیات کی چمکار سے ان کی اندرونی تاریکیوں کو دُور کر دے گا اور اُنہیں ایک **نئی معرفت اور نیا یقین خدا پر** پیدا ہوگا اور یہی وہ ذریعے ہیں جو انسان کو گناہ کے زہر کے اثر سے بچا لیتے ہیں اور اس کے لئے تریاقی قوت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ خدمت ہے جو ہمارے سپرد ہوئی ہے اور اسی ایک فرضِ منصبی کو میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو انسان اس زنجیر اور قید سے جو گناہ کی زنجیر اور قید

ہے نجات پانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اُسے اسی طریق پر نجات ملے گی۔ پس اگر کوئی قصے کہانیوں کو ہاتھ سے پھینک کر اور ان وہمی حیلوں اور خیالی ذریعوں کو چھوڑ کر کہ کسی کی خودکشی بھی گناہ سے بچا سکتی ہے صدق اور اخلاص سے یہاں رہے گا وہ خدا کو دیکھ لے گا اور خدا کو دیکھ لینا ہی گناہ پر موت وارد کرتا ہے۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۱۲)

(۲) "گناہوں سے بچنے کا سچا طریق جو مجھے بتایا گیا ہے اور جس کو کُل انبیاء کی پاک جماعت نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ انسانی جذبات پر انسان کو اسی وقت فتح مل سکتی ہے اور شیطان اور اس کی ذریت کی شکست کا وہی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر ایک درخشاں یقین نازل ہو کہ خدا ہے۔ اور اُس کی پاک صفات کے صریح خلاف ہے کہ کوئی گناہ کرے، گناہ گاروں پر اُس کا غضب بھڑکتا ہے اور پاکبازوں کو اُس کا فضل ہر بلا سے نجات دیتا ہے۔ اور یہ معرفت اور یہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اُن لوگوں کے پاس ایک عرصہ تک نہ رہیں جو خدا تعالیٰ سے شدید تعلق رکھتے ہیں اور خدا سے لے کر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ بس یہی ہماری غرض ہے جو لے کر ہم دنیا میں آئے ہیں۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۱)

اپنی اس دلی تڑپ اور والہانہ جدّوجہد کے ذریعہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنی بعثت کی اِسی غرض کو جو بھٹکے ہوئے اور برگشتہ لوگوں کو خداشناسی کے وصف سے بہرہ ور کرنے، انہیں خدائے واحد کی سچی معرفت عطا کرنے اور اُس کا والہ و شیدا بنانے سے متعلق تھی اِس شان سے پورا کیا کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اُٹھے۔ آپ نے بتوفیق و تائیدِ الٰہی اپنی خداداد قوتِ قدسی کی مدد سے اُن تمام لوگوں کو جو آپ کی صحبت میں آکر رہے اور جنہیں آپ کے وجود میں خدائی انوار و برکات اور پیہم تجلیات کے غیر معمولی ظہور کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ اور کامل یقین نیز اُس کی ذات اور غیر محدود ازلی ابدی صفات کی سچی معرفت سے ایسا مالامال کیا کہ اس کامل اور زندہ یقین اور سچی معرفت کی برکت سے اُن کے اپنے وجود خدانما بن گئے۔ وہ زمین پر رہتے ہوئے عالمِ بالا کی مخلوق نظر آنے لگے اور آسمان کے ستاروں کی طرح روشن ہو کر کرۂ ارض پر نور برسانے لگے۔ پہلے وہ سنگریزوں کی طرح تھے اور اب ہیروں کی طرح چمکنے اور گردوپیش کو منوّر کرنے لگے۔ اُن کی ہستی پر ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب آیا کہ جس نے انہیں یکسر بدل کر رکھ دیا۔ وہ ہمہ تن خدا ہی کے ہو گئے اور انہوں نے اسی کو اپنا منتہائے مقصود و مطلوب بنا لیا۔ انہیں مسیح پاک علیہ السلام کے ہاتھوں وصالِ ذاتِ ذوالجلال کا ایک

ایسا شیریں جام ملا اور اس کے فیضِ بے پایاں کے نتیجے میں وہ عرفانِ الٰہی کے اُس نقطۂ انتہا تک پہنچے کہ وہ حیاتِ ابدی اور راحتِ دائمی کے وارث قرار پائے اور جوارِ رحمتِ ایزدی میں جگہ پا کر وہ اُسی کی یاد میں مگن اور اُسی کی محبت اور عشق میں مست و سرشار رہنے لگے۔ شدید سے شدید مخالف بھی جب مسیح پاک علیہ السلام کو ایک نظر دیکھ لیتا تھا تو اس کا دل ایک زبردست مقناطیسی کشش کے ماتحت آپ کی طرف کھینچا جاتا تھا اور دم کے دم میں اس کی ایسی کایا پلٹتی تھی کہ وہ یکسر خدا ہی کے لئے ہو کر آپ کے دروازے پر دھونی رما لیتا تھا۔ آپ کے ذریعہ جو عظیم الشان انقلاب رونما ہوا اور وہ جو خدا کے منکر اور دہریہ تھے اُس کے والہ و شیدا ہو کر اُسی کے عشق و محبت میں ہر آن مست و سرشار رہنے لگے تو یہ ناقابلِ یقین اور محیّر العقول نظارہ دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی حتیّٰ کہ وہ اہلِ علم جو دور بیٹھے یہ سب نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے آپ کی وفات پر یک زبان ہو کر پکار اُٹھے :-

(۱) "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح، اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت و رہنمائی مُردہ دلوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

(شمس العلماء سیّد ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب نسواں۔ تاثرات قادیان ص ۱۲۷)

(۲) "وہ شخص بہت بڑا شخص ــــ جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو، وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا، جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی، جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں، وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس [۳۰] برس تک زلزلہ اور طوفان رہا، جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا ــــ خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اِس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو، ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالَم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب کر کے دکھا جاتے ہیں۔" (مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر "وکیل" امرتسر بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۱۲)

آپؑ کی وفات کے پانچ سال بعد جب محمد اسلم نامی جرنلسٹ قادیان آئے تو زندہ خدا پر زندہ ایمان اور اس کی ذاتِ والاصفات کے عرفان اور اُس کی کیفیات کو دیکھ کر وہ بھی مبہوت ہوئے بغیر نہ رہے اور بالآخر پکار اُٹھے :۔

"جو کچھ میں نے قادیان میں جاکر دیکھا وہ خالص اور بے ریا توحید پرستی تھی۔ اور جس طرف نظر اُٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔"

(بدر ۱۳ر مارچ ۱۹۱۳ء)

اس کے بھی تین سال بعد جب مسٹر ایچ۔ اے۔ والٹر ایم۔ اے نے قادیان آکر اس انقلاب کی ایک جھلک خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تو اُنہوں نے بھی مسٹر محمد اسلم جرنلسٹ کے بیان کی تائید کی اور اس کے بعد آج تک جتنے بھی غیر از جماعت اکابرین مرکزِ احمدیت میں آئے ہیں وہ توحید پرستی اور عشقِ الٰہی کے انقلاب کی گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔

الغرض یہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک محیّر العقول کارنامہ اور عظیم الشّان معجزہ ہے کہ آپؑ نے ایک ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا میں دہریت کی ایک عام رَو چلی ہوئی تھی نہ صرف عقلی دلائل سے بلکہ تازہ بتازہ نشانوں اور اپنے وجود میں انوارِ الٰہی کی نمایاں تجلیات کے ذریعہ لوگوں کو زندہ خدا پر زندہ ایمان کی دولت عطا کی اور ان میں عشقِ الٰہی کی وہ آگ روشن کر دکھائی کہ جو بجھائے بھی نہ بجھ سکتی تھی اور نہ فی الحقیقت وہ بجھی۔ یہ عظیم الشّان معجزہ اس لئے ظاہر ہؤا کہ آپ خود انوار و صفاتِ الٰہی کے مظہر تھے۔ جو بھی آپؑ کی زیارت سے مشرّف ہوتا تھا اُس کا دل گواہی دے اُٹھتا تھا کہ یہ صادق کا چہرہ ہے کاذب کا نہیں کیونکہ اس میں خدا تعالےٰ کا نور جھلک رہا ہے۔ آپؑ نے اپنے صحابہ کو صرف زندہ خدا پر زندہ ایمان سے ہی بہرہ ور نہیں کیا بلکہ خود اپنی ہی طرح انہیں بھی علیٰ قدرِ مراتب مظہر انوار و تجلّیاتِ الٰہیہ بنا دیا اور وہ بھی اپنی پیشانی کے نور اور آسمانی نشانوں کے رُو سے ایک دنیا کو خدا تک پہنچانے کا وسیلہ بنے۔

آج ہمارے لئے جو انہی قدسی صفات صحابہ کی اولاد اور جانشین ہیں۔ یہ امر بنیادی اہمیّت کا حامل ہے کہ ہم بھی زندہ خدا پر زندہ ایمان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ محبت و عشق کا تعلق قائم کر کے اپنے وجودوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور آپؑ کے صحابہ کی اتّباع میں انوار و تجلّیاتِ الٰہیہ کا مظہر بنائیں تاکہ ہم بھی مشرق و مغرب میں بسنے والی اقوام کو خدائے واحد تک پہنچانے اور انہیں اس کا دلدادہ و شیدا بنانے کا وسیلہ ٹھہریں اور تا وہ غرض جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو دنیا میں بھیجا ہے یہ تمام و کمال پوری ہو کر روئے زمین کے تمام انسانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا جمع کرے۔ اے خدا اے ذوالمجد والعطاء ہم تیری توحید اور تیرے تقدس و جلال کا واسطہ دے کر تیری جناب میں اپنی یہ التجا پیش کرتے ہیں کہ تو ایسا ہی کر۔ آمین یا ارحم الراحمین +

اللہ تعالیٰ کا حُسن و جمال

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اللہ جلّشانہٗ کا حُسن اُس کی ذات اور صفات کی خوبیاں ہیں۔ اور خوبیاں یہ ہیں کہ وہ خیر محض ہے اور مبدا ہے جمیع فیضوں اور مصدر ہے تمام خیرات کا اور جامع ہے تمام کمالات کا، اور مرجع ہے ہر ایک امر کا، اور موجد ہے تمام وجودوں کا، اور علّت العلل ہے ہر ایک مؤثر کا، جس کی تاثیر یا عدم تاثیر ہر یک وقت اُسکے قبضہ میں ہے۔ اور واحد لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور اقوال میں اور افعال میں اور اپنے تمام کمالوں میں۔ اور ازلی ابدی ہے اپنے جمیع صفاتِ کاملہ کے ساتھ۔ بڑا ہی نیک اور بڑا ہی رحیم باوجود قدرتِ کاملہ سزا دہی کے ہزاروں برسوں کی خطائیں ایک دم کے رجوع میں بخشنے والا۔ بڑا ہی حلیم اور بُردبار اور پردہ پوش۔ کروڑہا نفرت کے کاموں اور مکروہ گناہوں کو دیکھنے والا اور پھر جلد نہ پکڑنے والا۔ اگر اُس کا روحانی جمال تمثّل کے طور پر ظاہر ہو تو ہر یک دل پروانے کی طرح اُس پر گرے۔ پر اُس نے اپنا جمال غیروں سے چھپایا اور اُنہیں پر ظاہر کیا جو صدق سے اُس کو ڈھونڈتے ہیں۔ اُس نے ہر یک خوبصورت چیز پر اپنے حُسن کا پرتو ڈالا۔ اگر آفتاب ہے یا ماہتاب یا وہ ستارے جو چمکتے ہوئے نہایت پیارے معلوم ہوتے ہیں، یا خوبصورت انسانوں کے مُنہ جو دلکش اور ملیح دکھائی دیتے ہیں یا وہ تازہ اور تر بتر اور خوشنما پھول جو اپنے رنگ اور بُو اور آب و تاب سے دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، یہ سب درحقیقت ظلّی طور پر اُس حُسنِ لازوال سے ایک ذرّہ کے موافق حصّہ لیتے ہیں۔ وہ حُسن ظن اور وہم اور خیال نہیں بلکہ یقینی اور قطعی اور روشن ہے جس کے تصوّر سے تمام نظریں خیرہ ہوتی ہیں اور پاک دل اُس کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۸۲-۱۸۳)

کلمات طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں

یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو

اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی بنیادی غرض یہ تھی کہ تا لوگ زندہ خدا پر زندہ ایمان سے بہرہ ور ہوں، اُنہیں اُس کی ذات اور صفات کی سچی معرفت حاصل ہو، وہ اُسی کے آستانہ پر جھکیں، اور اپنی محبت کو اُسی کے ساتھ خاص کر کے بس اُسی کے ہو رہیں۔ اس غرض کی باحسن وجوہ تکمیل کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت و جلال کے تازہ بتازہ آسمانی نشان دکھانے کے ساتھ ساتھ مواعظِ حسنہ کی شکل میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا جو شیریں اور لذیذ جام اپنے متبعین کو پلایا اور جس کی مسحور کن کیفیت نے انہیں محبت الٰہی کے نشہ میں سرشار کر کے اُن کی ہستی پر ایک انقلاب وارد کر دکھایا اُسی جام کے چند جُرعے ہم ذیل میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ شرابِ معرفت کے یہ وہ کیف آور جُرعے ہیں جن میں حضورؑ نے اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں اور لا انتہا طاقتوں کو ذہن نشین کرانے کے بعد اُسی کا ہو رہنے اور دل و جان سے اُس پر فدا ہونے کی نہایت پُر اثر انداز میں تلقین فرمائی ہے۔

(ادارہ)

"کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے۔ ممکن نہیں کہ خدا ان کو رُسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا اُن کا۔ وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ

دشمن جو اُن کا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا اُن کی حمایت میں۔ کون خدا پر ایمان لایا؟ صرف وہی جو ایسے ہیں۔ ایسا ہی وہ شخص بھی احمق ہے جو ایک بے باک گنہگار اور بدباطن اور شریر النفس کے فکر میں ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا۔ جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اُس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ وہ اُن کے لئے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے اور اب بھی دکھلائے گا۔ وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور وفاداروں کے لئے اُس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ اُن کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن اُن پر دانت پیستا ہے مگر وہ جو اُن کا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے اُن کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں اُن کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اُس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اُس پر ایمان لائے، ہم نے اُس کو شناخت کیا۔

تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی، جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے، جس نے مجھے اِس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اُس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی، ہم نے اُسے دیکھ لیا کہ دُنیا کا وہی خدا ہے، اُس کے سوا کوئی نہیں۔

کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا، کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں مگر وہی جو اُس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے۔ سو جب تم دعا کرو تو اُن جاہل نیچریوں کی طرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانونِ قدرت بنا بیٹھے ہیں جس پر خدا کی کتاب کی مُہر نہیں کیونکہ وہ مردود ہیں اُن کی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔ وہ اندھے ہیں نہ سُجاکھے، وہ مُردے ہیں نہ زندے۔ خدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش کرتے ہیں اور اُس کی بے انتہا قدرتوں کی حد بست ٹھہراتے ہیں اور اُس کو کمزور سمجھتے ہیں سو اُن سے ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ اُن کی حالت ہے۔ لیکن جب تُو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے تب تیری دُعا منظور ہوگی اور تُو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ہماری گواہی رؤیت سے ہے نہ بطور قصّہ کے۔ اُس شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اُس کے نزدیک قانونِ قدرت کے مخالف ہیں دعا کرنے کا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان تُو ایسا مت کر۔ تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تُو اُس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آجائے گا۔ بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اُس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو

اُس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔

کیا بدبخت ہے وہ انسان جس کو اَب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے، ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اُس چشمہ کی طرف دَوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اِس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں، کس دَف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھُلیں۔

اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ سو تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اُس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔

غیر قوموں کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلّی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی اور جیسے گِدھ اور کُتّے مُردار کھاتے ہیں اُنہوں نے مُردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دُور جا پڑے انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوّت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسمانی رُوح اُن میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ اُن کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے اُن کے تمام اندرونی اعضاء کاٹ دیئے ہیں پس تم اُس جذام سے ڈرو۔ مَیں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایتِ اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیّا کرتا ہے۔ اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔ تم نہ ہاتھ لمبا کر سکتے ہو اور نہ اکٹھا کر سکتے ہو مگر اُس کے اذن سے۔ ایک مُردہ اِس پر ہنسی کرے گا مگر کاش اگر وہ مر جاتا تو اِس ہنسی سے اُس کے لئے بہتر تھا۔ خبردار!! تم غیر قوموں کو دیکھ کر اُن کی ریس مت کرو کہ اُنہوں نے دنیا کے منصوبوں میں بہت ترقی کر لی ہے آؤ ہم بھی انہیں

کے قدم پر چلیں۔ سنو اور سمجھو کہ وہ اُس خدا سے سخت بیگانہ اور غافل ہیں جو تمہیں اپنی طرف بُلاتا ہے۔ اُن کا خدا کیا چیز ہے؟ صرف ایک عاجز انسان۔ اِس لئے وہ غفلت میں چھوڑے گئے ہیں۔ مَیں تمہیں دنیا کے کسب اور حرفت سے نہیں روکتا مگر تم ان لوگوں کے پَیرو مت بنو جنہوں نے سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ رکھا ہے۔

چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اُترتی ہے۔ تم راستباز اُس وقت بنو گے جبکہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت، ہر ایک مشکل کے وقت قبل اِس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما۔ تب رُوح القدس تمہاری مدد کرے گی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائے گی۔ اپنی جانوں پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے بکلّی علاقہ توڑ چکے ہیں اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہیں یہاں تک کہ طاقت مانگنے کے لئے وہ مُنہ سے انشاء اللہ بھی نہیں نکالتے اُن کے پَیرو مت بن جاؤ۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے تا تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے۔ اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیاں اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہیں؟ نہیں بلکہ ایک دفعہ گریں گی اور احتمال ہے کہ ان سے کئی خون بھی ہو جائیں۔ اِسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتیں۔ اگر تم اُس سے مدد نہیں مانگو گے اور اُس سے طاقت مانگنا اپنا اصول نہیں ٹھہراؤ گے تو تمہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ آخر بڑی حسرت سے مرو گے۔

یہ مت خیال کرو کہ پھر دوسری قومیں کیونکر کامیاب ہو رہی ہیں حالانکہ وہ اُس خدا کو جانتی بھی نہیں جو تمہارا کامل اور قادر خدا ہے۔ اِس کا جواب یہی ہے کہ وہ خدا کو چھوڑنے کی وجہ سے دُنیا کے امتحان میں ڈالی گئی ہیں۔ خدا کا امتحان کبھی اِس رنگ میں ہوتا ہے کہ جو شخص اُسے چھوڑتا اور دُنیا کی مستیوں اور لذّتوں سے دل لگاتا ہے اور دُنیا کی دولتوں کا خواہشمند ہوتا ہے تو دنیا کے دروازے اُس پر کھولے جاتے ہیں اور دین کے رُو سے وہ نرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے اور آخر دنیا کے خیالات میں ہی مرتا اور ابدی جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ اور کبھی اِس رنگ میں بھی امتحان ہوتا ہے کہ دُنیا سے بھی نامراد رکھا جاتا ہے۔ مگر مؤخر الذکر امتحان ایسا خطرناک نہیں جیسا کہ پہلا۔ کیونکہ پہلے امتحان والا زیادہ مغرور ہوتا ہے۔ بہرحال یہ دونوں فریق مغضوب علیہم ہیں۔ سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے۔ پس جبکہ اُس حیّ و قیّوم خدا سے یہ لوگ بے خبر ہیں بلکہ لاپرواہ ہیں اور اُس سے مُنہ پھیر رہے ہیں تو سچی خوشحالی اُن کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ مبارک ہو اُس انسان کو جو اِس راز کو سمجھ لے اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اِس راز کو نہیں سمجھا۔

اِسی طرح تمہیں چاہیئے کہ اِس دُنیا کے فلسفیوں کی پَیروی مت کرو اور اُن کو عزت کی نگاہ سے مت

دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں۔ سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنی کلام میں سکھلایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اِس دُنیوی فلسفہ کے عاشق ہیں اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ نادانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہو؟ کیا تم خدا کو وہ باتیں سکھلاؤ گے جو اُسے معلوم نہیں؟ کیا تم اندھوں کے پیچھے دَوڑتے ہو کہ وہ تمہیں راہ دکھلاویں؟ اے نادانو! وہ جو خود اندھا ہے وہ تمہیں کیا راہ دکھائے گا بلکہ سچا فلسفہ رُوح القدس سے حاصل ہوتا ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ تم رُوح کے وسیلہ سے اُن پاک علوم تک پہنچائے جاؤ گے۔ تم سمجھو گے کہ یہی علم ہے جو دل کو تازگی اور زندگی بخشتا ہے اور یقین کے مینار تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ جو خود مُردار خوار ہے وہ کہاں سے تمہارے لئے پاک غذا لائے گا۔ وہ جو خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہیں دکھاوے گا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے۔ پس تم زمینی لوگوں سے کیا ڈھونڈتے ہو۔ جن کی رُوحیں آسمان کی طرف جاتی ہیں وہی حکمت کے وارث ہیں۔ جن کو خود تسلی نہیں وہ کیونکر تمہیں تسلی دے سکتے ہیں۔ مگر پہلے دلی پاکیزگی ضروری ہے، پہلے صدق و صفا ضروری ہے، پھر بعد اس کے یہ سب کچھ تمہیں ملے گا۔

یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور رُوح القدس اب اُتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا۔ اور مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر یک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر رُوح القدس کے اُترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ اِن میں داخل ہو۔ تم اِس آفتاب سے خود اپنے تئیں دُور ڈالتے ہو جبکہ اِس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ اور اِس کھڑکی کو کھول دے تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اِس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اِس وقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اُس نے بند کر دی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورۃ فاتحہ میں سکھلائی گئی گزشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے تو تم کیوں اُن کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اِس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آجائے گا۔ اِس دُودھ کے لئے تم بچہ کی طرح رونا شروع کرو کہ دُودھ پستان سے خود بخود اُتر آئے گا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے۔ اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ۔ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے۔ کیا ہی دشوار گزار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر اُن کے لئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اِس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے، ہم اِس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے۔ یہی ہے جو خدا نے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا یعنی اے بَدو! اور اے نیکو! تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گزر نہ کرے مگر وہ جو خدا

خدا کے لئے اس آگ میں پڑتے ہیں وہ نجات دیئے جائیں گے لیکن وہ جو اپنے نفس امّارہ کے لئے آگ پر چلتا ہے وہ آگ اُسے کھا جائے گی۔

پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہو گا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ کیونکہ ایک ذرّہ بدی کا بھی قابلِ پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کارِ عمر ناپیدا۔ تیز قدم اٹھاؤ جو شام نزدیک ہے۔ جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے اور زیاں کاری کا موجب ہو یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔"

(کشتی نوح)

اللہ تعالیٰ کا احسان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اُس محبوبِ حقیقی کے احسانات جو انسان پر ہیں وہ دفتروں میں سما نہیں سکتے کیونکہ اُس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ گناہ پر گناہ دیکھتا ہے اور احسان پر احسان کرتا ہے اور خطا پر خطا پاتا ہے اور نعمت پر نعمت دیتا ہے۔ درحقیقت نہ زید ہم سے کچھ بھلائی کر سکتا ہے اور نہ بکر، نہ آفتاب اپنی روشنی سے ہم کو کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ ماہتاب اپنے نور سے ہم کو کوئی نفع دے سکتا ہے، نہ ستارے ہمارے کام آ سکتے ہیں نہ اُن کی تاثیر کچھ چیز ہے، ایسے ہی نہ دوست کام آ سکتا ہے نہ فرزند، غرض کوئی چیز بھی ہمیں آرام نہیں پہنچا سکتی جب تک وہ ارادہ نہ فرما دے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ ہزارہا اور بے شمار طریقوں سے جو ہماری حاجات پوری ہوتی ہیں دراصل یہ فضل اسی منعم حقیقی کی طرف سے ہے۔ پس اُس کے انعامات کو کون گن سکتا ہے۔ اگر ہم انصاف سے بولیں تو ہمیں یہ شہادت دینی پڑے گی کہ کسی نے ہم سے ایسا پیار نہیں جیسا کہ اُس نے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۸۴)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَحِیْدٌ فَرِیْدٌ مَا دَنَاہُ التَّکَثُّرُ

یگانہ و یکتا ہے کثرت اسکے قریب نہیں جاسکتی

سَقَانِیْ مِنَ الْاَسْرَارِ کَاْسًا رَوِیَّۃً   وَاِنْ کُنْتُ مِنْ قَبْلِ الْھُدٰی لَا اُعَثِّرُ

اُس (خدا تعالیٰ) نے مجھے اسرار کے سیراب کرنیوالے پیالے پلائے ہرچند کہ میں اس کی رہنمائی سے قبل کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

غَیُوْرٌ یُبِیْدُ الْمُجْرِمِیْنَ بِسُخْطِہٖ   غَفُوْرٌ یُّنَجِّی التَّائِبِیْنَ وَیَغْفِرُ

ایسا غیرت مند ہے کہ اپنے غضب سے مجرموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ ایسا بخشنہار ہے کہ توبہ کرنے والوں کو بخش کر نجات دیتا ہے۔

وَحِیْدٌ فَرِیْدٌ لَا شَرِیْکَ لِذَاتِہٖ   قَوِیٌّ عَلِیٌّ مُّسْتَعَانٌ مُقَدِّرُ

یگانہ ہے، یکتا ہے اور اپنی ذات میں لاشریک ہے۔ قوی ہے بڑی شان والا ہے اس سے مدد طلب کی جاتی ہے اور تقدیر کا مالک ہے

لَہُ الْمُلْکُ وَالْمَلَکُوْتُ وَالْمَجْدُ کُلُّہٗ   وَکُلٌّ لَّہٗ مَا بَانَ فِیْنَا وَیَظْھَرُ

ملک بھی اسی کا ہے اور بادشاہی اور بزرگی بھی اُسی کو حاصل ہے۔ اور جو کچھ بھی ہم میں ظاہر ہو رہا ہے سب اُسی کا ہے۔

وَدُوْدٌ یُحِبُّ الطَّائِعِیْنَ تَرَحُّمًا   مَلِیْکٌ فَیُزْعِجُ ذِیْ شِقَاقٍ وَیَحْصِرُ

مہربان خدا ہے، فرمانبرداروں سے رحمت سے پیار کرتا ہے۔ بادشاہ ہے دشمنوں کی بیخ کنی کرتا اور قید کر لیتا ہے۔

یُحِیْطُ بِکَیْدِ الْکَائِدِیْنَ بِعِلْمِہٖ   فَیُھْلِکُ مَنْ ھُوَ فَاسِقٌ وَمُزَوِّرُ

اپنے علم سے مکاروں کے مکر کا احاطہ کرتا ہے۔ اور جو فاسق اور مکار ہو اُسے ہلاک کرتا ہے۔

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَا کُفُوٌ لَّہٗ   وَحِیْدٌ فَرِیْدٌ مَا دَنَاہُ التَّکَثُّرُ

اور نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کا کفو ہے۔ یگانہ و یکتا ہے، کثرت اُس کے قریب نہیں جا سکتی۔

(کرامات الصادقین)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

لم یزل لایزال فرد و بصیر

ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا یگانہ و باخبر ہے!

ہر دم از کاخِ عالَم آواز یست
یہ نظامِ عالم اِس بات کی گواہی دے رہا ہے

کہ یکیش بانی و بِنا ساز یست
کہ اِس جہان کا کوئی بانی اور صانع ضرور ہے

نہ کس اورا شریک و انباز یست
نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ ساجھی

نے بکارش دخیل و ہمراز یست
نہ اسکے کام میں کوئی دخیل ہے اور نہ کوئی اس کا ہمراز ہے

ایں جہاں را عمارت انداز یست
وہ اس جہان کو بنانے والا ہے۔

واز جہاں برتر است و ممتاز یست
مگر خود جہان سے بالاتر اور ممتاز ہے۔

وحدہٗ لاشریک حیّ و قدیر
وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ زندہ اور قادر ہے

لم یزل لایزال فرد و بصیر
ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ یگانہ اور باخبر ہے۔

کارسازِ جہان و پاک و قدیم
جہان کا کارساز پاک اور قدیم ہے۔

خالق و رازق و کریم و رحیم
پیدا کرنے والا، روزی پہنچانے والا، مہربان اور رحیم ہے

رہنما و معلّمِ رہِ دین
وہ ہمارا رہنما اور معلّم دین ہے۔

ہادی و ملہمِ علومِ یقین
وہ ہمارا ہادی ہے اور ہمیں یقینی علوم دینے والا ہے

متّصف باہمہ صفاتِ کمال
تمام صفاتِ کاملہ سے آراستہ

برتر از احتیاجِ آل و عیال
آل اور اولاد کی ضرورت سے بے نیاز ہے۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ اوّل)

قرآن مجید میں مذکور صفاتِ الٰہی اور ان کے اقسام

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

اللہ تعالیٰ کی غیر محدود ازلی ابدی صفات میں سے قرآن مجید میں جو صفات بیان ہوئی ہیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دیباچہ تفسیر القرآن (انگریزی) میں ان میں سے ایک سو چار صفات درج فرمانے کے بعد ان صفات اور ان کے ظہور پر بہت مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اس جہت سے بھی قرآن مجید کی فضیلت کو بڑی عمدگی سے واضح فرمایا ہے۔ نیز حضور نے ان اصولوں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کے تحت یہ صفات ظہور میں آتی اور اپنا کام کرتی ہیں۔ افادۂ عام کی غرض سے دیباچہ کا یہ حصہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

"صفات الٰہی موٹے طور پر تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔ اوّل وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ مخلوق کا ان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ مثلاً الحیّ زندہ رہنے والا ہے، القادر قدرت اور اختیار رکھنے والا ہے، الماجد بزرگی رکھنے والا وغیرہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی صفات وہ ہیں جو مخلوق کی پیدائش کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے سلوک اور اس کے نسبتی تعلق پر دلالت کرتی ہیں مثلاً الخالق، المالک وغیرہ وغیرہ۔ تیسری قسم کی صفات وہ ہیں جو بالارادہ ہستیوں کے اچھے اور برے اعمال کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں مثلاً رحیم ہے، مٰلک یوم الدّین ہے، عفوّ ہے، رؤف ہے وغیرہ وغیرہ۔

بعض صفات بظاہر مکرّر نظر آتی ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر ایک لطیف فرق ہے۔ مثلاً پیدائش کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کئی صفات بیان ہوئی ہیں جیسے خالق کلّ شیءٍ، البدیع، الفاطر، الخالق، الباریٔ، المعید، المصوّر، الربّ۔ یہ صفات بظاہر ملتی جلتی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت یہ مختلف ممتاز معنوں پر دلالت کرتی ہیں۔ خالق کلّ شیءٍ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روح اور مادہ کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اس طرح کہ بعض قومیں خدا تعالیٰ کو صرف جوڑنے جاڑنے کا موجب سمجھتی ہیں بسیط مادے کا خالق نہیں سمجھتیں۔ ان کا خیال ہے کہ مادہ اور روح بھی خدا تعالیٰ کی طرح ازلی اور انادی ہیں۔ اگر خالی لفظ خالق ہوتا تو ایسے لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں مگر ہمارے نزدیک خالق کے معنے یہ ہیں کہ وہ ان چیزوں کو جوڑ جاڑ کر ایک نئی شکل دے دیتا ہے۔ ان لوگوں کو اسی

تاویل کی وجہ سے قرآن کریم کا حقیقی منشاء واضح اور روشن طور پر ثابت نہ ہو سکتا۔ پس خالق کل شیءٍ کی صفت نے محض خلق کی صفت سے ایک زائد مضمون بیان کیا ہے۔ **بدیع** کا مفہوم یہ ہے کہ نظامِ عالم کا ڈیزائن اور نقشہ خدا تعالیٰ نے بنایا ہے۔ گویا یہ اتفاقی نہیں یا موجودات میں سے کسی کی نقل نہیں۔ **فطر** کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو پھاڑ کر اس میں سے مادہ کو نکالنا۔ پس **فاطر** کی صفت سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مادہ پیدا کیا اس کے اندر اس نے مخفی ارتقاء کی طاقتیں رکھیں اور اپنے وقت پر وہ پردے جو اُن طاقتوں کو دبائے ہوئے تھے اُن کو اُس نے پھاڑ دیا جیسے بیج کے اندر درخت یا پودہ بننے کی خاصیت ہوتی ہے مگر وہ ایک خاص حالت کا منتظر رہتا ہے، اُسی وقت اور اُسی موسم میں وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ غرض **فاطر** کے لفظ نے بتا دیا کہ خدا تعالیٰ نے سب کچھ یکدم نہیں کر دیا بلکہ دنیا کو ایک قانون کے مطابق پیدا کیا ہے۔ ہر اک درجہ کے متعلق ایک قانون کام کر رہا ہے۔ ایک اندرونی تیاری دنیا میں ہوتی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر جا کر بعض مخفی طاقتیں اپنے آپ کو ظاہر کر دیتی ہیں اور ایک نئی چیز بننے لگ جاتی ہے۔

خالق کے معنی وہ بھی ہیں جو **خالق کل شیءٍ** میں بیان ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور معنے بھی **خالق** کے ہیں اور وہ تجویز کرنے والے کے ہیں۔ پس **خالق** کے معنی یہ ہیں کہ مختلف چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اِس دنیا کو ایک خاص نظام کے ماتحت خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور اس پر خالق کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ **باری** کا لفظ اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مختلف ظہور شروع کرتا ہے اور پھر ایک ایسا قانون مقرر کر دیتا ہے کہ وہ چیز اپنی نسل کی تکرار کرتی چلی جاتی ہے اور اس پر خدا تعالےٰ کا نام **المعید** دلالت کرتا ہے۔ **المصوّر** کا لفظ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر چیز کو ایک خاص شکل خدا تعالےٰ نے دی ہے جو اس کے مناسبِ حال ہے۔ صرف کسی چیز کے اندر کسی خاصیت کا پیدا کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اسے مناسبِ حال شکل دینا بھی ضروری ہوتا ہے اِس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اِسی طرح کسی چیز کا محض پیدا ہو جانا کافی نہیں بلکہ اُس کا ایسی شکل میں پیدا ہونا کہ وہ اپنے کام کو سر انجام دے سکے یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ پس اِس صفت کے اظہار کیلئے خدا تعالیٰ کا ایک نام **المصوّر** ہے۔ **الربّ** کی صفت ان معنوں پر دلالت کرتی ہے کہ پیدا کرنے کے بعد اس کی طاقتوں کو تدریجی طور پر بڑھاتے چلے جانا اور کمال تک پہنچانا۔ ظاہر ہے کہ پہلی صفات اِس مضمون کو ادا نہیں کرتیں۔ اِسی طرح اور کئی صفات ہیں جو بظاہر مکرر نظر آتی ہیں مگر درحقیقت اُن کے اندر باریک فرق ہے اور اِس فرق کے سمجھ لینے کے بعد وہ روحانی نظام جس کو قرآن کریم پیش کرتا ہے نہایت ہی شاندار اور خوبصورت طور پر انسان کی آنکھوں کے آگے آجاتا ہے۔

یہ صفات جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں انجیل میں تو ان کا بہت ہی کم ذکر ہے۔ تورات اور دوسرے انبیاء کے صُحف میں فرداً فرداً یہ ساری صفات بیان نہیں ہوئیں۔ ہاں بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کی کتابوں کو جمع کیا جائے تو پھر

ان میں سے بہت سی صفات کا ذکر ان میں آجاتا ہے مگر ساری کا پھر بھی ذکر نہیں۔ درحقیقت مسلمانوں میں یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں یہ عقیدہ ان یہودی روایات سے ہی وابستہ ہے جو انہوں نے تورات سے صفاتِ الٰہیہ اخذ کر کے بنائی ہیں ورنہ قرآن کریم میں ننانوے سے بہت زیادہ نام مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک سو چار نام تو میں نے اوپر درج کر دیئے ہیں اور ابھی بہت سے باقی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جن کا انسان کے ساتھ تعلق ہی نہیں اُن کے قرآن کریم میں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور یقیناً وہ قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئیں۔ پس کسی خاص تعداد میں خدا تعالیٰ کے ناموں کو محدود کرنا درست نہیں۔ اور اگر اسلامی لٹریچر میں اس قسم کا کوئی ذکر پایا جاتا ہے تو وہ صرف یہودی دعوے کے تقابل کے لئے ہے حقیقت محض کے اظہار کے لئے نہیں۔ ویدوں کو بھی میں نے دیکھا ہے اُن میں بھی بہت کم صفات خدا تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں اور یہی حال ژند اوستا کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم کامل کتاب ہے اور روحانیت کی تکمیل کے لئے آخری زینہ ہے اس لئے اس میں وہ صفات بھی آگئی ہیں جو پہلی کتابوں نے بیان کیں اور ان کے علاوہ کئی زائد صفات بھی اس میں بیان کی گئی ہیں۔

بعض لوگوں کو ان صفات کے دیکھنے سے یہ شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض متضاد صفات بھی ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ رحم کرنے والا بھی ہے اور سزا دینے والا بھی ہے، خدا تعالیٰ غنی بھی ہے اور پھر وہ پیدا بھی کرتا ہے اور بنی نوع انسان کی طرف ہدایت بھیجتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے ان چیزوں کے وجود میں لانے کی خواہش ہے۔ عام طور پر ایسے دماغوں میں یہ سوالات پیدا ہوا کرتے ہیں جنہوں نے فلسفہ پر ادھورا غور کیا ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ دنیا کا سارا حُسن تو اس کے بظاہر نظر آنے والے اختلاف میں ہی پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ مختلف چیزیں اپنا الگ الگ دائرہ رکھتی ہیں یا زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک کڑی کے ختم ہونے پر دوسری کڑی شروع ہوتی ہے۔ بے شک خدا تعالیٰ سزا بھی دیتا ہے لیکن سزا دینے کے لئے اُس نے کچھ قوانین مقرر کئے ہیں جب وہ قوانین چاہتے ہیں تو وہ سزا دیتا ہے۔ اور جب عفو کے متعلق اس کے مقرر کئے ہوئے قوانین کا تقاضا بڑھ جاتا ہے تو وہ عفو کرتا ہے اور ایک ہی وقت میں کسی انسان کے لئے اس کی سزا کی صفت جاری ہو رہی ہوتی ہے اور کسی انسان کے لئے اس کی بخشش کی صفت جاری ہو رہی ہوتی ہے۔ کسی انسان کے لئے اس کی پیدا کرنے کی صفت جاری ہو رہی ہوتی ہے اور کسی انسان کے لئے اُس کے مارنے کی صفت جاری ہو رہی ہوتی ہے۔ میں ابھی چھوٹا تھا کہ آریہ سماج کے ایک لیڈر نے مجھ سے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ کو قرآن کریم میں رب العٰلمین کہا گیا ہے پھر وہ مارتا کیوں ہے حالانکہ رب العٰلمین کے تو معنے ہیں پیدا کر کے تکمیل تک پہنچانا۔ یہ اعتراض محض بسطحی تھا۔ رب العالمین کے یہ تو معنی نہیں کہ اس کو مارے نہیں۔ قرآن کریم میں رب العالم نہیں کہا گیا بلکہ رب العالمین کہا گیا ہے اور جب ایک چیز ایک طرف سے دوسری طرف کو منتقل ہو جاتی ہے تو ربوبیت کی صفت ایک دوسرے رنگ میں نکل

میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ غرض جو چیز موجود ہے وہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور جو چیز موجود نہیں وہ عالم ہے ہی نہیں اُس کے متعلق سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات دو قانونوں کے ماتحت چلتی ہیں۔ وہ صفات جو بنی نوع انسان سے تعلق رکھتی ہیں ان کے باہمی تعاون کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو قانون قرآن شریف میں پیش کئے ہیں۔ ایک قانون کا ذکر رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف ع ۱۹ آیت ۱۵۷) کی آیت میں آتا ہے یعنی میری رحمت ہر چیز پر غالب ہے۔ دوسری صفت قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا (نوح ع ۱ آیت ۱۴) تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ اپنے کاموں میں حکمت کو مدّنظر رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں ایک نام حکیم بھی ہے جو اس مفہوم کے ساتھ ملتے جلتے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ اِن دو صفات سے ظاہر ہے کہ ہر صفت جو خدا تعالیٰ کی ظاہر ہو گی وہ کسی غرض اور غایت کو پورا کرنے کیلئے ہو گی، بلا وجہ نہیں ہو گی۔ دوسرے یہ کہ جہاں بھی سزا اور رحم کے مطالبے ٹکرا جائیں گے رحم کے پہلو کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی اور سزا کے پہلو کو ہمیشہ اس کے ماتحت رکھا جائے گا۔ درحقیقت قرآن کریم کی یہی وہ خوبی ہے جو ایک مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر دیتی ہے اور یہی وہ اصول ہے جو بندے اور خدا میں محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو خدا تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کیلئے کسی عقل میں نہ آنے والے کفارہ کے مسئلہ کی ضرورت نہیں نہ اسکو کسی شخص کے صلیب پر لٹک کر مر جانے کے مسئلہ پر ایمان لانے کی حاجت ہے۔ جب وہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے اس گُر کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت کے ماتحت ہوتا ہے، ہر کام کسی غرض اور غایت کیلئے ہوتا ہے اور ہر کام کسی جائز اور معقول سبب کے لئے ہوتا ہے اور یہ کہ باوجود اسکے جب ایک کمزور انسان کمزوری دکھا جاتا ہے اور اسکے دل میں ندامت اور شرم پیدا ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کی محبت اور خدا تعالیٰ کا غفران اُس کو ڈھانک لیتا ہے تو اُس کا دل بیتاب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور جب ایک مسلمان اس بات کو دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ باوجود خالق اور مالک ہونے کے بندے کے قصوروں کو معاف کرتا اور اسکی غلطیوں سے درگذر کرتا اور اُس کی ترقی کے سامان پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور اُس کی سزا دُکھ دینے اور ذلیل کرنے کیلئے نہیں ہوتی بلکہ وہ بندے کی اصلاح اور ترقی کے لئے ہوتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا خدا اُس کی توبہ کے قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، وہ اُس کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور توبہ اور ندامت کے بعد گناہوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ باوجود عظیم الشان ہونے کے اور نہایت ہی بالا ہستی ہونے کے وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور انسان کے دل میں اس سے ملنے کا جتنا شوق ہے اُس سے کہیں بڑھ کر خدا تعالیٰ کو اُس سے ملنے کا شوق ہے تو انسان کا دل محبت اور پیار سے بھر جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اُس سے بھی زیادہ شوق سے جس شوق سے ایک بچہ اپنی ماں کی طرف جھکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بھی ایسے انسان کی طرف محبت سے جھکتا ہے اُس ماں کی محبت کی نسبت سے بھی زیادہ شدید محبت سے جو اپنے روتے ہوئے بچے کی طرف بھاگی ہے"

ذاتِ باری تعالیٰ

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے)

ابتدائے آفرینش سے ہمیں دنیا میں مذہب کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ مذہب کا سب سے بڑا پیغام بنی نوعِ انسان کے لئے یہی رہا ہے کہ ہمارا ایک خالق و مالک خدا ہے اور وہ ایک ہے کوئی دوسرا اُس کے ساتھ شریک نہیں اور یہ کہ انبیاء و رسل کے ذریعہ وہ دنیا میں اپنی ہدایت نازل کرتا رہتا ہے جو دنیا کی اخلاقی اور روحانی تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر دیتی ہے۔

جوں جوں انسان ذہنی ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا ذاتِ باری کے تفصیلی تصوّر میں بھی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق جو تفاصیل اتاری گئی تھیں وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے اذہان کو مطمئن کرنے کے لئے ناکافی تھیں اور انسان زبانِ حال سے وسیع تر معلومات حاصل کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ تمام انبیاء اپنے اپنے زمانوں کے ارتقائی مقام و مرتبہ کے نمائندہ اور مظہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں دیدارِ خداوندی کا جوش موجزن ہوا تو آپ نے مخصوص طور پر ایک صفتِ باری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدائی تجلّی کے دیدار کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :-

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی

یعنی اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام پانچ چھ سو سال کے بعد صرف ایک صفت کے ظہور پر مطمئن نظر نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے یوں مناجات کرتے ہیں :-

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ

یعنی اے میرے ربّ مجھے یہ نظارہ دکھا کہ مَیں تجھے تیری تمام صفات کے ساتھ دیکھ لوں۔ یعنی مجھے اپنی تمام صفات کی تجلّی والا نظارہ دکھلا۔ آگے اِس بارہ میں اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ نظارہ دیکھا یا کہ نہیں دیکھا۔ لیکن اِس سے اُن کے دل کی آواز کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اب اِس میں ابراہیمی زمانے کی نسبت وسعت

پیدا ہو چکی تھی۔

اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انسانی ذہن اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی انتہائی تجلّی کا طالب ہو چکا تھا اس لئے انسانِ کامل پر اللہ تعالیٰ نے کامل ترین تجلّی فرمائی اور اپنی پہلی آواز میں ہی اس کو یہ پیغام دیا:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔

یعنی اے انسانِ کامل! اب تو اُس خدا کے نام کے ساتھ اس پیغام کو دُہرا جس نے اسی مقصد اور اسی پیغام کی خاطر ہی مخلوق کو پیدا کیا تھا۔ یعنی اب تیرے اس پیغام کے ذریعہ سے تخلیق کائنات کا مقصد پورا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداء سے ہی اپنے تعلق اور وصال کے لئے پیدا کیا ہے لیکن تیرے زمانے میں یہ تعلق اپنے انتہائی کمال اور عروج کا متقاضی ہے اس لئے تیرا رب اب تجھ پر ربّ اکرم کی تجلّی ظاہر فرمائے گا۔ تمام انبیاء کا رب، ربّ کریم تھا کیونکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنے روحانی جُود و کرم کی بارشیں برسائیں لیکن تیرے زمانے میں تجھ پر وہ ربّ اکرم کی صورت میں ظاہر ہو گا اور دنیا اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم ترین تجلّی دیکھے گی جو اُس نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔

اگر اللہ تعالیٰ کا وجود ایک حقیقت ہے اور ہمارا یقین ہے کہ یہ حقائق میں سے سب سے بڑی حقیقت ہے تو پھر انسان کا فرض ہے کہ وہ اس کے حقیقی تصوّر اور جملہ تفاصیل سے آگاہ ہونے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے علم اور عرفان کو ترقی دیوے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کا کامل تصوّر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک وہ تصوّر ہے جو فلاسفروں نے پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے تصوّر کو بھی مادیات کا ایک حصہ بنا دیا ہے:۔

"یہاں تک کہ ان فلاسفروں نے کہا کہ سوال یہ نہیں کہ خدا نے دنیا کو کس طرح پیدا کیا بلکہ یہ ہے کہ انسان نے خدا کو کس طرح پیدا کیا۔ ان کے نزدیک خدا کا سوال انسانی ارتقاء کا نتیجہ ہے اور یہ کہ بے شک خدا کا وجود ایک حقیقت ہے لیکن دماغی ترقی کی وہ انتہائی کڑی ہے اور کچھ نہیں۔ ان کے نزدیک انسان نے اپنے لئے ایک اچھا نمونہ تلاش کرنا چاہا۔ جب وہ انسانوں میں ایک عمدہ نمونہ تلاش نہ کر سکے تو انہوں نے انسانوں سے باہر ایک ذہنی نقشہ تیار کر لیا۔ پہلی کوشش انسان کی ایسی کامیاب نہ تھی مگر جوں جوں وہ زیادہ غور کرتا گیا زیادہ ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک کامل نقشہ تیار کر لیا۔ اس کا نام خدا ہے اور ہر انسان کا فرض ہے کہ اس کا حکم مانے یعنی

اس کی نقل کرنے کی کوشش کرے۔ بغیر اس کی نقل اُتارنے کے انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا بلکہ اس لئے کہ انسان نے آخر کار ایک کامل وجود کو دریافت کر لیا۔ غرض ان لوگوں نے خدا کو بھی مادیات کا حصہ قرار دے لیا ہے۔"

(منقول از خطبہ جمعہ حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ۔ الفضل ۴ر مارچ ۱۹۶۴ء)

اس کے برعکس قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی باریک در باریک اور وراء الورٰی ہے کہ انسانی دماغ و ذہن کی اس تک خود بخود رسائی نہیں ہو سکتی، ہاں از راہ ترحم وہ از خود اپنے تئیں انسانی قلب و دماغ پر ظاہر کرتا ہے۔ فرماتا ہے:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

یعنی نظریں اُس تک نہیں پہنچ سکتیں ہاں وہ (از خود) نظروں تک پہنچتا ہے، وہ باریک در باریک ہے لیکن چونکہ انسانی حد بندیوں اور کمزوریوں سے خبردار ہے اس لئے خود اپنے آپ کو اُس پر ظاہر کرتا ہے۔

پس اسلام اُس خدا کو پیش کرتا ہے جو ہمیشہ ہمیش سے از خود اِنّی اَنَا اللّٰہ کا نعرہ بلند کرتا رہا ہے اور اپنی زبردست قدرتوں اور خارق عادت نشانات سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہا ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

اسی طرح سے فرمایا:۔

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ

وہ اپنی ہستی منوانے کے لئے کسی فلاسفر کی عقل و دانش کا محتاج نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہی اپنی قادرانہ تجلیات سے پہچانا جاتا ہے۔

قرآن کریم سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اُن صفات سے خاص طور پر یاد کیا جاتا تھا جن کا اُس زمان و مکان سے تعلق ہوتا تھا۔ تمام گزشتہ الہامی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کے جتنے نام آئے ہیں وہ سب صفاتی نام ہیں۔ مگر قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کا اسم ذات پیش کیا ہے اور وہ ہے اللّٰہ۔

اللّٰہ کے ذاتی طور پر کچھ معنی نہیں۔ ہاں یہ لفظ اُس پاک ذات پر دلالت کرتا ہے جو تمام صفاتِ حسنہ کی جامع ہے۔ بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ لفظ اَلْاِلٰہُ (وہ خاص معبود) سے بگڑ کر "اللّٰہ" بنا ہے غلط

ہے۔ کیونکہ اگر "اللہ" سے پہلے "اَلْ" تخصیص کا ہوتا اور "اللہ" کے لفظ کا حصّہ نہ ہوتا تو حرفِ نداء کے ساتھ اے اللہ کہنے کے لئے یَا اَیُّھَا اللہ آنا چاہیئے تھا مگر یَا اَللّٰہ کہا جاتا ہے اور یہ اِس امر کا ثبوت ہے کہ یہ "اَلْ" "اللہ" کے لفظ کا حصّہ ہے۔ پس "اللہ" اسم ذات ہے جس کے معنی کچھ نہیں۔ یعنی یہ صفاتی نام نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی کسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اس کا ذاتی نام ہے۔

اِسی طرح اسلام سے قبل اللہ تعالیٰ کی صفات سمجھانے کے لئے کبھی اُسے "باپ" کہا گیا، کبھی "ماں" سے تشبیہ دی گئی جس کی وجہ سے ناقص العقل لوگوں نے اس کو انسانی باپ یا ماں کی طرح سے توالد و تناسل کی صفت سے متّصف سمجھ لیا اور اس کے بیٹے قرار دیدیئے لیکن اس بارہ میں قرآن کریم فرماتا ہے :-

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

کہ درحقیقت اِس سے حقیقی مشابہت رکھنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر اُسے کسی چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اس کی بعض صفات کو قریب الفہم کرنے کے لئے ورنہ کوئی شے اُس پر قیاس نہیں کی جاسکتی اور نہ وہ کسی دوسری چیز پہ قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ بولتا ہے مگر یہ نہیں کہ بولنے کے لئے اُس کی ہماری طرح سے کوئی زبان ہے۔ وہ سُنتا ہے بغیر کانوں کے، وہ دیکھتا ہے بغیر آنکھوں کے۔ جب ہم خدا تعالیٰ کو باپ کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر باپ جیسی شفقت رکھتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُس کے اندر توالد و تناسل پایا جاتا ہے جیسے کہ عیسائی صاحبان کو غلطی لگ گئی اور انہوں نے اپنی الہامی کتاب میں خدا تعالیٰ کے لئے "باپ" کا لفظ دیکھ کر اس کا حقیقی بیٹا تجویز کر لیا اور گمراہ ہو گئے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی شفقت کو باپ کی شفقت سے تشبیہ دیتے ہوئے ذرا مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں جیسے کہ فرمایا :-

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا

یعنی اللہ تعالیٰ کو کچھ اِسی قسم کے جذبات سے یاد کرو جن کے ساتھ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ باپوں والے جذبات سے بڑھ کر شدید جذبات کے ساتھ۔

اِسی طرح سے قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ کہ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کُھلے ہوئے ہیں اِس سے اُس کی طاقت و قدرت اور جُود و سخا کی طرف کنایہ ہے، ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ انسانی ہاتھوں کی طرح اُس کے دو ہاتھ ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے لئے جو بھی تشبیہات قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں وہ تمام کی تمام لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کی محکم آیت کے تابع ہیں اور اِس آیت کے ذریعہ قرآن کریم نے اپنے متّبعین کو جادۂ مستقیم پر قائم رکھا ہے۔ اگر اُمّت کے بعض افراد نے ایسی کوئی غلطی کھائی ہے تو یہ اُن کی سمجھ کا قصور تھا۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ کے عرش کا ذکر پڑھ کر انہوں نے کوئی ظاہری قسم کا تخت مراد لے لیا ہے تو قرآن کریم

اس کا ذمہ وار نہیں کیونکہ قرآن کریم نے ابتدائً ہی ایک کلّیہ قائم فرما دیا تھا کہ یاد رکھو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کہ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ اُسے کسی چیز پر قیاس نہ کرنا اور نہ کسی اور چیز کو اس پر قیاس کرنا۔

پھر قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفات کا بالتفصیل ذکر کیا ہے ان میں سے سَو سے بھی زیادہ صفات قرآن کریم میں گنوائی گئی ہیں اور اس کی ذات کا ایک نہایت ہی حسین و جمیل نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ (البقرہ: ۲۵۶)

اللہ وہ (ذات) ہے جس کے سوا پرستش کا (اور) کوئی مستحق نہیں۔ کامل حیات والا (اپنی ذات میں) قائم (اور سب کو) قائم رکھنے والا۔ نہ اُسے اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند (کا وہ محتاج ہے) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور سفارش کرے۔ جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے وہ (سب ہی کچھ) جانتا ہے اور وہ اُس کی مرضی کے سوا اُس کے علم کے کسی حصّہ کو (بھی) پا نہیں سکتے۔ اس کا علم آسمانوں پر (بھی) اور زمین پر (بھی) حاوی ہے اور ان کی حفاظت اُسے تھکاتی نہیں اور وہ بلند شان (رکھنے) والا (اور) عظمت والا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم نے ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ کے حسین چہرہ کے مختلف محاسن کا اس طرح سے نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتا ہے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ غائب اور حاضر کو جانتا ہے۔ وہی بے انتہا کرم کرنے والا (خدا) ہے (اور وہی) بار بار رحم کرنے والا (خدا) ہے (حق یہ ہے کہ) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے (خود) پاک ہے (اور دوسروں کو پاک کرتا ہے)۔ (خود) ہر عیب سے سلامت ہے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ٥ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

(الحشر: ۲۵)

(اور دوسروں کو سلامت رکھتا ہے) سب کو امن دینے والا ہے اور سب کا نگران ہے۔ غالب ہے اور سب ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا ہے۔ بڑی شان والا ہے۔ جن چیزوں کو یہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ان سے اللہ پاک ہے (حق یہی ہے کہ) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا موجد (بھی) ہے اور ہر چیز کو اس کے مناسبِ حال صورت دینے والا ہے۔ اسکی بہت سی حسین صفات ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی تسبیح کر رہا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

الغرض قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے حسین و جمیل چہرہ کا کامل نقشہ کھینچا ہے۔ ایسا کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کھینچا۔ اللہ اور بندے کے تعلقات کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے تمام منازلِ سلوک کو کامل طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس طرح بار بار دُہرا دُہرا کر بیان کیا ہے کہ بعض نادانوں نے یہ اعتراض کر دیا ہے کہ خواہ مخواہ تکرار کی ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محاسن کو مختلف پیرایوں میں مختلف دلائل کے ساتھ انسان کے سامنے پیش کرے تا انسان کے دل میں اس کی سچی طلب پیدا ہو اور وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پالے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکی صفات کو پیش کرنا قرآن کریم کا اصل مقصد ہے اور باقی تفصیلی بیانات و مواعیظ وحکم اس کی ذیلی تشریحات ہیں۔ اسی لئے آیت آیت کے بعد خدا تعالیٰ کی متعلقہ صفات کو پیش کیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی علّتِ غائی ہی یہ ہے کہ انسان ان صفات کا حقیقی عرفان حاصل کرے اور انہیں اپنا لے اور انہیں کا رنگ اپنے اوپر چڑھائے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:-

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ٥

(البقرہ: ۱۳۹)

یعنی (اے مسلمانو! تم دنیا میں اعلان کر دو کہ ہم تو) اللہ کا رنگ (ہی اختیار کریں گے) اور اللہ تعالیٰ سے بہتر رنگ (اور) کس کا ہو سکتا ہے اور ہم تو اُسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

پھر قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو کچھ اس طرح سے شرک کے خلاف غیر مصالحانہ طریق اختیار کرتے ہوئے پیش کیا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورۃ سورۃ الاخلاص اسی مضمون کے لئے وقف ہے اور اس میں نہایت ہی خوبصورت اور جامع و مانع انداز میں توحیدِ باری کے تمام

پہلو اُجاگر کر دیئے گئے ہیں۔

قرآن کریم اُس وقت آیا جبکہ مُلک عرب میں جگہ جگہ بُت رکھے ہوئے تھے اور اُن کو خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے آکر اِس شرک کا کامل استیصال کر دیا اور پھر دنیا میں دو ٹوک اعلان کر دیا کہ :-

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ۔ (سبا : ۵۰)

کہدے کہ کامل حق آگیا اور باطل (اب) نہ کوئی نئی صورت شرک کی پیدا کر سکے گا اور نہ کسی ہلاک شدہ چیز کو واپس لا سکے گا۔

قرآن کریم نے ذاتِ باری کے نورانی چہرے کو دنیا پر ظاہر کیا اور ہر زمانے کے لئے اِس نور کی طرف دنیا کو دعوت دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی خلفاء کے سلسلہ کے قائم ہونے کی بشارت دی جو قرآن کریم کی ظِلّیت میں اپنی تازہ وحی اور اپنے زندگی بخش کلمات کے ذریعہ بنی نوع انسان کو اِس نور کی طرف کھینچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ۔ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ٥ (المؤمن : ۱۴)

اللہ تعالیٰ اُونچے درجوں والا اور عرش کا مالک ہے۔ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا کلام نازل کرتا ہے تاکہ وہ (بندہ) خدا تعالیٰ کی ملاقات کے دن سے لوگوں کو ڈراوے۔

ہمارے اِس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اپنی وحی اور اپنے قرب سے مخصوص کیا اور اُس کے ذریعہ سے اپنی چہرہ نمائی کی اور اُسے مخاطب کر کے فرمایا :-

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔

یعنی اے میرے بندے تیری بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔

آیئے اب ہم يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے وعدہ کے مطابق آنے والے اس عظیم الشان گواہ کے زندگی بخش کلمات کا بھی مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اُس نے کس حسین و جمیل طریق سے اللہ تعالیٰ کے چہرے کو دُنیا پر ظاہر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"اے سُننے والو سُنو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ۔ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ

تھا، اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا، اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانے میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہو گی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثّل کے طور پر اہلِ کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔ اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اَور بھی ہے اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفاتِ کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامدِ حقّہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور مبدء ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شے کا اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متّصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اور تمام رُوح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرّات اور ان کی طاقتیں اسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا ہے اور اسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر ان امور کے جو اس کی شان کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید کے برخلاف ہیں۔ اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں۔"

(رسالہ الوصیت صفحہ ۱۱ تا ۱۳)

اسی طرح حضورؑ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو خدا کی طرف سے شریعت ہے اس کے قدیم سے وہی

ٹکڑے ہوتے آئے ہیں :-

۱- بڑا اور پہلا ٹکڑہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اُس کی تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ واحد لاشریک مان لیا جائے اور اُس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اِس بات پر ایمان لایا جائے کہ وہ مبدأ ہے تمام فیوض کا اور سرچشمہ ہے تمام ظہورات کا اور خالق ہے ہر ایک وجود کا اور قادر ہے ہر ایک ایسے امر پر جو اُس کی عظمت اور شان اور جلال کے لائق ہے اور اُس کی صفاتِ کاملہ کے منافی نہیں ہے اور اوّل ہے ہر ایک موجود سے اور مرجع ہے تمام کائنات کا اور مستجمع ہے تمام صفاتِ کاملہ کا۔ اور پاک ہے اِس سے کہ کسی وقت صفات اُس کی بیکار ہو جائیں یا یہ کسی وقت بیکار تھیں۔ وہ قدیم سے خالق اور قدیم سے رازق اور قدیم سے قادر ہے۔ کسی کو علم نہیں کہ پہلے اُس نے کیا کیا اور آگے کیا کیا کریگا۔ اُس کی قدرتوں پر کوئی محیط نہیں ہو سکتا اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور افعال میں اور اُس کی طرح کوئی بھی کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں۔ اور پاک ہے ہر ایک عیب اور نقص سے۔ اور نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دُور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ برتر اور بلند ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اُس کے نیچے کوئی اَور بھی ہے۔ وہ پوشیدہ در پوشیدہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ ظاہر نہیں۔ وہ اپنے ظہور میں سب سے زیادہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ پوشیدہ نہیں۔

آفتاب میں چمک رہا ہے اور چاند میں اُس کے انوار ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہے یا چاند ہے بلکہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور کافر ہے وہ شخص جو اِن کو خدا کہے۔ وہ نہاں در نہاں ہے پھر بھی سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے۔ ہر ایک رُوح کو اُسی سے قوّتیں اور صفات ملی ہیں۔ ہر ایک ذرّہ نے اسی سے خواص پائے ہیں اور اگر وہ صفات اور قوتیں اور طاقتیں چھین لی جائیں تو پھر نہ رُوح کچھ چیز ہے اور نہ ذرّہ کچھ حقیقت رکھتا ہے اِس لئے انسان کی معرفت کا انتہائی نقطہ یہی ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے ہاتھ سے نکلی ہیں اور خدا اور رُوحوں میں رشتہ محبّت کا بھی اِسی وجہ سے ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہیں اور اُسی نے اُن کی فطرت میں اپنی محبّت کا نمک چھڑکا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو عشقِ الٰہی محال تھا کیونکہ جانبین میں کوئی تعلق نہ تھا۔ بچّہ ماں سے اِسی وجہ سے محبت کرتا ہے کہ اُس کے پیٹ سے نکلا ہے اور ماں بھی اِسی وجہ سے اُس سے محبت کرتی ہے کہ وہ اُس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ پس چونکہ ہر ایک رُوح خدا کے ہاتھ سے نکلی ہے اِس لئے اس محبوبِ حقیقی کی طلب میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (حقیقۃ الوحی)

خدا تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اَور جگہ فرماتے ہیں :-

"کیا اِس میں شک ہے کہ ایک اعلیٰ ذات تمام طاقتوں والی موجود ہے جس کے ارادہ اور حکم سے

ہم جیتے اور مرتے ہیں اور جس طرف اُس کا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اُسی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کسی ملک کی حالتِ صحت کسی وقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے پانی اس ملک کا ہر ایک عفونت سے محفوظ رہے اور ہوا میں کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذائیں صالح میسر آویں اور دوسرے تمام مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مفرِ صحت ہیں ظہور اور بروز نہ کریں اور اگر وہ کسی ملک کے لئے وبا اور موت کو چاہتا ہے تو وبا کو پیدا کرنے والے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ تمام ملکوت السمٰوٰت والارض اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک ذرہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اُس کی آواز سُنتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ دُنیا کو پیدا کر کے معطّل اور بے اختیار کی طرح الگ ہو کر بیٹھ گیا ہے بلکہ اب بھی وہ دُنیا کا خالق ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ چند سال میں ہمارے جسم کے پہلے اجزاء تحلیل پا جاتے ہیں اور دوسرے اجزاء اُن کی جگہ آجاتے ہیں۔ سو یہ سلسلۂ خلق و آفرینش ہے جو برابر جاری رہتا ہے۔ ایک عالَم فنا پذیر ہوتا ہے اور دوسرا عالَم اُس کی جگہ پکڑتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا خدا قیوّم العالَم بھی ہے جس کے سہارے سے ہر ایک چیز کی بقا ہے۔ یہ نہیں کہ اُس نے کسی رُوح اور جسم کو پیدا نہیں کیا یا پیدا کر کے الگ ہو گیا بلکہ وہ فی الواقع ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک موجود محض اُس سے فیض پا کر قائم رہ سکتا ہے اور فیض پا کر ابدی زندگی حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم بغیر اس کے جی نہیں سکتے ایسا ہی بغیر اس کے ہمارا وجود بھی پیدا نہیں ہؤا۔ پس جبکہ وہ ایسا خدا ہے کہ ہماری حیات اور زندگی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور اُسی کے حکم سے ہمارے وجود کے ذرات ملتے اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو پھر اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ بغیر اُس کی امداد اور فضل کے ہم محض اپنی تدبیروں پر بھروسہ کر کے جی سکتے ہیں کس قدر فاش غلطی ہے۔ نہیں بلکہ ہماری تدبیریں بھی اُسی کی طرف سے آتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں بھی روشنی پیدا ہوتی ہے جب وہ بخشتا ہے۔ پانی اور ہوا پر ہمارا تصرف نہیں۔ بہت سے اسباب ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر اور صرف قبضۂ قدرت خدائے تعالیٰ میں ہیں جو ہماری صحت یا عدمِ صحت پر بُرا اثر ڈالنے والے ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ یعنی ہواؤں اور بادلوں کو پھیرنا یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے اور اس میں عقلمندوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے اختیارِ کامل کا پتہ لگتا ہے۔"

(ایام الصلح ۵۶، ۵۷)

پھر فرماتے ہیں:-

"پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ اُن کا ایک قادر اور قیوّم اور خالق الکل

خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔

انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلّی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلّی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلّی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے ...... رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اسی حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضاء کا طالب ہو جائے اور اس کی قضاء و قدر پر ناراض نہ ہو؟"

(کشتی نوح صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

آخر میں ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اشعار پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق اس تذکرہ کو ختم کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

۱۔ حِبٌّ لَنَا فَبِحُبِّهٖ نَتَحَبَّبُ
وَعَنِ الْمَنَازِلِ وَالْمَرَاتِبِ نَرْغَبُ

۲۔ يَتَسَمَايَلُوْنَ إِلَى النَّعِيْمِ وَإِنَّنَا
مِلْنَا إِلٰى وَجْهٍ يَسُرُّ وَيُطْرِبُ

۳۔ إِنَّا تَعَلَّقْنَا بِنُوْرِ حَبِيْبِنَا
حَتّٰى اسْتَنَارَ لَنَا الَّذِيْ لَا يُحْسَبُ

۴۔ اِنِّی اَرَی الدُّنْیَا وَبَلْدَۃَ اَھْلِھَا
جَدَبَتْ وَاَرْضُ وِدَادِنَا لَا تَجْدِبُ

۵۔ ذَھَبَتْ رِئَاسَاتُ الْاُنَاسِ بِمَوْتِھِمْ
وَلَنَا رِئَاسَۃُ خُلَّۃٍ لَا تَذْھَبُ

۶۔ اَقْسَمْتُ اَنِّیْ لَنْ اُفَارِقَہٗ وَلَوْ
مَزَّقَتْ اُسُوْدٌ جُثَّتِیْ اَوْ اَذْؤُبُ

ترجمہ:۔ ۱۔ یعنی ہمارا ایک محبوب ہے اور ہم اس کی محبت سے لبالب بھرے ہوئے ہیں اور منازل و مراتب سے بے رغبتی کرتے ہیں۔

۲۔ لوگ ناز و نعمت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور ہم ایک ایسے چہرے کی طرف مائل ہو گئے ہیں جو سرور انگیز اور طرب انگیز ہے۔

۳۔ ہم نے اپنے محبوب کے نور سے تعلق پیدا کر لیا یہاں تک کہ ہمارے لئے وہ چیز بھی روشن ہو گئی جو صیقل نہیں ہو سکتی تھی۔

۴۔ مَیں دنیا اور اس کے ساکنین کے شہر کو دیکھتا ہوں کہ وہ قحط زدہ ہیں لیکن ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہیں ہو گی۔

۵۔ لوگوں کی ریاستیں تو اُن کی موت کے ساتھ ختم ہو گئیں لیکن ہمارے پاس دوستی کی ایک ریاست ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی۔

۶۔ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ مَیں کبھی اُس سے جُدائی اختیار نہ کروں گا اگرچہ شیر اور بھیڑیے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے ہی کیوں نہ کر دیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خدا بڑی دولت ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کیلئے مصیبتوں کیلئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو فدا کرو۔" (ازالہ اوہام)

تفسیر آیات سورۃ الاخلاص

از افاضات حضرت امیر المومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

مَیں اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنیوالا اور بار بار رحم کرنے والا ہے شروع کرتا ہوں۔ (ہم ہر زمانہ کے مسلمان کو حکم دیتے ہیں کہ) تُو (دوسرے لوگوں سے) کہتا چلا جا کہ (پکّی اور اصل) بات یہ ہے اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ (ہستی) ہے جسکے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں) نہ اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے اور (اُس کی صفات میں) اُس کا کوئی بھی شریک کار نہیں۔

تفسیر:۔

اِس سورۃ میں اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحیدِ کامل اور اُس کی صفات اور شان کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اِس طرح اپنے معنی میں یہ سورۃ قرآن کریم کا مکمل خلاصہ ہے کیونکہ قرآن کریم کے مضامین کا نقطۂ مرکزی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کیا جائے اور اُس کی صفات اور جلالتِ شان کو بیان کیا جائے اور "قُلْ" کہکر اِسطرف توجہ دلائی ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اِس خلاصہ کو یاد رکھے۔ اپنی نسلوں کو اِس کی وصیت کرے اور دنیا میں اِس کا اعلان اور اِس کی اشاعت کرتا رہے یہاں تک کہ دنیا ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہو جائے۔

اِس سورۃ میں تین امور پر روشنی ڈالکر اللہ تعالیٰ کی کامل توحید کو پیش کیا گیا ہے۔ بتایا کہ (۱) اللہ تعالیٰ موجود ہے (۲) اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں منفرد ہے یعنی وہ اکیلا ہے دو یا تین خدا نہیں اور (۳) وہ پاک ذات واحد فی الصفات اور بے مثل ہے اُس کی صفات میں کوئی بھی اُس کا ہمسر نہیں۔ چنانچہ فرمایا "اللّٰہ احد" اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ ہر رنگ میں اور ہر طرح وہ اپنے وجود میں ایک ہی ہے نہ وہ کسی کی ابتدائی کڑی ہے اور نہ آخری سرا۔ نہ کسی کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اُسکے مشابہ۔ وہ ایک ایسی ذات ہے کہ جب اُس کا تصوّر

کریں تو دوسری کسی ذات کا خیال بھی دل میں نہ آسکے۔ پس "اَحَدٌ" وہ صفت ہے جو سب خلق سے منزّہ ہے اور در حقیقت اللہ تعالیٰ کی اصل شان شانِ احدیّت ہی ہے۔

خدا تعالیٰ کا اپنی ذات میں یکتا ہونا دو قسم کی نفی کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ دو سے ایک نہیں ہوُا اور دوم یہ کہ وہ ایک سے بھی دو نہیں ہوُا۔ وہ نہ تو تنوّع ذاتی اختیار کر سکتا ہے اور نہ اس تنوّع کو مٹانے سے پھر ایک ہوتا ہے۔ یعنی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک سے (۲) بیٹا اور (۳) رُوح القدس بن گیا اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تینوں پچھلے پاؤں لَوٹ کر پھر ایک ہو گئے ہیں۔ اِس طرح ہر مشرکانہ خیال کا کلیۃً استیصال کر دیا گیا ہے۔

"اَللّٰہُ اَحَدٌ" میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اللہ ہے اور وہ اپنی ذات اور صفات میں ایک ہے۔ اِس دعویٰ پر یہ عقلی اور واقعاتی دلیل دی کہ "اللّٰہُ الصَّمَدُ" اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں مگر باقی سب چیزیں اسکی محتاج ہیں۔ اور جب ساری چیزیں اسکی محتاج ہیں اور وہی سب کی ضروریات پُوری کرتا ہے تو پھر کسی اور اللہ کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز جو ہمیں دنیا میں نظر آتی ہے تغیّر پذیر ہے اور اپنی ہستی کے قیام کے لئے دوسری اشیاء کی محتاج ہے اور یہ احتیاج بتا رہی ہے کہ دنیا اور اسکی اشیاء اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ اپنی ہستی کے قیام کے لئے دوسروں کی محتاج ہیں۔ پس کسی ایسی ہستی کا ماننا جو اِن محتاج ہستیوں کو معرضِ وجود میں لانیوالی ہو اور ایک ہمہ گیر قانون کے ماتحت اِن کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہو ضروری ہے۔ پس اِس کارخانۂ عالم کے قیام و بقاء کے لئے "اللّٰہُ الصَّمَدُ" کی ضرورت ثابت ہوئی۔

الصّمد کے معنی الدّائم اور الرّفیع کے بھی ہیں پس فرمایا کہ وہ ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ نہ اُس سے پہلے کوئی وجود تھا اور نہ اس کے بعد کا ہم تصوّر کر سکتے ہیں، وہی اوّل بھی اور آخر بھی۔ اور وہ احدیّت کی شان رکھنے والی پاک ذات رفیع الدرجات ہے اور غیر محدود بلندیوں کی مالک۔ اسکی بلندیوں تک، اسکی رفعتوں تک انسان کی پرواز تخیّل بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور جب ہم نے حصولِ قرب کے لئے اس رفیع الدرجات خدا کی طرف پرواز کرنی ہے تو پھر جس قدر بھی پرواز کریں کم ہے کیونکہ ہمارا اللہ غیر محدود رفعتوں کا مالک ہے اور ہم پر قُرب کی غیر محدود راہیں کھلی ہیں اور غیر محدود رُوحانی ترقیات کے دروازے ہم پر کھولے گئے ہیں۔ ہمارا روحانی سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

یہ بھی یاد رہے کہ توحید رحمانیت کا منبع ہے اور صمدیت کے اندر رحمانیت مضمر ہے۔ ہر چیز اپنی ربوبیت کے لئے اسی کی محتاج ہے اس کے لئے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ انسان اور غیر انسان سب ہی اپنے وجود اور اپنی بقاء کے لئے اُسی کی رحمانی ربوبیت کے محتاج ہیں اور جب انسانوں میں سے نیک و بد سب کا وہ ربّ ہے اور وہ ربّ اور رحمان ہے پرہیز گاروں کا بھی اور گناہگاروں کا بھی تو ہمیں کسی کفارہ کی ضرورت نہیں اور نہ کسی تناسخ کی ہمیں احتیاج ہے۔

ہم نے بتایا ہے کہ اگر توحید نہ ہو تو رحمانیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسکی ایک موٹی مثال یہ ہے کہ جو قومیں توحید کی قائل نہیں وہ رحمانیت کی بھی قائل نہیں۔ مثلاً ہندو توحید کو نہیں مانتے لہٰذا وہ رحمانیت کے بھی قائل نہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ انسان کو اسکے گناہوں کی سزا ضرور ملیگی۔ گناہ کی معافی کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں، مسئلہ تناسخ کا محتاج ہے۔ اسی طرح عیسائی توحید کے قائل نہیں اور گناہوں کی معافی کے لئے کفارہ کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ "اللہ الصمد" اسکا فیض جاری ہے اور ہر چیز اسکی رحمانیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور اسکی محتاج ہے پس توحید و رحمانیت لازم و ملزوم ہیں اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو نہ کسی کفارہ کی ضرورت ہے اور نہ تناسخ کی۔ خدائے احد، صمد، اور رحمان ہی ان کے لئے کافی ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، الصمد کے لئے بطور دلیل ہے اور بتایا ہے کہ احتیاج دو باتوں کے سبب پیدا ہوتی ہے اوّل ابتدائی تعلقات کیوجہ سے اور دوم آئندہ کے تعلقات کیوجہ سے (۱) ابتدائی تعلقات سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے نیست سے ہست میں آنے کا کوئی سبب ہو، ایسی ہستی محتاج ہوتی ہے اپنے سبب کی کیونکہ اگر وہ سبب نہ ہوتا تو اُس کا وجود ظاہر نہ ہو سکتا اور (۲) آئندہ کے تعلقات سے مراد یہ ہے کہ اسکی کوئی اولاد ہو۔ کیونکہ اولاد کا ہونا نہ صرف عورت کی احتیاج کو ثابت کرتا ہے بلکہ اولاد کا وجود خود اپنے نفس کے فانی ہونیکا بھی ثبوت ہوتا ہے چنانچہ دنیا میں کوئی ایسی ہستی جو اپنی پیدائش کی غرض کے پورا ہونے تک زندہ رہنے والی ہو اولاد نہیں رکھتی اور نہ اسکی نسل آگے چلتی ہے جیسے سورج، چاند، پہاڑ، زمین وغیرہ لیکن انسان، حیوانات، نباتات اپنی ضرورت کے پورا ہونے سے پہلے مرجاتے ہیں اسلئے انکی نسل بھی چلتی ہے۔ پس اس آیہ میں یہ بتا کر کہ خدا تعالیٰ کی ذات کسی دوسرے کی نسل سے نہیں اور نہ اُس سے کوئی نسل چلی ہے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ وہ غیر فانی ہے اور اپنی ذات میں مکمّل ہے اور احد ہے کیونکہ اس آیہ نے مذکورہ بالا دونوں قسم کے تعلقات کی نفی کر دی اور اس طرح ایک طرف تو اس کی صمدیّت کا ثبوت دیدیا اور دوسری طرف اس کی احدیّت کا۔

پھر فرمایا کہ "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" یعنی صرف یہی نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی کا بیٹا نہیں یا خدا تعالیٰ کا آگے کوئی بیٹا نہیں بلکہ اسکا مماثل اور مشابہ بھی کوئی نہیں۔ نہ اسکی ذات میں اسکا کوئی شریک ہے اور نہ اسکی صفات میں اسکا کوئی شریک ہے کیونکہ ساری دنیا میں ہمیں ایک ہی قانون چلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ کوئی دو مستقل اور متوازی سکیمیں اور قانون دنیا میں نہیں چل رہے جس سے کسی "کفو" کا ہمیں ثبوت ملے۔ نیز قانون جب ایک ہی ہے تو دو مماثل ہستیاں جو ایک سی خدائی طاقت رکھتی ہوں اُن کا وجود باطل ہو جاتا ہے۔

یہ سورۃ دہریت اور عیسائیت جیسے خطرناک فتنوں کو مٹانے اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اسکی احدیّت کو ثابت کرنے کیلئے اور تمام قوموں کو ایک نقطۂ مرکزی پر جمع کرنے کیلئے نازل کی گئی ہے کیونکہ وہ خدا ربّ العالمین خدا ہے اور مقدر ہے اس بات کا کہ سب اقوامِ عالَم اس "ایک" اور "یکتا" کے جھنڈے تلے جمع ہوں اور ساری دنیا اسکی حمد کے ترانہ سے گونجنے لگے۔

اے خدا! اپنے اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ہمیں اپنا خادم بنا۔ آمین *

اسلامی احکام کی اساس ـــــ توحیدِ الٰہی

(مکرم شیخ خورشید احمد صاحب۔ ربوہ)

تمام اسلامی احکام کی اساس اور روح توحیدِ الٰہی ہے۔ یہ اسلام کا مرکزی نقطہ ہے جس پر اس نے سب سے زیادہ زور دیا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد ہی دنیا میں توحیدِ الٰہی کا قیام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیّبہ کے ذریعے مسلمانوں کا جو نصب العین مقرر فرمایا ہے اس میں بھی سب سے پہلے یہی اعلان کیا گیا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود و مطلوب نہیں ہے۔

توحیدِ الٰہی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے۔ طبعی طور پر ہر انسان توحید کی طرف میلان اور رغبت رکھتا ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کے اثرات موجود ہیں۔ انتہائی مشرک اور بت پرست اقوام میں بھی توحید کے آثار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کی قدیم ترین اقوام کی نسبت بھی خود مغربی محققین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان میں بھی ایک خدا کا تصوّر موجود تھا۔ پھر یہ امر بھی انسانی فطرت میں توحید کے تصوّر کی دلیل ہے کہ عیسائیت اور دیگر مشرک مذاہب بھی (موجودہ زمانہ میں بالخصوص) اپنے عقائد کو ایسا رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس سے ایک حد تک ان میں بھی توحید کا تصوّر نظر آئے چنانچہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:-

"پادریوں کو بھی ماننا پڑا کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کی پرستش ہوگی۔" (ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد دوم صفحہ ۵۹)

اسلام سے قبل توحید کا جو تصوّر دنیا میں پایا جاتا تھا وہ بہت ہی ناقص اور ادھورا تھا۔ سب سے پہلے اسلام ہی نے اسے ہر جہت سے مکمّل صورت میں پیش کیا اور ایسے رنگ میں اسے واضح کیا کہ شرک کے باریک سے باریک پہلوؤں کی بھی بیخ کنی ہو گئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تو دنیا پوری طرح شرک اور بت پرستی میں غرق ہو رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ ایسے وقت میں آئے جو دنیا شرک اور بت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش میں مشغول تھا۔ کوئی سورج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا کوئی

پانی کو اپنا پرمیشر خیال کرتا تھا اور کوئی انسان کو خدا بنا بیٹھا تھا۔" (چشمہ معرفت)

ظلمت اور تاریکی کے اس زمانہ میں جب اسلام کا نیّرِ درخشاں نمودار ہوا تو اس نے شرک اور بت پرستی کے تمام پردوں کو چاک کر کے توحید کے نور سے دنیا کو منوّر کر دیا۔ قرآن مجید نے توحید باری تعالیٰ کو ایسے جامع رنگ میں اور ایسے دل نشین اسلوب میں پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو عقلِ انسانی اس سے پوری طرح مطمئن ہو جاتی ہے اور دوسری طرف شرک کے تمام جلی اور خفی پہلو سامنے آجاتے ہیں جن سے بچ کر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا حقیقی عرفان حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اسلام وہ مصفّیٰ اور خالص توحید لیکر آیا تھا جس کا نمونہ اور تمام و نشان بھی دوسری ملتوں اور مذہبوں میں پایا نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ میرا ایمان ہے کہ اگرچہ پہلی کتابوں میں بھی خدا کی توحید بیان کی گئی ہے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اور منشاء بھی توحید ہی کی اشاعت تھی لیکن جس اسلوب اور طرز پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم توحید لیکر آئے اور جس نہج پر قرآن نے توحید کے مراتب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کا ہرگز پتہ نہیں ہے۔" (ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

اس زمانہ میں اسلامی نظریۂ توحید کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے اور جماعت احمدیہ کو الہاماً تاکید فرمائی ہے کہ:۔

"خذوا التوحید التوحید یا ابناءَ الفارس۔" (تذکرہ صفحہ ۵۲۰)

یعنی اے ابن الفارس (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے جسمانی اور روحانی فرزندو! تم توحید کو مضبوطی کے ساتھ دنیا میں قائم کر دو۔

اس الہامِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ توحیدِ الٰہی کا قیام ہی احمدیت کا حقیقی مقصد ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء نے توحید کے قیام کیلئے خاص کوشش کی ہے اور شرک کے باریک سے باریک پہلوؤں کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں واضح کیا ہے تاکہ ان سے بچ کر حقیقی اور کامل توحید کو قائم کیا جا سکے۔

قرآن مجید نے توحید الٰہی کو کس رنگ میں پیش کیا ہے اور کس طرح شرک کو اور اسکی تمام اقسام کو واضح کر کے ہماری مکمّل رہنمائی فرمائی ہے اس کی چند ایک مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں نہایت جامع رنگ میں توحید الٰہی کو پیش کیا ہے اس سورۃ کا آغاز اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

دیکھنے میں یہ نہایت مختصر اور سادہ الفاظ ہیں لیکن اگر ان پر غور کیا جائے تو مطالب و معانی کا ایک وسیع سمندر

ان میں بند نظر آتا ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ھو اللہ احد۔ تم کہدو کہ خدا کی ہستی کے متعلق تم مختلف خیالات میں مبتلا ہو... لیکن خدا تعالیٰ کے متعلق جو یقینی بات ہے اس کا نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ اللہ احد اللہ کی ذات ایسی ہے کہ ہر رنگ میں اور ہر طرح اپنے وجود میں ایک ہی ہے، نہ وہ کسی کی ابتدائی کڑی ہے اور نہ آخری سرا۔ نہ کسی کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ۔ اَحَد کا لفظ اپنے اندر عجیب خصوصیت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس میں کسی رنگ میں دوئی کا خیال نہیں پایا جاتا حتّٰی کہ واحد میں بھی اور اوّل میں بھی دوئی پائی جاتی ہے۔ واحد کے معنے ہیں پہلا یعنی دوسروں کی نسبت سے پہلا۔ اور نسبت دوئی کو طلب کرتی ہے کیونکہ اُسوقت تک کسی چیز کی نسبت قائم نہیں کی جاسکتی جب تک دوئی نہ ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دایاں ہے جب تک بایاں نہ ہو.... اسی طرح جو واحد ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ دوسرے ہوں مگر احد کے معنے ایک ہیں اور ایک دوسرے کی نفی کر دیتا ہے.... احد کے معنے ہیں وہ ذات جو ایسی ایک ذات ہے کہ جس کا تصور کریں تو دوسری کسی ذات کا خیال بھی دل میں نہ آسکے۔ پس احد وہ صفت ہے کہ جو سب خلق سے منزّہ ہو اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اصل شان احدیت ہی ہے۔"

احد اور واحد کے الفاظ میں جو فرق ہے اسے مزید واضح کرتے ہوئے حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب اللہ تعالیٰ کے لئے احد کا لفظ استعمال ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی واحدانیت کو بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کا اگر تصور کریں تو دوسری کسی ذات کا خیال بھی دل میں نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ کیلئے واحد کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہاں صفات کی احدانیت مراد ہوتی ہے کہ وہ صفات میں واحد ہے یعنی اپنی صفات میں کامل ہے اور اس کے سوا کوئی اور وجود نہیں جو صفات کے لحاظ سے کامل ہو۔"

"احد" کے لفظ کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضور بیان فرماتے ہیں:۔

"احد کا لفظ یہ مضمون بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے یہ دو قسم کی نفی کرتا ہے پہلی یہ کہ وہ دو سے ایک نہیں ہوا اور دوسری یہ کہ وہ ایک سے بھی دو نہیں ہوا۔ واحد ایک سے دو بنتا ہے اگر پیچھے کی طرف لوٹیں تو دو سے ایک ہو جاتا ہے۔ جہاں تک خدا تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے انکے ساتھ دنیا کا اشتراک پایا جاتا ہے اسکے پرتو کے ماتحت دوسری اشیاء میں بھی ایک حد تک وہ صفات مل سکتی ہیں۔ گویا واحد کہنے کے ساتھ ہم اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ دنیا میں دوسرے وجود بھی موجود ہیں۔ واحد کے لفظ سے ہم دوسرے کسی وجود کی طرف جاسکتے ہیں

مگر احد کے لفظ سے نہیں۔۔۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں اشتراک ہے ذات میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ سُنتا ہے اور اسکے پرتو سے ہمیں بھی سُننے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔۔۔ پس جب ہم واحد کا لفظ بولتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ دوسرے وجود بھی دنیا میں ہیں جو اُس سے طاقت حاصل کر کے صفات ظاہر کرتے ہیں۔ ایک سے آگے دو تین چار پانچ وغیرہ ہیں اور اگر پھر واپس چلیں تو ایک پر ہی پہنچ جاتے ہیں مگر احد کا لفظ بتاتا ہے کہ نہ اس ایک سے آگے دو تین چار کی طرف جا سکتے ہیں اور نہ واپس ایک کی طرف آ سکتے ہیں عیسائیوں میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس مل کر ایک ہوا۔ گویا وہ کثرت سے وحدت کی طرف جاتے ہیں کہ تینوں مل کر ایک ہوئے۔ سورۂ اخلاص کہتی ہے کہ وحدیت تو اقنوم ثلاثہ سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن احدیت نہیں پیدا ہو سکتی اور توحید کامل کا یہی مقام ہے۔۔۔۔ اس مختصر سی سورۃ کے ذریعے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کا ثبوت دیا ہے وہاں شرک کا بھی کلیتہً استیصال کر دیا ہے۔ شرک دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ کئی وجود خدا کی حیثیت رکھنے والے ہوں چاہے اس سے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ دوسرے یہ کہ خدا کے سوا باقی ہو تو مخلوق ہی مگر اسے خدائی کا درجہ دیا گیا ہو ایک شرک فی الذات ہے اور دوسرا شرک فی الصفات۔ اللہ تعالیٰ نے قل ھو اللہ احد کہہ کر تمام ان لوگوں کے عقائد کی تردید کر دی جو تین خدا کہتے ہیں یا دو خداؤں کے قائل ہیں یا خدا کا بیٹا یا بیٹیاں تجویز کرتے ہیں یا اور بتوں کو پوجتے ہیں۔"　(تفسیر کبیر جلد ششم جزء چہارم صفحہ ۱۴۳ تا صفحہ ۱۴۹)

تفسیر کبیر کے مندرجہ بالا حوالہ میں قرآن مجید کی ایک نہایت مختصر سورۃ کے ایک چھوٹے سے حصہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کا توحید کے متعلق کیا نظریہ ہے اور کس طرح اس نے اسے جامع اور مکمل صورت میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور مثال بھی قرآن مجید میں سے ہی درج ذیل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

قل یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سوآء بیننا وبینکم الّا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتّخذ بعضنا بعضًا اربابًا مّن دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون۔　(آل عمران ۶۵)

ترجمہ:۔ تو کہدے کہ اے اہلِ کتاب کم سے کم ایک ایسی بات کی طرف تو آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ہم آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنایا کریں۔ لیکن اگر اس دعوت اتحاد کے بعد بھی وہ لوگ پھر جائیں تو ان سے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم میں مشرکوں کے معبودوں کے لئے چار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں (۱) نِدّ (۲) شریک (۳) اِلٰہ

(۴) رب۔ یہ چاروں نام چار قسم کے شرکوں پر دلالت کرتے ہیں نِدّ شریک فی الجوہر کو کہتے ہیں یعنی ایسی ہستی کو جس کی محض عبادت ہی مدنظر نہ ہو بلکہ جیسے خدا تعالیٰ کی ذات ہے ویسے ہی اس چیز کو از روئے ذات سمجھا جائے اور شریک وہ ہے جسے کاموں میں شریک باری تعالیٰ قرار دیا جائے خواہ بعض صفات میں یا کل صفات میں خواہ اسکی عبادت کی جائے یا نہ کی جائے اور اِلٰہ یعنی معبود کا لفظ جب خدا تعالیٰ مشرکوں کے متعلق استعمال کرے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جسکی تم عبادت کرتے ہو۔۔۔۔ چوتھا نام ربّ ہے۔ گو اسکے اصل معنے پیدا کر کے کمال تک پہنچانے والے کے ہیں مگر اصطلاحِ مذاہب میں ہر ایک مربّی اور سردار کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے ایسے لوگ مراد ہوتے ہیں جن کی ہر ایک بات بلا تمیز خیر و شر مان لی جائے۔۔۔۔ اس آیت میں۔۔۔۔ اللہ یعنی معبود اور شریک اور ربّ تینوں اقسامِ شرک کی نفی تو صراحتاً کی گئی ہے مگر نِدّ کی ضمنی طور پر نفی کی گئی ہے کیونکہ نِدّ ان تینوں کے اندر شامل ہے۔۔۔۔ اس کے علاوہ لا نعبد الا اللہ سے بھی نِدّ کی نفی ہو جاتی ہے گویا اسلام توحید کے جس بلند ترین مقام پر بنی نوع انسان کو پہنچانا چاہتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان نہ تو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک فی الجوہر سمجھے نہ کسی کو اسکے کام میں شریک قرار دے خواہ اسکی عبادت کی جائے یا نہ کی جائے۔ نہ غیر اللہ میں سے کسی کی پرستش کی جائے اور نہ خدا اور اسکے انبیاء کے احکام کے خلاف کسی کی اس طرح اطاعت کی جائے جس طرح خدا تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے یہ تمام چیزیں توحیدِ حقیقی کے منافی ہیں۔" (تفسیر سورۂ بقرہ صفحہ ۳۲۴ تا صفحہ ۳۲۶)

تفصیلی طور پر توحید کے متعلق اسلام کے بلند اور کامل ترین نظریہ کا علم حاصل کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی مؤلفہ تفسیر کبیر کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ بہر حال مندرجہ بالا حوالوں سے بھی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ توحید کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے وہ کس طرح شرک کی باریک در باریک اقسام کی بھی تردید کر کے انسان کو توحید کے بلند ترین مقام پر انسان کو کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے علمِ کلام کی ہی یہ برکت ہے کہ ہم قرآن مجید کے اچھوتے علوم اور انمول حقائق و معارف سے آگاہ ہو کر توحید کے حقیقی مقام کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال کر کامل مؤحد بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توحیدِ الٰہی کو صحیح معنوں میں سمجھنے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بچوں کا صفحہ

سب سے بڑی دولت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں ایک دولت عطا کی ہے جو سب دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ اگر ساری دنیا کی دولتیں جمع کی جائیں تو اُس دولت کے مقابلہ میں ایک ذرہ کے برابر بھی ان کی حیثیت نہیں۔ وہ دولت کیا ہے؟ وہ ہے زندہ خدا پر زندہ ایمان۔ یعنی دل سے اِس بات پر ایمان رکھنا کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ دنیا اور اس کی ایک ایک چیز اُسی نے پیدا کی ہے۔ وہی تمام جہانوں کا خالق اور مالک ہے۔ اُسے سب قدرت حاصل ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی چیز بھی اُس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں۔

اُس کے قادر ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سُنتا اور ان کا جواب دیتا ہے۔ اسلام کا خدا ہی زندہ اور قادر خدا ہے۔ آج اور کوئی مذہب نہیں جو زندہ اور قادر خدا پر ایمان لانا سکھاتا ہو۔ اسلام کے سوا تمام مذاہب جو خدا پیش کرتے ہیں وہ نہ دعائیں سُن سکتے ہیں اور نہ انہیں قبول کر کے اُنہیں پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس بات کو مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:-

"دنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دعاؤں کو سُنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اس سے دعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسوع کو خدا مانا ہے، وہ میری دعا کو سُنتا اور اُس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا صرف ایک ہی خدا ہے جو اسلام کا خدا ہے، جو قرآن نے پیش کیا ہے جس نے کہا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی تم مجھے پکارو مَیں تمہیں جواب دوں گا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ کوئی ہو جو سچی نیّت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو وہ مجاہدہ کرے اور دعاؤں میں لگا رہے آخر اُسکی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جائے گا۔"

(الحکم ۱۷- دسمبر ۱۹۰۲ء)

پس احمدی بچوں کو اِس دولت کی قدر کرنی چاہیئے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زندہ خدا پر زندہ ایمان کی شکل میں انہیں عطا کی ہے۔ انہیں محنت اور کوشش کے ساتھ ساتھ خوب دعائیں مانگنی چاہئیں۔ جب بھی کوئی کام کرنے لگیں تو اُس میں کامیابی کے لئے ضرور دعا کریں۔ ہمارا خدا جو زندہ خدا ہے اُن کی دعاؤں کو سُنے گا اور انہیں کامیاب کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سب بچوں کو اپنے مالکِ حقیقی کے حضور دعائیں کرنے اور ہر کام میں اُسی سے مدد مانگنے کی توفیق عطا فرمائے تا وہ اُس کے پیارے بندے بن کر دین اور دنیا دونوں میں کامیاب ہوں۔ آمین ٭

حمد ربّ العالمین

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کِس قدر ظاہر ہے نُور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالَم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بے کل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُسمیں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارہ میں تماشہ ہے تری چمکار کا

(دُرِّثمین)

خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اسکی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں :-

'' دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے - پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں - اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو- تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا - لیکن اگر تم اپنے نفس سے در حقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہوجاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر با برکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا - اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہوجاؤ گے - تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے - پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو - اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے - خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے - ،،

(الوصیت صفحہ ۹، ۱۰)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا -

جلد ۵ اپریل ۱۹۶۴ء شمارہ ۴

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ شمارہ ۴

اپریل سنہ ۱۹۶۴ء

خلافتِ ثانیہ کے کامیابیوں سے بھرپور پچاس درخشندہ سال

خدائی افضال و انعامات پر اظہارِ مسرت کا مومنانہ طریق

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہم جس قدر بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ ہمارے رحمٰن و رحیم خدا نے، جو قادر بھی ہے اور کریم بھی، اپنی قدرت اور شانِ کریمی کے اظہار کے طور پر محض اپنے فضل اور احسان کے نتیجہ میں ہمیں یہ زمان اور یہ روزگار دیکھنے اور اپنے ایمانوں کو ازسرِ نو تازہ کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ اس زمان اور اس روزگارِ سعادت آثار کی خصوصیت یہ ہے کہ ۱۴؍مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کے تاریخی دن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزندِ دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کأنّ اللہ نزل من السماء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی موعودہ خلافت کے کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھرپور دورِ خوشگوار کے پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال شروع ہو چکا ہے اور اب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئندہ ملنے والی کامیابیوں اور کامرانیوں کے حق میں اسی اکیاونویں سالِ نیک فال کے ایام سعدیں سے گزر رہے ہیں۔ الحمد للہ ثمّ الحمد للہ۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

جب ہم حضور ایدہ اللہ کی موعودہ خلافت کے گزشتہ پچاس سالوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ قدم بہ قدم اور درجہ بدرجہ بڑھنے والی عظیم الشان کامیابیوں سے اس طرح بھرپور و معمور نظر آتے ہیں کہ جس طرح کرۂ ارض کے سمندر پانیوں سے لبریز ہیں۔

اس دورِ سعادت آثار کی ابتداء یہ تھی کہ جب ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بفضل اللہ تعالیٰ ۲۵ سال کی عمر میں سریرآرائے خلافت ہوئے تو جماعت کے وہ اکابر جنہیں اپنی لیاقت، اپنی وجاہت، اپنی دولت، اپنی ثروت، اپنے دبدبے، اپنے اقتدار، اپنے تجربہ اور اپنے اثر و رسوخ پر ناز تھا حضور کو ایک نوعمر بچّہ قرار دے کر جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ جانے سے پہلے صدر انجمن کا خزانہ اس طرح خالی کر گئے کہ اس میں چند روپوں کے سوا جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے کچھ نہ تھا۔ چونکہ وہ قرآنِ مجید کے انگریزی ترجمہ اور تفسیری نوٹس سمیت سب کچھ سمیٹ کر اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے اس لئے انہوں نے بڑے تعلّی آمیز لہجے میں اسی نخوت و تکبّر سے بھرپور ہو کر، جو خداوندِ ذوالجلال کو ہرگز پسند نہیں، کہا کہ (نعوذ باللہ) یہاں اُلّو بولیں گے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گا۔ بُرا ہو تعصب کا وہ یہ بھی بھول گئے کہ قادیان کی بستی جس کی وہ اہانت کر رہے ہیں وہی مقدس و مبارک بستی ہے جسے خدا نے اپنے الہام میں تخت گاہِ رسول قرار دیا ہے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول وہی مبارک و مقدّس درس گاہ ہے جسے مسیح پاک علیہ السلام نے دنیا میں غلبۂ اسلام کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے خدائی منشاء اور اِذن کے تحت قائم فرمایا ہے۔ ان کی یہ تعلّی دماغوں کے نہاں خانوں اور فضا کی لہروں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی تا کہ خدا کے پیارے بندے محمود ایدہ اللہ الودود کے دورِ خلافت میں جب اسلام کو چار دانگِ عالم میں عظیم الشان فتوحات حاصل ہوں تو خود اُن پر اپنی ان تعلّیوں کی قلعی کھُل سکے۔ وہ خدائے قادر و توانا جس نے خود اپنے مسیح پاکؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ع

——— کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا ——— اُس نے فی الحقیقت اِس اندھیرے کو جس نے آج سے پچاس سال قبل خلافتِ ثانیہ کے آغاز میں ہی اسے آگھیرا تھا اپنے فضل سے دُور کر دیا۔ چنانچہ اُس خلیفۂ برحق کے ہاتھ پر، جسے اُن بڑوں نے جن کے لئے چھوٹا ہونا مقدّر تھا حقارت سے بچّہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا، جماعت کا سوادِ اعظم دیکھتے ہی دیکھتے پھر جمع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح کے حسن و احسان میں نظیر فرزند اور اولوالعزم خلیفہ کی آواز میں وہ اثر پیدا کر دکھایا کہ ساری جماعت یک جان و یک زبان ہو کر اُس کی ہر آواز پر لبیک کہتی چلی گئی۔

اس کے بعد بھی اندرونی اور بیرونی مخالفتوں، فتنوں، ابتلاؤں اور مشکلات و مصائب کے یکے بعد دیگرے طوفان اُٹھتے رہے اور خوفناک آندھیوں اور سیاہ بادلوں کے اندھیرے بار بار اس مرشدِ پیارے ہم کو آ آ کر گھیرے میں لیتے رہے لیکن ہمارا صادق و وفادار خدا ہر بار ان اندھیروں کو دُور کر کے اُسکے نور کو فزوں سے فزوں تر کرتا چلا گیا حتّٰی کہ خدائی وعدوں کے عین مطابق وہ وقتِ موعود بھی آن پہنچا کہ جب یہ کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے خشکی و تری پر نور برسا کر اسے بقعۂ نور بنانے لگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس اولوالعزم فرزندِ موعود نے اندرونی و بیرونی مخالفتوں کے طوفانوں اور دہکتی ہوئی بھٹیوں میں سے گزر کر خدائی تائید و نصرت

کے ماتحت دنیا بھر میں غلبۂ اسلام کی راہ ہموار کی اور اس شان سے ہموار کی کہ آج جب اس کی موعودہ خلافت پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاون واں سال شروع ہوا ہے تو دنیا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔ پچاس سال قبل تک دنیا بھر میں عیسائی طاقتوں اور اُن کی آڑ میں عیسائی پادریوں اور مشنریوں کے دبدبہ و حکومت اور طنطنہ و مقدرت کا یہ عالم تھا کہ وہ دلائل کے میدان میں یکسر عاجز آجانے کے باوجود محض سیاسی اقتدار کے بل پر ساری دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ وہ ببانگ دہل یہ اعلان کر رہے تھے کہ دنیا کا آئندہ مذہب عیسائیت ہوگا۔ وہ کہہ رہے تھے اور ڈنکے کی چوٹ کہہ رہے تھے کہ انیسویں صدی میں عیسائیت کو جو فتوحات نصیب ہوئی ہیں اُن سے کہیں بڑھ کر فتوحات اسے بیسویں صدی میں ملنی مقدر ہیں وہ کہہ رہے تھے اور بڑے وثوق کے ساتھ باور کرا رہے تھے کہ اسلام ایک مشرقی مذہب ہے، یہ مغرب کی فضا میں سانس لے ہی نہیں سکتا، بفرضِ محال اسلام کا کوئی مبلّغ یورپ میں آ بھی جائے تو کوئی بھی اُس کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہ ہوگا، بازاروں میں بچے اس پر کیچڑ اچھالتے پھریں گے اور اسے یہاں سے بھاگتے ہی بن پڑے گی۔ اُن کی یہ تعلّیاں دھری کی دھری رہ گئیں اور آج اسلام ایشیا اور افریقہ میں ہی نہیں بلکہ یورپ میں بھی سُرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور پھیل بھی رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اِسی فرزندِ موعود کے قائم کردہ مشنوں اور اسی کے بھیجے ہوئے سرفروش مجاہدینِ اسلام کی مساعی کے نتیجہ میں۔

یہ ایک حقیقت ہے، ناقابلِ تردید اور محیّر العقول حقیقت، کہ جہاں آج سے پچاس سال قبل جماعت کی طرف سے بیرونی ممالک میں صرف ایک مشن قائم کرنے کی طرح پڑی تھی وہاں خلافتِ ثانیہ کے گزشتہ پچاس سال میں دنیا کے کم و بیش چالیس ملکوں میں اسلام کے ۱۵۶ تبلیغی مشن قائم ہو چکے ہیں جن میں وہاں کی مقامی جماعتوں کے مخلص نو مسلموں کے علاوہ جو رضا کارانہ طور پر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ خدمات بجا لاتے ہیں باقاعدہ ۱۶۱ انصارِ اسلام تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ اِن مشنوں کے قیام کی وجہ سے آج بیک وقت نئی دنیا میں سے شمالی امریکہ، ٹرینیڈاڈ اور برٹش گی آنا میں۔ یورپ میں سے انگلستان، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، سپین، سکنڈے نیویا اور جرمنی میں۔ افریقہ میں سے نائیجیریا، غانا، سیرالیون، لائبیریا، گیمبیا، آئیوری کوسٹ، ٹوگولینڈ، گینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، جنوبی افریقہ اور ماریشس میں۔ مشرق وسطی میں سے فلسطین، لبنان، شام، مصر، عراق، عدن، کویت، بحرین اور دوبئی میں۔ ایشیا اور مشرق بعید میں سے سیلون، برما، سنگاپور، کوالالمپور، شمالی بورنیو، ہانگ کانگ، جاپان، جزائر فجی، انڈونیشیا اور فلپائن میں دینِ اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مشرق و مغرب کی قومیں خدائے واحد پر ایمان لا کر خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں

داخل ہوتی چلی جا رہی ہیں اور عشق و محبّت کے بے پناہ جذبہ سے سرشار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہی ہیں۔ ان سب میں سے اکثر ممالک میں مشن ہاؤسز کی عالی شان عمارتیں اور مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ اب تک جو مساجد تعمیر ہوئی ہیں ان کی تعداد تین سو ایک ہے۔ ان میں سے امریکہ میں تین، یورپ میں پانچ، افریقہ میں دو سو ستائیس، مشرق وسطی میں ایک اور مشرق بعید میں پینسٹھ مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض مساجد اس قدر وسیع اور عالی شان ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر کئی کئی لاکھ روپے لاگت آئی ہے۔

دنیا کی پندرہ زبانوں میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان میں انگریزی، ڈچ، جرمن، ہسپانوی، پرتگالی، اطالوی، فرانسیسی، روسی، انڈونیشین، ملائی، گورمکھی، اور مشرقی افریقہ کی زبانیں سواحیلی، ککامبہ، لگوگیہ اور لوو شامل ہیں۔ ان پندرہ زبانوں میں سے لاکھوں روپوں کے مصارفِ کثیر سے انگریزی، ڈچ، جرمن، اور سواحیلی ترجمے ہزاروں ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر متعلقہ ممالک کے طول و عرض میں پھیلائے جا چکے ہیں۔ فرانسیسی ترجمہ نظرثانی کے آخری مراحل میں سے گزر رہا ہے جس کے مکمل ہوتے ہی اسے طباعت کیلئے پریس میں دیدیا جائے گا۔ باقی دس تراجم کو بھی حسبِ گنجائش باری باری طبع کرانے کا پروگرام زیرِ غور ہے۔

ان پندرہ زبانوں کے علاوہ جن میں پورے قرآن مجید کے تراجم بفضلہ تعالیٰ ہو چکے ہیں آجکل یورپ اور افریقہ کی چار مزید زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کرائے جا رہے ہیں اور پاروں کی شکل میں ساتھ کے ساتھ انہیں شائع بھی کیا جا رہا ہے۔ ان میں ڈنمارک کی زبان ڈینش، سیرالیون کی زبان مینڈی، نائیجیریا کی زبان یوروبا اور یوگنڈا کی زبان لوگنڈا شامل ہیں۔ ان میں سے ڈینش زبان میں بیس پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ جن میں سے سات پارے طبع بھی ہو گئے ہیں۔ مینڈی میں بھی بیس پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے لیکن ابھی پہلا پارہ ہی طبع ہو کر منظرِ عام پر آیا ہے یوروبا میں بھی ابھی ایک ہی پارہ طبع ہوا ہے۔ لوگنڈا میں پہلے پانچ پارے آجکل زیرِ اشاعت ہیں۔ علاوہ ازیں غانا کی مشہور زبان فینٹی میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ اس طرح دنیا کی اُن زبانوں کی مجموعی تعداد جن میں قرآن مجید کا ترجمہ یا تو مکمل ہو چکا ہے یا شروع کر دیا گیا ہے بیس بن جاتی ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کا ایک معقول حصہ اور سلسلہ کی بعض دیگر کتب انگریزی، فرانسیسی اور عربی وغیرہ زبانوں میں منتقل ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ نیز بیرونی ممالک کے احمدیہ مشنوں کی طرف سے دنیا کی مختلف زبانوں میں تئیس اخبارات و رسائل شائع ہو رہے ہیں اور ان میں سے اکثر کو اپنے اپنے ملک میں واحد اسلامی اخبار کی حیثیت حاصل ہے۔

پھر ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں تعلیمی اور طبّی میدانوں میں بھی عیسائیت کا مقابلہ کرنے اور اُس کے اِس سحر کو بھی باطل کر دکھانے کے لئے خلافتِ ثانیہ کے مبارک دور میں ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

اپریل ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ‖ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

کامیابیوں سے بھرپور پچاس درخشندہ سال	ایڈیٹر	۳
ترقی کی ایک ہی راہ ہے	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۵
إِنَّ الصَّدُوقَ بِفَضْلِهِ يَتَخَيَّرُ (عربی نظم)	" " "	۲۰
صحبتے بعد از لقائے تو حرام (فارسی نظم)	" " "	۲۱
اسلام کی فتح میں اب کوئی شخص روک نہیں بن سکتا	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۲۲
خلافت	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	۲۷
خدا ہی جس کو چاہتا ہے خلیفہ بناتا ہے	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد	۳۱
اطاعتِ خلفاء	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب	۳۴
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دردمندانہ دعا	ایڈیٹر	۳۸
ایک مستجاب الدعوات بزرگ کی رحلت	"	۴۶
بچوں کے صفحات :-		
مسرت کی راتیں خوشی کے ہیں دن	"	۴۷
شکرِ باری (نظم)	درثمین اردو	۴۸

طابع و ناشر :- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت :- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی — ربوہ

ہے کہ وہاں اسلامی مدارس اور ڈسپنسریاں قائم کر کے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو عیسائیت کے چنگل سے چھڑانے اور آئندہ کے لئے انہیں اس کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ کرنے کا خاطر خواہ انتظام کیا جا رہا ہے چنانچہ اس وقت تک ایسے ۵۲ مدارس قائم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض سیکنڈری سکول بھی ہیں جن میں اعلیٰ پیمانے پر دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی پورا پورا انتظام ہے۔ اسلام کے تبلیغی مشنز تو خلافتِ ثانیہ کے اوائل میں ہی قائم ہونے شروع ہو گئے تھے اور اُس وقت سے اب تک اطراف و جوانبِ عالم میں ۵۶ مشن قائم ہو چکے ہیں تاہم میڈیکل مشنز کی چند سال پیشتر ہی ابتدا کی گئی ہے۔ اب تک تین میڈیکل مشنز قائم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک مشن سیرالیون میں ہے اور دو مشن نائیجیریا میں کھولے گئے ہیں۔ اِن سب مشنوں میں باقاعدہ تجربہ کار اور سند یافتہ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔

یہ مختصر سا خاکہ ہے اُن عظیم الشان تبلیغی کارناموں کا جو گزشتہ پچاس سال کے اندر اندر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ نے اپنی موعودہ خلافت کے پہلے پچاس سال میں انجام دیئے ہیں اور جن سے دنیائے عیسائیت میں ایک تہلکہ مچ گیا ہے۔ وہاں کے کلیسیائی حلقے مغرب میں اسلام کی روز افزوں ترقی اور علی الخصوص افریقہ میں اسلام کے بالمقابل عیسائیت کی عبرتناک شکست پر سخت پریشان و مضطرب ہیں اور وہ پکار پکار کر چرچ کو آنیوالے خطرہ سے آگاہ کر رہے ہیں اور وہ "خطرہ" اُن کے اپنے خیال کے مطابق یہی ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب عیسائیت نہیں بلکہ اسلام ہوگا وہی اسلام جس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا تھا اور اپنی گزشتہ صدی کی حوصلہ افزا کامیابیوں پر ہوائی قلعے تعمیر کر کے اگلی صدی کے اندر اندر ساری دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش کرنے کی پیشگوئی بھی کر دی تھی اور یہاں تک ڈینگ ہانکنے سے بھی دریغ نہ کیا تھا کہ نعوذ باللہ وہ دن دُور نہیں ہے جب صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی مکہ تک جا پہنچے گی اور ان کا خداوند یسوع اپنے شاگردوں کی شکل میں خاص حرم کعبہ میں داخل ہو کر وہاں اپنے نام کی منادی کرے گا۔ آج خود دنیائے عیسائیت کے کلیسیائی حلقوں کی طرف سے عیسائیت کی ناکامی اور اسلام کی روز افزوں ترقی پر جس حسرت و یاس کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ اِس حقیقت پر زندہ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے ۷۸ سال قبل جو یہ عظیم الشان بشارت دی تھی کہ مصلح موعود کے ذریعہ اسلام چاردانگِ عالم میں پھیل کر زمین کے کناروں تک جا پہنچے گا وہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے وجود باجود میں لفظ بلفظ پوری ہو چکی ہے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ حسب پیشگوئی حضور ایدہ اللہ نے زمین کے کناروں تک شہرت نہیں پائی۔ کون کہہ سکتا ہے حضور ایدہ اللہ کا وجود گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں لاتعداد اسیروں کی رستگاری کا موجب نہیں بنا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج کالی اور گوری، زرد اور گندم گوں ہر رنگ اور ہر نسل کی قومیں حضور سے برکت حاصل نہیں کر رہیں۔

یہ وہ زندہ اور مُنہ بولتے حقائق ہیں جن سے کسی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ آفتابِ نصف النہار کی طرح ایک زمانہ ان کا قائل و معترف ہے۔

پھر تبلیغِ اسلام کے ضمن میں حضور کی یہ محیّر العقول اور عظیم الشان خدمات حضور کے مختلف النوع اور گوناگوں کارناموں کے صرف ایک پہلو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر حضور کے تمام کارناموں اور خدمات کا احاطہ کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے بڑی بڑی ضخیم تصانیف بھی یقیناً ناکافی ہوں گی۔ اِس مختصر سے مضمون میں ان کا احاطہ ناممکن ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی موعودہ خلافت یہ اِس قدر عظیم الشان کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھرپور پچاس درخشندہ سال پورے ہو کر اگیا ون ویں سال کا شروع ہونا تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم الشان خدائی نشان اور احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی صداقت کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے کیونکہ پیشگوئی مصلح موعود میں خود یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کا وہ اولوالعزم فرزندِ موعود جو اس پیشگوئی کا مصداق ہے دراز عمر پائے گا اور اس کی خلافت کا زمانہ بہت طویل ہوگا۔ پیشگوئی مذکورہ میں مصلح موعود کی طرف جن عظیم الشان کارناموں کی انجام دہی منسوب کی گئی ہے وہ دو چار یا دس بیس سال میں انجام پذیر ہونے ممکن نہ تھے۔ اگر دیکھا جائے تو وہ کارنامے ہمہ گیر نوعیت اور عالمگیر تغیرات کے حامل ہیں اور اِس امر کو مستلزم ہیں کہ مصلح موعود نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ اسے دراز عمر عطا کی جائے گی اور اس کی امامت و خلافت کا زمانہ بہت طویل ہوگا۔ چونکہ پیشگوئی میں مذکورہ کارناموں کی انجام دہی طویل عمر اور دراز سے دراز تر عرصۂ خلافت کی متقاضی تھی اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلح موعود کے متعلق خدا سے یہ دعا مانگی کہ:۔

لختِ جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا　　دے اس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا

دن ہوں مُرادوں والے پُرنور ہو سویرا

یہ روز کر مبارک سُبحان مَن یّرانی

حضور علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور خدا تعالیٰ نے خود آپ کو اِس کی قبولیت کی بشارت دی۔ چنانچہ حضورؑ اپنی اِس دعا کے جواب میں ملنے والی اِس خاص بشارت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا　　جو ہوگا ایک دن محبوب میرا

کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا　　دکھاؤں گا کہ اِک عالَم کو پھیرا

بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی

فسبحان الّذی اخزی الاعادی

آج جبکہ حضور ایدہ اللہ کی موعودہ خلافت پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاون واں سال اِس حال میں شروع ہوا ہے کہ فی الواقعہ خدا نے حضور کے ذریعہ ایک عالم کو پھیر کر دکھا دیا ہے، ہمارے دل اِس عظیم الشان خدائی نشان کے ظہور پر بے حد مسرور ہیں اور بجا طور پر مسرور ہیں۔ ایک اتنا اہم اور عظیم الشان نشان جس کے نتیجہ میں اسلام انتہائی ضعف کی حالت کو پہنچنے کے بعد از سرِ نو عیسائیت کو شکست دے کر دنیا کے کونے کونے میں غالب آتا جا رہا ہے اور اُس کی اِس پیشقدمی پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاون ویں سال کا آغاز ہو چکا ہے ہماری روحوں کو ایک نئی جِلاء اور ایمانوں کو ایک نئی تازگی بخشنے کا موجب ہے۔ بھلا اِس کے مہتم بالشان ظہور پر ہم کیوں خوش نہ ہوں اور خوشی کیوں نہ منائیں۔

اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بابرکت و پُرمسرت موقع پر ہمارا خوش ہونا اور خوشی منانے کا اہتمام کرنا برمحل اور برحق ہونے کے باعث جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے لیکن اپنی خوش نصیبی پر خوشی کے اِس عالم میں ہمیں یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہماری خوشی بہرحال اور بہرطور مومنوں والی خوشی ہو یعنی ہماری خوشی اغیار کے تتبع سے پاک ہو اور اس میں اُس خوشی کی کوئی ملونی نہ ہو جسے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کافروں کے ساتھ مختص کیا ہے اور صاف فرمایا ہے کہ :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ (القصص آیت ۷۷) — اللہ تعالیٰ خوشی سے اترانے والوں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کے لئے مومن اور کافر کی خوشی کے باہمی فرق کو بڑی خوبی سے واضح فرما دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ مومن کسی کامیابی یا انعام کے حاصل ہونے پر کس طرح خوشی مناتا ہے اور برخلاف اس کے کافر کا خوشی منانے کا طریق کیا ہوتا ہے۔ ہمارے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم خدائی وعدوں کے عین مطابق خلافت ثانیہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہونے کی بابرکت تقریب پر حضور علیہ السلام کے اِن ارشادات کو خاص طور پر مدِّنظر رکھیں تا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خوشی مناتے مناتے جادۂ مستقیم سے بھٹک کر ایسی راہ پر گامزن ہو جائیں کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ کے مصداق ٹھہریں حضور علیہ السلام مومن اور کافر کی خوشی کے باہمی فرق کو واضح کرتے ہوئے نہایت درجہ تاکید کے رنگ میں فرماتے ہیں :-

"اِس اصول کو ہمیشہ مدِّنظر رکھو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی کامیابی پر جو اسے دی جاتی ہے شرمندہ ہوتا ہے اور خدا کی حمد کرتا ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا اور اِس طرح پر وہ قدم آگے رکھتا ہے اور ہر ابتلاء میں ثابت قدم رہ کر ایمان پاتا

ہے۔ بظاہر ایک ہندو اور مومن کی کامیابی ایک رنگ میں مشابہ ہوتی ہے لیکن یاد رکھو کہ کافر کی کامیابی ضلالت کی راہ ہے اور مومن کی کامیابی سے اس کے لئے نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ کافر کی کامیابی اس لئے ضلالت کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ اپنی محنت، دانش، اور قابلیت کو خدا بنا لیتا ہے۔ مگر مومن خدا کی طرف رجوع کر کے خدا سے ایک نیا تعارف پیدا کرتا ہے اور اس طرح پر ہر ایک کامیابی کے بعد اس کا خدا سے ایک نیا معاملہ شروع ہو جاتا ہے اور اس میں تبدیلی ہونے لگتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں تقویٰ کا لفظ بہت مرتبہ آیا ہے۔ اس کے معنی پہلے لفظ سے کئے جاتے ہیں۔ یہاں مَعَ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو خدا کو مقدم سمجھتا ہے خدا اُس کو مقدم رکھتا ہے اور دنیا میں ہر قسم کی ذلتوں سے بچا لیتا ہے۔ میرا ایمان یہی ہے کہ اگر انسان دنیا میں ہر قسم کی ذلت اور سختی سے بچنا چاہے تو اُس کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ متقی بن جائے۔ پھر اس کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ پس مومن کی کامیابیاں اس کو آگے لے جاتی ہیں، وہ وہیں پر نہیں ٹھہر جاتا۔

اکثر لوگوں کے حالات کتابوں میں لکھے ہیں کہ اوائل میں دنیا سے تعلق رکھتے تھے اور شدید تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے دعا کی اور وہ قبول ہو گئی۔ اس کے بعد اُن کی حالت ہی بدل گئی۔ اس لئے اپنی دعاؤں کی قبولیت اور کامیابیوں پر نازاں نہ ہو بلکہ خدا کے فضل اور عنایت کی قدر کرو۔ قاعدہ ہے کہ کامیابی پر ہمت اور حوصلہ میں ایک نئی زندگی آجاتی ہے۔ اس زندگی سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی کرنی چاہیئے کیونکہ سب سے اعلیٰ درجہ کی بات جو کام آنے والی ہے وہ یہی معرفتِ الٰہی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے..... غرض اگر اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کام پڑتا ہے تو تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔ مبارک وہ ہے جو کامیابی اور خوشی کے وقت تقویٰ اختیار کرلے اور بدقسمت وہ ہے جو ٹھوکر کھا کر اُس کی طرف نہ جھکے۔" (الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء)

حضور علیہ السلام کے اس انتہائی اہم اور تاکیدی ارشاد کی روشنی میں خلافتِ ثانیہ کے پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال شروع ہونے پر ہمارا اظہارِ مسرت برمحل اور برحق ضرور ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی

ضروری اور لازمی ہے کہ ہمارا مسرت کا اظہار جس رنگ کا بھی ہو وہ بہرحال ایسا ہونا چاہیئے کہ اُس کے نتیجہ میں ہم اظہارِ تشکر کے طور پر خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے اُس کی راہ میں آگے قدم رکھنے والے ہوں اور تقویٰ کا طریق اختیار کر کے خدا تعالیٰ کے افضال و انعامات پر غور کرنے والے ہوں تاکہ ہم معرفتِ الٰہی میں پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر کے اور بھی زیادہ افضال و انعامات کے مورد بنیں اور ہم اُسی کی دی ہوئی توفیق سے حضور ایدہ اللہ کی زیرِ قیادت بالآخر اسلام کو پورے کرۂ ارض پر غالب کر دکھانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اگر خدانخواستہ ہمارا خوش ہونا اور خوشی منانا اس نوعیت کا ہے کہ اس کے نتیجہ میں ہم تقویٰ اور معرفتِ الٰہی میں ترقی نہیں کرتے، سچ مچ خدا تعالیٰ سے ہمارا ایک نیا تعارف اور تعلق پیدا نہیں ہوتا اور ہم میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہونے نہیں لگتی یعنی ہم غیر مسلموں کی طرح محض ظاہری رنگ میں خوش ہونے اور خوشی منانے پر ہی اکتفا کر بیٹھتے ہیں تو پھر ہماری خوشی اور کافروں کی خوشی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ خوشی کے ایسے اظہار سے ہمیں پناہ مانگنی چاہیئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کافروں کو اُن کی ایسی خوشی کے بُرے انجام سے ڈرایا ہے جیسا کہ فرمایا:-

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ	یہ سزا اس لئے ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝	تھے۔ اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم خوشی سے اتراتے
اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ	تھے۔ اب (جاکر) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ
فِيْهَا ج فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝	(کیونکہ تمہارے لئے فیصلہ ہو چکا ہے کہ) تم اس میں رہتے
(المؤمن آیت ۷۶، ۷۷)	چلے جاؤ گے اور متکبروں کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے۔

دراصل، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے، بڑی سے بڑی کامیابی اور ترقی پر بھی مومن کا اظہارِ خوشی یہی ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اُس کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ مستعدی کے ساتھ اُس کی حمد و ثناء میں اپنے دن اور اپنی راتیں بسر کرنے لگتا ہے۔ ایسے پر مسرت موقع پر وہ خدا تعالیٰ سے ایک نیا تعارف پیدا کرنے کے لئے اپنے اس عہد کی اور زیادہ عزم کے ساتھ تجدید کرتا ہے کہ وہ اُس کے دین کی سربلندی اور غلبہ کے لئے پہلے سے بھی بڑھ کر قربانیاں پیش کرتا چلا جائے گا اور اپنے قدم کو کبھی اور کسی حال میں بھی پیچھے نہیں ہٹائے گا۔ طبعی جذبہ کے ماتحت ظاہری خوشی کے ساتھ ساتھ اظہارِ مسرت کا یہی وہ اصل اور حقیقی طریق ہے جسے خلافتِ ثانیہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہونے کی بابرکت تقریب پر ہمیں اختیار کر کے اپنا قدم آگے بڑھانا چاہیئے۔

اب چونکہ خلافتِ ثانیہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال شروع ہوا ہے اور ان پچاس سالوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر معمولی تائید و نصرت کا نہایت درجہ مہتم بالشان اظہار فرمایا ہے اور خلافت کی برکات سے ہمیں ایسے رنگ میں متمتع فرمایا ہے کہ جو اپنے رنگ میں لاثانی اور بے نظیر ہے اس لئے اظہارِ تشکر کے طور پر آج ہمارے لئے سب سے اوّل اور سب سے مقدّم جس عہد کی تجدید ضروری ہے وہ وہی مقدس عہد ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۴ر جنوری ۱۹۶۰ء کو جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جماعت کے تمام افراد کو کھڑا کر کے لیا تھا۔ وہ ہے اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جانے کا عہد اور وہ ہے نظامِ خلافت کی حفاظت اور استحکام کے لئے آخر دم تک جدوجہد کرنے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے چلے جانے کا عہد۔ اس میں شک نہیں خلافتِ ثانیہ کا دَور بہت مقدس و مبارک اور اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت کے پیہم ظہور کا دَور ہے اور ہماری دلی تمنا اور دعا یہی ہے کہ وہ اس دَور کو دراز سے درازتر کرتا چلا جائے اور ہم خدائی وعدوں کے پیشِ نظر یہی توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا قادر و قدوس اور ارحم الراحمین خدا ایسا ہی کرے گا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ یہ مقدس و بابرکت دَور کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بہرحال خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ازلی ابدی قانونِ قدرت کے مطابق زمانی اعتبار سے محدود ہی ہوگا۔ اصل اور بنیادی چیز قدرتِ ثانیہ یعنی خلافت کا آسمانی نظام ہے جس نے مسیح پاک علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بموجب قیامت تک جاری رہنا ہے۔ اس لئے نظامِ خلافت اور اس کے استحکام کے لئے جدوجہد کے عہد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعہ سے خلافتِ ثانیہ کی غیر معمولی اور عظیم الشان برکات قیامت تک ممتد ہوتی چلی جائیں گی اس لئے ہمیں خلافتِ ثانیہ کے قیام پر پچاس سال گذرنے کی بابرکت تقریب کے موقع پر اپنے اس عہد کی ازسرِنو تجدید کر کے تقویٰ و طہارت اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں اور زیادہ ترقی کرنی چاہیئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کی تائید و نصرت اور اُس کے افضال و انعامات کے نسلاً بعد نسلٍ مورد بنے رہیں۔

ہمارے اس مقدس عہد کے الفاظ یہ ہیں :۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس مقدس فرض کی تکمیل کے لئے ہمیشہ اپنی زندگیاں خدا اور اُس کے رسول کے لئے وقف رکھیں گے

اور ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں گے۔ ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نظامِ خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لئے آخر دم تک جدو جہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اُس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تاکہ قیامت تک خلافتِ احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلۂ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔ اے خدا تو ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔"

(الفضل ۱۲ر فروری سنہ ۱۹۶۰ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بارہا فرمایا ہے کہ ہماری عظیم الشان کامیابیوں کا راز نظامِ خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر کرتے چلے جانے میں ہی مضمر ہے۔ اگر ہم نظامِ خلافت کے ساتھ وابستہ نہ ہوتے تو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا جو عظیم الشان کارنامہ حضور نے گزشتہ پچاس سال میں سرانجام دیا ہے اس میں ہمارا کوئی حصہ نہ ہوتا اور ہم بھی دوسروں کی طرح پراگندگی کا شکار ہو کر اس عظیم الشان جد وجہد میں شمولیت کی غیر معمولی سعادت سے محروم رہتے۔ پس آج جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے عین مطابق خلافتِ ثانیہ کے پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال شروع ہونے کی پُرمسرت تقریب سے ہمارے دلوں کو شادکام فرمایا ہے ہمارا اوّلین فرض یہ ہے کہ ہم اس بابرکت موقع پر اظہارِ مسرّت کے مومنانہ طریق کو اختیار کرتے ہوئے نظامِ خلافت کی حفاظت اور مضبوطی کے اِس عہد کی پورے جذبہ و جوش اور عزم و ہمّت کے ساتھ ایک بار پھر تجدید کریں اور اللہ تعالےٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑا گڑگڑا کر اُسی سے دُعائیں مانگیں کہ وہ ہمیں اپنے اِس عہد کو نبھاتے اور نسلاً بعد نسلٍ نبھاتے چلے جانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔

پس ہم اِس پُرمسرت و بابرکت موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُس کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنی یہ دلی تمنا پیش کرتے ہیں کہ اے ہمارے رحمٰن و رحیم اور صادق الوعد خدا! تُو خلافتِ ثانیہ کے اِس مقدّس و بابرکت دَور کو جس کی عظیم الشان برکات سے ہم پچاس سال سے متمتّع ہوتے چلے آرہے ہیں دراز سے دراز تر فرما اور ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کو جن کے مقدس وجود کی برکت کے اظہار کے طور پر تُو نے سچ مچ ایک عالم کو بھیر کر دکھا دیا ہے شفائے کامل و عاجل عطا فرما اور صحت و عافیت کے ساتھ کام والی لمبی زندگی بخش تاکہ ہم حضور ایدہ اللہ کی قیادت میں حضور کے قدم بہ قدم اور شانہ بشانہ ترقیات کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسلام کے پورے طور پر غالب آجانے سے سرورِ کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بیک وقت پورے کرۂ ارض پر لہرانے لگے۔

اے قادر و توانا، ذوالمجد والعطاء واحد و لاشریک اللہ! تُو ہمیں اپنے اِس مقدس عہد کو نبھانے کی خود ہی توفیق عطا فرما کہ ہم نظامِ خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لئے آخر دم تک جدوجہد کرتے رہیں اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں تاکہ قیامت تک خلافتِ احمدیہ محفوظ چلی جائے۔ انت الموفق والمستعان۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر! +

خلافت کی ضرورت اور اس کی اہمیّت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اِسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۵)

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو لوگ اسلام کی زندگی مغربی دنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے

کامیاب وہی لوگ ہونگے جو قرآن کریم کے ماتحت چلتے ہیں

ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان پیدا کریں!

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو نواب عماد الملک فتح نواز جنگ سید مہدی حسین صاحب بار ایٹ لاء سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بڑے شوق اور اخلاص سے حاضر ہوئے حضور ؑ نے ان کو مخاطب کر کے جو بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی وہ ذیل میں ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے حضور ؑ نے اس تقریر دلپذیر میں اس امر پر بہت مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ مسلمان دنیا میں کس طرح ترقی کر سکتے ہیں ۔ (ادارہ)

"جیسے اللہ تعالیٰ باوجود آشکارا ہونے کے مخفی اور نہاں در نہاں ہے اور اس لئے الغیب بھی اُس کا نام ہے اسی طرح ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے ۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے ۔ اگر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے ۔

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا، مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک ہی سے ہوتا ہے ۔ ایمان ایک قوّت ہے جو سچّی شجاعت اور ہمّت انسان کو عطا کرتا ہے ۔ اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے ۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ہوئے تو وہ کونسی بات تھی جس نے باور کرایا کہ اِس طرح پر ایک بیکس ناتوان انسان کے ساتھ ہوجانے سے ہم کو کوئی ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنالیا ہے جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور وہ چکنا چُور کر ڈالے گا اور اسی طرح یہ ہم ضائع ہوجائیں گے۔ مگر کوئی اَور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مرجانا ان کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ اس نے وہ کچھ دیکھا تھا جو اِن ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور رہا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوّت تھی جو اِن ساری تکلیفوں اور دکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے اُس نے اِس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دُنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی بلکہ قوّتِ ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا۔ ایمان نے اُن کو وہ قوّت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی .....

مَیں صحابہ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کرکے کہتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے اُنہوں نے اپنی آنکھ ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی جس نے ان کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہونے دی کہ قوم چھوڑی، ملک چھوڑا، جائیدادیں چھوڑیں، احباب اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا۔ اور ایک خدا پر بھروسہ کرکے انہوں نے وہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے۔ ایمان تھا اور صرف ایمان اَور کچھ نہ تھا۔ ورنہ بالمقابل دنیا داروں کے منصوبے اور تدبیریں اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں۔ وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کی تعداد، جماعت، دولت، سب کچھ زیادہ تھا مگر ایمان نہ تھا اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر صحابہؓ نے ایمانی قوّت سے سب کو جیت لیا۔ جب اُس ؐ نے کہا کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں یہ سُنتے ہی ساتھ ہوگئے اور پھر دیوانوں کی طرح اُس ؐ کے پیچھے چلے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات تھی جس نے ان کی یہ حالت بنادی اور وہ ایمان تھا۔ یاد رکھو خدا پر ایمان بڑی چیز ہے۔

انگریزی اور مغربی قومیں دنیا کی تلاش اور خواہش میں لگی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں ایک موہوم اور خیالی

امید پر کام شروع کرتے ہیں، سینکڑوں جانیں ضائع ہوتی ہیں، ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوتے ہیں، آخر ایک بات پا ہی لیتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس اور تعجب اُن پر ہے جو کہتے ہیں خدا نہیں مل سکتا۔ کس نے مجاہدہ اور سعی کی اور پھر خدا کو نہیں پایا؟ خدا تو ملتا ہے اور بہت جلد ملتا ہے لیکن اُس کے پانے والے کہاں ؟؟؟

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ خدا نہیں ہے تو یہ بڑی بیہودہ بات ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نادانی اور بے وقوفی نہیں ہے جو خدا کا انکار کیا جائے۔ دنیا میں دو گواہوں کے کہنے سے عدالت ڈگری دے دیتی ہے، چند گواہوں کے بیان پر جان جیسی عزیز چیز کے خلاف عدالت فتویٰ دیدیتی ہے اور پھانسی پر لٹکا دیتی ہے حالانکہ شہادتوں میں جعل اور سازش کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہوتا ہے۔ لیکن خدا کے متعلق ہزاروں لاکھوں انسانوں نے جو اپنی قوم اور ملک میں مسلّم راستباز نیک چلن تھے شہادت دی ہو اسے کافی نہ سمجھا جائے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور ہٹ دھرمی کیا ہو گی کہ لاکھوں مقدسوں کی شہادت موجود ہے اور پھر انہوں نے اپنی عملی حالت سے بتا دیا ہے اور خونِ دل سے یہ شہادت لکھ دی ہے کہ خدا ہے اور ضرور ہے اس پر بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔ اور پھر عجیب تو یہ بات ہے کہ کسی معاملہ میں رائے دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا علم ہو۔ جس شخص کو علم ہی نہیں وہ رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ رائے زنی کرے تو کیا وہ احمق اور بے وقوف نہ کہلائے گا ؟ ضرور کہلائے گا بلکہ دوسرے دانشمند اُس کو شرمندہ کریں گے کہ احمق جبکہ تجھے کچھ واقفیت ہی نہیں تو پھر تُو رائے کس طرح دیتا ہے۔ اس طرح پر جو خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ نہیں ہے اُن کا کیا حق ہے کہ وہ رائے دیں جبکہ الٰہیات کا علم ہی ان کو نہیں ہے اور انہوں نے کبھی مجاہدہ ہی نہیں کیا ہے۔ ہاں اُن کو یہ کہنے کا حق ہو سکتا تھا اگر وہ ایک خدا پرست کے کہنے کے مطابق تلاشِ حق میں قدم اٹھاتے اور خدا کو ڈھونڈتے۔ پھر اگر ان کو خدا نہ ملتا تو بے شک کہہ دیتے کہ خدا نہیں ہے۔ لیکن جبکہ انہوں نے کوئی کوشش اور مجاہدہ نہیں کیا ہے تو اُن کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ غرض خدا کا وجود ہے اور وہ ایک ایسی شئے ہے کہ جس قدر اُس پر ایمان بڑھتا جائے اُسی قدر قوت ملتی جاتی ہے اور وہ نہاں در نہاں ہستی نظر آنے لگتی ہے یہاں تک کہ کھلے طور پر اُس کو دیکھ لیتا ہے اور پھر یہ قوت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی ایک بات ہے جس کی تلاش دنیا کو ہونی چاہیئے۔

مگر آج یہ قوتیں دنیا میں نہیں رہی ہیں۔ اسلام جو یہ ایمانی قوت لیکر آیا تھا بہت ضعیف ہو گیا ہے اور عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کمزور ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ آئے دن جلسے اور مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لئے کام کرتی ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ان مجلسوں میں قوم قوم تو پکارتے ہیں، قومی ترقی قومی ترقی کے گیت گاتے ہیں لیکن کوئی

مجھ کو یہ بتائے کہ کیا پہلے زمانہ میں جب قوم بنی تھی وہ یورپ کے اتباع سے بنی تھی ؟ کیا مغربی قوموں کے نقش قدم پر چل کر انہوں نے ساری ترقیاں کی تھیں ؟۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہاں اسی طرح ترقی کی تھی تو بے شک گناہ ہوگا اگر ہم اہلِ یورپ کے نقشِ قدم پر نہ چلیں۔ لیکن اگر ثابت نہ ہو اور ہرگز ثابت نہ ہوگا تو پھر کس قدر ظلم ہے کہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر، قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنا دیا ایک دنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے۔ جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی دنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کے ماتحت چلتے ہیں۔

قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ایک ناممکن اور محال امر ہے اور ایسی کامیابی ایک خیالی امر ہے جس کی تلاش میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں۔ صحابہؓ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو اُنہوں نے جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دنیا پر مقدّم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالیٰ نے اُن سے کئے تھے پورے ہو گئے۔ ابتدا میں مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے اور بادشاہی کے دعوے کرتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گم ہو کر وہ پایا جو صدیوں سے اُن کے حصہ میں نہ آیا تھا۔ وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرتے اور انہی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے۔ اُن لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفّار کہتے تھے۔ جب تک اسلام اس حالت میں رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا۔ اس میں سِرّ یہ تھا ع خدا داری چہ غم داری۔

مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا لیکن آخر اُس پر کوئی قابو نہ پا سکا کیونکہ اُس کی نیّت اسلام کی خدمت تھی۔ غرض ایک مدّت تک ایسا ہی رہا۔ جب بادشاہوں نے فسق و فجور اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑا اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا جس کو اب تم دیکھ رہے ہو۔ اب اس مرض کی جو تشخیص کی جاتی ہے ہم اُس کے مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جاوے گا وہ زیادہ خطرناک اور مضر ثابت ہوگا۔ جب تک مسلمانوں کا رجوع قرآن شریف کی طرف نہ ہوگا ان میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا اور یہ تندرست نہ ہوں گے۔ عزّت اور عروج اُسی راہ سے آئے گا جس راہ سے پہلے آیا۔

میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سُست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سُست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لئے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کو اُس وقت بھی مدّ نظر رکھیں تاکہ وہ تجارت بھی انکی عبادت

کا رنگ اختیار کر لے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں خواہ وہ کوئی معاملہ ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو اصل مقصود دین ہو۔ پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو انہوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اُس کے تصوّر سے ہی انسان گھبرا اُٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے، نمازوں کو نہیں چھوڑا، دعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں، بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں، جلسے کرتے ہیں کہ مسلمان ترقی کریں مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھول کر بھی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پھر ایسی حالت میں کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ اُن کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دنیا ہی کے لئے ہیں۔ یاد رکھو جب تک لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرّے ذرّے پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں تو اُن کے لئے اَور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دی گئی ہے۔ تم پر حجت پُوری ہو چکی ہے۔ اُن کے لئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔ تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑو گے تو تمہارے لئے اِسی دنیا میں جہنم موجود ہے۔

ایسی حالت میں قریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کے لئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں لیکن کسی ہمدردِ اسلام کے مُنہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ، اِس پر عمل کرو۔ اگر کہتے ہیں تو بس یہی کہ انگریزی پڑھو، کالج بناؤ، بیرسٹر بنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔ حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر دوا فائدہ نہ کرے تو اپنے علاج سے رجوع کر لیتے ہیں۔ یہاں ناکامی پر ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر خدا نہیں ہے تو اُس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کر لیں گے لیکن جب خدا ہے اور ضرور ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ اُس کی بے عزّتی کر کے اُس کی کتاب کی بے ادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاوے۔ کبھی نہیں۔ ہماری رائے تو یہی ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں، ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اُس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔"

(الحکم ۳۱؍ جنوری ۱۹۰۱ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی منظوم کلام

وَاِنَّ الصَّدُوْقَ بِفَضْلِهٖ يُتَخَيَّرُ

(اور راستباز خدا کے فضل سے مقبول ہوتا ہے)

تُعَيِّرُنِيْ ظُلْمًا وَكِبْرًا وَنَخْوَةً ۔ وَهَيْهَاتَ اَهْلُ الْحَقِّ كَيْفَ يُعَيَّرُ

تُو مجھے اپنے ظلم و کبر و نخوت سے عیب لگاتا ہے ۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اہلِ حق پر حرف آ سکے۔

صَبَرْنَا عَلٰى ظُلْمِ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا ۔ وَتُبْنَا اِلَى الرَّبِّ الَّذِيْ هُوَ اَقْدَرُ

ہم نے مخلوقات کے ظلم پر صبر کیا ۔ اور قادر خدا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تَرَكْتُ الْقِلٰى وَاللّٰهُ كَافٍ لِصَادِقٍ ۔ وَاِنَّ الصَّدُوْقَ بِفَضْلِهٖ يُتَخَيَّرُ

ہم نے بغض و عداوت کو چھوڑ دیا اور صادق کی تائید کیلئے اللہ کافی ہے اور راستباز اُس کے فضل سے مقبول ہوتا ہے۔

وَلَيْسَ الْفَتٰى مَنْ يَّقْتُلُ النَّاسَ سَيْفُهٗ ۔ وَلٰكِنَّهٗ مَنْ يُّظْلَمَنْ وَيَصْبِرُ

بہادر وہ نہیں جس کی تلوار لوگوں کو قتل کرے۔ بلکہ بہادر وہ ہے جو مظلوم ہوکر باوجود قدرت کے صبر کرے

اَرَى الظُّلْمَ يَبْقٰى فِي الْخَرَاطِيْمِ وَسْمُهٗ ۔ وَاَمَّا عَلَامَاتُ الْاَذٰى فَتَتَغَيَّرُ

مَیں دیکھتا ہوں کہ ظلم کا نشان ظالم کی پیشانی پر رہتا ہے ۔ مگر تکلیفوں کے نشان مظلوم سے مٹ جاتے ہیں۔

اَتُكْفِرُنِيْ يَا اَيُّهَا الْمُسْتَعْجِلُ ۔ وَاَيَّ عَلَامَاتٍ تَرٰى اِذْ تُكْفِرُ

اے جلد باز تُو مجھے کافر کہتا ہے۔ کونسی باتیں ہیں جو تُو میری تکفیر کرتا ہے۔

وَاِنَّ اِمَامِيْ سَيِّدُ الرُّسُلِ اَحْمَدُ ۔ رَضِيْنَاهُ مَتْبُوْعًا وَرَبِّيْ يَنْظُرُ

میرا پیشوا احمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الرسل ہے ۔ ہم نے اس کو متبوع پسند کر لیا اور میرا رب شاہد ہے۔

(حمامة البشریٰ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی منظوم کلام

صحبتے بعد از لقائے تو حرام

(اے خدا! تیری ملاقات کے بعد پھر کسی اَور سے تعلق رکھنا حرام ہے)

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما — اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے خدا اے ہمارے دکھوں کی دوا — اور اے ہماری گریۂ و زاری کے علاج۔

اے تو مرہم بخش جانِ ریشِ ما — اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
تُو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے — اور تُو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے

از کرم برداشتی ہر بارِ ما — وز تو ہر بار و برِ اشجارِ ما
تُو نے اپنی مہربانی سے ہمارے سب بوجھ اٹھا لئے ہیں — اور ہمارے درختوں پر میوہ اور پھل تیرے فضل سے ہے

حافظ و ستّاری از جُود و کرم — بیکساں را یاری از لطفِ اتم
تُو ہی مہربانی اور عنایت سے ہمارا محافظ اور پردہ پوش ہے — اور کمال مہربانی سے بیکسوں کا ہمدرد ہے۔

بندۂ درماندہ باشد دل طپاں — ناگہاں درماں برآری از میاں
جب بندہ مغموم اور درماندہ ہو جاتا ہے، — تو تُو فوراً وہیں سے اس کا علاج پیدا کر دیتا ہے

عاجزے را ظلمتے گیرد براہ — ناگہاں آری بروصد مہر و ماہ
جب کسی عاجز کو رستہ میں اندھیرا گھیر لیتا ہے — تو تُو یکدم اُس کیلئے سینکڑوں سورج اور چاند پیدا کر دیتا ہے

حُسن و خُلق و دلبری بر تو تمام — صحبتے بعد از لقائے تو حرام
حسن اخلاق اور دلبری تجھ پر ختم ہیں — تیری ملاقات کے بعد پھر اَوروں سے تعلق رکھنا حرام ہے

(براہین احمدیہ حصہ چہارم)

اسلام کی فتح میں اب کوئی شخص روک نہیں بن سکتا

(رقم فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "دیباچہ تفسیر القرآن" میں روحانی نظام کی تکمیل کے قرآنی اُصول کو بہت لطیف پیرائے میں واضح فرمایا ہے اور اس اُصول کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور پھر حضور علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق مصلح موعود کے ظہور پر روشنی ڈال کر غلبۂ اسلام کی آسمانی سکیم کو بہت دلنشین انداز سے پیش کیا ہے اور بڑی تحدّی سے اعلان فرمایا ہے کہ اب اسلام دنیا میں غالب آکر رہے گا اس کی آخری اور مکمل فتح میں اب کوئی شخص روک نہیں بن سکتا۔ دیباچہ کا یہ حصہ ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

"روحانی نظام کی تکمیل کے لئے قرآن کریم نے یہ اُصول مقرر فرمایا ہے کہ چونکہ شریعت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے اس لئے آئندہ کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں آئے گا۔ قرآنِ کریم آخری کتاب ہے اِس کو جزواً یا کلاً کوئی اور کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت روحانی عالم میں رہتی دُنیا تک رہیگی۔ لیکن انسان بھول بھی جاتا ہے غلطی بھی کرتا ہے، اور بغاوت بھی کرتا ہے۔ اِن تینوں مرضوں کا علاج کئے بغیر قرآنی حکومت قیامت تک صحیح طور پر نہیں چل سکتی۔ بھولنے والے کو یاد کرانے والا غلطی کرنے والے کی اصلاح کرنے والا، اور باغی کو زیرِ نگیں لانے والا آدمی ضرور چاہیئے۔ قرآن کریم اِس کا یہ علاج بتاتا ہے کہ جس طرح سورج کی عدم موجودگی میں چاند دُنیا کو روشن کرتا ہے اِسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے انسان کھڑے کئے جائیں گے جو چاند کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نور کا اکتساب کر کے دنیا کو روشن کرتے رہیں گے اور دنیا کی وسیع خرابی اور تباہی کے وقت میں تابع نبی یا اُمّتی نبی کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

چنانچہ ایک ایسے ہی وجود کے متعلق قرآن شریف میں متعدد مقامات پر خبر دی گئی ہے (دیکھو سورۂ جمعہ ع۔ سورۂ صف ع۔ سورۂ آل عمران ع) اور اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزِ ثانی قرار دیا گیا ہے۔ حدیثوں میں اِس بروزِ ثانی کا نام مسیح بھی رکھا گیا ہے اور قرآنِ کریم میں بھی مسیح کے نام کی طرف ضمناً اشارہ کیا گیا ہے (دیکھو سورۂ زخرف ع آیت ۵۷)۔ دوسرا نام حدیثوں میں اُس کا مہدی رکھا گیا ہے۔ مگر یہ وجود ایک ہی ہے مختلف جہات سے اِس کے مختلف نام ہیں۔ انجیل میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بعثتِ ثانیہ کا ذکر مسیح کے دوبارہ نزول کے وعدہ میں

کیا گیا ہے - موجودہ زمانہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ یہ وہی زمانہ ہے جس کی پیشگوئی پرانی کتب اور قرآن کریم میں کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی صداقت کا یہ ایک زبردست ثبوت ہے کہ اس کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ قرآن شریف اور دوسری کتب سماوی کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل بموزنہ ہے اور آپؐ کے دین کو قائم کرنے اور قرآن شریف کی تعلیم کو روشن کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اسے مبعوث فرمایا ہے (ان پیشگوئیوں کا ذکر قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں اپنے اپنے مقام پر کیا گیا ہے خصوصاً قرآن کریم کی آخری سورتوں میں) یہ مدعی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ ہیں - آج سے قریباً ساٹھ سال پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوئی اور خدا تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ تجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا تعالیٰ کے نام کو دنیا میں دوبارہ روشن کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تجھے وہی مرتبہ دیا گیا ہے جو پہلے انبیاء کو دیا گیا تھا سوائے اس فرق کے کہ تو قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل متبع ہے اور کوئی نئی شریعت تجھے نہیں دی گئی۔ چنانچہ آپ کو الہام ہوا کہ كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ تمام برکتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہیں ، پس بہت برکت والا ہے وہ بھی جس نے سکھایا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت برکت والا ہے وہ بھی جس نے سیکھا یعنی احمد قادیانی علیہ السلام - پھر آپ کو کہا گیا :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا"

قرآن کریم میں نذیر نبیوں کا نام آتا ہے اور بانی سلسلہ احمدیہ کے ایک الہام میں نذیر کی بجائے نبی کا لفظ بھی آتا ہے -

آپ کا کام یہ تھا کہ آپ اس تاریکی کے زمانہ میں دنیا بھر کو خدا تعالیٰ سے روشناس کرائیں اور تازہ الہاموں اور معجزات سے اِس مادی دنیا کے دل میں روحانیت کا بیج دوبارہ بودیں - جس وقت آپ نے دعویٰ کیا اُس وقت آپ اکیلے تھے - دنیا میں آپ کا کوئی ساتھی نہیں تھا - آپ ریل سے دور ، تار گھر سے محروم ، ڈاک کی سہولتوں سے محروم ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کی آبادی چودہ پندرہ سو تھی ظاہر ہوئے اور اُس وقت دنیا میں آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ میری سچائی کو دنیا پر ثابت کرے گا اور دنیا کے دور دراز کناروں تک میری تبلیغ پہنچے گی - اور آپ نے یہ اعلان کیا کہ نہ صرف یہ کہ خدا مجھے دنیا کے کناروں تک شہرت دے گا بلکہ میرے

سلسلہ کو قائم رکھے گا اور مجھ پر ایمان لانے والے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے! اور نو سال کے اندر میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو خصوصیت سے میری پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہو گا اور دنیا کے کناروں تک اُس کا نام پہنچے گا، وہ جلد جلد ترقی کرے گا، اور روح القدس سے برکت دیا جائے گا۔ اِن الہامات کے شائع ہونے کے بعد آپ کی مخالفت بڑے زور شور سے ہوئی، کیا ہندو اور کیا مسلمان اور کیا عیسائی اور کیا سکھ سب کے سب آپ کے پیچھے پڑ گئے، اور ہر ایک نے آپ کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مخالفت ہی اپنی ذات میں اِس بات کی علامت تھی کہ بانی سلسلۂ احمدیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں کیونکہ اِس قسم کی عالمگیر مخالفت بالعموم سچے نبیوں ہی کی ہوا کرتی ہے۔ مگر باوجود اِس کے کہ آپ اکیلے تھے اور آپ کے مقابلہ میں ساری دنیا جمع تھی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز کو بلند کرنا شروع کیا اور ایک ایک دو دو کر کے لوگ آپ پر ایمان لانے شروع ہوئے اور بڑھتے بڑھتے یہ جماعت پنجاب اور ہندوستان میں پھیلتی ہوئی دوسرے ممالک کی طرف نکل گئی۔

جب بانی سلسلۂ احمدیہ ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تو اُس وقت آپ کے مخالفوں نے یہ شور مچایا کہ اب یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کی جماعت کو حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے ہاتھ پر جمع ہونے کا موقع دیدیا اور وہ اِس جماعت کے اسلامی اصول کے مطابق پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ کی خلافت کے دَوران میں مغربی تعلیم سے متاثر لوگوں نے اصولِ خلافت پر اعتراضات کرنے شروع کئے اور یہ فتنہ بڑھنا شروع ہوا۔ حتّٰی کہ جب ۱۹۱۴ء میں آپ فوت ہوئے تو ان لوگوں نے جو کہ خلافت کے مسئلہ کے خلاف تھے نظامِ سلسلہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ راقم الحروف جو بانیٔ سلسلۂ احمدیہ حضرت احمد علیہ السلام کا بیٹا ہے اُس وقت پچیس ۲۵ سال کی عمر کا تھا اور تمام مادی ذرائع سے محروم تھا۔ جماعت کی باگ ڈور کلّی طور پر اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے خلافت کے اصول کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ لیکن قادیان کی موجودہ جماعت کی کثرت جنہیں یہ باغی لوگ جاہلوں کی کثرت کہتے تھے اِس بات پر مُصر تھی کہ ہم خلافت کے طریق کو قرآنی احکام کے مطابق جاری رکھیں گے۔ چنانچہ اِن لوگوں کے اصرار پر مَیں نے جماعتِ احمدیہ سے بیعت لے لی اور خلیفۂ ثانی کے طور پر جماعت کی، اسلام کی، اور دنیا کی خدمت کا کام شروع کیا۔ چونکہ جماعت کے سر برآوردہ اور بڑے لوگ مخالف ہو گئے تھے اِس لئے جماعت کی حالت اُس وقت بہت خطرناک نظر آتی تھی۔ اور بیرونی دنیا کی نظریں بھی اِس امید سے اُٹھ رہی تھیں کہ چند دن میں اِس سلسلہ کی عمارت پاش پاش ہو جائے گی۔ مگر اُس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے غلبہ دے گا اور میرے مخالفوں کو جو طاقتور ہیں کمزور کرے گا اور ان میں تفرقہ پیدا کر کے انہیں پاش پاش کر دے گا۔ احمدیہ جماعت میں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور زیادہ تجربہ کار آدمی نکل گئے، احمدیہ جماعت میں سے زیادہ

مالدار اور زیادہ رسوخ والے آدمی الگ ہو گئے، وہ لوگ جو سلسلہ کا دماغ سمجھے جاتے تھے وہ اس سے کٹ گئے۔ میری عمر کے لحاظ سے خلافت سے بغاوت کرنے والا گروہ یہ آوازیں بلند کرتا تھا کہ سلسلہ کی باگ ڈور ایک بچہ کے ہاتھ میں چلی گئی ہے اب یہ سلسلہ تباہ ہو کر رہے گا۔

لیکن وہ خدا جس نے قرآن شریف نازل کیا ہے، وہ خدا جس نے اس دنیا کے لئے ایک روحانی نظام بنایا ہے جس کے ماتحت یہ دنیا ترقی کر رہی ہے، وہ خدا جس نے احمد علیہ السلام مسیح موعود مہدی معہود کو بتایا تھا کہ وہ اُن کی ذریت سے ۱۸۸۶ء سے لے کر نو سال کے اندر ایک لڑکا پیدا کرے گا جو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے جلد جلد ترقی کرے گا اور دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور اسلام کو دنیا میں پھیلا کر اسیروں کی رستگاری اور مُردوں کے احیاء کا موجب ہوگا، اُس کی بات پوری ہوتی اور اُس کا کلمہ اونچا رہا۔ ہر روز جو طلوع ہوتا تھا وہ میری کامیابیوں کے سامانوں کو ساتھ لاتا تھا، ہر روز جو غروب ہوتا تھا وہ میرے دشمنوں کے تنزل کے اسباب چھوڑ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کو میرے ذریعہ سے دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اور قدم قدم پر خدا تعالیٰ نے میری راہنمائی کی اور بیسیوں موقعوں پر اپنے تازہ کلام سے مجھے مشرف فرمایا یہاں تک کہ ایک دن اُس نے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا کہ میں ہی وہ موعود فرزند ہوں جس کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۸۶ء میں میری پیدائش سے تین سال پہلے دی تھی اُس وقت سے خدا تعالیٰ کی نصرت اور بھی زیادہ زور پکڑ گئی۔

آج دنیا کے ہر براعظم پر احمدی مشنری اسلام کی لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔ قرآن جو ایک بند کتاب کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور مسیح موعود علیہ السلام کے فیض سے ہمارے لئے یہ کتاب کھول دی ہے اور اس میں سے نئے سے نئے علوم ہم پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ دنیا کا کوئی علم نہیں جو اسلام کے خلاف آواز اُٹھاتا ہو اور اس کا جواب خدا تعالیٰ مجھے قرآن کریم سے ہی نہ سمجھا دیتا ہو۔ ہمارے ذریعہ سے پھر قرآنی حکومت کا جھنڈا اونچا کیا جا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلاموں اور الہاموں سے یقین اور ایمان حاصل کرتے ہوئے ہم دنیا کے سامنے پھر قرآنی فضیلت کو پیش کر رہے ہیں۔ گو دنیا کے ذرائع ہماری نسبت کروڑوں کروڑ گنے زیادہ ہیں لیکن دنیا خواہ کتنا ہی زور لگائے، مخالفت میں کتنی ہی بڑھ جائے، یہ ایک قطعی اور یقینی بات ہے کہ سورج ٹل سکتا ہے ستارے اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں زمین اپنی حرکت سے رُک سکتی ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی فتح میں اب کوئی شخص روک نہیں بن سکتا۔ قرآن کی حکومت دوبارہ قائم کی جائے گی اور دنیا اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بُتوں یا انسانوں کی پوجا چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے گی۔ اور باوجود اس کے کہ دنیا کی حالت اس وقت قرآنی تعلیم

کو قبول کرنے کے خلاف ہے اسلام کی حکومت پھر قائم کر دی جائے گی اِس طرح کہ پھر اُس کی جڑوں کو ہلانا انسان کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔ اِس شیطان کی برباد کردہ دنیا کے جنگل میں خدا نے پھر ایک بیج بویا ہے میں ایک ہوشیار کرنے والے کی صورت میں دنیا کو ہوشیار کرتا ہوں کہ یہ بیج بڑھے گا، ترقی کرے گا، پھیلے گا اور پھلے گا۔ اور وہ روحیں جو بلند معیار زندگی کا اشتیاق رکھتی ہیں جن کے دلوں کے مخفی گوشوں میں خدا تعالیٰ کے ساتھ ملنے کی تڑپ ہے وہ ایک دن اپنے مادی خوابوں سے بیدار ہوں گی اور بے تاب ہو کر اس درخت کی ٹہنیوں پر بیٹھنے کے لئے دوڑیں گی۔ تب اِس دنیا کے فساد دُور ہو جائیں گے۔ اِس کی تکلیفیں مٹا دی جائیں گی۔ خدا تعالیٰ کی بادشاہت پھر اس دنیا میں قائم کر دی جائے گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے لئے سب سے قیمتی متاع قرار پائے گی۔ اور دنیا کی یہ تبدیلی ہی فساد اور بدامنی کے دُور کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے دنیا کا فساد اور بدامنی دُور کی جا سکتی ہے۔ اِس کے سوا سب کوششیں بیکار جائیں گی۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی)

انزالِ رحمت کا طریق!

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسالِ مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے تا اُن کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اُن کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اِس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔"

(سبز اشتہار حاشیہ صلا)

خلافت

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم ۔ اے (آکسن) صدر مجلس مرکزیہ)

اسلام کا دعویٰ ہے کہ انسانی پیدائش کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا وجود دُنیا میں پیدا کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہو اور صفاتِ الٰہیہ کو ظاہر کرنے والا ہو ۔ چنانچہ فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یعنے انسانی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں دُنیا میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے لگا ہوں جو میری نمائندہ ہوگی اور میری صفات کی مظہر ہوگی ۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں یہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے تم کو دُنیا میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور تم میں یہ قوت اور طاقت رکھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی صفات کا مظہر بن سکتے ہو اور یہ ایک بہت بڑا مرتبہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے ۔ پس جو شخص اس مرتبہ کی قدر نہیں کرے گا اور اپنے اعمال کو اس کے مطابق نہیں بنائے گا اُسے اپنی اس غفلت کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اے مسلمانو! صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اندر پیدا کرو ۔ پس انسانی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ پیدائشِ عالم کا صحیح مقصد حاصل ہو اور اس کے دونوں سروں پر خدا تعالیٰ کی صفات جلوہ گر ہوں ۔ پیدائش کے ایک سرے پر تو ہمیں صفاتِ الٰہیہ کا ایک طبعی ظہور اس کے بنائے ہوئے قوانینِ قدرت میں نظر آتا ہے ۔ اُس نے اپنی صفات کے طبعی ظہور سے عالمین کو پیدا کیا، سمندر بنائے، دریا جاری کئے، جزیروں کو پیدا کیا، پہاڑ بنائے ۔ اس کی قدرت نے زمین کے اندر مختلف قسم کی کانیں پیدا کیں ۔ پھر نباتات کی ایک وسیع دُنیا معرضِ وجود میں آئی ۔ قسما قسم کے درخت اور بُوٹیاں اُگائیں اور ہر قسم کے غلّہ وغیرہ کو پیدا کیا ۔ پس پیدائشِ عالمین کی وسعتوں اور اُس کی گہرائیوں میں خدائی صفات کارفرما نظر آ رہی ہیں ؏

جس طرف دیکھیں وہ رہ ہے ترے دیدار کا

دوسری طرف اُس نے ایک ایسا وجود پیدا کیا جو اِن چیزوں کے استعمال میں خدائی صفات کو بطور نائبِ خدا بروئے کار لائے اور اس طرح یہ پیدائشِ عالم کے دونوں سروں پر خدا تعالیٰ کی صفات جلوہ نما ہوں ۔

اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ ان تمام جہانوں کا اصل اور حقیقی مالک تو خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور جس کے قبضۂ اقتدار سے وہ باہر نہیں لیکن اس ملکیت کو اُس نے ایک طور پر اور نیابت

کے رنگ میں آگئے بحیثیتِ مجموعی انسان کے سپرد کیا ہے۔ پس اسلامی اصول کے لحاظ سے ملکیت دو قسم کی ہے۔ اصلی اور حقیقی ملکیت تو خدا تعالیٰ کی ہے مگر ظلی ملکیت اور تنفیذی حکومت بطور نائب کے بنی نوع انسان کی ہے پس چونکہ ملکیتیں دو قسم کی ہیں حقیقی اور ظلی اس لئے آگے نائب بنانے کے بھی دو ہی طریق ہو سکتے ہیں۔ ایک تو حقیقی مالک کا بنایا ہوا نائب ہوگا یعنی نبی اللہ اور ایک وہ نائب ہوگا جسے بنی نوع انسان نے اپنا نائب بنایا ہو یعنی حاکم وقت۔ مگر اسلام نے نیابت کی ایک تیسری صورت بھی پیش کی ہے اور وہ دونوں قسم کے مالکوں کی مشترکہ نیابت پر دلالت کرتی ہے اور اسی کو اسلامی اصطلاح میں خلیفہ کہتے ہیں۔ ایک جہت سے وہ مالک حقیقی کا بنایا ہوا نائب ہوتا ہے اور ایک جہت سے وہ ظلی مالکوں یعنی بندوں کا تسلیم کردہ حاکم ہوتا ہے۔ پس خلافت کے متعلق اسلامی نظریہ یہ ہے کہ خلیفہ بناتا تو خود خدا ہی ہے لیکن اس انتخاب یا تعیین میں وہ اُمتِ مسلمہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کرتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انتخاب بالواسطہ ہوتا ہے اور یہ واسطہ وہ اُمتِ مسلمہ ہے جو مضبوطی کے ساتھ اپنے ایمانوں پر قائم اور اپنے ایمان کے مطابق اعمال صالحہ بجا لانے والی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کے دلوں پر تصرف کر کے اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق خلیفہ کا انتخاب کرواتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب خلیفہ کا انتخاب اُمتِ مسلمہ کی رائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہو چکے تو پھر اُمتِ مسلمہ کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اس خلیفہ کو اپنی مرضی سے معزول کر سکے۔ اس لئے کہ یہ ایک مذہبی انتخاب تھا جو اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی کے ماتحت کیا گیا اور اس انتخاب میں الٰہی تصرف کا ہاتھ تھا۔ اور جسے خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہو اسے کوئی انسان معزول نہیں کر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے "عزل" کو خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب بھی وہ دیکھے کہ خلیفہ کے بدلنے کی ضرورت ہے وہ خود اُسے وفات دے دے گا اور اپنی مرضی اور تصرف کے مطابق اُمتِ مسلمہ کے ذریعہ نئے خلیفہ کا انتخاب کروا دے گا۔ پس روحانی خلفاء بندوں کے ہاتھوں معزول نہیں ہو سکتے۔ اور جو ایسا سمجھے اس کے اندر نفاق اور بے حیائی کا مادہ ہے۔ اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے بعض کمزور ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:۔

"مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی کی طاقت ہے کہ وہ معزول کرے" ——— "معزول کرنا تمہارے اختیار میں نہیں۔ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا اپنا کام ہے ——— پس مجھے اگر خلیفہ بنایا ہے تو خدا نے بنایا ہے اور اپنے مصالح سے بنایا ہے۔ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کر سکتی۔ اس لئے تم میں سے کوئی مجھے معزول کرنے کی طاقت نہیں رکھتا...... تم اس معاملہ کو خدا کے حوالہ کر دو۔ تم معزول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے..... میں پھر یاد دلاتا ہوں کہ قرآن مجید میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ اللہ ہی خلیفے بنایا کرتا ہے" ——— "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا

ہوں کہ مجھے بھی خدا ہی نے بنایا ہے جس طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے" ـــــ "مجھ کو نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا ہے اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر میں تھوکتا بھی نہیں اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی رِدا کو مجھ سے چھین لے۔" (بدر ۴؍ اور ۱۱؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

میرے مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ چونکہ روحانی خلیفہ کا معزول کرنا بلاواسطہ اور بلاشرکتِ غیرے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور گو نئے خلیفہ کے انتخاب میں اُمّتِ مُسلمہ کو ایک رنگ میں شریک کیا گیا ہے مگر اس انتخاب کے وقت بھی خدائی تصرّف سے اُسی کی مرضی پوری ہوتی ہے اس لئے ایک خلیفہ کی زندگی میں نئی خلافت کے متعلق سازشیں کرنا یا منصوبے باندھنا یا باتیں پھیلانا یا اِس ضمن میں کسی شخص کا نام لینا خواہ وہ شخص پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ اسلامی تعلیم کے صریحاً خلاف اور انتہائی بے شرمی اور بے حیائی کی بات ہے۔ اور پاک باز مومن اِس قسم کی منافقانہ اور خبیثانہ باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس قسم کا وہم اور خیال بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا اور اگر کسی منافق طبع کو وہ اِس قسم کی بات کرتے سُنتے ہیں تو سختی سے ایسے شخص کی باز پُرس کرتے ہیں۔

یہاں مَیں یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہمارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایک نہایت ہی شفیق باپ ہیں اور اپنی اولاد پر آپ کے بہت ہی احسان ہیں جن کا شمار بھی ہمارے لئے ممکن نہیں میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑا احسان جو آپ نے اپنی اولاد پر کیا وہ دعائیں ہیں جو آپ نے اپنی اولاد کے لئے کیں اور جماعت سے کروائیں۔ پھر ان دعاؤں میں سے بھی بڑی ہی پیاری یہ دعا ہے جو مَیں درج ذیل کرتا ہوں۔ حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں :-

"..... منافقین کہتے ہیں کہ مَیں اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں حالانکہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ اگر میری اولاد میں سے کوئی ایسا خیال بھی دل میں لائے گا تو وہ خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔ **پس مَیں تو کہتا ہوں کہ یہ بھی دعا کرو کہ میری اولاد کے دل میں بھی کوئی ایسا وسوسہ نہ ہو۔ اور خدا ان کے دلوں کو بھی پاک رکھے** کیونکہ جو خدا کا مال لینا چاہتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، یقیناً سزا پائے گا ...."

(الفضل یکم نومبر ۱۹۵۶ء)

خدا شاہد ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اور جماعت کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہمارے دلوں کو اِس قسم کے منافقانہ اور خبیثانہ وسوسوں سے پاک رکھا ہے اور دُعا ہے کہ وہ قادر و

تو انا خدا ہمیشہ ہی ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اور ہمارے دل اور دماغ کے دروازے شیطان اور اس کے چیلوں کے لئے کبھی نہ کھلیں۔ اور پھر یہ دعا ہے کہ اے ہمارے رب! اے ہمارے شافی خدا! ہم اپنے باپ اور اپنے امام کے اِن احسانوں کا بدلہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے کہ ہم کمزور ہیں۔ مگر تُو تو بڑی طاقتوں والا ہے تُو ہی اپنے فضل سے بہترین اور احسن جزا دے اور خود اپنے ہی دستِ شفاء سے آپ کو صحتِ کاملہ عاجلہ عطا فرما۔ اور اِس پاک و مطہر وجود، اِس محبت کرنے والے وجود، اور تیرے حضور ہمارے لئے گریہ وزاری سے دعائیں کرنے والے اِس پیارے وجود کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھ۔ یا ارحم الراحمین ✝

دائمی خلافت کا وعدہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

”سو اَے عزیزو! جبکہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کرکے دکھلاوے۔ سو اَب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سُنّت کو ترک کر دیوے۔ اِس لئے تم میری اِس بات سے جو مَیں نے تمہارے درمیان بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک مَیں نہ جاؤں۔ لیکن جب مَیں جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔“

(الوصیّت)

خدا ہی جس کو چاہتا ہے خلیفہ بناتا ہے

کوئی شخص منشاءِ الٰہی کے بغیر اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

الٰہی سلسلوں کی باگ ڈور خالصتاً خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہی ان کا حافظ و ناصر ہوتا ہے اور وہی خطرات میں سے کامیاب و کامران گزار کر منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اس کے مقابل پر دنیوی منصوبوں اور سکیموں کی بنیاد ہوشیاری، چالاکی، عقل و تدبّر اور وسائل پر ہوتی ہے اور ان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہیں وسائل میسّر ہوں، جو عقلمند اور مدبّر ہوں، جو ہوشیار اور چالاک ہوں اور ہر عقدہ کو ناخنِ تدبیر سے حل کرنے کے عادی ہوں۔ ان کی کامیابی کا تمام تر دار و مدار منصوبہ بندی پر ہوتا ہے۔ اُن کی دُور رس نگاہیں ہمیشہ عواقب پر ہوتی ہیں جن کے لئے وہ پہلے سے تیاری کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہوا کا رُخ دیکھتے اور اُس کے مطابق کام کرتے ہیں۔ مگر الٰہی سلسلوں میں یہ بات نہیں ہوتی۔ ایک مامور من اللہ ظاہری ساز و سامان کے بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کا پیغام پہنچانے کے لئے یکہ و تنہا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں کہ دنیا اُس کی مخالف ہوتی ہے، ظاہری اسباب مفقود ہوتے ہیں، ہوا کا رُخ مخالف ہوتا ہے اور حالات ناسازگار۔ وہ سوچی سمجھی سکیموں کے بغیر محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیتا ہے اور نتائج کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ ہر وہ ہر آن اُسی سے راہنمائی حاصل کرتا اور اُسی کی طرف جُھکتا ہے، ہر مشکل میں اُسی سے مدد چاہتا اور اُسی کی نصرت کا طالب ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے وقت ہمیں یہی منظر نظر آتا ہے۔ منصوبہ بندی کا کچھ بھی دخل ہوتا تو ایک گاؤں کی بجائے ایک بڑا شہر منتخب کیا جاتا جس میں ہر قسم کے وسائل میسّر ہوتے۔ انابت الی اللہ اور نیم شبی دعاؤں کی بجائے ظاہری اسباب کی کثرت نظر آتی جو کامیابی کی ضامن ہوتی۔ مگر آپ کی کامیابی کا دار و مدار ظاہری اسباب اور منصوبہ بندی پر نہیں بلکہ محض خدا تعالیٰ پر تھا جس نے ہر مشکل میں آپ کو تسلّی دی، ہر روک کو دُور کیا اور مخالف و نامساعد حالات میں آپ کو کامیاب اور بامراد کیا۔

یہی کیفیت ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ الودود میں نظر آتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی بیماری کو دیکھ کر بعض اربابِ حل و عقد نے ظاہری تدبیروں سے کام لیتے ہوئے جماعت میں یہ خیال پیدا کرنا چاہا

کہ صدر انجمن احمدیہ جو اہلِ علم اور با تدبیر اصحاب پر مشتمل تھی حاکم ہو اور خلیفہ محکوم۔ چنانچہ کبھی جلسہ سالانہ کی تقریروں میں اِن خیالات کی اشاعت کی کوشش کی تو کبھی اخبارات اور رسائل کے ذریعہ جماعت کو اس کی افادیت کا قائل کرنا چاہا۔ ہر قسم کے وسائل انہیں میسّر تھے مال و دولت، علم و فضل، وجاہت، اقتدار اور اثر و رسوخ مگر مخلصین جماعت ان کی باتوں میں نہ آئے اور انہوں نے حضرت المصلح الموعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی زیرِ قیادت بے سروسامانی کے عالم میں عبادت، ذکرِ الٰہی اور دعاؤں پر زور دیا۔ وہ ہر آن خدا کی طرف جھکے اور اُسی سے راہنمائی اور مدد چاہی۔
حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر حضور نے منکرینِ خلافت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اُن میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے تا کہ جماعت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور جماعت اختلاف و انشقاق سے بچی رہے۔ چنانچہ جب مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ جماعت میں اختلاف ہے اور وہ ایک ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں تو حضور نے اُس وقت اُنہیں یہی جواب دیا کہ وہ کسی کو بھی اپنے میں سے مقرر کر لیں حضور اُس کی بیعت کر لیں گے۔ بعد میں حضور نے حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب رضؓ سے اپنے اس جواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے مولوی صاحب (مولوی محمد علی صاحب) کو یہ جواب دیا کہ یہ بات درست نہیں کہ ہم میں ایسا اختلاف موجود ہے کہ کوئی فریق دوسرے کی بیعت کرنے کو تیار نہیں آپ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو مقرر کر لیں میں اس کی بیعت کرتا ہوں۔"

(اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صـ ۱۴۷)

مگر جماعت کے اخلاص کو دیکھ کر منکرینِ خلافت یہ باور کرنے کیلئے تیار نہیں تھے کہ حضور اور حضور کے رفقاء اُن میں سے کسی کی بیعت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے انہوں نے حضور کی اِس تجویز پر صاد نہ کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے وصال پر جب منکرینِ خلافت کے ساتھ اتحاد کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضور ایدہ اللہ اور دیگر مخلصینِ جماعت نے فیصلہ کیا کہ وہ معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے رات دعاؤں میں گزاریں گے اور نماز تہجد میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ اِس نازک موقع پر اپنی جماعت کی شیرازہ بندی کو قائم رکھنے کے خود سامان پیدا کر دے اور پھر اگلے روز روزہ رکھیں گے اور تمام وقت دعاؤں میں صرف کریں گے۔ حضور نے اور حضور کے ساتھ دیگر مخلصین نے ظاہری تدبیروں، منصوبہ بندیوں، سکیموں اور سازشوں کی بجائے سب کچھ اُس خدا پر چھوڑ دیا جس نے اپنے ہاتھ سے یہ پودا لگایا تھا اور جو اس باغ کا خود باغبان اور محافظ ہے۔ اِس نازک موقع پر مخلصینِ جماعت نے رو رو کر دعائیں کیں اور اُسی سے راہنمائی اور مدد کی درخواست کی۔

نمازِ عصر کے بعد احباب مسجد نور میں جمع ہوئے۔ منکرینِ خلافت نے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا کہ انتخابِ خلافت کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کر دیا جائے۔ یہ تجویز وابستگانِ خلافت کیلئے قابلِ قبول نہ تھی۔ انہوں نے اصرار کیا کہ تدفین سے قبل خلیفۃ المسیح کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ اِس پر منکرینِ خلافت وہاں سے اُٹھ گئے اور مخلصینِ جماعت نہایت جوش کے عالم میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی طرف بڑھے اور اصرار کیا کہ حضور اُن سے بیعت لیں۔ یہ سارا واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ حضور اس کے لئے

تیار نہ تھے۔ حضور ایدہ اللہ اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"عصر کی نماز پڑھ کر ڈیڑھ ہزار سے دو ہزار تک آدمیوں کے مجمع میں مکرمی خان محمد علی خان صاحب جاگیردار مالیر کوٹلہ نے بحیثیت حضرت خلیفہ اول رضؓ کے وصی ہونے کے مجلس میں آپ کی وصیت پڑھ کر سُنائی اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ آپ کی وصیت کے مطابق کسی شخص کو آپ کا جانشین تجویز کریں۔ اِسپر لوگوں نے میرا نام لیا جس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی اور کہا کہ میرے نزدیک بھی یہی خلیفہ ہونے چاہئیں۔ اسپر لوگوں نے شور کیا کہ بیعت لی جائے۔ مَیں نے اِس امر میں پس وپیش کیا اور باوجود لوگوں کے اصرار کے انکار کیا مگر لوگوں کا جوش اسی طرح زور پر تھا جس طرح حضرت ابو بکر رضؓ کے وقت میں اور وہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ اور بعض لوگوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کہ آپ بیعت لیں۔ مَیں نے پھر بھی پس وپیش کیا تو بعض لوگوں نے جو قریب بیٹھے تھے اصرار کیا کہ جماعت کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے آپ ضرور بیعت لیں۔ اور مَیں نے دیکھا کہ لوگ بیعت کے جوش سے اِس قدر بھرے ہوئے تھے اور آگے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ مَیں بالکل آدمیوں میں چھپ گیا اور اگر بعض لوگ ہمت کر کے میری پیٹھ کے پیچھے حلقہ نہ بنا لیتے تو قریب تھا کہ مَیں کچلا جاتا۔ مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور مَیں نے اسی بات کو عذر بنانا چاہا اور کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہیں ہیں۔ اسپر مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہا کہ مَیں الفاظِ بیعت دُہراتا جاؤنگا آپ بیعت لیں۔ تب مَیں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے اور اُس کے منشاء کو قبول کیا اور لوگوں سے بیعت لی" (آئینۂ صداقت صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)

خاکسار قارئین کرام کی توجہ اِس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ اہلِ پیغام اپنی تحریروں اور تقریروں میں حضور پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپ نعوذ باللہ خلافت کے منصب پر خود فائز ہونے کے لئے اُن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مگر حضور ایدہ اللہ کا یہ عالم ہے کہ حضور کو بیعت کے الفاظ تک یاد نہیں اور حضور اسی وجہ سے بیعت لینے میں پس وپیش کر رہے ہیں جیسا کہ حضور فرماتے ہیں :-

"مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور مَیں نے اسی بات کو عذر بنانا چاہا"

اگر اہلِ پیغام کی بات صحیح ہوتی اور یہ سب کچھ سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ہوا ہوتا اور حضور کے دل میں کبھی خلافت کے منصب پر فائز ہونے کا خیال تک بھی آیا ہوتا تو حضور ایدہ اللہ کو بیعت کے الفاظ تو ضرور یاد ہونے چاہیئے تھے۔ یہی ایک چھوٹی سی بات اِس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ حضور پُر نور کو دل میں اِس بات کا یقینِ واثق تھا کہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے خلیفہ بناتا ہے اور کسی سوچی سمجھی سکیم اور منصوبہ بندی سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے منشاء کے بغیر کبھی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ وھوا لمراد والمقصود ٭

اطاعتِ خلفاء

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

نبوت کے بعد خلافت ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

مَا کَانَتِ النُّبُوَّۃُ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْھَا خِلَافَۃٌ۔

یعنی کبھی کوئی نبوت قائم نہیں ہوئی مگر اس کے بعد خلافت ضرور قائم ہوئی ہے۔

گویا خلافت کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ ہمارا نبی اپنے مشن میں کامیاب ہوا ہے اور وہ مومنوں کی ایک جماعت چھوڑ گیا ہے جو ایک وحدت و تنظیم کی لڑی میں پروئی ہوئی ہے اور اپنے نبی متبوع کی امانت کی حامل ہے۔ خلافت وہ الٰہی انعام ہے جو مومنوں کی اس جماعت کو دیا جاتا ہے۔ خلافت نبی متبوع کی قومی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ خلفاء کے ذریعہ انوارِ نبوت زمانۂ دراز تک ممتد کئے جاتے ہیں۔ خلفاء اپنے نبی متبوع کے اظلال ہوتے ہیں اور اپنے آقا کی خالی کرسی پر ہی بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ان کی اطاعت کرنا اُسی طرح سے مومنوں پر فرض ہوتا ہے جس طرح ان پر انبیاء کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیث میں خلفاء کے جاری کردہ طریقوں کی پیروی مومنوں پر اپنی سُنّت کی اتباع کی طرح ہی فرض قرار دی ہے۔ عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ:۔

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْہُ الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْہُ الْقُلُوْبُ۔ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْھَدُ اِلَیْنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ

ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں نہایت ہی پُر اثر اور دلنشین وعظ کیا۔ جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل دھڑکنے لگے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں یہ الوداعی نصیحت فرما رہے ہیں۔ پس آپ فرمائیں کہ وہ کونسی بات ہے جس کی آپ ہمیں خاص طور پر تاکید

عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ
بَعْدِيْ فَيَرَى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ
بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ
الْمَهْدِيِّيْنَ فَتَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا
عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ
الْاُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ
بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۶)

فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ، احکام کے سُننے اور انکی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ یاد رکھو کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میری سنّت پر قائم رہو اور خلفاء راشدین جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوتے ہیں کی سُنّت پر قائم رہو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو بلکہ اپنی داڑھوں کے ذریعہ اُسے مضبوطی سے تھام لو۔ اور دین کے اندر نئے امور داخل کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز جو دین کے ایک لازمی حصّہ کے طور پر اختیار کی جائے گی وہ بدعت ہوگی اور ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد سے خلفاء کی اطاعت کی اہمیّت اظہر من الشمس ہے۔ بعض نادان اِس وسوسہ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کیا خلفاء غلطی نہیں کرسکتے؟ اور اگر کرسکتے ہیں تو قوم کا فرض ہے کہ وہ غلطی کی اصلاح کردے اور خلیفہ کو قال اللہ وقال الرسول پر گامزن رکھے حالانکہ خلفاء قال اللہ وقال الرسول کے تحت ہی احکام جاری کرتے ہیں۔ ان پر اعتراض کرنیوالے دراصل اس امر کے مدعی ہوتے ہیں کہ قال اللہ وقال الرسول کی وہ تشریح جو خلیفۂ وقت نے پیش کی ہے غلط ہے اور ہماری پیش کردہ تشریح درست ہے لہذا قوم کو بجائے خلیفۂ وقت کی اطاعت کے ہماری اطاعت کرنی چاہیئے۔ یہ نادان اُس وقت یہ امر فراموش کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ خلیفہ کی رائے اگر غلط ہو سکتی ہے تو ان غیر ہدایت یافتہ بیوقوف معترضین کی رائے بدرجہ اولیٰ غلط ہو سکتی ہے۔ اور اگر امکان یہ ہے کہ غلطی دونوں طرف سے ہو سکتی ہے تو پھر قومی اتحاد کی خاطر ہی خلیفہ کی اطاعت مومنوں پر فرض ہونی چاہیئے۔ ایسے لوگ دراصل ایک رنگ میں خود خلافت کے مدعی بن جاتے ہیں اور لوگوں کو خلیفۂ وقت کی اطاعت سے روگرداں کرکے اپنی رائے کا پابند کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل ایسے معترضین صرف جذباتی عدم توازن کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے اعتراضات خلفاء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ خلفاء اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سائے کے تلے ہوتے ہیں خلفاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي
ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ

یعنی اللہ تعالیٰ دین کی اُسی تشریح کو دنیا میں تمکنت بخشتا ہے جسے وہ خلفاء کے لئے پسند کرتا ہے

خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (سورۂ نور) اور ان کے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کرتا ہے۔

یہ وعدہ خلفاء کے ساتھ ہے اُن کے معترضین کے ساتھ یا قوم کے باقی ماندہ افراد کے ساتھ نہیں ہے۔

اس قسم کی وسوسہ اندازی کرنے والے اپنی رائے کی تائید میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو بھی پیش کرتے ہیں کہ اِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے وقت فرمایا تھا کہ اے مسلمانو! اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دیا کرنا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ کلام کسرِ نفسی کے رنگ میں ہے۔ کہتے ہیں کہ ع ہر کہ عارف تر است ترساں تر۔ کہ کاملین و عارفین زیادہ ڈرنے والے اور محتاط ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے قرآن کریم میں کلام کیا ہے جیسے کہ آتا ہے:۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا۔ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا۔ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (الاعراف: ۹۱)

یعنی جب حضرت شعیب علیہ السلام کو مخالفین نے دھمکی دی کہ ہم تجھے اپنے مذہب میں لوٹ آنے پر مجبور کر دیں گے تو انہوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ بھی آئیں (تو اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ تم سچے ہو بلکہ یہ ہوں گے) کہ جب ہم ایمان لائے تھے تو ہم نے اللہ پر جھوٹا افتراء کیا تھا اور ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اِس (پہلے مذہب) کی طرف لوٹیں سوائے اسکے کہ اللہ کی جو ہمارا رب ہے ایسی مشیت ہو۔ ہمارا رب ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔

اب دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ بُت پرستی کا حکم دے اور نہ ہی خدا تعالیٰ کے کسی نبی کے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دینِ حق سے ارتداد اختیار کرے۔ پس یہ کسرِ نفسی کا کلام ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام اِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ بھی اِسی قبیل سے ہے۔ یا پھر اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر تمہاری نگاہ میں میں کوئی غلط پالیسی اختیار کروں تو تم اپنی طرف سے اصلاحی تدبیر عمل میں لے آیا کرو یعنی مجھے اس کی طرف توجہ دلایا کرو۔ اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مقام سے دستبردار ہوتا ہوں اور تمہاری اصلاحات کے تابع ہوں۔ چنانچہ عملاً حضرت ابوبکرؓ نے ایسا ہی کر دکھایا۔ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ سمیت تمام صحابہؓ اس امر پر متفق تھے کہ لشکرِ اُسامہؓ کو مدینہ میں روک لیا جائے اور قیصرِ روم سے جنگ شروع کرنے کے لئے اسے روانہ نہ کیا جائے۔ اُن کے اس مشورہ کی بنیاد یہ تھی کہ چونکہ مدینہ پر یورش ہو رہی ہے پہلے اسے فرو کرنا ضروری ہے۔ صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا نمائندہ بنایا اور اُن کے ذریعہ یہ امر حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اُن کے اس مشورہ کو ہاں اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متفقہ مشورہ کو سختی سے رد کر دیا اور

فرمایا کہ :-

"ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ یا ملتوی کر دے۔ خدا کی قسم اگر باغی مدینہ میں گھس آئیں اور مسلمان عورتوں کی لاشوں کو کُتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اِس لشکر کو نہیں روکوں گا"

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ خلیفۂ وقت کی رائے ہی صائب تھی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے بلانے پر بول رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس کے قلب پر نازل ہو رہی تھی۔ یہ مقام باقی صحابہ کو اُس رنگ میں حاصل نہ تھا۔

اب دیکھ لیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کس رنگ میں اپنے خلفاء کی اطاعت کی اور اس کے کیسے عظیم الشان نتائج برآمد ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کا سیلاب معلوم دنیا کے کناروں سے ٹکرانے لگا۔ اس کا ایک سرا مملکتِ چین کی سرحدوں سے ٹکرا رہا تھا تو دوسرا سرا فرانس کے جنوبی پہاڑوں کو ٹھوکریں مار رہا تھا۔ یہ سب کرشمہ ایک ہاتھ پر جمع ہونے کا تھا۔

خلافتِ احمدیہ کو بھی دیکھ لیں کہ ۱۹۱۴ء کے بعد انجمن انجمن، جمہوریت جمہوریت کا نعرہ لگانے والے کس طرح ناکام و نامراد رہے اور خلافتِ احمدیہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح احمدیت کو اکنافِ عالم میں پھیلا دیا۔ دسمبر کے آخری دنوں میں جماعتِ احمدیہ کے مرکز ربوہ کے جلسۂ سالانہ کا منظر بھی دیکھو اور پھر منکرینِ خلافت کے جلسہ سالانہ لاہور کا نظارہ بھی دیکھو۔ شاید آپ کو وہاں وہ نظارہ بھی نظر نہ آئے جو لاہور میں ہی ہر جمعہ کے روز احمدیہ "دارالذکر" میں نظر آتا ہے۔ جماعت کے بجٹ کی ایزادی کی رفتار کو ہی دیکھو کس طرح سال بسال بڑھتا چلا گیا، پھر کس طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم پھیلائے گئے، یورپ میں اور دوسرے بیرونی مقامات پر مساجد تعمیر کی گئیں، مخلصین کی جماعتیں قائم ہوئیں اور برابر ہو رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہوا ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں۔ جماعتِ مبایعین کی رفتارِ ترقی اور روز افزوں کامیابی کو دیکھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی نصرت کا ہاتھ حامیانِ خلافت پر ہے یا منکرینِ خلافت پر؟

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی پچاس سالہ خلافت کے واقعات ایک ایک کرکے خلافت کی برکات کو آشکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ جماعتِ احمدیہ کو قیامت تک اپنے خلفاء کی اِسی طرح سے اطاعت کرنے کی توفیق دیتا چلا جائے تا جماعت ہمیشہ افضالِ خداوندی اور شآبیبِ رحمت کی وارث ہوتی چلی جائے۔ آمین۔ ثم آمین برحمتك یا ارحم الراحمین +

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک دردمندانہ دُعا

خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک میں اُسکی قبولیّت کا عملی ظہُور

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکمیلِ اشاعتِ اسلام کی غرض سے دنیا میں مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کی تمام تر جدوجہد کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ اسلام دنیا میں غالب آئے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے ضمن میں آپ کو ایک بہت گرم جوش فطرت عطا فرمائی تھی۔ آپ کی ایک ہی تمنّا اور ایک ہی خواہش تھی کہ اسلام کا پیغام دُنیا کے کناروں تک پہنچے اور وہ کروڑوں کروڑ لوگ جو ابھی تک مُردہ پرستی کی تاریکی میں بھٹک رہے ہیں اِس تاریکی سے باہر آئیں اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہو کر اپنے سینہ و دل کو ہدایت کے نور سے منوّر کریں۔

چونکہ اسلام پر سب سے زیادہ اعتراض یورپ کی طرف سے کئے گئے تھے اس لئے یورپ کی طرف آپ کو خاص توجہ تھی اور آپ چاہتے تھے کہ اہلِ یورپ پر اسلام کی خوبیاں واضح کی جائیں تا اُنہیں سچے خدا کی معرفت نصیب ہو۔ اِس غرض کے پیشِ نظر آپ نے اپنی کتاب "ازالۂ اوہام" کے آخر میں "اسلام کو یورپ و امریکہ میں پھیلانے کی احسن تجویز" کے زیرِ عنوان ایک بصیرت افروز نوٹ رقم فرمایا جس میں آپ نے یورپ میں اسلامی لٹریچر کو پھیلانے کی اہمیت پر بہت زور دیا۔ مزید برآں اِسی تعلق میں آپ نے بدرگاہِ ربّ العزّت دردِ دل کے ساتھ ایک خاص دعا بھی مانگی اور پوری مداومت کیساتھ تمام عمر یہ دعا مانگتے رہے۔ دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یورپین لوگوں میں سے کسی ایسے دردمند شخص کو قبولِ اسلام کی توفیق دے کہ جو اسلام کو پورے طور پر سمجھنے اور اس پر عامل ہونے کے بعد خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور پھر اپنے ہموطنوں کو اسلام کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے اپنی اِس دلی تمنّا اور دردمندانہ دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

> "ہم ہمیشہ یہ دعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اِس سلسلہ کے لئے زندگی کا حصّہ وقف کرے۔ لیکن ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری اصول سیکھ لیوے جن سے اہلِ اسلام پر سے ہر ایک داغ دُور ہو سکتا ہے اور وہ تمام قوت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے جن سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ تب وہ دوسرے ممالک میں جاکر اِس خدمت کو ادا

کر سکتا ہے۔ اِس خدمت کے برداشت کرنے کے لئے ایک پاک اور قوی رُوح کی ضرورت ہے جس میں یہ ہوگی وہ اعلیٰ درجہ کا مفید انسان ہوگا اور خدا کے نزدیک آسمان پر ایک عظیم الشان انسان قرار دیا جائے گا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۱، ۴۲ مورخہ ۲۹ اکتوبر و ۸ نومبر ۱۹۰۳ء)

ہر چند کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارک میں ہی آپ کے اشتہاروں اور کتب وغیرہ کے ذریعے اسلام کا پیغام یورپ و امریکہ میں پہنچنا شروع ہو گیا تھا اور بعض یورپین باشندوں نے اسلام قبول بھی کر لیا تھا تاہم خدائی فیصلے کے بموجب یورپ و امریکہ میں اسلام کی باقاعدہ اور منظم تبلیغ کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے موعودہ عہدِ خلافت میں ہونا مقدّر تھا۔ چنانچہ ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک کے گزشتہ پچاس سالوں میں احمدیہ مشنوں کے قیام اور عالیشان مساجد کی تعمیر کے ذریعہ غلبۂ اسلام کی راہ جس شان سے ہموار ہوئی ہے اور مغرب کے قریباً ہر ملک میں مخلص، درد مند اور فدائی قسم کے نومسلم احمدیوں کی جماعتوں کا قیام عمل میں آیا ہے وہ ایک ایسی مبرہن حقیقت ہے جس سے اپنے اور پرائے سب واقف ہیں اور ایک زمانہ اس کا قائل و معترف ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ خلافتِ ثانیہ کے بابرکت دَور میں حضور علیہ السّلام کی مذکورہ بالا دردمندانہ دعا کی قبولیّت کا عملی ظہور بھی اِس شان سے ہوا ہے کہ جس کے تصوّر سے روح پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے تو آج سے ساٹھ سال قبل اللہ تعالیٰ کے حضور یورپین لوگوں میں سے پاک اور قوی روح والے ایک ایسے فرد کے آگے آنے کی دعا کی تھی جو خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی کا ایک حصّہ وقف کرے اور صداقتِ اسلام کے دلائل سیکھ کر وہاں کے ملکوں میں دیوانہ وار اسلام پھیلائے لیکن خدا تعالیٰ حضور کی اِس دعا کو شرفِ قبول سے نوازا کہ خلافتِ ثانیہ کے مبارک دَور میں ایک نہیں بلکہ یورپ کے کئی ایسے درد مند اور مخلص نوجوانوں کو اسلام کی آغوش میں کھینچ لایا ہے جنہوں نے خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں اور جنہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے صداقتِ اسلام کے دلائل پر عبور حاصل کیا ہے اور جو اَب مغربی ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ بڑی کامیابی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ ان کی زندگیاں اسلام کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اور انہوں نے اپنے اوقاتِ عزیز کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ذیل میں ہم حضور علیہ السّلام کی دردمندانہ دعا کی قبولیّت کے ثبوت میں ایسے تین نہایت مخلص اور فدائیِ اسلام یورپین نومسلموں کا ذکر کرتے ہیں جو خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کے بعد باقاعدہ مبلّغینِ اسلام کے طور پر نہایت اہم خدمات بجا لا رہے ہیں۔ یہ تینوں یورپین

واقفینِ زندگی حضور علیہ السّلام کی دردمندانہ دعاہی کا ثمرہ ہیں اِن میں سے ہر ایک اسلام اور احمدیت کی صداقت کے ایک زندہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے اور بلا شُبہ ایسا خوش بخت و خوش نصیب ہے کہ پاک اور قوی روح رکھنے کے باعث خدا تعالیٰ کے نزدیک آسمان پر عظیم الشان انسان قرار پائے۔ یورپین واقفینِ زندگی کا یہ تذکرہ کسی قدر تصرف کے ساتھ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو آپ نے جلسۂ سالانہ ۱۹۶۲ء کے موقع پر فرمائی تھی اور جو "جماعتِ احمدیہ کا تبلیغی نظام اور اس کے نتائج" کے زیرِ عنوان ٹریکٹ کی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔

یورپ کے اِن خوش بخت و خوش نصیب واقفینِ زندگی میں سے سرِ فہرست ہمارے برطانوی نژاد نومسلم احمدی بھائی مبلّغِ اسلام مسٹر بشیر احمد آرچرڈ کا نام آتا ہے۔ قبولِ اسلام میں اپنی سبقت اور نمایاں خدمات کی وجہ سے وہ اِس بات کے مستحق ہیں کہ سب سے پہلے انہی کا ذکر کیا جائے۔ ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ برما فرنٹ پر وہ چودھویں انڈین آرمی میں ایک ذمہ دار افسر کے طور پر جنگ میں حصّہ لے رہے تھے۔ اسی دوران میں انہیں دو ہفتہ کی چھٹی ملی۔ وہ اِس شش و پنج میں تھے کہ اپنی یہ رخصت کہاں جا کر گزاریں۔ ایک احمدی حوالدار کلرک (جناب عبد الرحمٰن صاحب دہلوی) نے انہیں قادیان جانے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو وہ ٹالتے رہے مگر ان کے بار بار ترغیب دلانے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے رخصت کے یہ ایام قادیان میں گزارے۔ وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ دیکھا اور جو اثر قبول کیا اسے انہوں نے خود قلمبند کیا ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:-

"قادیان نے مجھ پر ایک گہرا اثر کیا۔ کیونکہ یہاں مَیں نے اسلام کو اِس رنگ میں دیکھا جیسا کہ مَیں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس بستی اور اس بستی میں رہنے والوں کے نیک اور پاک اثر نے میرے دل کو موہ لیا۔ مجھے اُس وقت تک اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کا کوئی علم نہ تھا اس لئے اسلامی تعلیم کی کوئی خوبی اُس وقت مجھ پر اثر انداز نہ ہوئی۔ البتہ اِس درخت کے پھلوں کی مٹھاس نے بے اختیار مجھے اپنی طرف جذب کر لیا کیونکہ ایسا میٹھا پھل مَیں نے کسی اَور مذہب کے درخت پر نہ دیکھا تھا۔ اِس مختصر سے قیام میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہُوا۔ مجھے ایسا محسوس ہُوا کہ گویا مَیں ایک آسمانی وجود کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ بیشک وہ اِس دُنیا ہی کے رہنے والے تھے لیکن باوجود اس کے وہ کسی اَور دُنیا کے وجود معلوم ہوتے تھے۔"

قادیان کے روحانی ماحول میں اِس مختصر قیام کے دَوران ہی اسلام کی صداقت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ وہ ایک بدلے ہوئے انسان کی طرح اُس روحانی ماحول کی مقدّس یاد ساتھ لئے وہاں سے واپس جا کر فوج میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے۔ بعد ازاں وہ فوج سے فارغ ہو کر دوبارہ قادیان آئے اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام قبول کیا بلکہ اپنی زندگی بھی خدمتِ اسلام کی خاطر وقف کر دی۔ قادیان میں رہ کر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دلی آرزو کے عین مطابق

وہ تمام ضروری اصول سیکھے جن سے اہلِ اسلام پر سے ہر ایک داغ دُور ہو جاتا ہے اور وہ تمام قوت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سیکھے جن سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہو جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے اور خدمتِ اسلام کے لئے زندگی وقف کرنے کے بعد اُن کی ہستی پر ایسا ہمہ گیر انقلاب آیا کہ ان کی یکسر کایا پلٹ گئی۔ اب عباداتِ الٰہی اور دعاؤں میں شغف کے علاوہ اوامر و نواہی پر عمل درآمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی اتباع ان کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر غیر معمولی فضل کیا اور انہیں رویا وکشوف کی نعمت سے نوازا۔ پہلے تو چند سال تک انہوں نے مرکز کی زیرِ ہدایت اسکاٹ لینڈ میں فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔ پھر انہیں جنوبی امریکہ کے ملک برٹش گی آنا میں بطور مبلغ متعین کیا گیا۔ چنانچہ گزشتہ کئی سال سے آپ وہاں نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کر رہے ہیں اور ان کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دردمندانہ دُعا کا ایک اور ثمرہ سویڈن کے مسٹر سیف الاسلام محمود ایرکسن ہیں۔ یہ بھی اپنے اخلاص نیکی تقویٰ اور للّٰہیت میں اپنے ہم ملکوں کے لئے ایک نمونہ ہیں۔ یہ سکنڈے نیویا کے ممالک (ناروے، سویڈن، ڈنمارک اور فن لینڈ وغیرہ) میں سب سے پہلے احمدی مسلمان ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ علاج کی غرض سے یورپ تشریف لے گئے تو انہوں نے لنڈن میں حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۹۵۶ء میں جب سویڈن میں مشن کھولا گیا تو ۱۸ سال کی عمر میں سب سے پہلے بیعت کر کے السابقون الاولون میں شامل ہونے کا خصوصی شرف ان کے حصہ میں آیا۔ ان کے اخلاص و عقیدت کا ثبوت ایک واقعہ سے ملتا ہے جو اگرچہ بظاہر معمولی سا واقعہ ہے لیکن اسے بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جب ۱۹۵۷ء میں محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر احمدیہ مشنوں کے دَورہ پر یورپ تشریف لے گئے اور اس سلسلہ میں سویڈن بھی گئے تو اُس وقت وہ فوج میں جبری فوجی تعلیم کا کورس کر رہے تھے اور اُن دنوں میں کسی کو رخصت ملنا تقریباً ناممکن تھا۔ لیکن وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ صاحبزادہ صاحب سویڈن تشریف لائیں اور وہ ان کے ساتھ ملاقات کے شرف سے محروم رہیں۔ چنانچہ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود یہ درخواست پیش کر کے کہ ہمارا ایک مذہبی لیڈر آرہا ہے اور میرے لئے اُس سے ملنا بہت ضروری ہے اپنے افسران سے رخصت حاصل کر لی اور اس طرح ایک دن محترم صاحبزادہ صاحب موصوف کے ساتھ گزارا۔

اسی طرح فوجی تعلیم کے دوران اسلامی تعلیم پر کماحقہٗ عمل پیرا ہونا بظاہر ان کے لئے ممکن نظر نہ آتا تھا لیکن انہوں نے اپنے اِس امتیاز کو برقرار رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ پہلی دقت یہ تھی کہ اس ٹریننگ کے دوران حلال گوشت میسّر آنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سب فوجیوں کو ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھانا پڑتا تھا اور اُس میں اکثر و بیشتر سؤر کا

گوشت ہوتا تھا۔ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ اس تمام عرصہ میں محض سبزیوں پر ہی گذارا کرتے رہے اور حرام گوشت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ دوسری دقت نمازوں کی ادائیگی کے لئے رخصت حاصل کرنا تھی کیونکہ سویڈن کی فوج میں پہلے کبھی ایسی ضرورت پیش نہ آئی تھی اور کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا جس کی رو سے ان کو ایسی رخصت دی جا سکتی لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور نمازوں کی ادائیگی کے لئے رخصت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہے بالآخر ان کی یہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش ہوئی اور بادشاہ نے پہلے اور منفرد کیس کے طور پر انہیں پنجگانہ نمازوں اور عید کے لئے رخصت کی خصوصی منظوری عطا کی۔ سویڈن کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی مسلمان شہری نے ایسا مطالبہ کیا ہو اور پھر وہ مطالبہ منظور بھی ہو گیا ہو۔ اتنی کمسنی میں ایک یورپی نوجوان کا جس کا سارا ماحول عیسائی ہے اسلام قبول کرنا اور پھر اسلامی تعلیمات پر اس سختی سے عمل پیرا ہونا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دردمندانہ دعا کا ثمرہ اور حضورؑ کے انفاس قدسیہ کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔

فوج کا کورس مکمل کرنے کے بعد مسٹر سیف الاسلام محمود ایرکسن نے خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر ڈالی اور باقاعدہ جماعت کے ایک آنریری مبلغ کے طور پر تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ وہ ایک رسالہ بھی نکالتے ہیں جس کا نام "ایکٹو اسلام" (Active Islam) ہے۔ یہ سکنڈے نیویا کی تین زبانوں سویڈش، نارویجین اور ڈینش میں شائع ہوتا ہے۔ اور باقاعدگی سے نکل رہا ہے۔ یہ دوست خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی بھی ہیں نماز اور روزہ کے علاوہ تہجد گزار اور دعاؤں میں شغف رکھنے والے ہیں۔ یہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ملاقات نیز قادیان اور ربوہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے ۱۹۶۳ء کے اوائل میں یہاں بھی آئے تھے چنانچہ انہوں نے رمضان کا بابرکت مہینہ ربوہ اور قادیان میں گزارا اور مرکزِ سلسلہ میں رہ کر اس ماہ مبارک کی خصوصی برکات سے مستفیض ہوئے عید الفطر مناتے کے بعد وہ اپنے وطن واپس تشریف لے گئے اور اب پہلے ہی کی طرح وہاں تبلیغی مہمات میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

یورپ کے تیسرے خوش بخت و خوش نصیب نو مسلم احمدی نوجوان جنہوں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دردمندانہ دعا کی قبولیت کے ایک عظیم الشان نشان کے طور پر اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کی ہوئی ہے ڈنمارک کے مسٹر عبد السلام میڈسن ہیں۔ وہ اپنے ملک کے ابتدائی احمدیوں میں سے ہیں۔ ان کے والد کلیسیائے ڈنمارک کے ایک ممتاز پادری ہیں اور ان کے ماموں عدن میں عیسائی مشنری کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ عیسائیت بچپن ہی سے اُن کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ایک پادری کے طور پر اپنی زندگی عیسائیت کی خدمت میں بسر کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض کے پیشِ نظر انہوں نے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کالج

میں داخلہ لیا اور مذہبی تعلیم کے حصول میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا جس نے اُن کی زندگی کے رُخ کو یکسر موڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یوں کہ خود اُن کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ترجمۃ قرآن کریم کا ایک نسخہ حاصل کر کے اُس کا بغور مطالعہ کیا۔ قرآنی تعلیم کی مقناطیسی قوت نے ان کی سعید روح کو ایسا جذب کیا اور وہ اس کے حسنِ دل افروز سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عیسائیت پر سے ان کا ایمان یکسر اُٹھ گیا۔ وہ جس مذہبی کالج میں پادری بننے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے انہوں نے اُس کے پرنسپل کو لکھا گو میں ابھی تک مسلمان تو نہیں ہوا ہوں لیکن قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد میں واضح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ عیسائیت پر سے میرا ایمان اُٹھ چکا ہے لہذا میرا استعفاء منظور کر لیں۔

کالج میں عیسائیت کی تعلیم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ اسلام کے گہرے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران میں جب جماعت احمدیہ نے ڈنمارک میں مشن کھولا اور پہلا مبلغ وہاں پہنچا تو انہوں نے اُس سے رابطہ قائم کر کے اسلام کے متعلق اور زیادہ معلومات حاصل کیں۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا جس میں نبوت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلافت کے مسائل پر بھی باہم تبادلہ خیالات ہوا۔ اس خط و کتابت کے دوران انہوں نے ایک خواب دیکھا جس کی بناء پر انہوں نے احمدیت قبول کر لی اور اس کے بعد سے بڑے جوش اور استقلال سے غیر مسلموں، غیر از جماعت مسلمانوں اور غیر مبایعین میں تبلیغ شروع کر دی۔ اس تبلیغی جدوجہد کے نتیجہ میں انہوں نے عیسائیوں سے "پست اخلاق" غیر از جماعت مسلمانوں سے "متعصب" اور غیر مبایعین سے "گمراہ" کے خطاب پائے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی تبلیغی مساعی میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اُن کی زبان میں اس قدر تاثیر عطا کی اور اُن کی مساعی میں ایسی غیر معمولی برکت ڈالی کہ جلد ہی اُن کے گرد مخلص اور فعّال نو احمدیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی اور اس قدر نیک شہرت اُن کو ملی کہ بالآخر بڑے بڑے عیسائی علماء نے علی الاعلان ان کے حسنِ اخلاق اور نیک مساعی کی تعریف کی۔ احمدیت کے ساتھ میڈسن صاحب کے اخلاص و محبت اور حسنِ عقیدت کا یہ عالم ہے کہ ان کا کوئی لیکچر بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے خالی نہیں ہوتا۔

میڈسن صاحب کو خدمتِ قرآن کا بھی خدا تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا۔ انہوں نے پہلے عربی پڑھی اور پھر قرآن شریف کے اکثر حصہ کا تفسیر کے ساتھ ڈینش زبان میں ترجمہ کیا جس کے اس وقت تک سات پارے چھپ چکے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی ہیں اور دوسرے چندوں میں بھی اس قدر حصہ لیتے ہیں کہ اُن کی تنخواہ کا بیشتر حصہ چندوں اور تبلیغی سفروں میں ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ نیز دفتری اوقات کے علاوہ اُن کا اکثر وقت تبلیغِ اسلام اور دوسرے دینی کاموں کے لئے ہی وقف رہتا ہے۔ انہوں نے متعدد ممالک کا دورہ بھی کیا ہے۔ اپنے اس دورہ کے سلسلہ میں جب وہ قاہرہ پہنچے تو انہوں نے شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت مرحوم سے بھی ملاقات کی اور جماعتِ احمدیہ کے عقائد

کے بارہ میں اُن سے تبادلۂ خیالات کیا۔ شیخ الازہر کے ساتھ اُن کی یہ گفتگو (جو اکتوبر ۱۹۶۲ء کے ماہنامہ "انصاراللہ" میں شائع ہو چکی ہے) اس امر کی آئینہ دار ہے کہ بفضل اللہ تعالیٰ انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے بنیادی نظریات پر بڑا عبور حاصل ہے اور وہ دنیائے اسلام کے بڑے سے بڑے عالم کے ساتھ بھی ان کے متعلق پورے اعتماد اور کامیابی کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کی ہوئی ہے فی الحال وہ ڈنمارک میں اعزازی مبلّغ کے طور پر خدمات بجا لا رہے ہیں۔ وہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۳ء کے موقع پر ربوہ بھی تشریف لائے تھے اور جلسہ میں شمولیت کی غیر معمولی سعادت کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ملاقات سے بھی مشرف ہوئے۔

ہم نے طوالت کے ڈر سے یہاں یورپ کے صرف تین ایسے نہایت مخلص اور پُرجوش احمدی نومسلموں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں اور جو باقاعدہ سلسلہ کے مبلّغین کی حیثیت سے مغرب میں اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بہت محنت اور جانفشانی سے ادا کر رہے ہیں ورنہ یورپ کے ہر ملک میں جہاں احمدیہ مشن قائم ہے اور بہت سے مخلص نومسلم موجود ہیں احمدیت اور اسلام کے ساتھ جن کی محبت اور جن کا جذبۂ قربانی و فدائیت قابلِ رشک ہے اور جنہوں نے باقاعدہ وقفِ زندگی نہ ہونے کے باوجود خدمت و اشاعتِ اسلام کے لئے عملاً اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے سوئٹزرلینڈ کے مسٹر عبدالرشید نوگل، ہالینڈ کی مسز ناصرہ زمرمن، جرمنی کے مسٹر عبدالکریم ڈنکر، اور مسٹر عمر ہاؤفر، آسٹریا کے ڈاکٹر ایرک سیبڈلر، یوگوسلاویہ کے مسٹر مدحت ابراہیم، ناروے کے مسٹر نور احمد بولستاد، اور انگلستان کی مسز علیمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

یہ اسلام و احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ السلام کے ضمن میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دردمندانہ دعا کی شکل میں اپنی اس دلی آرزو اور تمنّا کا اظہار کرتے ہیں کہ یورپ میں سے کوئی ایسا شخص اسلام قبول کرے جو یہاں آکر صداقتِ اسلام کے قوت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سیکھے اور پھر اپنی زندگی کا ایک حصہ خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر کے مغربی ممالک میں اسلام پھیلائے۔ اس دعا پر ساٹھ سال کا عرصہ گذرنے کے بعد خلافتِ ثانیہ کے بابرکت دور میں یورپ کے ایک نہیں تین ایسے مخلص اور فدائی نومسلم احمدی نوجوان آگے آتے ہیں کہ جو خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر کے مغربی دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ دیوانہ وار ادا کر دکھاتے ہیں اور پھر حضور علیہ السلام کی خواہش کے مطابق وہ مرکزِ سلسلہ میں آکر دینی علم حاصل کرنے کے علاوہ اس کی برکات سے بھی مستفیض ہوتے ہیں۔ پھر یہی نہیں یورپ میں درجنوں اخلاص و عقیدت اور قربانی و ایثار کے مجسّمے

ایسے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو باقاعدہ واقفینِ زندگی نہ ہونے کے باوجود عملاً خدمتِ اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر ڈالتے ہیں اور وہاں ان سب کی قابلِ قدر مساعی کے نتیجہ میں ایک خوشکن روحانی انقلاب رونما ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ کیا نعوذ باللہ کسی مفتری کی دعائیں یہ اثر ہو سکتا ہے کہ وہ اس قدر غیر معمولی طور پر شرفِ قبولیت سے نوازی جائے۔ بلاشبہ یورپ کے یہ سب نومسلم احمدی نوجوان قوی اور پاک رُوح رکھنے کے باعث اللہ تعالیٰ کی قدرت و جلال کے زندہ و تابندہ نشان ہیں اور احمدیت کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح دنیا پر آشکار کر رہے ہیں۔ بے شک یہ ابھی تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دردمندانہ دُعا ابھی اَور رنگ لائے گی اور یورپ کے ہزاروں نومسلم احمدی نوجوان وہاں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

پھر یورپ کے اِن واقفینِ زندگی کے وجودوں سے خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک کی عظمت و جلالتِ شان کا بھی کچھ کم اظہار نہیں ہوتا۔ یہ دَور بہت ہی مبارک و مقدس اور خدائی تائید و نصرت کے پیہم نزول کا دَور ہے۔ غلبۂ اسلام کے خدائی وعدوں کی تکمیل اسی دَور کے ساتھ وابستہ تھی چنانچہ گزشتہ پچاس سال سے ہم ان وعدوں کو درجہ بدرجہ پورا ہوتا دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ اِسی ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دردمندانہ دعا کی قبولیت کا عملی ظہور جس کے نتیجہ میں یورپ کے نومسلم احمدی نوجوانوں نے خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر کے خدمت و فدائیت کا ایک نیا ریکارڈ قائم کر دکھایا ہے ہمارے لئے اَور بھی زیادہ ازدیادِ ایمان کا موجب ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ بابرکت و مقدّس دَور اپنی عظیم الشان برکات اور غیر معمولی آسمانی تائیدات کے ساتھ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ اسلام باقی دنیا کے ساتھ ساتھ پورے یورپ پر بھی غالب آجائے۔

اٰمین یا ارحم الراحمین +

قرار دادِ تعزیت

ہم جملہ ممبرانِ مجلس انصار اللہ منٹگمری چوہدری محمد تقی صاحب بیرسٹر ابن حضرت نواب محمد دین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عالمِ جوانی میں وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نواب زادہ صاحب مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے اور ہر آن سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین۔

(شریکِ غم۔ ممبران مجلس انصار اللہ منٹگمری)

سلسلۂ احمدیہ کے ایک ممتاز خادم اور مستجاب الدعوات بزرگ کی رحلت!

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

یہ امر بہت افسوسناک ہے کہ اس سال کے اوائل میں سلسلۂ احمدیہ کے ایک اور ممتاز خادم اور مستجاب الدعوات بزرگ یعنی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئے۔ حضرت مولانا صاحب رضؓ نے بقضائے الٰہی ۱۶ اور ۱۷ مارچ کی درمیانی رات بعمر ۹۱ سال رحلت فرمائی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا صاحب مرحوم صاحبِ رؤیا و کشوف اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض صحبت کے نتیجہ میں آپ کو بھی حضور علیہ السلام کے عظیم روحانی ورثہ سے حصّہ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ نے حضورؑ کی صحبت میں رہ کر انوار و برکات الٰہی کو کچھ اس طرح اپنے اندر جذب کیا تھا کہ آپ کا وجود بھی اپنے رنگ میں خدا نما وجود بن گیا تھا۔ اسی لئے آپ کی دعائیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت مقبول تھیں۔ لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ بلا تفریق و امتیاز ہر ایک کے لئے ہی فوراً ہاتھ اٹھا کر اس قدر درد و الحاح سے دعا کرتے کہ دعا میں شامل ہونے والوں پر بھی سوز و گداز اور رقت کی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔ پھر میدانِ تبلیغ میں آپ نے جو کارہائے نمایاں سر انجام دیئے وہ آنیوالی نسلوں کیلئے مشعلِ راہ کا کام دیں گے۔ بالخصوص یہ کارنامہ تو سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک کے قلیل عرصہ میں علاقہ سندھ میں جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کو امیر التبلیغ مقرر فرمایا تھا آپ کے ذریعہ بتوفیق و تائیدِ الٰہی ساٹھ کے قریب نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ میدانِ تبلیغ میں یہ نمایاں کامیابی دراصل اُس تعلق باللہ ہی کا نتیجہ تھی جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیض صحبت سے آپ کو حاصل ہوا تھا۔

سلسلہ احمدیہ کے ایسے ممتاز خادم اور ایسے عالم باعمل اور مستجاب الدعوات بزرگ کی رحلت بلاشبہ ایک قومی نقصان ہے۔ ادارہ "انصار اللہ" حضرت مولانا صاحب رضؓ کی وفات پر دلی رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ، آپ کے فرزندان اور دختران سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب مرحوم کے جنّت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں خاص مقامِ قرب سے نوازے۔ آپ کے پسماندگان کا دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو اور جماعت کی نئی پود کو اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تعلق باللہ میں ترقی کرنے اور خدماتِ سلسلہ کا نہایت شاندار ریکارڈ قائم کر دکھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔

بچوں کا صفحہ

مسرّت کی راتیں خوشی کے ہیں دن

آج کل کے دن بہت خوش ہونے اور خوشی منانے کے دن ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴ مارچ ۱۹۶۴ء کو ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خلافت پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال شروع ہو چکا ہے۔ حضور ایدہ اللہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔ اس دن سے اگر سال شمار کرنے شروع کریں تو سال بسال ایک دو تین اور اس سے آگے ہی آگے گنتی گننے سے ۱۴ مارچ ۱۹۶۴ء کو ٹھیک پچاس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو پیچھے ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء سے ۱۴ مارچ ۱۹۱۵ء تک ایک سال۔ ۱۴ مارچ ۱۹۱۵ء سے ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء تک دو سال اور اسی طرح سال بسال آگے گنتی گن کر دیکھ لیں۔ اس طرح ۱۴ مارچ ۶۴ء تک پچاس سال پورے نہ ہوں تو بات رہی۔

پچاس کے عدد میں یوں تو کوئی خاص بات نہیں ہے کہ پچاس سال پورے ہونے پر ہم ضرور خوشی منائیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے متعلق آپ کی ولادت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ آپ دراز عمر پائیں گے۔ آپ خلیفہ بنیں گے اور آپ کی خلافت کا زمانہ بہت لمبا ہوگا۔ پھر اپنے زمانۂ خلافت میں آپ بڑے بڑے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیں گے۔ اس میں سے ایک ایک بات ہم نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھی ہے۔ پچاس سال کے معنی ہیں نصف صدی اتنے لمبے عرصہ تک آپ کی خلافت کا چلتے چلتے جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ نے دراز عمر اور عرصۂ خلافت کے لمبا ہونے کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوتی چلی آ رہی ہے حتیٰ کہ آپ کی خلافت پر پچاس سال پورے ہو کر اکیاونواں سال بھی شروع ہو گیا ہے۔ پس پچاس سال پورے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی وعدوں کے پورا ہونے کی وجہ سے ہم خوش ہیں اور ہمیں خوش ہونا بھی چاہیئے۔

لیکن خوشی منانے کے سلسلہ میں ایک بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ کافر اور مومن کی خوشی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کافر خوشی مناتا ہے، ڈھول ڈھمکے اور بینڈ باجے بجا کر۔ وہ رنگ رلیاں مناتا اور کھیل تماشے رچاتا ہے۔ مومن جب خوشی مناتا ہے تو ایسی چیزوں کے قریب بھی نہیں جاتا۔ وہ جانتا ہے کہ یہ باتیں خدا سے دور لے جانے والی ہیں۔ اس کا تو خوشی منانے کا طریقہ ہی نرالا ہوتا ہے۔ جب مومن پر خدا تعالیٰ کوئی انعام کرتا ہے تو وہ خوش ہو کر فوراً خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اس کے حضور سجدہ میں گر جاتا ہے اور خوب اس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ وہ خدا سے دعائیں مانگتا ہے کہ اے خدا تو نے ہی ہمیں کامیاب کر کے ہمیں خوشی دکھائی ہے آئندہ بھی تو ہمیں پہلے سے بڑھ کر کامیابی عطا کر کے خوشیوں کے دن دکھاتا چلا جا۔

خلافت ثانیہ کے پچاس سال پورے ہو کر اکیاون واں سال شروع ہونے پر آج جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خوش ہونے اور خوشی منانے کے دن ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم عام دنیادارو

کی طرح خوشی منائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ شکر ادا کریں اور پہلے سے بھی زیادہ اس کی حمد و ثنا میں اپنے دن اور رات گزاریں۔ یہی وہ طریق ہے جس سے ہماری راتیں مسرت کی راتیں اور ہمارے دن خوشی کے دن بن سکتے ہیں۔ پس آج کل دن اور رات بچوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بہت زیادہ دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور حضور کا بابرکت سایہ تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور ہمیں اور زیادہ فضلوں اور رحمتوں سے نواز کر خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں ہی اسلام کو پورے طور پر دنیا میں غالب کر دے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

شکرِ باری

(سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام)

بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں
ملاحت ہے عجب اِس دلستاں میں ہوئے بدنام ہم اس سے جہاں میں
ہُوا مجھ پر وہ ظاہر میرا ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کروں کیونکر ادا میں شکرِ باری فدا ہو اُس کی راہ میں عمر ساری
مرے سر پر ہے منّت اُس کی بھاری چلی اس ہاتھ سے کشتی ہماری
مری بگڑی ہوئی اُس نے بنادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کی طرح خوشی منائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا اَور زیادہ شکر ادا کریں اور پہلے سے بھی زیادہ اس کی حمد وثنا میں اپنے دن اور رات گزاریں۔ یہی وہ طریق ہے جس سے ہماری راتیں مسرت کی راتیں اور ہمارے دن خوشی کے دن بن سکتے ہیں۔ پس آج کل دن اور رات بچوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بہت زیادہ دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور حضور کا بابرکت سایہ تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور ہمیں اَور زیادہ فضلوں اور رحمتوں سے نواز کر خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں ہی اسلام کو پورے طور پر دنیا میں غالب کر دے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

شُکرِ باری

(سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلامُ)

بہار آئی ہے اِس وقتِ خزاں میں — لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں
ملاحت ہے عجب اِس دلستاں میں — ہوئے بدنام ہم اس سے جہاں میں

ہُوا مجھ پر وہ ظاہر میرا ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کروں کیونکر ادا میں شکرِ باری — فدا ہو اُس کی راہ میں عمر ساری
مرے سر پر ہے منّت اُس کی بھاری — چلی اس ہاتھ سے کشتی ہماری

مری بگڑی ہوئی اُس نے بنا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ہر کامیابی پر خدا کے حضور سجدات شکر بجا لاؤ

اس کے نتیجہ میں تمہیں اور کامیابیاں ملیں گی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں -

''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ سچی خوشحالی اور سچی راحت دنیا اور دنیا کی چیزوں میں ہرگز نہیں ہے - حقیقت یہی ہے کہ دنیا کے تمام شعبے دیکھ کر بھی انسان سچا اور دائمی سرور حاصل نہیں کر سکتا . . . . ان دنیوی اور عارضی کامیابیوں پر اس قدر خوش مت ہو کہ حقیقی کامیابی سے دور چلے جاؤ بلکہ ان کامیابیوں کو خداشناسی کا ایک ذریعہ قرار دو - اپنی ہمت اور کوشش پر ناز مت کرو اور مت سمجھو کہ یہ کامیابی ہماری کسی قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے بلکہ یہ سوچو کہ اس رحیم خدا نے جو کبھی کسی کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہماری محنت کو بارور کیا - ورنہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صدہا طالب علم آئے دن امتحانوں میں فیل ہوتے ہیں - کیا وہ سب کے سب محنت نہ کرنے والے اور بالکل غبی اور بلید ہی ہوتے ہیں؟ نہیں بلکہ بعض ایسے ذکی اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ پاس ہونے والوں میں سے اکثر کے مقابلہ میں ہوشیار ہوتے ہیں - اس لئے واجب اور ضروری ہے کہ ہر کامیابی پر مومن خداتعالیٰ کے حضور سجدات شکر بجا لائے کہ اس نے محنت کو اکارت تو نہیں جانے دیا - اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ سے محبت بڑھے گی اور ایمان میں ترقی ہوگی اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی کامیابیاں ملیں گی - کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں نعمتوں کو زیادہ کرونگا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو عذاب سخت میں گرفتار ہو گے'' - الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا -

جلد ۵ — مئی ۱۹۶۴ء — شمارہ ۵

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے — فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

مئی سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ⁂ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

انسان کی سب سے بیش قیمت متاع	ایڈیٹر	۳
توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو	حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام	۱۳
الٰھی اغثنا واسقنا واحم عرضنا (عربی نظم)	" " "	۱۷
ہر کہ عارف تر ہست ترساں تر (فارسی نظم)	" " "	۱۸
نصرتِ الٰہی حاصل کرنے کے دو اہم ذرائع	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۹
محبتِ الٰہی اور اس کے درجات	محترم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل	۲۴
خدا تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے کا طریق	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد	۲۷
سمعاً وطاعةً (از روئے احادیث)	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب	۲۹
برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی کا عبرتناک منظر	ایڈیٹر	۳۹
بچوں کے صفحات :-		
بُری عادتیں ترک کرنے کا زمانہ	"	۴۵
خدا کو خاکساری پسند ہے (اُردو نظم)	درّثمین اُردو	۴۶
اہم مرکزی اعلانات	قائدین مجلس انصار اللہ مرکزیہ	۴۷

طابع و ناشر :- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی، ربوہ -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۵

۱۵ مئی ۱۹۶۴ء

انسان کی سب سے زیادہ بیش قیمت متاع

دولتِ ایمان اور اُس کی حفاظت کا قرآنی طریق

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی کامیابیوں، فوز و فلاح، اجر و ثواب اور افضال و انعامات کو مومنوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ مومن بھی وہ جو تصدیق باللسان اور تصدیق بالقلب کے بعد اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہوں یعنی جن کے قول اور فعل میں باہم مطابقت پائی جاتی ہو اور جو اپنے مومن ہونے کا ثبوت محض زبان سے ہی نہیں بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے بھی بہم پہنچاتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فوز و فلاح، اجر و ثواب اور افضال و انعامات کا مختلف پیرائے میں بار بار اور بہ تکرار ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کی خوش بختی و خوش نصیبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (التغابن آیت ۱۰)

اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اسکے مطابق عمل کرتا ہے اللہ بھی اُس کی بدیوں کو ڈھانپ دیتا ہے اور اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے اُن میں رہتے چلے جائیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

کہیں باور کراتا ہے وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى (کہف آیت ۸۹). یعنی جو ایمان لائے گا اور نیک اور مناسبِ حال عمل کرے گا اُس کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاں اُس کے اعمال کے بدلہ میں اچھا انجام مقدر ہے۔ کہیں اُنہیں بشارت دیتا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ٥ (الرعد آیت ۳۰) یعنی جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے نیک اور مناسبِ حال عمل کئے ہیں اُن کے لئے بڑی قابلِ رشک حالت اور بہترین واپسی کی جگہ مقدر ہے۔ کہیں مغفرت اور اجرِ کبیر کی ضمانت دیتے ہوئے فرماتا ہے وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ٥ (فاطر آیت ۸) یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان کے مطابق انہوں نے کام بھی کئے اُن کے حصہ میں بخشش اور بہت بڑا انعام ہے۔ کہیں اُنہیں یہ تسلّی دیتے ہوئے کہ اُنہیں اجر ہی نہیں ملے گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اُن پر فضل کیا جائے گا فرماتا ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (النساء آیت ۱۷۴) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُنہیں وہ اُن کے پُورے پُورے بدلے دیگا، یہی نہیں بلکہ اپنے فضل سے اُنہیں اور بھی زیادہ دیگا۔ کہیں اُن کو بے اندازہ اجر سے نوازنے کی خوشخبری دے کر اُن کے دلوں کو اِن الفاظ سے شاد کام کرتا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ٥ (انشقاق آیت ۲۶) یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے مناسبِ حال عمل کئے اُنہیں ایک نہ ختم ہونے والا نیک اجر ملنے والا ہے —— الغرض قرآنِ مجید ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کے لئے عظیم الشان کامیابیوں، فوز و فلاح، بے انداز اجر و ثواب، اور غیر معمولی افضال و انعامات کے وعدوں، بشارتوں اور تسلّیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس مضمون کی آیات قرآنِ کریم میں اس کثرت اور تواتر سے ملتی ہیں کہ ان سب کا ایک مختصر سے مضمون میں احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ اور اِن جیسی دوسری بے شمار آیات اِس امر پر دال ہیں کہ انسان کی زندگی میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جہاں اِن سے متّصف ہو کر انسان خدا تعالیٰ کے بے انداز افضال و انعامات کا مورد بن سکتا ہے وہاں ان سے رُوگردانی اور محرومی انسان کو خسرانِ مبین میں مبتلا کرنے کا موجب بنتی ہے۔

یہ تو درست ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہی اجر و ثواب اور درجات و انعامات مترتب ہوتے ہیں لیکن قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ بے انداز اجر و ثواب اور رفیع الشان درجات و انعامات کا مورد بننے کے لئے کسی انسان کا محض ایمان لے آنا اور نیک اعمال بجا لانا ہی کافی

نہیں ہے۔ یہ اُسی وقت کسی انسان کو ملتے ہیں جب وہ اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ کو ایک خاص معیار پر پہنچا دیتا ہے۔ اگر ہر ایمان لانے والا جو بظاہر نیک اعمال بھی بجا لاتا ہو عنداللہ اس بات کا مستحق ہوتا کہ وہ بے اندازہ اجر و ثواب اور افضال و انعامات سے نوازا جائے تو وہ کبھی یہ نہ فرماتا کہ حقیقی مومن اور حقیقی نیکوکار تھوڑے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص آیت ۲۵)

اور بہت سے ساتھی ایسے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں سوائے مومنوں کے اور اُن کے جو ایمان کے مطابق عمل کرتے ہیں اور وہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

یہ واضح کرنے کے علاوہ کہ حقیقی مومن اور حقیقی نیکوکار تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے علیحدہ علیحدہ ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ایمان تو لے آتے ہیں لیکن وہ صرف نام کے ہی مومن ہوتے ہیں یا جو ایمان لانے کے بعد نیک اعمال تو بجا لاتے ہیں لیکن کسی نہ کسی لغزش کی وجہ سے اپنے نیک اعمال کو برباد کرکے رکھ دیتے ہیں۔ دونوں قسم کے لوگ عرفِ عام میں مومن اور نیکوکار کہلانے کے باوجود عنداللہ کسی اجر و ثواب یا فوزِ عظیم کے مستحق نہیں رہتے۔ چنانچہ جہاں تک نام کے مومنوں کا تعلق ہے اُن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات آیت ۱۵)

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ تو اُن سے کہدے کہ تم حقیقۃً ایمان نہیں لائے البتہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے ظاہری طور پر فرمانبرداری قبول کر لی ہے کیونکہ (اے اعراب) ابھی ایمان حقیقۃً تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے اعمالِ صالحہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے۔ ایمان لانے اور نیک اعمال بجا لانے کے باوجود کسی نہ کسی لغزش کی وجہ سے اُن کے اعمال اسی طرح برباد ہو جاتے ہیں جس طرح سرے سے ایمان نہ لانیوالوں کے اعمال اکارت ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ ایسے ظاہری مومنوں (یعنی منافقوں) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال دنیا کے متعلق بھی اور آخرت کے متعلق بھی ضائع ہو گئے

اَلْخٰسِرُوْنَ ○ (التوبہ آیت ۶۹) اور یہی لوگ یقیناً خسارہ پانیوالے ہیں۔

یہ آیات صاف اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ اجر و ثواب اور فوز و فلاح کے حصول کے لئے نہ تو محض ایمان لانا کافی ہے اور نہ ایمان لانے کے بعد محض نیک اعمال بجا لانے سے ایک مومن افضال و انعامات کا مورد بن سکتا ہے بلکہ اس کے لئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ایک خاص معیار پر ہونا ضروری ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اجر و ثواب اور انعامات و افضال کا مورد بننے کے لئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ایک خاص معیار پر ہونا ضروری ہے تو وہ معیار ہے کیا؟ سو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرمایا ہے کہ ایمان کا اتنا پختہ ہونا اور اعمالِ صالحہ کا ایسی نہج پر ہونا ضروری ہے کہ مصیبت اور آزمائش کے وقت ایمان کا دعویٰ کرنے والا اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دے سکے۔ اس وقت وہ ایمان کا مظاہرہ کرنے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے میں کسی بات حتیّٰ کہ جان کی بھی پرواہ نہ کرے۔ اس نے واضح فرمایا ہے کہ ہم حقیقی طور پر ایمان لانے والوں اور محض ظاہری طور پر ایمان لانے والوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے انہیں آزمائش میں ضرور ڈالتے ہیں اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو پھر سچوں اور جھوٹوں میں کوئی تمیز ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ (العنکبوت آیت ۳،۴)	کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کا یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں کافی ہوگا اور وہ چھوڑ دیئے جائینگے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو ہم نے آزمایا تھا سو (اب بھی) اللہ ظاہر کر دیگا ان کو جو (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔ اور انکو جو (اپنے دعویٰ ایمان میں) جھوٹے ہیں۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی ایمان اور اعمالِ صالحہ کا معیار بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ معیار کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے واضح فرمایا ہے کہ ایمان میں اتنی پختگی اور اعمالِ صالحہ میں ایسی مداومت اور تعہّد کی کیفیت کہ انسان مصیبت اور آزمائش کے وقت میں بھی ثابت قدم رہے اور اُس کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئے تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ تقویٰ اختیار کرنے پر بہت زور دیا ہے اور مومنوں کو اس کی بار بار تلقین فرمائی ہے۔ چونکہ کوئی مسلمان بھی متقی بنے بغیر سچا مومن نہیں بن سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے تاکید کے رنگ میں فرماتا ہے:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
(المائدہ آیت ۵۸)

اگر تم مومن ہو تو (اس کا لازمی اقتضاء یہ ہے کہ) تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان حقیقی معنوں میں مومن بن ہی نہیں سکتا اور اپنے دعویٰ ایمان میں سچا ٹھہر ہی نہیں سکتا تاوقتیکہ وہ تقویٰ اختیار نہ کرے۔ تقویٰ حقیقی ایمان کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر ایمان اپنے حقیقی معنوں کی رُو سے ایمان کہلا ہی نہیں سکتا۔ وہ ایمان اور وہ اعمالِ صالحہ جن کے نتیجہ میں اجر و ثواب اور فوز و فلاح کا حصول ممکن ہوتا ہے فی الاصل تقویٰ سے ہی عبارت ہوتا ہے۔ تقویٰ کے بغیر اس کا تصور ہی ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے صرف تقویٰ اختیار کرنے کی عمومی تلقین پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور ایمان میں برابر ترقی کرتا چلا جائے یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ کسی قسم کی نافرمانی اور بے راہ روی کے ارتکاب کا امکان ہی باقی نہ رہے اُسنے بار بار ایمان لانے اور بار بار تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرکے ایمان اور تقویٰ میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے جانے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ مومنوں کو حلال چیزیں کھانے اور حرام چیزوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرنے کے بعد فرماتا ہے:۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(المائدہ آیت ۹۴)

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیز انہوں نے نیک کام کئے ہیں (۱) جب وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، (۲) پھر تقویٰ میں اور ترقی کریں اور ایمان لائیں، (۳) پھر تقویٰ میں مزید ترقی کریں اور احسان کریں۔ تو جو کچھ بھی وہ کھائیں اُس پر انہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اللہ احسان کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ میں ترقی کے تین مدارج بیان کئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ بجا لانے والا ایک مومن تقویٰ اختیار کرے پھر ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ تقویٰ اور ایمان میں مزید ترقی کرے، یہ مزید ترقی اسے ایسے مقام پر پہنچا دے گی کہ تقویٰ اور ایمان کے نتیجہ میں نیک اعمال طبعی تقاضہ کے طور پر خود بخود صادر ہونے لگیں گے۔ تیسرا اور آخری درجہ یہ ہے کہ وہ تقویٰ میں اور زیادہ ترقی کرکے ایمان اور اعمالِ صالحہ بجا لانے میں احسان کے مقام پر فائز ہو جائے یعنی اعمالِ صالحہ بجا لانے میں صرف اپنا ہی فائدہ مدِّنظر نہ رکھے بلکہ دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی بھی اس کے

پیش نظر ہو۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد وہ خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ جو اس مقام کو حاصل کر لے اُسے خدا تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ وہ جو چاہے کھائے پیئے اُس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ اجازت اس لئے دی کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اُس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ حدود اللہ کو توڑنے کا خیال بھی دل میں لا سکے۔ اس اجازت کا مطلب ہی یہ ہے کہ دنیا لاکھ ترغیب دے اور بڑی سے بڑی مصیبت بھی سر پر بن جائے وہ حرام چیزوں کے قریب بھی نہ پھٹکے گا۔ شیطان کا کوئی حیلہ اُس پر نہ چل سکے گا۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور کڑے سے کڑا امتحان اور ہولناک سے ہولناک مصیبت بھی اُس کے ایمان میں کوئی لغزش اور اعمالِ صالحہ کے تعہد میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکے گی۔ اصل اور حقیقی ایمان ایسے ہی تقویٰ شعار اور نیکوکار مومنوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہی وہ ایمان ہے جو ایسے تقویٰ شعار اور نیکوکار مومنوں کو عنداللہ بے حساب اجر و ثواب، افضال و انعامات اور فوز و فلاحِ عظیم کا مستحق بناتا ہے۔ چونکہ تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کو جلاء دیکر مومن کو خدا تعالیٰ کی خاص حفاظت میں لے آتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ ایسے مومنوں کو جو متقی بھی ہوں اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اُن کی عبادتیں، اُن کی قربانیاں، اُن کی دعائیں، اُن کی خدمات، الغرض اُن کے جملہ اعمال ضرور قبول کئے جائیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (مائدہ آیت ۲۸) اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کا ایمان اور اُن کے اعمال قبول کیا کرتا ہے۔

اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بدلہ میں اجر و ثواب اور فوز و فلاح کا وعدہ دیا گیا ہے وہ تقویٰ کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایمان اور ہر عمل صالح خدا کے ہاں مقبول ٹھہرے۔ وہی ایمان اور وہی عمل صالح مقبول ہوتا ہے جو تقویٰ کے مقام پر فائز ہو کر کیا جائے۔ جن لوگوں کو تقویٰ کا کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا یا جن کا تقویٰ ابھی خام ہوتا ہے وہ خطرہ کے مقام پر ہوتے ہیں۔ ہر آن اس امر کا ڈر ہوتا ہے کہ ذرا سی لغزش بھی اُن کے ایمان اور اُن کے اعمال کو برباد کر کے نہ رکھ دے اور وہ خسارہ پانے والوں میں شمار نہ ہونے لگیں۔

جب قرآنِ مجید کی رُو سے یہ بات واضح ہے کہ اجر و ثواب، افضال و انعامات اور فوز و فلاح کے وارث وہی صاحبِ ایمان اور نیکوکار مسلمان ہوتے ہیں جو متقی ہوں یعنی جن کا ایمان اتنا پختہ اور جن کے اعمالِ صالحہ کا معیار اتنا بلند ہو کہ امتحان اور آزمائش کے وقت اُن کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آسکے اور

جبکہ قرآنِ مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے ہر مسلمان کی آزمائش ضرور ہوتی ہے اور بار بار ہوتی ہے تو پھر مومن کے لئے ضروری اور اشد ضروری ہے کہ وہ ہر آن چوکس رہے اور اس بات کی نگرانی کرتا رہے کہ کہیں اس کا ایمان ضائع ہو کر اس کے اعمال حبط نہ ہو جائیں اور وہ ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے کے باوجود خسارہ پانے والوں میں شمار نہ کیا جائے تسلی اور اطمینان کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے کے ساتھ ساتھ متقی بننے کی کوشش کرے اور تقویٰ میں ترقی کرتے کرتے اُس مقام پر پہنچ جائے کہ عند اللہ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا کا مصداق قرار پا سکے۔ یعنی اُس مقام کو حاصل کرلے کہ جہاں شیطان کے کسی بھی حیلے کے کارگر ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اس سے ورے ورے ہر شخص کے لئے ایمان لانے اور اعمال صالحہ بجا لانے کے باوجود پھسلنے کا امکان موجود ہوتا ہے اور اس کی روحانیت کو کسی نہ کسی جہت سے خطرہ لاحق رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں بعض لوگ ایسے دیکھنے میں آتے ہیں کہ بظاہر اُن کا ایمان بہت پختہ، اُن کے اعمال بہت قابلِ ستائش اور اُن کی خدمات کا ریکارڈ بہت شاندار ہوتا ہے اور بعض وہ ہوتے بھی ہیں بہت لائق فائق، ذی علم و ذی عقل، صاحبِ دولت و ثروت اور صاحبِ اثر و رسوخ، لیکن اس کے باوجود وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور ٹھوکر بھی ایسی کہ تحت الثریٰ میں پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔ شیطان اُن کی عقل، اُن کے علم، اُن کی ثروت اور اُن کے اثر و رسوخ کو ہی اُن کے لئے ٹھوکر کا موجب بنا دیتا ہے۔ اُن میں ایک قسم کا غرور، کبر و نخوت، عُجب و پندار اور اپنی رائے پر اصرار کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو بدظنی کی آڑ میں بڑھتے بڑھتے اعتراضات اور ناواجب نکتہ چینیوں کی شکل میں بہہ نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایمان گنوا بیٹھتے ہیں اور اُن کے نیک اعمال جن کی وجہ سے وہ معزز سمجھے جاتے ہیں اور اُن کی خدمات جن کی وجہ سے اُن کی تعریف کی جاتی ہے سب اکارت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اگر ایسے لوگ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ تقویٰ میں بھی ترقی کرتے اور اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (اعراف آیت ۲۰۲) پر وہ عامل ہوتے تو یقیناً شیطان کا وار خالی جاتا کیونکہ شیطان کی طرف سے آنے والا کوئی خیال جونہی انہیں محسوس ہوتا وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے اور اُن کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ جان لیتے کہ شیطان ہمیں جادۂ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کبھی گمراہ نہ ہوتے۔

ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یہ علاج بتایا ہے کہ انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی عقل کی پیروی کرنے اور اپنی رائے پر اصرار کرنے کی بجائے خدا، رسولؐ اور اولوا الامر کی اطاعت کو لازم پکڑیں۔ خدا، رسولؐ اور اولوا الامر کی طرف سے انہیں جو حکم بھی ملے خواہ وہ اُن کی طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو اُن کی عقل اسے کتنا ہی

دیتے ہو، اُن کی اپنی رائے اُس سے کتنی ہی اُلٹ ہو وہ بلا چُون و چرا اطاعت کرتے چلے جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ ان تمام خندقوں سے بچائے جائیں گے جو شیطان نے اُن کے لئے تیار کی ہونگی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ میں ترقی کرنے لگیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَ احْذَرُوْا۔
(المائدہ آیت ۹۳)

تم اللہ کی بھی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی بھی
اطاعت کرو اور ہوشیار رہتے ہوئے ڈرتے رہو
(کہ کہیں ایسا نہ ہو تم اطاعت سے پھر جاؤ اور تمہیں خبر بھی نہ ہو)

بسا اوقات ایسے لوگ جنہیں خود اپنی عقل، اپنی سمجھ بُوجھ، اپنے دنیوی علم اور اپنے تجربہ پہ ناز ہوتا ہے اور شیطان جنہیں اپنے بارہ میں مغالطہ میں مبتلا کر دیتا ہے وہ خدا اور رسولؐ کے احکام جاننے اور اُنہیں سُننے اور سمجھنے کے باوجود چلتے اپنی ہی رائے کے پیچھے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی رائے پر چلانا چاہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کہتا ہے ایسے لوگ سُننے کے باوجود سُن نہیں رہے ہوتے بلکہ اپنی ہی خیال آفرینیوں میں مگن ہوتے ہیں۔ وہ ایسے مومنوں کو اُن کے ظاہری ایمان اور ظاہری نیک اعمال کے باوصف خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ
تَسْمَعُوْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ
الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
(الانفال آیات ۲۱ تا ۲۳)

اے مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو
اور اس میں سے کسی سے مُنہ نہ پھیرو اِس حالت میں کہ تم
اس کا حکم سُن رہے ہو۔ اور اُن لوگوں کی طرح مت ہو
جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم سُنتے ہیں مگر فی الحقیقت وہ
سُن نہیں رہے ہوتے۔ اللہ کے نزدیک حیوانات سے
بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں اور کچھ بھی
عقل نہیں رکھتے (کیونکہ وہ اللہ اور رسول کے احکام
کو دل میں جگہ نہیں دیتے اور خود اپنی عقل کی پیروی کرتے ہیں)

قرآن مجید کی اُن تمام آیات سے جو اُوپر درج کی گئی ہیں یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ حقیقی ایمان انسان کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے کیونکہ اس کے طفیل انسان اجر و ثواب، افضال و انعامات اور فوز و فلاح کا وارث بنتا ہے۔ لیکن اگر انسان اِس بیش قیمت متاع کی قرآن کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق کماحقہٗ حفاظت نہ کرے یعنی تقویٰ کے اعلیٰ مقام پہ فائز ہونے سے غافل رہے تو یہ متاعِ عزیز برباد ہو جاتی ہے اور انسان یکسر بے نصیب و محروم ہو کر راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس دُنیا سے

ایمان سلامت لے جانے کو بہت نازک امر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ ایمان کی حفاظت سے کبھی غافل نہ ہو اور پورے عزم و ہمت اور تعہد کے ساتھ ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کے لئے دعا کرتا رہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"اصل میں لوگ نماز میں دنیا کے رونے روتے ہیں اور جو اصل مقصود نماز کا قرب الی اللہ اور ایمان کا سلامت لے جانا ہے اس کی فکر نہ ہیں۔ حالانکہ ایمان سلامت لے جانا بہت بڑا معاملہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان اس واسطے روتا ہے کہ مجھ کو با ایمان اللہ تعالیٰ دنیا سے لے جاوے تو خدا تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ بہشت ان کو ملے گا جو اللہ تعالےٰ کے حضور میں حصولِ ایمان کے لئے روتے ہیں۔ مگر یہ لوگ جب روتے ہیں تو دنیا کے لئے روتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ان کو بھلا دے گا۔" (ملفوظات جلد ششم صفحہ ۶۶، ۶۷)

ایمان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے دعا پر زور دینے کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ یہی ہے کہ انسان تکبر اور انانیت کو اپنے قریب نہ آنے دے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اولوالامر کے حکموں کے آگے اپنی رائے کو یکسر ترک کر دے اور بلا چون و چرا انکی اطاعت کرتا چلا جائے۔ چنانچہ حضور بے ایمانی کی اصل جڑ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"ایمان منکسر المزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح پر بے ایمانی تکبر اور انانیت سے پیدا ہوتی ہے۔" (الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء)

جہاں تک ایمان کی حفاظت کے تعلق میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور اولوالامر کی اطاعت کرنے اور اپنی رائے کو یکسر ترک کر دینے کی اہمیت کا سوال ہے حضور علیہ السلام نے ایک موقعہ پر بہت ہی لطیف بات بیان فرمائی جو قلّ و دلّ کی بہترین مثال ہے۔ جب ایک صحابی نے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا :۔

"ایمان دو قسم کا ہوتا ہے، موٹا اور باریک۔ موٹا ایمان تو یہی ہے کہ دین العجائز پر عمل کرے اور باریک ایمان یہ ہے کہ میرے پیچھے ہو لے۔"

حفاظتِ ایمان کے ضمن میں حضورؑ کا یہ ارشاد اس قدر مختصر اور با ایں ہمہ اس قدر جامع ہے کہ گویا حضورؑ نے دریا کو کوزہ میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ اس میں اللہ، اس کے رسولؐ اور امام وقت کی اطاعت سے متعلق جملہ اسلامی احکام کی روح سموئی ہوئی ہے۔

ہم لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسیح پاک علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق عطا فرما کر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے یہ امر از بس ضروری ہے کہ ہم اپنی اس سب سے زیادہ

قیمتی متاع کی ایک مستعد، چاق و چوبند، اور جانباز سپاہی کی طرح پوری پوری حفاظت کریں۔ اس کا طریق یہی ہے کہ ہم ایمان لانے اور اپنی سمجھ کے مطابق اعمالِ صالحہ بجا لانے کو ہی کافی نہ سمجھیں بلکہ قرآنی حکم کے مطابق اللہ اور رسولؐ کی پوری پوری اطاعت کر کے تقویٰ کے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے میں کوشاں رہیں تا ہمارا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے اور ہمارے اعمال کا معیار بلند سے بلند تر ہو کر انہیں اجر و ثواب، افضال و انعامات اور فوز و فلاح کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ ہمیشہ ہی اللہ اور اس کے رسولؐ اور اولوالامر اور نظام کی کامل اطاعت ہمارا شعار ہو۔ کبر و نخوت، عُجب و پندار اور انانیت سے ہم ہمیشہ ہی کوسوں دُور اور ہر آن مہجور رہیں۔ اس کے بالمقابل عاجزی فروتنی منکسر المزاجی ہم میں ایک فطری تقاضہ کی صورت اختیار کر لے حتّٰی کہ اپنی رائے کو یکسر ترک کر دینے میں ہمیں ذرہ بھر بھی باک محسوس نہ ہو۔ کبھی وہ وقت نہ آئے کہ شیطان ہمیں بہکا کر اپنی عقل، اپنی رائے، اپنے علم، اپنے عہدے، اپنی وجاہت، اپنی دولت اور اپنی ثروت پر گھمنڈ کرنے کے مہلک مرض میں مبتلا کر دے اور خدانہ کرے کہ ایسا ہو کہ ہمارا ایمان اور ہمارے اعمال، ہماری قربانیاں اور ہماری خدمات سب اکارت جائیں اور ہم خسر الدنیا والاٰخرۃ کے مصداق قرار پاکر خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے مسیح موعودؑ کی جناب سے دھتکار دیئے جائیں۔ العیاذ باللہ۔

اے ہمارے رحمٰن و رحیم اور قادر و کریم خدا تُو خود اپنے فضل سے ہمیں نہ صرف یہ کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم رکھ بلکہ ان میں ترقی عطا فرما کر ہمیں تقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر فائز فرما، تا ہم ہر ابتلاء اور ہر آزمائش میں پُورے اُتر کر آگے ہی آگے بڑھتے اور ترقی کرتے چلے جائیں اور تا شیطان ہم سے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو بھی جادۂ مستقیم سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہم میں سے ہر ایک ایمان سلامت لے کر ہی خدا کے حضور حاضر ہو اور عند اللہ فائز المرام قرار پائے۔ اٰمین یا ارحم الراحمین ؛

تہجّد کی عادت ڈالو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”نمازوں میں عاجزی کرو، تہجّد کی عادت ڈالو، تہجّد میں رو رو کر دعائیں مانگو کہ خدا تعالیٰ گڑگڑانے والوں اور تقویٰ اختیار کرنیوالوں کو ضائع نہیں کرتا۔“　　(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۳۴)

(کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام)

خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنیوالا شیطان کا شکار ہوجاتا ہے

توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور اُسے کبھی مُردہ نہ ہونے دو!

سچّے دِل سے توبہ کرنیوالوں کے گھر رحمت سے بھر جاتے ہیں

۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۰۳ء کو چند اشخاص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضورؑ نے بیعت لینے کے بعد اُنہیں جو نصائح فرمائیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان میں حضورؑ نے ایمان کی حفاظت کرنے، اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانے، تعلق باللہ میں ترقی کرنے اور دنیا میں غالب آنے کے ذرائع پر بہت ہی دلنشین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اِن نصائح کا ایک حصّہ جو علی الخصوص توبہ کی اہمیت اور اس کے عظیم الشان ثمرات سے تعلق رکھتا ہے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"بیعت میں انسان زبان کے ساتھ گناہ سے توبہ کا اقرار کرتا ہے۔ مگر اس طرح سے اس کا اقرار جائز نہیں ہوتا جب تک دل سے وہ اقرار نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ جب سچے دل سے توبہ کی جاتی ہے تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی مَیں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اُس اقرار کو جائز قرار دیتا ہے جو کہ سچّے دل سے توبہ کرنے والا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اِس قسم کا اقرار نہ ہوتا تو پھر توبہ کا منظور ہونا ایک مشکل امر تھا۔ سچّے دل سے جو اقرار کیا جاتا ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پھر خدا تعالیٰ بھی اپنے تمام وعدے پورے کرتا ہے جو اُس نے توبہ کرنے والوں کے ساتھ کئے ہیں۔ اور اسی وقت سے ایک نور کی تجلّی اُس کے دل میں شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان یہ اقرار کرتا ہے کہ مَیں تمام گناہوں سے بچوں گا اور دین کو دنیا پر مقدّم رکھوں گا تو اُس کے یہ معنے ہیں کہ اگرچہ مجھے اپنے بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور سب دوستوں سے قطع تعلق بھی کرنا پڑے مگر مَیں خدا تعالیٰ کو سب سے مقدّم رکھوں گا اور اسی کے لئے اپنے تعلقات چھوڑتا ہوں۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کیونکہ انہی کی توبہ دلی توبہ ہوتی ہے۔

پھر جو لوگ دل سے دُعا کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن پر رحم کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ آسمان، زمین اور سب اشیاء کا خالق ہے ویسے ہی وہ توبہ کا خالق ہے۔ اگر اُسنے توبہ کو قبول کرنا نہ ہوتا تو وہ اسے پیدا ہی نہ کرتا۔ گناہ سے توبہ کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں۔ سچی توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ سے بڑے بڑے انعامات پاتا ہے۔ یہ اولیا، قطب، غوث کے مراتب اِسی واسطے لوگوں کو ملے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے تھے اور خدا تعالیٰ سے انکا پاک تعلق تھا اس واسطے ہرگز نہیں ملے ہیں کہ وہ منطق، فلسفہ اور دیگر علوم طبعیہ وغیرہ میں ماہر تھے۔ جو لوگ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ان بندوں میں داخل ہوجاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے۔

اِس شرط سے دین کو قبول نہ کرنا چاہیئے کہ مَیں مالدار ہوجاؤں گا، مجھے فلاں عہدہ مل جاوے گا۔ یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحتِ الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں، بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں۔ مگر ان سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے۔ اگر بادشاہ ہوجاوے گا تو کیا موت سے بچ جاویگا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے بادشاہی میں بھی مرنا ہے اِس لئے سچی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہرگز نہیں ہے کہ جو اُس کے حضور عاجزی سے گر پڑے وہ اسے خائب وخاسر کرے اور ذلّت کی موت دیوے۔ جو اس کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فلاں شخص کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق تھا اور پھر وہ نامراد رہا۔ خدا تعالیٰ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش اُس کے حضور پیش نہ کرے اور خالص ہوکر اُس کی طرف جُھک جاوے۔ جو اِس طرح جُھکتا ہے اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ہر ایک مشکل سے خود بخود اس کے واسطے راہ نکل آتی ہے۔ جیسے کہ وہ خود وعدہ فرماتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ اِس جگہ رزق سے مراد روٹی وغیرہ نہیں بلکہ عزّت، علم وغیرہ سب باتیں جن کی انسان کو ضرورت ہے اِس میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ سے جو ذرّہ بھر بھی تعلق رکھتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ ہمارے ملک ہندوستان میں نظام الدین صاحب اور قطب الدین صاحب اولیاء اللہ کی جو عزّت کی جاتی ہے وہ اِسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ سے اُن کا سچا تعلق تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو تمام انسانوں کی طرح وہ بھی زمینوں میں ہل چلاتے، معمولی کام کرتے مگر خدا تعالیٰ سے سچے تعلق کی وجہ سے لوگ انکی مٹی کی بھی عزّت کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی ہوجاتا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ ان کو نیست ونابود کریں مگر وہ روز بروز ترقی پاتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر غالب آتے جاتے ہیں جیساکہ اُس کا وعدہ ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ یعنی خدا تعالےٰ نے لکھ دیا ہے کہ مَیں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ اوّل اوّل جب انسان خدا تعالیٰ سے تعلق شروع کرتا ہے

تو وہ سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے مگر جُوں جُوں وہ تعلقاتِ الٰہی میں ترقی کرتا ہے تُوں تُوں اُس کی شہرت زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ ایک بڑا بزرگ بن جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ بڑا ہے اُسی طرح جو کوئی اُس کی طرف زیادہ قدم بڑھاتا ہے وہ بھی بڑا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آخر کار خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔

اس توبہ کو کھیل نہ خیال کرو اور یہ نہ کہو کہ اسے یہیں چھوڑ جاؤ بلکہ اسے ایک امانت اللہ تعالیٰ کی خیال کرو۔ توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ کی اُس کشتی میں سوار ہوتا ہے جو کہ اُس طوفان کے وقت اُس کے حکم سے بنائی گئی ہے۔ اُس نے مجھے فرمایا ہے وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا میں اپنے نائب کو بھیجتا ہے اور پھر جو اُس کا مطیع ہوتا ہے اُسے بادشاہ کا مطیع سمجھا جاتا ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی اپنے نائب دنیا میں بھیجتا ہے۔ آج کل تو یہ ایک بیج ہے جس کے ثمرات تمہارے تک ہی نہ ٹھہریں گے بلکہ اولاد تک بھی پہنچیں گے۔ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے گھر رحمت سے بھر جاتے ہیں۔

دنیوی لوگ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اِس بات کے لئے مجبور نہیں کہ اسباب کا محتاج ہو۔ کبھی چاہتا ہے تو اپنے پیاروں کے لئے بِلا اسباب بھی کام کر دیتا ہے اور کبھی اسباب پیدا کر کے کرتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنے بنائے اسباب کو بگاڑ دیتا ہے۔

غرض اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سُست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آ جاتا ہے اِسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ **توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو۔** کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے۔ اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اِس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سُننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم نے ایک مجذوم، کافر، دجال وغیرہ کی بیعت کی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔

ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں اس لئے چاہیئے کہ تم اُن کے لئے دُعا کرو کہ خدا تعالیٰ اُن کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو امید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے، تم بھی اُن سے مُنہ پھیرلو۔

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدنظر رکھنا اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کُنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اُس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوقِ الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو بچو۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۔ مؤرخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

آنحضرتؐ پر دُرود بھیجنے کا حُکم

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ملے کہ اُس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اور آپؐ نے آکر کیا کیا تو انسان وجد میں آکر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ اُٹھتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں، یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے، قرآن شریف اور دُنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبیؐ کریم نے کیا کیا ورنہ وہ کیا بات تھی جو آپؐ کے لئے خصوصاً فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدا نہیں آئی۔ پوری کامیابی پوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دُنیا میں آیا جو مُحَمَّد کہلایا صلی اللہ علیہ وسلّم۔" (الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۱ء)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اِلٰهِیْ اَغِثْنَا وَاسْقِنَا وَاحْمِ عِرْضَنَا

(اے خدا ہماری فریاد سُن ہمیں سیراب کر اور ہماری عزت کی پاسبانی فرما)

وَاِنِّیْ اَرٰی اَنَّ الذُّنُوْبَ کَبِیْرَۃٌ ... وَاَعْرِفُ مَعَہٗ اَنَّ فَضْلَکَ اَکْبَرُ

اور یقیناً میں دیکھتا ہوں کہ گناہ بہت بڑے ہیں ۔ اور ساتھ ہی میں جانتا ہوں کہ تیرا فضل سب سے بڑا ہے۔

اِلٰهِیْ اَغِثْنَا وَاسْقِنَا وَاحْمِ عِرْضَنَا ... بِسُلْطَانِکَ الْاَجْلٰی وَاِنَّکَ اَقْدَرُ

اے اللہ! ہماری فریاد رسی کر اور ہمیں پانی پلا اور ہماری عزت کی پاسبانی کر اپنی نمایاں طاقت سے اور تُو بڑی قدرتوں والا ہے

یَئِسْنَا مِنَ الْمَخْلُوْقِ وَانْقَطَعَ الرَّجَا ... وَجِئْنٰکَ یَا مَنْ یَعْلَمَنْ مَا یُضْمَرُ

ہم مخلوق سے مایوس ہو چکے ہیں اور اُمید منقطع ہو چکی ہے ۔ اے اسرار کے جاننے والے ہم تیرے پاس آئے ہیں۔

تَعَالَیْتَ یَا مَنْ لَا تُحَاطُ کَمَالُہٗ ... لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَّیْسَ یُحْصٰی وَیُحْصَرُ

اے وہ جس کے کمال کا احاطہ نہیں ہو سکتا ۔ تیری شان بلند ہے تیری تعریفیں بے حد ہیں۔

تَصَدَّقْ بِاَلْطَافٍ کَمَا اَنْتَ اَهْلُهَا ... وَاَدْرِکْ عِبَادًا لَّکَ کَمَا اَنْتَ اَقْدَرُ

تُو ہم پر نظرِ کرم فرما اُن الطاف کے ساتھ جو تیری شان کے شایاں ہیں ۔ اور دستگیری کر اپنے بندوں کی تو بہت بڑی قدرت والا ہے

فَخُذْ بِیَدِیْ یَا رَبِّ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ ... وَاَیِّدْ غَرِیْبًا یُّلْعَنَنْ وَیُکَفَّرُ

اے میرے رب! تو ہر معرکہ میں میری دستگیری فرما ۔ اور اس غریب کی تائید فرما جو لوگوں کا موردِ لعنت و تکفیر ہے۔

اَتَیْتُکَ مِسْکِیْنًا وَعَوْنُکَ اَعْظَمُ ... وَجِئْتُکَ عَطْشَانًا وَبَحْرُکَ اَزْخَرُ

مَیں مسکینی سے تیرے حضور آیا ہوں اور تیری مدد بڑی ہے۔ اور مَیں تیرے پاس پیاسا ہونے کی حالت میں آیا ہوں اور تیرا سمندر موجزن ہے۔

(حمامۃ البشریٰ)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

(جو خدا کی معرفت زیادہ رکھتا ہے وہی خدا سے زیادہ ڈرتا ہے)

اے خداوندِ خلق و عالمیاں　　خلق و عالَم زِ قدرتت حیراں

اے جہانوں اور مخلوقات کے آقا!　　دنیا اور مخلوق تیری قدرت سے حیران ہے

چہ مہیب است شان و شوکتِ تو　　چہ عجیب است کار و صنعتِ تو

تیری شان و شوکت کس قدر باعظمت ہے۔　　تیری صنعت اور تیرا کام کتنا عجیب ہے۔

حمد را با تو نسبت از آغاز　　نَے دراں کس شریک نَے انباز

شروع ہی سے حمد کا تیرے ساتھ تعلق ہے　　اور اس معاملہ میں نہ کوئی تیرا شریک ہے نہ ہمسر

تو وحیدی و بے نظیر و قدیم　　منزّہ زِ ہر قسیم و سہیم

تُو اکیلا، بے مثل اور ازلی ہے۔　　اور ہر ساجھی اور شریک سے پاک۔

کس نظیرِ تو نیست در دو جہاں　　بہ دو عالَم توئی خدائے یگاں

دونوں جہان میں تیرا کوئی نظیر نہیں۔　　دونوں عالَم میں تُو اکیلا ہی خدا ہے۔

زورِ تو غالب ست بر ہمہ چیز　　ہمہ چیزے بہ جنبِ تو ناچیز

ہر شے پر تیری طاقت غالب ہے۔　　اور ہر چیز تیرے مقابل پر ناچیز ہے۔

ترست ایمن کند زِ ترس و خطر　　ہر کہ عارف تر است ترساں تر

تیرا خوف ہر ڈر اور خطرہ سے محفوظ کر دیتا ہے۔　　جو تیری معرفت زیادہ رکھتا ہے وہی تجھ سے زیادہ ڈرتا ہے

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ اوّل)

نصرتِ الٰہی حاصل کرنے کے دو اہم ذرائع

صبر ـــــ اور ـــــ صلوٰۃ

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ آیت ۱۵۴) کی لطیف تفسیر بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کے لئے جو گر بیان فرمائے ہیں وہ قارئین کے افادہ کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

"اس آیت میں یہ عظیم الشان مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان کے لئے کسی تکلیف پر رونا یا اس کے دل میں درد کا احساس پیدا ہونا منع نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کو کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا اور تم ان کو محسوس بھی کرو گے لیکن مَیں تمہیں اس درد کا علاج یہ بتاتا ہوں کہ صبر اور دعا کو کام میں لاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ قطعی طور پر کسی تکلیف کو محسوس ہی نہ کرو۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نواسہ فوت ہونے لگا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرا دل سخت نہیں بنایا۔ غرض درد کا احساس منع نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ تکالیف تو ہوں گی اور تلوار تو چلے گی اور تمہاری گردنیں بھی کٹیں گی۔ لیکن ان پر صبر سے کام لینا اور استقلال سے اپنے کام میں لگے رہنا۔ ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تمہیں غم کا احساس نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک طبعی جذبہ ہے جو روکا نہیں جا سکتا۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ان قربانیوں میں استقلال سے حصہ لو اور اپنے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آنے دو۔ مگر پھر فرمایا کہ یہ تو دنیوی تدابیر ہیں۔ تمہارا اصل کام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور دعاؤں سے اس کی مدد چاہو۔ جب تک تم خدا تعالیٰ پر کامل توکل نہیں کرو گے اور اس سے دعائیں کرنا اپنا معمول نہیں بناؤ گے اُس وقت تک تمہیں فتح حاصل نہیں ہوگی۔ دیکھو ایک نادان اور کم عقل بچہ بھی جب اُسے کوئی ڈراتا ہے تو فوراً اپنی ماں کے پاس بھاگ جاتا ہے اور ماں خواہ کتنی ہی کمزور ہو وہ اس کے پاس جا کر اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن پر بھی جب کوئی دشمن حملہ کرتا ہے تو اسکی پناہ

صرف خدا تعالیٰ کا ہی وجود ہوتا ہے۔ اسی لئے صلوٰۃ کا تعلق روحانی ہونے کے لحاظ سے خدا تعالیٰ سے ہے اور صبر کا تعلق جسمانی ہونے کے لحاظ سے انسانی تدابیر سے ہے۔ صبر میں جبری طور پر خدا تعالےٰ کی محبت کا اظہار ہوتا ہے اور صلوٰۃ میں عشقیہ طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ مشکلات اور مصائب ہم خود پیدا نہیں کرتے بلکہ دشمن مشکلات اور مصائب لاتا ہے اور ہم انہیں برداشت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑتے۔ لیکن نماز اور دعا طوعی عبادت ہے نماز ہمیں کوئی جبری نہیں پڑھاتا بلکہ ہم خود پڑھتے ہیں۔ پس صبر میں ہم جبری طور پر خدا تعالیٰ کی محبت کا ثبوت دیتے ہیں اور صلوٰۃ میں طوعی طور پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جب یہ دونوں چیزیں مل جاتی ہیں تو محبت کامل ہو جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کا فیضان جاری ہو جاتا ہے۔

صبر کے جو معنے اوپر بیان کئے گئے ہیں اُن کے لحاظ سے اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ (۱) اے مومنو! جب تم پر خدا تعالیٰ کی راہ میں مصائب اور مشکلات آئیں تو تم گھبرایا نہ کرو اور نہ اُن پر شکوہ کا اظہار کیا کرو۔ (۲) اے مومنو! یہ باتیں خدا تعالیٰ کے قرب میں روک ہیں تم اِن سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہا کرو۔ (۳) اے مومنو! جب تم کو وہ احکام دیئے جائیں جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو تم ان پر عمل کرنے میں سُستی نہ دکھایا کرو بلکہ استقلال سے اُن پر عمل کیا کرو۔ یہ تین باتیں روحانی مدارج کے حصول کے لئے ممد ہیں تم اِن باتوں کو مدنظر رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو جو کام تمہارے سامنے ہیں اُن کے پُورا کرنے میں تمہیں کامیابی ہوگی اور تمہارا مقصد تمہیں حاصل ہو جائے گا۔

اِسی طرح صلوٰۃ کے معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس آیت کا یہ مطلب ہے کہ (۱) اے مومنو! تم نماز کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔ (۲) اے مومنو! تم دعاؤں کے ذریعہ اس کی مدد حاصل کرو۔ (۳) اے مومنو! دین پر استقلال کے ساتھ قائم ہو جانے کے ذریعے سے اس کی مدد حاصل کرو۔ (۴) اے مومنو! تم خدا تعالیٰ کی مخلوق پر رحم اور شفقت کرکے اس کی مدد حاصل کرو۔ (۵) اے مومنو! تم خدا تعالےٰ کے حضور استغفار اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرکے اس کی مدد حاصل کرو۔ (۶) اے مومنو! تم خدا تعالےٰ کے رسولؐ پر درود بھیج کر اُس کی مدد حاصل کرو۔ گویا یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کے حصول کے ذرائع ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ تم اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا کرو یعنی اے خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ اب اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ گُر بتایا ہے کہ مدد کس طریق سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ فرماتا ہے وہ ذرائع یہ ہیں کہ ایک تو دین کے راستہ میں جو مشکلات اور مصائب

پیش آئیں اور جو قربانیاں تمہیں کرنی پڑیں اُن سے گھبرایا نہ کرو۔ دوسرے ان امور سے جن سے اللہ تعالیٰ تم کو روکتا ہے رُکے رہو۔ تیسرے وہ قربانیاں جو قرب الٰہی کے حصول کے لئے ضروری ہیں اُن کو ترک نہ کرو اور اُن پر استقلال اور دوام اختیار کرو۔ چوتھے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کے بہترین نتائج پیدا کرے اور ان کو قبول فرماتے ہوئے تمہیں غلبہ بخشے۔ پانچویں غرباء سے ہمدردی اور شفقت کا سلوک کرو، تا مخلوقِ خدا کو آرام پہنچانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی تم سے خوش ہو۔ چھٹے خدا تعالیٰ سے اپنے قصوروں کی معافی طلب کرتے رہو۔ ساتویں انبیاء پر درود بھیجا کرو کیونکہ اُن کے ذریعے سے ہی تم کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی توفیق ملی ہے۔ آٹھویں خدا تعالیٰ کے دین پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی کوشش کیا کرو۔ نویں عبادت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ یہ سب امور خدا تعالیٰ نے کامیابی کے حصول کے بیان فرمائے ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہو اُس کے لئے اِن نو باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

بندے کا صرف اپنے مُنہ سے خدا تعالیٰ کو یہ کہنا کہ الٰہی میری مدد کر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ مدد حاصل کرنے کے لئے پہلے اِن ذرائع پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص گھبرا کر مایوس ہو جاتا ہے اور پھر یہ اُمید رکھتا ہو کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اُس کی مدد کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے وہ اس کی مدد حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پُشت ڈال دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ امید رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اُس کے لئے نازل ہوں گے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص قربانیوں سے ہچکچاتا اور خدا تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ واریوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص دعا نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ طور پر گڑگڑاتا نہیں اور اِس کے باوجود اُس کی معجزانہ تائید کا اُمیدوار رہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص دین کے معاملے میں غیرت سے کام نہیں لیتا اور اس کی ترقی میں ممد نہیں ہوتا وہ دشمنوں کے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص غرباء اور مساکین پر شفقت نہیں کرتا اور اُن کی مشکلات کو دُور کرنے میں ہاتھ نہیں بٹاتا وہ اپنی مشکلات کے وقت خدا تعالیٰ کی تائید حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر دُرود نہیں بھیجتا، اُن کے لئے دعائیں نہیں کرتا اور اُن کے احسانات کے شکریہ کا احساس اپنے دل میں نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد ۔۔۔۔ حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو شخص عبادت اور خدمتِ دین کے لئے اپنی ساری عمر وقف نہیں کرتا وہ قرب الٰہی کے اعلیٰ مدارج پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ پھر باوجود اِن سب باتوں پر عمل کرنے کے جو شخص یہ محسوس نہیں کرتا کہ مَیں نے کچھ بھی نہیں کیا اور اپنے عمل پر اتراتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے

میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

لوگ مُنہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے کے ساتھ کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔ وہ ڈاکخانہ میں روپے منی آرڈر کرانے کے لئے جاتے ہیں تو منی آرڈر فارم ساتھ لیکر جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک منی آرڈر فارم پُر نہیں کیا جائیگا روپیہ پوسٹ نہیں ہوسکتا۔ وہ ڈاکخانہ میں خط ڈالنے جاتے ہیں تو اُس پر ٹکٹ لگاتے ہیں ورنہ وہ بیرنگ کر دیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے کے وقت وہ فارم پُر کرتے ہیں جو داخلہ کیلئے محکمہ تعلیم کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ امتحان کے لئے یونیورسٹی کا فارم پُر کرتے ہیں اور اس میں ذراسی غلطی ہونے سے بھی اُن کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے اور وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔ مگر خدا تعالیٰ سے بغیر کوئی فارم پُر کرنے کے اور بغیر کسی شرط پر عمل کرنے کے یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ حضور اپنے ملائکہ کی فوج بھیج کر ہماری مدد کیجئے۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ یہاں بھی ایک فارم کی ضرورت ہے۔ جب تک وہ فارم پُر کر کے اس پر دستخط نہ کئے جائیں اُسوقت تک خدا تعالیٰ کی نصرت شامل حال نہیں ہوسکتی۔ اور وہ صبر اور صلوٰۃ کا فارم ہے۔ جب تک صبر اور صلوٰۃ کے فارم پر دستخط نہ کرو گے تب تک خدا تعالیٰ کی مدد تمہیں حاصل نہیں ہوسکے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کے لفظ کو اُڑا دیا ہے اور صرف مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کے الفاظ رکھے ہیں مَعَ الْمُصَلِّیْنَ نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں صَابِر کا لفظ اپنے اندر استقلال کے معنے رکھتا ہے اور صابر کا لفظ صبر کا قائم مقام نہیں بلکہ صبر اور صلوٰۃ دونوں کا قائم مقام ہے۔ پس اس کے صرف یہ معنے نہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر و صلوٰۃ دونوں پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ دعا بھی وہی قبول ہوتی ہے جو استقلال سے کی جائے۔ پس اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے کے یہ معنے ہیں کہ اگر صبر اور صلوٰۃ کے ذرائع کو استقلال سے استعمال کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

اِس آیت میں اُن لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے جو کچھ عرصہ تکلیف برداشت کرتے اور یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تو ہماری سُنتا ہی نہیں۔ ہم تو اُسے پکار پکار کر تھک گئے اب دعا کرنے کا کیا فائدہ۔ اور بعض لوگوں کو تو اِس قدر ٹھوکر لگتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کے ہی منکر ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کہہ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اسی کو حاصل ہو گی جو مشکلات کے وقت استقامت دکھائے گا اور صبر اور صلوٰۃ کے ذرائع کو استقلال سے استعمال کرتا چلا جائے گا۔" (تفسیر سورۃ بقرہ)

محبّتِ الٰہی اور اُس کے درجات

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کا پُرکیف بیان

(محترم مولانا ابو العطاء صاحب قائد تربیت مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

خالق اور اس کی مخلوق میں ایسا مضبوط اور پختہ رشتہ ہے کہ اس کی مثال دنیوی رشتوں اور تعلقات میں پائی نہیں جاسکتی۔ انسان کا جسم اور اس کی رُوح خدا کے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس پیدائش کا اثر زندگی کے ہر پہلو پر نمایاں نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبّت ہے وہ بھی بے پایاں اور بے انتہا ہے اسی لئے وہ اُن کی جسمانی زندگی اور روحانی زندگی کے لئے بے انتہا اور غیر معمولی سامان مہیا کرتا ہے۔ اس نے انسانوں کی زندگی، اُن کی بقاء اور اُن کی نشوونما کے لئے اِس قدر کائنات پیدا فرمائی اور اتنی نعمتیں عطا فرمائیں کہ انسان کے تصوّر اور اُس کے گمان سے بھی باہر ہیں۔ ایسا ہی روحانی زندگی کے جاری رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پاک فطرت کے علاوہ صلحاء، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری فرمایا۔ نادان انسان نبیوں کو گالیاں دیتے، اُن کو مارتے اور ہر طرح سے درپئے آزار رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کے محبوب ترین انسان ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ باایں ہمہ عام انسانوں کی بھلائی اور بہبودی کی خاطر ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا پیغمبر مبعوث فرماتا ہے۔ دوسری طرف انسانی فطرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبّت اور اُس کی طرف کشش ایسی نمایاں اور گہری ہے کہ اس کا بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ انسان خالقِ کائنات کی محبّت کا گہرا نقش لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس کی روح ابتدائے آفرینش سے اپنے خالق، مالک اور محسن کے لئے عاشقانہ اور والہانہ جذبات سے معمور ہوتی ہے اور ہر لمحہ اور ہر موڑ پر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بَلٰی کا نعرہ لگا رہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں کی اُس خفتہ محبّت کو بیدار کرنے کے لئے آتے ہیں جو دنیوی آلائشوں اور بُرے اعمال کے نتیجہ میں دبیز پردوں میں چھُپ جاتی ہے اور انسان مادی زندگی پر قانع ہو کر اسی کو اپنا نصب العین قرار دینے لگ جاتا ہے۔ نبی اپنے وقت میں محبّتِ الٰہی کا وہ آتش فشاں پہاڑ ہوتا ہے جو اردگرد

کے سارے ماحول کو اس محبت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا عاشق ہوتا ہے کہ عشق کی اس چنگاری کو ہر دل میں شعلہ زن کر دیتا ہے۔ نبیوں اور ان کے متبعین نے محبتِ الٰہی کے وہ گیت گائے ہیں جن کی مثال دنیوی عشق کے سارے گیت مل کر بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے اپنی حقیقی محبت کے لئے ایسی فدائیت اور قربانی پیش کی ہے کہ انسانی روح اُس کے تصوّر سے آج بھی وجد میں آجاتی ہے۔
بہرحال نبی زمین پر خدا کا مظہر اور اُس کا عاشق صادق ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسا پیوند رکھتا ہے اور اپنے پیروؤں کا ایسا پیوند قائم کر دیتا ہے جو ہر حالت میں ناقابل شکست ہوتا ہے۔
درحقیقت انسانی فطرت میں عشقِ ربانی کی امانت ودیعت کی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اُسی وقت سے ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیّت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جُھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اُس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اُس کا کھلتا جاتا ہے یہ کششِ محبت جو اُس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ و رُوپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اس کا اسی کے کنارِ عاطفت میں ہوتا ہے۔ اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دُور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کششِ محبت جو اُس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟
درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبودِ حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلقِ محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے

گیت کی طرف اس کی روح کا کھنچے جانا درحقیقت اسی گم شدہ محبوب کی تلاش ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۶)

انسان کی وہ محبت جو اُسے اپنے خالق سے کرنی چاہیئے اور اُس کی وہ فدائیت جو اُسے اِس راہ میں اختیار کرنی چاہیئے قرآن مجید نے اِس بارے میں جامع رہنمائی فرمائی ہے۔ یہ عشق درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔ اور آخر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور پھر مزید کا طالب ہوتا ہے۔ قرآنی آیات پر غور کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محبتِ الٰہی انسانی حالات کے مطابق عدل، احسان اور ایتاءِ ذی القربیٰ کے تین بڑے مدارج رکھتی ہے۔ اور یہ درجات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ قرآن مجید نے ایک ہی جامع آیت میں یہ تصریح فرمادی ہے کہ انسان کا انسان سے حسن سلوک بھی تین مراتب رکھتا ہے اور انسان کی محبت الٰہی بھی انہی تین درجات میں ترقی کرتی ہے۔ باقی آخری درجہ غیر محدود وسعتوں پر حاوی ہے اور ابدالآباد تک انسانی روح اس کی منزلوں کو طے کرتی رہے گی۔ اِس سلسلہ میں حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبتِ باری عزّ اسمہٗ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔ اور ان حکموں کو اُس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے؛ جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں۔ اور وہ آیت کریمہ یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں، کوئی بھی محبت کے لائق نہیں، کوئی بھی توکل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر ایک حق اسی کا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متأدب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاءِ ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش

اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اُس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۳۵ حصہ دوم طبع دوم)

ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے دلوں کو پوری طرح بیدار کر کے محبتِ الٰہی کی منازل پر عاشقانہ رنگ میں گامزن ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتہ کو استوار کریں، انسان کو اپنے پیدا کنندہ کی محبت میں ایسا دیوانہ بنا دیں کہ اسے اس کے بغیر چین نہ ہو اور اس کی روح ہر لحظہ اس کے وصال کے لئے بے قرار ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سرمدی اور لازوال نعمت سے نوازے۔ آمین +

محبّتِ ذاتی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"جب (انسان) اللہ تعالیٰ سے بالکل راضی ہو جاوے اور کوئی شکوہ شکایت نہ رہے اُس وقت محبّتِ ذاتی بیدار ہو جاتی ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی پیدا نہ ہو ایمان بڑے خطرہ کی حالت میں ہے۔ لیکن جب ذاتی محبّت ہو جاتی ہے تو انسان شیطان کے حملوں سے امن میں آجاتا ہے۔ اس ذاتی محبّت کو دعا سے حاصل کرنا چاہیئے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۲۵۰)

خدا تعالیٰ کی معیّت حاصل کرنے کا طریق!

(مکرّم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

۲۲ر جون ۱۸۹۹ء کو ایک دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ مصنف "عصائے موسیٰ" نے کہا ہے کہ اِس سلسلہ کی تباہی اب قریب ہے۔ اِس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

"یقیناً یاد رکھو کہ خدا اپنے بندے کو کبھی ضائع نہیں کرے گا اور ہرگز نہیں اُٹھائے گا جب تک اُس کے ہاتھ سے وہ باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کے لئے وہ آیا ہے۔ اسے کسی کی خصومت اور کسی کی بد دُعا کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۰۲)

اور پھر اس سے اگلے روز نہایت ہی درد بھرے الفاظ میں حضور علیہ السلام نے احباب جماعت کو نصیحت فرمائی کہ وہ متقی بن جائیں تا خدا اُن کے ساتھ ہو۔ چنانچہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دوست کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"کل (یعنی ۲۲ر جون ۱۸۹۹ء) بہت دفعہ خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ "تم لوگ متقی بن جاؤ اور تقویٰ کی باریک راہوں پر چلو تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔" فرمایا "اس سے میرے دل میں بڑا درد پیدا ہوتا ہے کہ مَیں کیا کروں کہ ہماری جماعت سچا تقویٰ و طہارت اختیار کر لے۔" پھر فرمایا کہ "مَیں اتنی دعا کرتا ہوں کہ دعا کرتے کرتے ضعف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات غشی اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔" فرمایا "جب تک کوئی جماعت خدا تعالیٰ کی نگاہ میں متقی نہ بن جائے خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے شامل حال نہیں ہو سکتی۔" فرمایا "تقویٰ خلاصہ ہے تمام صحفِ مقدسہ اور تورات اور انجیل کی تعلیمات کا۔ قرآن کریم نے ایک ہی لفظ میں خدا تعالیٰ کی عظیم الشان مرضی اور پوری رضا کا اظہار کر دیا ہے۔" فرمایا "مَیں اِس فکر میں بھی ہوں کہ اپنی جماعت میں سے سچے متقیوں، دین کو دنیا پر مقدّم کرنے والوں اور منقطعین الی اللہ کو الگ کر دوں اور بعض دینی کام ان کے سپرد کر دوں اور پھر مَیں دنیا کے ہم و غم میں مبتلا رہنے والوں اور رات دن مردارِ دنیا ہی کی طلب میں جان کھپانے والوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کروں گا۔"

اِسی تسلسل میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ لکھتے ہیں:۔

"رات کس درد سے حضرت امامؑ فرماتے ہیں :-

"آہ! اب تو خدا کے سوا کوئی بھی ہمارا نہیں - اپنے پرائے سب ہی اس پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہمیں ذلیل کر دیں - رات دن ہماری نسبت مصائب اور گردشوں کے انتظار میں بیٹھے ہیں - اب اگر خدا تعالیٰ ہماری مدد نہ کرے تو ہمارا ٹھکانا کہاں ۔" (الحکم جلد ۲ نمبر ۲۲ ص ۷)

اپنی جماعت میں اعلیٰ درجہ کا تقویٰ دیکھنے کے لئے حضور علیہ السلام میں جس قدر جوش تھا مندرجہ بالا خط کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے سلسلہ احمدیہ ایک روحانی سلسلہ ہے اور روحانی سلسلوں کے مخالف ان کے نیست و نابود اور ناکام و نامراد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اور ہر طرح کے دنیوی وسائل استعمال کرتے ہیں - ان کا کامیاب مقابلہ خدا تعالیٰ کی مدد و نصرت اور تائیدِ غیبی کے بغیر ناممکن ہے - اور خدا تعالیٰ کی مدد و نصرت انہی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو اُس کے نیک بندے ہوں اور اُس سے ڈرتے ہوں، وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے کسی ایسے امر کے مرتکب نہ ہوتے ہوں جو اُس کی مرضی اور منشاء کے خلاف ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے الہاماً اپنے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کی وساطت سے احباب جماعت کو تاکید فرمائی کہ :-

"تم لوگ متقی بن جاؤ اور تقویٰ کی باریک راہوں پر چلو تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔"

پس خدا کی مدد و نصرت اور اس کا ساتھ حاصل کرنے کے لئے جس کے بغیر ایک روحانی جماعت کی کامیابی ناممکن ہے یہ ضروری ہے کہ تقویٰ کی باریک راہوں کو ہر آن ملحوظ رکھا جائے اور کوئی ایسا امر صادر نہ ہونے دیا جائے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو۔ دنیا تو پہلے ہی ان کے خلاف ہوتی ہے اگر خدا تعالیٰ بھی ناراض ہو جائے اور اُس کی رضا بھی انہیں حاصل نہ ہو تو پھر اُن کا ٹھکانا کہاں - اس امر کا اظہار کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نہایت درد بھرے الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"آہ! اب تو خدا کے سوا کوئی بھی ہمارا نہیں - اپنے پرائے سب ہی اس پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہمیں ذلیل کر دیں - رات دن ہماری نسبت مصائب اور گردشوں کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اب اگر خدا تعالیٰ ہماری مدد نہ کرے تو ہمارا ٹھکانا کہاں۔"

پس ہم میں سے ہر شخص کو ہر آن حضورؑ کے متذکرۃ الصدر ارشادات پیش نظر رکھنے چاہئیں اور یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے وہ صحیح معنی میں خدا کا بندہ بن جائے - اللہ تعالیٰ ہماری پردہ پوشی فرمائے، ہمیں اپنی مغفرت اور رحمت کی چادر میں چھپا لے اور ہم پر رحم فرماتے ہوئے ہر آن ہماری رہنمائی فرمائے تا اُس کی تائید و نصرت ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے - اے اللہ تو ایسا ہی کر! آمین +

سمعاً و طاعةً

(از روئے احادیث)

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

احادیث نبویہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولو الامر دو قسم کے تسلیم کئے ہیں، ایک دنیوی اور ایک دینی اور اسلامی۔ دنیوی امراء کے متعلق اطاعت کا حکم ہے مگر ساتھ ہی کفر بواح کا جواز بھی رکھا ہے۔ اور اس صورت میں بشرطیکہ برہان ہو قیاس نہ ہو ان کفریہ امور میں اُن کی اطاعت سے باہر جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ گو بعض اسلامی علماء نے جیسے حضرت محی الدین ابن عربیؒ ہیں اس بارہ میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایسی صورت میں بھی صرف علیحدگی کا اعلان کرنا جائز ہے بغاوت کرنا پھر بھی جائز نہیں۔

مگر ایک دینی اور اسلامی اولو الامر بتائے ہیں جن کے بارے میں ہمیں حَکَم نہیں بتایا بلکہ انہیں اُمت پر حَکَم بنایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ کریں وہ تم پر حجت ہے اور اُن کے طریق کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح میرے حکم کی۔

پس حاکم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دنیوی ہیں اور جن کے متعلق اس بات کا امکان ہے کہ وہ کفر کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اُن کے متعلق تو یہ حکم ہے کہ تم اُن کی اطاعت کرتے چلے جاؤ، ہاں جب اُن سے کفر بواح صادر ہو تو الگ ہو جاؤ۔ مگر دوسرے حکام وہ ہیں جو غلطی کر ہی نہیں سکتے۔ اُن کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ اُن کی سُنّت اور طریق کو اختیار کرنا چاہیئے اور کبھی اُن کے رستہ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اگر کبھی تمہیں یہ شبہ پڑ جائے کہ تمہارے عقائد درست ہیں یا نہیں تو تم اپنے عقائد کو خلفاء راشدین کے عقائد کے ساتھ ملاؤ۔ اگر مل جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارا قدم صحیح راستہ پر ہے اور اگر نہ ملے تو سمجھ لو کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو" (" خلافتِ راشدہ"۔۔۔ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۴۱)

اب الگ الگ اُن احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے مندرجہ بالا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یہ سب احادیث جو صحاح ستّہ سے ماخوذ ہیں نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہیں۔

۱

عرباض بن ساریہ کی روایت ہے کہ :-

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْھَدُ اِلَیْنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ فَتَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ہمیں ایک وعظ کیا۔ وہ وعظ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس سے ہمارے آنسو بہنے لگ گئے اور دل کانپنے لگے۔ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے یہ الوداعی وعظ ہے، آپ ہمیں کوئی وصیّت کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَ الطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا۔ میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بناؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حکمران کیوں نہ ہو۔ جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بہت بڑا اختلاف دیکھیں گے پس ایسے وقت میں میری وصیّت تمہیں یہی ہے کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تم میری سُنّت اور میرے بعد میں آنے والے خلفاء الراشدین کی سُنّت کو اختیار کرنا۔ تَمَسَّکُوْا بِھَا تم اس سُنّت کو مضبوطی سے پکڑ لینا۔ وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ اور جس طرح کسی چیز کو دانتوں سے پکڑ لیا جاتا ہے اسی طرح اس سنّت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس راستہ کو نہ چھوڑنا جو میرا ہے یا میرے خلفاء راشدین کا ہوگا۔ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ اور تم نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا۔ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ

ضَلَالَۃٌ - کیونکہ ہر وہ نئی بات جو میری اور خلفاء راشدین کی سُنّت کے خلاف ہوگی وہ بدعت ہوگی اور بدعت ضلالت ہوا کرتی ہے۔" (ترجمہ از "خلافتِ راشدہ" تقریر جلسہ سالانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

(۲)

اس کے مقابل پر دوسری احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قسم کے حکام کا ذکر کیا ہے جن سے غلطی بلکہ صریح کفر کا ارتکاب ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔
(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء)

یعنی حضرت عبادۃ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ "ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان شرائط پر بیعت کی کہ جو ہمارے حاکم مقرر ہوں گے ان کے احکام کی ہم ہمیشہ اطاعت کریں گے خواہ ہمیں آسانی ہو یا تنگی اور چاہے ہمارا دل ان احکام کے ماننے کو چاہے یا نہ چاہے بلکہ خواہ ہمارے حق وہ کسی اور کو دلا دیں پھر بھی ہم اُن کی اطاعت کریں گے۔ اسی طرح ہماری بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب ہم کسی کو اہل سمجھ کر اس کے سپرد حکومت کا کام کریں گے تو اُس سے جھگڑا نہیں کریں گے اور نہ اُس سے بحث شروع کر دیں گے کہ تم نے یہ حکم کیوں دیا، وہ دینا چاہیئے تھا۔ ہاں چونکہ ممکن ہے کہ وہ حکام کبھی کوئی بات دین کے خلاف بھی کہہ دیں اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو ہمیں ہدایت تھی کہ ہم سچائی سے کام لیتے ہوئے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور خدا کے دین کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں اور ان کے سپرد یہ کام تمہاری طرف سے ہو چکا ہو اُن سے تم کسی قسم کا جھگڑا نہ کرو مگر یہ کہ تم اُن سے کُھلا کُھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھ لو۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ کسی کُھلے کفر کا ارتکاب کریں اور قرآن کریم کی نصِ صریح

تمہاری تائید کر رہی ہو تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس خلافِ مذہب بات میں اُن کی اطاعت کرنے سے انکار کر دو اور وہی کرو جس کے کرنے کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے۔" (ترجمہ بحوالہ "خلافتِ راشدہ" مطبوعہ تقریر جلسہ سالانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ص۱۳۶)

۳

اسی طرح ایک اَور حدیث میں آتا ہے کہ:-

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ ـ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ ـ اِلَّا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَاْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَاْتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء)

"حضرت عوف بن مالک الاشجعی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم اُن پر درود بھیجو اور اُن کی ترقیات کے لئے دعائیں کرو اور وہ تم پر درود بھیجیں اور تمہاری ترقیات کے لئے دعائیں کریں۔ اور بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم اُن پر لعنت ڈالو اور وہ تم پر لعنت ڈالیں۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ! جب ایسے حکمران ہمارے سروں پر مسلّط ہو جائیں تو کیوں نہ ہم اُن کا مقابلہ کرکے اُنہیں حکومت سے الگ کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا مَا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ فِيْكُمْ ـ لَا مَا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ فِيْكُمْ ـ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ جب تک وہ نماز اور روزہ کے متعلق تم پر کوئی پابندی عائد نہ کریں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکیں تم اُن کی اطاعت سے ہرگز منہ نہ موڑو۔ اَلَا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَاْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ ـ سنو جب تم پر کسی کو حاکم بنایا جائے اور تم دیکھو کہ وہ

بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو تم اپنے دل میں اُس کے اِن افعال سے سخت نفرت رکھو مگر بغاوت نہ کرو۔" (خلافت راشدہ مطبوعہ تقریر جلسہ سالانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ص۱۳۸)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی ہر حالت لازمی اطاعت کا اور دوسرے حکام کی مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے۔

(۴)

جہاں تک دینی نظاموں کے سربراہوں یعنی انبیاء اور خلفاء راشدین یا مجددین اُمت کا تعلق ہے ان کے متعلق تو جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ ہمیں خلافِ دین حکم دے سکتے ہیں۔ دنیوی حکام کی اطاعت بھی لازم ہے لیکن مشروط۔ اب سوال یہ ہے کہ دینی نظام کے چھوٹے افسران کی اطاعت کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اُن کی بھی اطاعت کا ہی حکم ہے اور چونکہ ان کے اُوپر انبیاء، خلفاء راشدین یا مجددین اُمت نگران موجود ہوتے ہیں اس لئے اُن کی غلطیوں کو فوراً درست کروایا جا سکتا ہے۔ پس اُن کی بھی لازمی اطاعت کا حکم ہے۔ ہاں اگر وہ غلطی کریں تو انبیاء، خلفاء راشدین یا مجددین میں سے جو بھی امامِ وقت ہو اُس کی طرف رجوع کیا جائے۔ جو شخص دینی نظام کے چھوٹے افسران کی انہیں چھوٹا سمجھ کر نافرمانی کرتا ہے در اصل وہ امامِ وقت کا نافرمان سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی یہ ہے کہ:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری اطاعت کی اُس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے (میرے قائم کردہ نظام کے) امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی اور واضح ہو کہ امام (یا خلیفہ) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے ہو کر جنگ (ظاہری یا روحانی یا علمی) کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ سے (شرور تکالیف)

بِغَیْرِہٖ فَاِنَّ عَلَیْہِ مِنْہُ وِزْرًا ۔
مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔
(مشکوٰۃ ۔ کتاب الامارۃ و القضاء)

بچا جاتا ہے (اور امن و عافیت حاصل کی جاتی ہے) پس اگر وہ خدا سے ڈر کر اس کے حکم کے مطابق حکمرانی کرے اور انصاف سے کام لے تو اُس کو اِس کے سبب اجر ملے گا اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کا گناہ اس پر ہو گا۔ (بخاری و مسلم)

اِس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ دینی نظام کے چھوٹے سے چھوٹے افسر کی نافرمانی اس دینی نظام اور اُس کے سربراہ سے سرتابی کے مترادف ہے۔ دشمنوں سے ہر قسم کا مقابلہ امامِ وقت اور اس کے قائم کردہ نظام کی ہدایات کے تحت ہونا چاہیئے۔ اگر چھوٹے افسران چھوٹے موٹے معاملات میں کسی غلطی کا ارتکاب بھی کریں تب بھی ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اُن کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے کیونکہ وہ افسران اپنے تمام کاموں میں خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ پس اُن کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑنا چاہیئے اور اپنا فریضۂ اطاعت بہرصورت بجا لانا چاہیئے۔ ہاں کسی اہم غلطی کو نظام کے اعلیٰ ترین افسران تک ضرور پہنچا دینا چاہیئے اور اِس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔

۵

دینی نظاموں میں بعض اوقات بعض افراد چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے اپنے امراء یا افسران سے ناراض ہو کر نظام سے عدم تعاون یا ظاہری یا باطنی علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں اُن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِیْرِہٖ شَیْئًا یَکْرَھُہٗ فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّہٗ لَیْسَ اَحَدٌ یُفَارِقُ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔
(بحوالہ مشکوٰۃ ۔ باب الامارۃ و القضاء)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنے امیر کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اُس کو ناگوار ہو تو صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا اور اسی حال میں مر جائے تو اُس کی موت ایامِ جاہلیت کی سی موت ہو گی اور اسلام کی برکات سے اس نے کوئی حصہ نہیں پایا۔ (بخاری و مسلم)

اِس حکم کی موجودگی میں ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے نظام کے بعض افسران یا امراء سے بعض باتوں میں ناراض ہو کر اپنے نظام سے ہی قلبی طور پر ذرا پرے ہٹ جاتے ہیں یا کسی امام کے پیچھے

نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں یا تعاون کا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۶)

امراء، افسران و حکّام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی عملداری کو امرِ معروف تک محدود رکھیں۔ یعنی اُن کے احکام اُس دائرے تک محدود رہیں جو اُن کے منصب کے لئے دینی یا ملکی قانون نے مقرر کیا ہے اور اِسی کو امرِ معروف کہتے ہیں۔ اگر کوئی حاکم یا امیر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے یا امرِ معروف کے دائرہ سے نکل جائے تو اس کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ مثلاً کوئی امیر کسی عورت کو حکم دے کہ فلاں جگہ شادی کر لو۔ اب یہ امر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت اور اس کے ولی کی رضامندی پر موقوف رکھا ہے نہ کہ امیر کے حکم پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت واجب نہیں۔ اطاعت صرف نیک اور معروف کاموں میں واجب ہے۔ متفق علیہ۔

باقی گناہ کے حکم کا معیار پہلے گزر چکا ہے کہ جس کے خلاف ہمارے پاس قرآن کریم کی نصِ صریح (برہان) موجود ہو۔

(۷)

جماعت احمدیہ کی تعلیم کے مطابق سٹرائکوں میں حصّہ لینا منع اور خلاف شریعت ہے سوائے اس کے کہ خود قانونِ وقت اس کی اجازت دیتا ہو خواہ ہماری حق تلفی ہی ہو رہی ہو۔ اپنے حقوق کو لینے کے لئے اور اپنے اُوپر سے مظالم کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے جائز دنیوی راستوں کے علاوہ ایک آسمانی راستہ بھی مقرر کیا ہے۔ ملک میں یا جماعت میں فساد اور بغاوت کا ارتکاب بہر صورت منع ہے۔ ہاں ظلم اور حق تلفی کی صورت میں یہ حکم ہے کہ اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ تب اسلام کا زندہ خدا تمہارے لئے آسمان سے خود مدد نازل فرمائیگا تمہارا طرزِ عمل اگر اسلام کے احکام کے مطابق ہوگا تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول کر کے خود عافیت کے سامان کر دے گا۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ:۔

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَۃً وَّ اُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَھَا قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَدُّوْا اِلَیْھِمْ حَقَّھُمْ وَسَلُوا اللّٰہَ حَقَّکُمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میرے بعد دیکھو گے کہ نا اہل لوگوں کو تم پر ترجیح دی جا رہی ہے اور بہت سے ایسے امور دیکھو گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسی صورت میں آپ ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم افسران اور حکام کا حق اطاعت انہیں ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(۲) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَاَلَ سَلَمَۃُ بْنُ یَزِیْدَ الْجُعْفِیُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَیْنَا اُمَرَاءُ یَسْئَلُوْنَا حَقَّھُمْ وَیَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَیْھِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔ رَوَاہُ الْمُسْلِمُ

(مشکوٰۃ۔ باب الامارۃ والقضاء)

اور حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ سلمہ بن یزید جُعفی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے نبی آپ اس معاملہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں اگر ہم پر ایسے امراء اور حکام یا افسران مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارے حقوق سے انکار کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کے احکام کو سُنو اور اطاعت کرو کیونکہ اُن پر وہ بات فرض ہے جو اُن کے ذمہ ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ امر (یعنی اطاعت) جو تم پر ڈالا گیا ہے۔

(مسلم)

(۸)

خلفاء کے انتخاب کے وقت اگر تفرقہ پیدا ہو جائے اور دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف سے مقدم کر دیا ہو اور اس کی بیعت پہلے ہوئی ہو اُس کی بیعت کرو اور دوسرے سے جس کی بیعت بعد میں ہوئی ہو جنگ کر دو یا قطع تعلق کرو فرماتے ہیں:-

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو خلیفوں کی

إِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ)

بیعت ہو جائے تو دوسرے خلیفہ سے جنگ کرو (یا اس سے قطع تعلق کرو۔)

یہ جنگ یا قتال بہرحال اُس امام وقت کے زیر ہدایت ہی ہونا چاہیئے جس کی پہلے بیعت ہوئی ہو۔

۹

بعض منافق طبع لوگ بعض اوقات جماعت میں انتشار پیدا کرتے ہوئے اُس کی وحدت اور اتفاق میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگوں سے خبردار رہنے اور اُن سے قتال یا قطع تعلق کا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

عَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. (مشکوٰۃ)

حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ جو شخص تمہارے پاس آئے اور (امام وقت یا نظام کے خلاف بات کرے اور) حالت یہ ہو کہ تم سب ایک امیر اور ایک خلیفہ کی اطاعت پر متحد ہو اور وہ (فتنہ انگیز) تمہارے اتفاق و اتحاد کو توڑنے کا ارادہ کرے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دینا چاہتا ہو تو اس (فتنہ انگیز) کو قتل کردو (یا اس سے قطع تعلق کردو) (مسلم)

۱۰

جہاں اسلام نے اطاعت شعاری کے متعلق اس قدر اصرار سے احکام بیان کئے ہیں وہاں ان افسران، امراء، حکام، یا اساتذہ کو بھی جن کی اطاعت عوام الناس پر فرض کی گئی ہے تاکید کی ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں خیانت، ظلم، اور ناانصافی سے بچیں۔ اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں اگر کوئی خیانت سے کام لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا کا مستحق ہو گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ وَالٍ وَلِيَ رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ

حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ کوئی حاکم یا افسر یا امیر جو مسلمانوں کی سرداری (اور ان کے مفاد کی نگرانی اور ادائیگی)

لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَيه ۔ (مشکوٰۃ)

کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس حالت میں مرے کہ وہ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں خیانت سے کام لے رہا ہو تو خدا تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی موجودگی میں تعجب آتا ہے ان لوگوں پر جو عہدوں کی (خصوصاً دینی نظام میں) خواہش کرتے ہیں اور جب کوئی عہدہ اور ذمہ داری ان کے سپرد ہو جائے تو کما حقہٗ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوشش نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو اس قسم کی و دیگر تمام اقسام کی خیانتوں اور بے انصافیوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھے اور اسلام کی تعلیم کے مطابق سمعًا وطاعةً کا صحیح اور کامل نمونہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثمّ آمین برحمتك يا ارحم الرّاحمين۔

اسلام سے کیا مراد ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اپنے آپ کو ہر آن خدا کا محتاج جاننا اور اُس کے آستانہ پر بھروسہ رکھنا ہی اسلام ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان ہو کر اسلام کے طریق کو اختیار نہیں کرتا اور اس پر قدم نہیں مارتا تو پھر اُس کا اسلام ہی کیا ہے؟۔ اسلام نام ہے خدا کے آگے گردن جھکا دینے کا..... اس جماعت میں داخل ہو کر اوّل تغیر زندگی میں یہ کرنا چاہیئے کہ خدا پر ایمان سچا ہو کہ وہ ہر مصیبت میں کام آتا ہے۔ پھر اُس کے احکام کو نظرِ خفّت سے ہرگز نہ دیکھا جاوے بلکہ ایک ایک کلمہ کی تعظیم کی جاوے اور عملاً اس تعظیم کا ثبوت دیا جاوے۔" (البدر ۸ر دسمبر ۱۹۰۳ء)

کلیسائے انگلستان کی ناگفتہ بہ حالت

برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی کا عبرتناک منظر

کلیسائے انگلستان کے نامی گرامی پادری ڈاکٹر جان رابنسن نے جو وول وِچ کے بشپ ہیں گزشتہ سال ایک کتاب لکھی تھی جو مارچ ۱۹۶۳ء میں "Honest to God" کے نام سے پہلی بار شائع ہوئی۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ برطانیہ بھر میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ایک ماہ کے اندر اندر اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس میں ڈاکٹر جان رابنسن نے الوہیت مسیح، مسیح کی صلیبی موت، اور کفارہ وغیرہ کے مروّجہ عیسائی عقائد کے بارہ میں لکھا تھا کہ یہ عقائد آجکل کے سائنسی دور میں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ عیسائیت اس زمانہ میں یکسر بے اثر ہوکر تسخیرِ قلوب کی اہلیت کھو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ جب تک ہم پوری دیانتداری سے کام لے کر خدا کے متعلق مروّجہ عیسائیت کے مضحکہ خیز تصوّر کو خیرباد نہیں کہیں گے اُس وقت تک عیسائیت کے یکسر نابود ہونے کا خطرہ دُور نہیں ہوگا۔ (حوالہ کے لئے دیکھیں ماہنامہ انصار اللہ جون ۱۹۶۳ء)

ڈاکٹر جان رابنسن کو بشپ کے ممتاز کلیسیائی عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود خود مروّجہ عیسائیت کی تردید میں ایسی بات لکھنے کی کیسے جرأت ہوئی اور ملک بھر میں خود ایک بشپ کے قلم سے عیسائیت کی اس تردید کو کیسے گوارا کر لیا گیا؟ دراصل اس قدر بے باکی سے عیسائیت کی تردید میں اُن کا قلم اُٹھانا ہی اس امر کا ثبوت تھا کہ خود برطانیہ میں (جہاں کے پادریوں اور مشنریوں نے گزشتہ صدی کے دوران مشرقی ممالک میں عیسائیت کو فروغ دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی) عیسائیت ناکام ہو چکی ہے اور اہلِ برطانیہ کا عیسائیت پر سے ایمان و اعتقاد اُٹھ چکا ہے۔ چنانچہ مشہور امریکی ہفت روزہ رسالہ "ٹائم" نے اپنی ۱۶ر اگست ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں برطانیہ کی مذہبی حالت پر ایک دلچسپ مضمون شائع کر کے اس کی تصدیق کر دی۔ یہ مضمون رسالہ مذکور کے مذہبی حصّہ میں شائع ہوا اور اس کا عنوان تھا "گرجوں کی خالی نشستیں"۔ اس میں کلیسائے انگلستان کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈال کر برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی

کا عبرتناک منظر پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم مضمون کے بعض ضروری اقتباسات کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ اِن اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کلیسائے انگلستان کیسے پُرمحن حالات میں سے گزر رہا ہے۔

مضمون کے آغاز میں اِس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ برطانیہ نے اپنے زمانۂ عروج میں دنیا کے مختلف حصّوں میں عیسائیت کی داغ بیل ڈالنے اور اسے پروان چڑھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی لیکن آج خود برطانیہ میں عیسائیت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں حتّٰی کہ کلیسائے انگلستان آج ایک نازک اور مایوس کن صورتِ حال سے دوچار ہے۔ چنانچہ مضمون نگار رقمطراز ہے :-

برطانوی سلطنت ایک بحرِ زخار کی طرح کرۂ ارض پر اُبھری جس کی موجیں صدیوں تک آگے ہی آگے بڑھتی اور پھیلتی رہیں لیکن مدّ و جزر کے اصول کے تحت جب یہ واپس لوٹنے پر آئیں تو دس بیس سال کے اندر اندر بڑی تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹتی اور سمٹتی چلی گئیں۔ غیر علاقوں کے جس جس حصّۂ زمین سے بھی یہ ٹکرائیں وہیں ایک چرچ چھوڑ گئیں سلطنت بے شک ختم ہوگئی لیکن انگلش انداز کا چرچ ہر جگہ بدستور قائم رہا...... آج صورت یہ ہے کہ اِن سب علاقوں میں انگلش چرچ پھل پھول رہا ہے لیکن برطانیہ میں اِس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

آگے چل کر کلیسائے انگلستان کی بے بسی اور برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی کا نقشہ کھینچتے ہوئے مضمون نگار مزید رقمطراز ہے :-

ڈرلٹن کے بشپ دی رائٹ ریورنڈ ایڈورڈ رالف وِکہم کا کہنا ہے کہ "سوال یہ نہیں ہے کہ کلیسائے انگلستان کے قبضہ سے میدان نکل رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ میدان پہلے ہی ہمارے قبضہ سے نکل چکا ہے"۔ کلیسائے انگلستان سے تعلق رکھنے والے باقاعدہ درج شدہ ممبروں کی تعداد ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ ہے۔ ان میں سے صرف تیس لاکھ افراد ایسے ہیں جو گرجا میں جانے کے عادی ہیں اور وہ بھی (ہر اتوار نہیں) بلکہ سال میں صرف ایک دفعہ۔ کیتھڈرل کے ڈین چند ایک خاموش زائرین کی موجودگی میں اپنی شاہانہ "سروس" کا اہتمام کرتے ہیں۔ "سروس" کے دوران معلوم یوں ہوتا ہے کہ سب کچھ خلا میں ہی انجام پا رہا ہے۔

"ٹائم" نے ساؤتھ وارک کیتھڈرل میں ۴ر اگست ۱۹۶۳ء کو منعقدہ سروس کا فوٹو بھی شائع کیا ہے تصویر میں خال خال گنتی کے چند خوش اعتقاد عیسائی کچھ مرد اور کچھ عورتیں اپنی نشستوں کے آگے کھڑے پادری کا وعظ سُن رہے ہیں۔ باقی کیتھڈرل کا وسیع و عریض ڈھنڈار ہال اور اس کی لاتعداد خالی نشستیں اہلِ برطانیہ کی عیسائیت سے بیزاری اور کلیسیائے انگلستان سے لاتعلقی پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہی ہیں "ٹائم" نے تصویر کے نیچے اشارہ کے رنگ میں حسب ذیل الفاظ درج کئے ہیں" مایوس کن دورِ پرمحن" ___ آگے چل کر کلیسیائے انگلستان کی بے بسی کی طرف مزید اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

کلیسیائے انگلستان کا اونچے طبقوں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اونچے طبقہ کے لوگ اگر (نسبتاً) با اخلاق ہیں تو اس لئے نہیں کہ کلیسیا اُنہیں با اخلاق ہونے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس لئے کہ ایک شریف آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

مضمون نگار نے آگے چل کر لکھا ہے کہ برطانیہ کے لاٹ پادری (آرچ بشپ آف کنٹربری) ڈاکٹر رامزے اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ملک میں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے جن کے تعاون سے صورتِ حال پر قابو پایا جاسکتا ہے لیکن کلیسیا کے دوسرے پادری اس بارہ میں اُن کے ہم خیال نہیں ہیں۔ ان پادریوں کے نزدیک حالات یکسر قابو سے باہر ہو چکے ہیں اور اب ان کے سُدھرنے کی اُمید نہیں ہے اس لئے وہ بہت نرم رویّہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

اس جدّوجہد کے بارہ میں لاٹ پادری کے برعکس انگلستان کے بہت سے پادریوں کا رویّہ مضبوطی کا آئینہ دار نہیں ہے۔ تقریباً ہر ہفتہ لندن کے اخبارات کو کسی نہ کسی پادری کے ایسے الفاظ جلی عنوانات کا مواد فراہم کر دیتے ہیں جو وہ عیسائیت کو زندگی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں کہہ گزرتا ہے مثلاً یہی کہ یک جنسی اختلاط نیز زنا اور طلاق کو گوارا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک اینگلیکن بشپ نے حال ہی میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں موجودہ حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے کم از کم اس عرصہ کے لئے جب تک کہ موجودہ نسل زندہ ہے "خدا" کا لفظ استعمال کرنا ہی ترک کر دینا چاہیئے۔ یہ نتیجہ ہے غالباً اس صورتِ حال کا کہ شادی بیاہ اور تدفین کے مواقع کے سوا ہر اتوار کو لندن کے گرجے اتنے ہی خالی ہوتے ہیں جتنا کہ دیہات کے وہ ۸ ہزار گرجے جو ازمنۂ وسطیٰ سے (آثارِ قدیمہ کی شکل میں) غیر آباد چلے آرہے ہیں۔

برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی کا یہ عبرتناک منظر اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہا ہے

کہ اس صورتِ حال کی ذمہ داری الوہیتِ مسیح، مسیح کی صلیبی موت، اور کفارہ وغیرہ کے باطل عقائد پر عائد ہوتی ہے خلائی دَور کا ترقی یافتہ ذہن بھلا ایسے توہمات کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ کا عوامی ذہن اِن توہمات کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے نہ صرف اِن سے بلکہ خود چرچ سے لاتعلقی کا اظہار کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اور یہی وہ اصل حالات ہیں جن سے متاثر ہو کر ڈاکٹر جان رابنسن ایسے نامور بشپ کو اپنی کتاب میں عیسائیت کے مروجہ عقائد پر بھرپور وار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوئی اور عوام نے بھی برہمی کا اظہار کرنے کی بجائے اسے ہنسی خوشی گوارا کر لیا۔

اگر دیکھا جائے تو خود عیسائیت کے گڑھ برطانیہ میں عیسائیت کی یہ ناکامی ایک زبردست نشان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہی برطانیہ عظمیٰ ہے جہاں کے پادریوں نے آج سے ستّر سال قبل برّصغیر کو عیسائی بنا کر ساری دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اِسی لندن شہر میں (جہاں سے گزشتہ سال بشپ رابنسن نے عیسائیت کے مروجہ عقائد کے خلاف کتاب شائع کی تھی اور اب جہاں کے لوگوں کی عیسائیت سے بیزاری اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے) ۱۸۹۴ء میں اینگلیکن کمیونین کے پادریوں کی بہت وسیع پیمانے پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں نہ صرف انگلستان کے بلکہ دنیا کے اُن تمام دُور و دراز ممالک کے نمائندہ پادری شریک ہوئے تھے جہاں کلیسیائے انگلستان کے زیرِ انتظام عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی تھی۔ اُس میں ایس۔ پی۔ جی۔ کالج ترچنا پلی (مدراس) کے پرنسپل دی ریورنڈ تھامس ہینتھ وے ڈاڈسن نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"وہ میدانِ جنگ جس پر تمام متمدن دنیا کے سامنے آخر کار عیسائیت کی فوقیت اور بالادستی کا فیصلہ ہونیوالا ہے ہندوستان کی سرزمین ہے۔ ہندوستان، ہندو دھرم، بدھ مت، اور اسلام کے ایک مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں محض منطقی دلائل، توہمات، اور بُت پرستی کے جاہلانہ طریقوں سے ہی عیسائیت کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسیح کی فوج کو جس طرح بیک وقت متعدد دشمن تریں فلسفوں کا ہندوستان میں مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے دنیا کے اور کسی حصہ میں نہیں کرنا پڑ رہا!" (آفیشل رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس آف انگلیکن کمیونین ۱۸۹۴ء صفحہ ۳۹۲)

انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کر ڈالی کہ بالآخر عیسائیت برّصغیر میں غالب آ کر رہے گی اور اِس طرح ساری متمدن دنیا کے سامنے عیسائیت کی فوقیت اور بالادستی ثابت ہوئے بغیر نہ رہے گی چنانچہ انہوں نے مدراس کے گورنر سر چارلس ٹریویلین کے الفاظ دہراتے ہوئے اعلان کیا:۔

"بہت سے لوگ ہندوستان کے عیسائیت کی آغوش میں آنے کے طریقِ کار کے متعلق غلط فہمی

میں مبتلا ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے عیسائیت کی آغوش میں آنے کا واقعہ آخری مرحلہ میں بہت وسیع پیمانہ پر ظہور میں آئے گا بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہمارے آباؤ اجداد نے عیسائیت قبول کی تھی۔ عیسائیت کی تعلیم مختلف طریقوں اور ذرائع سے ملک میں سرایت کریگی مثلاً براہ راست مشنری تعلیم و تدریس کے ذریعہ، بالواسطہ طور پر مختلف قسم کی کتابوں کے ذریعہ، پبلک لیکچروں اور مقالوں کے ذریعہ، یورپی لوگوں کیساتھ تبادلۂ خیالات کے ذریعہ، الغرض ہر اُس ممکن طریقہ سے جس کے ذریعہ کوئی بھی علم پھیلتا اور دوسروں تک پہنچتا ہے عیسائیت اندر ہی اندر اپنے لئے جگہ بناتی چلی جائیگی۔ جب آخر کار معاشرہ میں مسیحی علم اچھی طرح رچ جائیگا اور رائے عامہ حتمی طور پر اسکے حق میں ہو جائیگی تو ہندوستان کے رہنے والے ہزاروں ہزار کی تعداد میں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے "

(آفیشل رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس ۱۸۹۲ء صفحہ ۳۸۶)

یہ کتنا محیر العقول انقلاب ہے کہ آج سے ستر سال قبل برصغیر کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنا کر ساری متمدن دنیا پر عیسائیت کی فوقیت اور بالادستی ثابت کرنیوالے برطانوی پادریوں کے اپنے ملک میں آج عیسائیت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ برصغیر کو عیسائیت کی آغوش میں لانا تو کجا آج انہیں خود اپنے وطن میں عیسائیت کو سنبھالا دینا مشکل نظر آ رہا ہے۔ لوگ دن بدن عیسائیت سے بیزار ہو کر الوہیتِ مسیح، مسیح کی صلیبی موت اور کفارہ کے عقیدہ کو خیرباد کہتے چلے جا رہے ہیں۔ وہاں کے گرجا گھر غیر آباد اور عیسائیت کا اعتقادی سرمایہ روز بروز برباد ہو رہا ہے۔

کیا یہ صورتِ حال حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صداقت کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت فراہم نہیں کر رہی؟ آپ نے آج سے ستر سال قبل اسی برصغیر کی سرزمین سے جسے برطانیہ کے پادری اور مشنری عیسائی بنانے کے خواب دیکھ کر ہوائی قلعے تعمیر کر رہے تھے ایک دنیا کو مخاطب کر کے اِس خدائی بشارت کا اعلان کیا تھا کہ عیسائیت اب دن بدن زوال پذیر ہوتی چلی جائیگی اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر کے رکھ دیگا۔ آپ نے جس آسمانی بشارت کا اعلان فرمایا تھا وہ خود آپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"مَیں ہر دم اِس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے۔ ۔ ۔ مَیں کبھی کا اِس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا آقا قادر و توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے، غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے، مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی اور نیز اُس کا بیٹا اب ضرور مریگا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر مَیں چاہوں تو مریم اور اسکے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں۔ سو اب اُس نے

چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے۔ سو اب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھیگا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ چلے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا کیونکہ داخل ہونیوالے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید، جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دیگا، لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

آج خود برطانیہ میں عیسائیت جس حالت کو پہنچ چکی ہے اس کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ مریم اور اُس کے بیٹے عیسیٰ کی معبودانہ زندگی پر موت نہیں آئی؟ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کے ایک ہی ہاتھ نے کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر کے نہیں رکھ دیا؟ کہاں ہے کلیسیائے انگلستان کا وہ مصنوعی خدا اور اس کا مصنوعی کفارہ؟ جب خود کلیسیائے انگلستان کے نامی گرامی پادری برطانیہ میں عیسائیت کی ناکامی کا رونا رو رہے ہیں تو پھر کسی اور کو کب یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی تردید کرے۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کی پیشگوئی کے بموجب اللہ تعالیٰ کی آسمانی تقدیر کے بروئے کار آنے سے نہ صرف برطانیہ سے بلکہ یورپ، ایشیا، اور افریقہ کے ہر ملک اور ہر علاقہ سے عیسائیت کی صف لپیٹی جا رہی ہے اور ہر جگہ ہی غلبۂ اسلام کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ وہ وقت یقیناً اب قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ پھر روئے زمین پر ایک ہی مذہب ہوگا یعنی اسلام اور ایک ہی پیشوا ہوگا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

بچوں کا صفحہ

بُری عادتیں چھوڑنے کا زمانہ!

آج سے پچپن سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے مدرسہ احمدیہ کے چھوٹے بچوں کو قادیان کی مسجد مبارک میں بلا کر انہیں بعض نصیحتیں فرمائیں۔ وہ نصیحتیں بہت ہی قیمتی ہیں اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل۔ اُن میں سے ایک نصیحت ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ بچوں کو چاہیئے کہ اسے بہت توجہ اور غور سے پڑھیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بہت ہی کام کی بات ہے۔ اگر وہ اِس پر عمل کریں گے تو اُن کی زندگیاں بدل جائیں گی۔ وہ نیک بن جائیں گے۔ خدا اُن سے پیار کرنے لگے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رض نے بچوں کو نہایت محبت بھرے انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تم جانتے ہو برسات میں جب آم کی گٹھلیاں زمین میں اُگ آتی ہیں تو بچے اکھیڑ کر اُن کی پیپیاں بناتے ہیں۔ لیکن اگر اُس آم کی گٹھلی پر پانچ چھ برس گزر جاویں تو باوجودیکہ یہ لڑکا بھی پانچ چھ برس گزرنے پر جوان اور مضبوط ہو جاوے گا لیکن پھر اس کا اُکھیڑنا دشوار ہوگا۔ بس معلوم ہوا کہ جب تک جڑ زمین میں مضبوطی کے ساتھ نہ گڑ جائے اُس وقت تک اکھیڑنا آسان ہے اور جڑ مضبوط ہو جانے کے بعد دشوار۔ عادات و عقائد بھی درخت کی طرح ہوتے ہیں۔ بُری عادات کا اب اُکھیڑنا آسان ہے لیکن جڑ پکڑ جانے کے بعد انہیں اُکھیڑنا یعنی ان کا ترک کرنا ناممکن ہوگا۔ بعض بچوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اگر شروع سے ہی اس کو دُور نہ کرو گے تو پھر اس کا دُور کرنا مشکل ہوگا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جن کو بچپنے میں جھوٹ کی عادت پڑ گئی ہے پھر عالم فاضل ہو کر بھی اُن سے جھوٹ کی عادت نہیں چھوٹی ہے۔"

(بدر ۲۸ جنوری ۱۹۰۹ء)

بچّوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس نصیحت کو پلّے باندھ لیں اور اِس پر دل و جان سے عمل کریں۔ سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ کوئی بُری عادت اپنے اندر پیدا ہی نہ ہونے دیں۔ لیکن خدانخواستہ اگر کسی بچّے میں کوئی بُری عادت مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، چغل خوری وغیرہ پائی جاتی ہو تو وہ فوراً اُسے چھوڑ دے۔ بُری عادتیں چھوڑنے کا یہی زمانہ ہے ورنہ —— پھر پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب بچّوں کو بُری عادتوں سے بچائے اور اگر کسی بچّے میں کوئی بُری عادت پائی جاتی ہو تو اُسے چھوڑنے کی توفیق بخشے۔ تا وہ بڑا ہو کر اسلام کا سچّا اور بہادر سپاہی بن سکے۔

آمین +

خدا کو خاکساری پسند ہے

(حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام)

تکبّر سے نہیں مِلتا وہ دلدار — ملے جو خاک سے اُس کو ملے یار
کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے — کرے پاک آپ کو تب اُسکو پاوے
پسند آتی ہے اُس کو خاکساری — تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری
عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ — کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

(درِّ ثمین - اُردو)

اھم مرکزی اعلانات

قیادت وقفِ جدید انصار اللہ کا قیام

مجالس انصار اللہ کی اطلاع کے لئے یہ اعلان ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس مشاورت سنہ ۶۴ء کی یہ سفارش منظور فرمائی ہے کہ :-

"جس طرح تحریک جدید کے دفتر دوم کی خاص اعانت کی ذمہ داری مجلس خدام الاحمدیہ پر ڈالی گئی ہے اسی طرح وقفِ جدید کی خاص اعانت کی ذمہ داری مجلس انصار اللہ پر ڈالی جائے جو اس امر کی نگرانی کرے کہ وقفِ جدید کے مالی جہاد میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تعمیل میں ہر فردِ جماعت کم از کم چھ روپے سالانہ ادا کرے البتہ صاحبِ حیثیت احباب حزور چھ روپے سے زیادہ اپنی مالی استطاعت کے شایانِ شان حصہ لیں"

اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر صدر محترم مجلس انصار اللہ نے " وقفِ جدید" کے نام سے ایک نئی قیادت قائم کرنے کی منظوری عطا فرمائی ہے اور اس قیادت کا قائد مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر کو مقرر فرمایا ہے - زعماء اعلیٰ / زعماء صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے ہاں نائب زعیم وقفِ جدید مقرر کر کے صدرِ محترم سے منظوری حاصل فرمالیں - اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عہدیداران کو صحیح معنوں میں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے - آمین (قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

انصار اللہ کی ماہانہ رپورٹ کارگذاری

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجالس انصار اللہ میں اشاعتِ دین، تربیتِ نفوس، قرآن مجید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درس اور دیگر روحانی کام جاری ہیں اور ہر مجلس اپنی وسعت کے مطابق اس کارِ خیر کی سر انجام دہی میں مصروف ہے مگر مرکز میں بعض مجالس کی طرف سے کارگذاری کی رپورٹ موصول نہیں ہوتی جس کی وجہ سے مرکز مجالس کی نیک مساعی سے آگاہ نہیں ہو سکتا - عہدیداران انصار اللہ سے گزارش ہے کہ وہ بروقت رپورٹ کارگزاری بھجوانے کا اہتمام فرماویں رجزاکم اللہ احسن الجزاء ــــ مرکز کی طرف سے گزشتہ ماہ کی رپورٹ کارگذاری بھجوانے کیلئے ہر ماہ کی دس تاریخ مقرر ہے - زعماء اس کا خاص طور پر خیال رکھیں - (قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

زعماءِ کرام انصار اللہ کی خدمت میں ضروری گزارش

زعماءِ کرام انصار اللہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ حسب ذیل سوالات کی روشنی میں اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا وہ خود اور اُن کی مجالس جذبۂ ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنے مفوضہ فرائض سر انجام دے رہی ہیں:۔

۱۔ کیا آپ باقاعدگی سے بیکاروں کو روزگار دلانے کی سعی فرما رہے ہیں ؟

۲۔ کیا آپ کی مجلس نادار مریضوں کے علاج کی طرف خصوصیت سے توجہ دے رہی ہے ؟

۳۔ کیا آپ کی مجلس کے جملہ اراکین بیماروں کی عیادت کرنے میں مستعد ہیں ؟

۴۔ کیا آپ کی مجلس کے اراکین اپنے جسموں، لباسوں اور گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کے علاوہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہتے ہیں ؟

۵۔ کیا آپ کی مجلس وبائی بیماریوں کی روک تھام کے لئے مکھی اور مچھروں کے انسداد کی تدابیر اختیار کرتی ہے ؟

۶۔ کیا آپ کی مجلس کے اراکین اُن ننھے پودوں کی باقاعدگی سے دیکھ بھال کر رہے ہیں جو شجر کاری کے ایام میں لگائے گئے تھے ؟

۷۔ کیا آپ کی مجلس میں فرسٹ ایڈ سکھانے کا کوئی انتظام ہے ؟

۸۔ کیا آپ کی مجلس میں گُم شدہ اشیاء کو متعلقہ اشخاص تک پہنچانے کا انتظام ہے ؟ (قائد ایثار)

قیادتِ ایثار کی رُوح

قیادتِ ایثار کی روح یہ ہے کہ جو شخص بھی جس کام کے لئے موزوں ہو اُس سے ایک نظام کے تحت باقاعدگی سے کام لیا جائے۔ تاکہ ضرورت مندوں کو بر وقت اور معیّن شکل میں امداد پہنچائی جائے۔ اِسی مقصد کے لئے حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے:۔

"اور جو شخص جس کام کیلئے موزوں ہو اُس کیلئے اُس سے نصف گھنٹہ روزانہ کام لیا جائے۔ یہ نصف گھنٹہ کم سے کم وقت ہے اور ضرورت پر اس سے زیادہ وقت لیا جا سکتا ہے۔ یا یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے ہفتہ میں دو چار دن لے لئے جائیں۔"

(قائد ایثار مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

اپنے ایمان اور اعتقاد کو کامل کرو ادھورا ایمان کسی کام نہ آئے گا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ھیں :—

’’یاد رکھو ایمان بغیر اعمال صالحہ کے ادھورا ایمان ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اگر ایمان کامل ھو تو اعمال صالحہ سرزد نہ ھوں ؟ اپنے ایمان اور اعتقاد کو کامل کرو ورنہ کسی کام کا نہ ھوگا۔ لوگ اپنے ایمان کو پورا ایمان تو بناتے نہیں پھر شکایت کرتے ھیں کہ ھمیں وہ انعامات نہیں ملتے جن کا وعدہ تھا۔ بے شک اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا ھوا ہے کہ و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب یعنی جو اس کی نظر میں متقی بنتا ہے اس کو خدا تعالی ہر ایک قسم کی تنگی سے نکالتا اور ایسی طرز سے رزق دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ھوتا کہ کہاں سے اور کیونکر آتا ہے۔ خدا تعالی کا یہ وعدہ برحق ہے اور ھمارا ایمان ہے کہ خدا تعالی اپنے وعدوں کو پورا کرنے والا اور بڑا رحیم کریم ہے۔ جو اللہ تعالی کا بنتا ہے وہ اسے ہر ذلت سے نجات دیتا اور خود اس کا حافظ و ناصر بن جاتا ہے۔ مگر وہ جو ایک طرف دعویٰ اتقا کرتے ھیں اور دوسری طرف شاکی ھوتے ھیں کہ ھمیں وہ برکات نہیں ملے۔ ان دونوں میں سے ہم کس کو سچا کہیں اور کس کو جھوٹا ؟ ۔ خدا تعالی پر ہم کبھی الزام نہیں لگا سکتے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد خدا تعالی اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ہم اس مدعی کو جھوٹا کہیں گے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا تقوی یا ان کی اصلاح اس حد تک نہیں ھوتی کہ خدا تعالی کی نظر میں قابل وقعت ھو۔ یا وہ خدا کے متقی نہیں ھوتے لوگوں کے متقی اور ریاکار انسان ھوتے ھیں۔ سو ان پر بجائے رحمت اور برکت کے لعنت کی مار ھوتی ہے جس سے سرگرداں اور مشکلات دنیا میں مبتلا رہتے ھیں۔ خدا تعالی متقی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے وعدوں کا پکا اور سچا اور پورا ہے‘‘ (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ھوا

جلد ۵ جون ۱۹۶۴ء شمارہ ۶

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

جون سنہ ۱۹۶۴ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے   فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

نفسِ مطمئنہ اور اُس کے حصول کا مؤثر ذریعہ	ایڈیٹر	۳
یاد رکھو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۷
وَلَیْسَ عِلَاجُ الْوَقْتِ اِلَّا اِطَاعَتِیْ (عربی نظم)	″ ″ ″	۲۱
ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم (فارسی نظم)	″ ″ ″	۲۲
مغربی تہذیب اور اسلام	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۲۳
ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ کی بے اندازہ اہمیت	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	۲۸
ایمانِ کامل کے دو بلند مراتب	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے	۳۱
نظامِ خلافت کی اہمیت	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے	۳۵
مغربی ممالک میں اباحتی زندگی کا دل دوز منظر	ایڈیٹر	۴۱
بچوں کے صفحات:-		
ہمارا خدا	محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی	۴۷
خدا کی نصرت کن لوگوں کو ملتی ہے (نظم)	دُرِّ ثمین	۴۸

طابع و ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی - ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۶

۱۵ جون ۱۹۶۴ء

نفسِ مطمئنّہ اور اُس کے حصُول کا مؤثّر ذریعہ

مَوت کو یاد رکھنے اور اُسے قریب سمجھنے کی بنیادی اہمیّت

جیساکہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی کتب و ملفوظات میں بار بار واضح فرمایا ہے قرآنِ مجید کی رُو سے نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں۔ ایک نفسِ امّارہ، دوسرے نفسِ لوّامہ، اور تیسرے نفسِ مطمئنّہ۔ نفسِ امّارہ کی حالت میں انسان شیطان کے پنجہ میں گرفتار رہتا ہے اور ہمیشہ ہی اُس کی طرف جُھکتا اور خدا سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے، نفس کی یہ سب سے زیادہ خراب اور ارذل حالت ہے۔ نفسِ لوّامہ کی حالت میں انسان اپنی خطاکاریوں پر نادم و شرمسار ہو کر خدا کی طرف جُھکتا اور اُس سے اپنا تعلق استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس حالت میں اُس کی شیطان کے ساتھ باہم ایک جنگ جاری رہتی ہے یعنی کبھی شیطان کی طرف جُھک جاتا ہے اور کبھی رحمٰن کی طرف۔ نفسِ مطمئنّہ کی حالت میں انسان عباد الرحمٰن کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ مقام اُسے شیطان پر پوری فتح پا لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سو گویا نفسِ انسانی اپنی اِن تین حالتوں کے اعتبار سے ایک میزان کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اُس کے ایک سرے پر نیچے کی طرف امّارہ کی حالت ہے اور دوسرے سرے پر ارتفاعی نقطہ کے طور پر مطمئنّہ کی حالت ہے۔ اس میزان کے بیچ میں لوّامہ ہے۔ جس انسان کا نفس، لوّامہ کی حالت میں ہوتا ہے وہ اگر انخفاضی نقطہ کی طرف جُھکتا ہے تو امّارہ کی طرف عود کر کے حیوانات سے بھی بدتر اور ارذل ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے ارتفاعی نقطہ کی طرف جس قدر رجوع کرتا ہے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہوتا جاتا ہے اور سفلی اور ارضی حالتوں سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان

سے حصہ پاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امارہ کی حالت تو ہے ہی سب سے زیادہ بدتر اور ارذل حالت جس میں اصلاح کی امید ہی نہیں ہوتی تاوقتیکہ انسان حقیقی معنوں میں توبہ کر کے بڑی جدّ و جہد اور کوشش کے بعد اس حالت سے نکل کر لوّامہ کی حالت میں نہ آجائے۔ لوّامہ کی حالت میں جہاں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ انسان اپنی کسی لغزش کی وجہ سے پھر اسفل السافلین میں نہ جا شامل ہو وہاں اس امر کا بھی غالب امکان ہوتا ہے کہ وہ ترقی کر کے حالتِ مطمئنّہ کی طرف قدم بڑھائے۔ اصل حالت جس میں انسان وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق قرار پا سکے مطمئنّہ کی حالت ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک یہ حالت انسان کو میسّر نہ آئے وہ ایک طرح سے خطرہ ہی کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ نہیں کہا جا سکتا کہ لوّامہ کی حالت میں کب انسان سے کوئی لغزش ایسی سرزد ہو جائے کہ وہ ارتفاعی نقطہ کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے انخفاضی نقطہ یعنی حالتِ امارہ کی طرف ایسا پھسلے کہ پھر سنبھل ہی نہ سکے۔ پس لوّامہ کی حالت اگرچہ امارہ کی حالت سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ انسان اس حالت میں بھی خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد ایسے ذرائع بیان فرمائے ہیں جنہیں اختیار کر کے انسان لوّامہ کی حالت سے ترقی کر کے حتمی اور یقینی طور پر مطمئنّہ کی حالت میں پہنچ سکتا ہے اور اس طرح نجات یافتہ گروہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ایک ذریعہ پر ذیل میں ہم قرآنِ مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کی رُو سے روشنی ڈالتے ہیں۔

نفسِ لوّامہ سے ترقی کر کے نفسِ مطمئنّہ حاصل کرنے کا وہ خاص ذریعہ جس کی طرف توجہ دلانا فی الوقت ہمارے پیشِ نظر ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنوں کو بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ ہمیشہ اس امر پر غور کرتے رہیں کہ یہ دنیوی زندگی، اس کی مرغوب و دل پسند آسائشیں، اس کے مال و منال، اس کے ساز و سامان اور اس کے سب عیش و آرام محض عارضی اور فانی ہیں۔ ہر انسان کو بہرحال موت آکر ایک دن ان سے منقطع کر دے گی اور اس طرح منقطع کر دے گی کہ پھر انسان کسی حال میں بھی ہرگز ہرگز اس دنیا میں واپس لوٹ کر نہیں آسکے گا۔ موت کے بعد انسان جس ابدی جہان میں منتقل ہوگا وہاں اُسے اپنے جملہ اعمالِ نیک و بد کا حساب دینا ہوگا اور اس کے مطابق جزا سزا بھگتنی ہوگی۔

دراصل امارہ کی حالت سے نکل کر لوّامہ کی طرف قدم نہ بڑھانے یا لوّامہ سے مطمئنّہ کی طرف ترقی کرنے کی بجائے پھر امّارہ کی طرف عود کر جانے کا ایک باعث یہ امر ہوتا ہے کہ انسان یہ بھول جاتا ہے کہ موت برحق ہے۔ وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے اور پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ موت دوسروں کے لئے ہے، وہ خود نہیں مرے گا۔ موت کو فراموش

کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی گرفت مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے اور انسان بھول کر بھی خدا کو یاد نہیں کرتا اور دنیا اور اس کے عیش و طرب میں ہی منہمک رہتا ہے۔ اگر انسان کو ہر وقت موت یاد رہے اور جزا سزا کا فکر دامنگیر رہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ہر دم اصلاح اور روحانی ترقی میں کوشاں نہ رہے اور اُسے بالآخر نفسِ مطمئنہ حاصل نہ ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ وہ موت کو ہر آن یاد رکھیں، اسے ہمیشہ قریب سمجھیں اور اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک اعمال بجا لا کر نفسِ مطمئنہ حاصل کرنے کی کوشش کریں تا جب جلد یا بدیر کوچ کا وقت آئے تو وہ ہنسی خوشی اور سرخرو ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوں نہ کہ مجرموں کی طرح نادم و شرمسار ہو کر۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ انسان کی پیدائش، اس کے مختلف مراحل اور زندگی کے گوناگوں انقلابات کا ذکر کرنے کے بعد مومنوں کو خبردار کرتے اور یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے:۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ (یاد رکھو) پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (اور) پھر تم قیامت کے دن اُٹھائے جانیوالے ہو۔
(المؤمنون آیت ۱۶-۱۷)

ایک اور جگہ یاد کراتا ہے کہ تم ہی نہیں بلکہ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔ اسی طرح تم بھی مروگے اور ہمارے حضور میں واپس لوٹائے جاؤ گے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (العنکبوت آیت ۵۸)
ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم سب کو لوٹایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ اسی مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ دنیا کی زندگی فریب دینے والی عارضی متاع ہے۔ کامیاب وہ ہیں جو اس کے فریب میں پھنسنے کی بجائے نیک اعمال بجا لاکر اگلے جہان کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کی ابھی سے فکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝
(آل عمران آیت ۱۸۶)

ہر ایک جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہیں صرف قیامت کے دن ہی تمہارے (اعمال کے) پورے بدلے دیئے جائیں گے۔ پس جسے آگ سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے وہ کامیاب ہو گیا اور ورلی زندگی (کی متاع) صرف فریب دینے والی عارضی متاع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے بار بار مومنوں کو یاد دلایا ہے کہ

وہ دُنیا اور اُس کی لذّات کو مقصود بالذات نہ بنائیں بلکہ ہمیشہ موت کو یاد کرکے نیک اعمال بجا لانے کی فکر کریں۔ چنانچہ ایک جگہ موت کو یاد رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے باور کراتا ہے کہ اگر مرتا یا دنیا ہی میں منہمک رہو گے تو یاد رکھو کہ جب موت تمہیں اچانک آ لے گی تو اُس وقت تمہیں حسرت ہوگی کہ ہم نے غفلت میں عمر کیوں گزاری اور کیوں نہ نیک اعمال بجا لاکر لازوال اُخروی انعامات کا اپنے آپ کو اہل بنایا۔ اس وقت خواہش کروگے کہ اے کاش تھوڑی سی مہلت مل جائے تو تلافیٔ مافات کرکے اپنے آپ کو خدا کے غضب سے بچا لیں لیکن یاد رکھو جب موت کا مقدّر وقت آجاتا ہے تو پھر اُس میں التواء یا تعویق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ موت آتی ہے اپنے وقت پر آتی ہے اور پھر اُس میں ایک پل کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ سو فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(المنٰفقون آیات ۱۰ تا ۱۲)

اے مومنو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں اور جو لوگ ایسا کرینگے وہی گھاٹا پانے والے ہوں گے۔ اور (اے مومنو!) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے (مال، اولاد، علم، عقل وغیرہ) اُس میں سے قبل اس کے کہ موت تمہیں آ لے (خدا کی راہ میں) خرچ کردو تا ایسا نہ ہو کہ (جب موت آئے تو خرچ نہ کرنیوالے کو) کہنا پڑے کہ اے میرے رب تُو نے مجھے کیوں تھوڑی سی مہلت نہ دی کہ میں اس (مہلت) میں کچھ صدقہ کرلیتا اور نیک بن جاتا لیکن جب کسی نفس کی موت آجاتی ہے تو اللہ اُسے مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

پھر خاص اُن لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اس دُنیا میں موت اور قیامت کو بُھلا بیٹھتے ہیں اور ہمہ تن دنیا میں ہی مشغول رہتے ہیں اور اصلاحِ نفس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے انہیں ان کے بُرے انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

تو کہہ کر وہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے ضرور تمہاری روح قبض کریگا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤگے۔ اور اگر تجھے وہ حالت معلوم ہوجائے جبکہ مجرم اپنے رب کے سامنے اپنا سر ڈالے کھڑے ہوں گے

وَسَمِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ج اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ آیات ۱۲ تا ۱۵)

اور کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے (جو کچھ تُو نے کہا تھا) دیکھ لیا اور سُن لیا پس اب تو ہمیں ایں لوٹا دے تاکہ تیرے حکم کے مطابق عمل کریں، ہم اب تیری بات پوری پوری طرح یقین کر چکے ہیں۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اُس کے مناسبِ حال ہدایت دیتے لیکن میری بات پوری ہوگئی کہ میں ضرور جہنم کو جنّوں اور انسانوں سے پُر کروں گا۔ پس آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے اور اپنے عملوں کی وجہ سے دیرپا عذاب کا مزہ چکھو اور (یاد رکھو) ہم نے بھی آج تم کو اپنے ذہن سے اُتار دیا ہے (یعنی تمہاری پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔)

اِن آیات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومن روحانی ترقی اور لازوال اخروی انعامات کے پیشِ نظر موت کو ہمیشہ یاد رکھیں، اُس موت کو جس سے کسی کو بھی مفر نہیں اور جو کسی وقت بھی آکر دنیا سے انسان کا تعلق منقطع کر دے گی اور اس طرح منقطع کر دے گی کہ پھر وہ دوبارہ اُس کی طرف واپس لوٹ ہی نہ سکے گا، اُس وقت اپنے اعمال کا حساب دینے اور جزا سزا پانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے موت کو یاد رکھنے کی بار بار تلقین اسی لئے فرمائی ہے کہ تا مومن دنیا اور اُس کی آلائشوں میں پھنس کر اپنے آپ کو ایسا نہ بنا بیٹھیں کہ نفسِ امّارہ کے چکّر میں ہی پڑے رہیں اور اگر نفسِ لوّامہ کے درجہ میں پہنچیں بھی تو مزید ترقی کر کے نفسِ مطمئنّہ حاصل کرنے کی بجائے پھر نفسِ امّارہ کی طرف ہی نہ لوٹ جائیں۔

نفسِ مطمئنّہ کے حصول میں موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی اس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پُرمعارف خطبات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو موت کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس کے نتیجہ میں اعمالِ صالحہ بجالا کر روحانیت میں ترقی کرتے چلے جانے کی بار بار تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ کے یہ خطبات کتبِ احادیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم خطبات ایسے ملتے ہیں جن میں آپؐ نے موت کو یاد رکھنے اور اس کے زیرِ اثر اعمالِ صالحہ بجالانے کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ اکثر و بیشتر حضورؐ کے خطبات کا موضوع یہی ہوتا تھا کہ موت کو کبھی اور کسی حال میں بھی فراموش نہ ہونے دو۔ قبل اس کے کہ وہ اچانک تمہیں آلے اصلاحِ نفس اور اعمالِ صالحہ کی شکل میں اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کرلو۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلَا اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا۔ وَصِلُوا الَّذِیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ بِکَثْرَۃِ ذِکْرِکُمْ لَہٗ وَکَثْرَۃِ الصَّدَقَۃِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ۔ تُرْزَقُوْا وَ تُؤْجَرُوْا وَ تُنْصَرُوْا۔ (ابن ماجہ)

اے لوگو! آگاہ رہو۔ مرجانے سے پیشتر اللہ کے سامنے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلو اور قبل اسکے کہ موت تم کو اپنی طرف کھینچ لے نیک اعمال اختیار کرو اور اللہ سے اپنا تعلق کثرتِ ذکر و اذکار اور خفیہ و اعلانیہ خیرات کے ذریعہ مضبوط کرلو۔ اس سے تمہارے رزق میں فراخی ہوگی، اجر پاؤگے اور خدائی نصرت تمہارے شاملِ حال ہوگی۔

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں لوگوں کو موت کو یاد رکھنے اور موت آنے سے قبل توشۂ آخرت مہیا کرنے کی نہایت ہی مؤثر انداز میں تلقین فرمائی۔ فرمایا:۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ بَیْنَ مَخَافَتَیْنِ۔ بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰہُ صَانِعٌ بِہٖ وَبَیْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰہُ قَاضٍ فِیْہِ فَلْیَاْخُذِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ وَمِنْ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَمِنَ الشَّیْبَۃِ قَبْلَ الْکِبَرِ وَمِنَ الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَّلَا بَعْدَ الدُّنْیَا دَارٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ اَوِ النَّارُ۔ (المواہب اللدنیہ ج ۲ صفحہ ۲۰۶)

ایک مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو دو خوفناک حالتوں سے گھرا ہوا سمجھے۔ ایک گذری ہوئی حالت کہ نہ معلوم کئے ہوئے اعمال کو خدا قبول فرماتا ہے یا نہیں۔ ایک آنے والی حالت معلوم نہیں اس وقت عملِ صالح کی فرصت ملتی ہے یا نہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرکے اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کرے اور دنیا میں رہ کر اپنی عاقبت سنوار لے۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی میں اور موت سے پہلے زندگی میں عمل صالح بجا لائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مرجانے کے بعد عتاب اور خجالت دور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ یاد رکھو دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سوا کوئی اور ٹھکانہ نہیں۔

مدینہ میں ایک میت کو دفن کرنے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بہت ہی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حضورؐ نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ انسان اپنی غفلت سے موت کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور سراسر دنیا کمانے میں ہی منہمک ہو کر اپنے نفس کو ناپاک سے ناپاک تر بناتا چلا جاتا ہے۔ اس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ وہ دوسروں کی موت سے بھی تو سبق حاصل نہیں کرتا۔ اگر وہ سوچتا اور غور کرتا رہے کہ بہرحال اس نے ایک دن مرنا

ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے تو وہ غفلت کے پردے اُتار پھینکے اور اپنے نفس کا تزکیہ کر کے نیک اعمال بجا لانے میں ہی مشغول رہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

اَیُّهَا النَّاسُ! كَاَنَّ الْمَوْتَ فِيْهَا عَلٰى غَيْرِنَا قَدْ كُتِبَ۔ وَكَاَنَّ الْحَقَّ فِيْهَا عَلٰى غَيْرِنَا قَدْ وَجَبَ۔ وَكَاَنَّ الَّذِيْ نُشَيِّعُ مِنَ الْاَمْوَاتِ سَفْرٌ عَمَّا قَلِيْلٍ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ۔ نُبَوِّئُهُمْ اَجْدَاثَهُمْ وَنَاْكُلُ مِنْ تُرَاثِهِمْ كَاَنَّا مُخَلَّدُوْنَ بَعْدَهُمْ۔ وَنَسِيْنَا كُلَّ وَاعِظَةٍ وَاَمِنَّا كُلَّ جَائِحَةٍ۔ طُوْبٰى لِمَنْ شَغَلَهٗ عَيْبُهٗ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ۔ طُوْبٰى لِمَنْ اَنْفَقَ مَالًا اكْتَسَبَهٗ مِنْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ۔ وَجَالَسَ اَهْلَ الْفِقْهِ وَالْحِكْمَةِ وَخَالَطَ اَهْلَ الذُّلِّ وَالْمَسْكَنَةِ۔ طُوْبٰى لِمَنْ زَكَتْ وَحَسُنَتْ خَلِيْقَتُهٗ وَطَابَتْ سَرِيْرَتُهٗ وَعَزَلَ عَنِ النَّاسِ شَرَّهٗ۔ طُوْبٰى لِمَنْ اَنْفَقَ مِنْ مَالِهٖ وَاَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ وَوَسِعَتْهُ السُّنَّةُ وَلَمْ تَسْتَهْوِهِ الْبِدْعَةُ۔ (جمہرۃ خطب العرب صـ۵۲)

اے لوگو! (ہماری غفلت کا یہ حال ہے) گویا موت ہمارے لئے نہیں بلکہ فقط دوسروں کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ اور گویا حقوق کی ادائیگی ہم پر نہیں بلکہ تنہا دوسرے لوگوں پر واجب ہے۔ اور جن مُردوں کے ساتھ ہم قبرستان تک آتے ہیں گویا وہ چند دن کی مسافرت پر ہیں اور وہ واپس لوٹ کر ہم سے پھر آملیں گے۔ اُن کو تو ہم قبر میں دفن کر دیتے ہیں اور اُن کا مال ایسے اطمینان سے کھاتے ہیں گویا ہم کو اُن کے بعد دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے ہم نصیحت کی ہر بات بُھلا بیٹھے ہیں اور ہر آفت سے اپنے آپکو امن میں سمجھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو اپنے عیوب پر نظر کر کے دوسروں کی عیب جوئی سے بچا رہا۔ مبارک ہے وہ جس نے حلال کی کمائی خدا کی راہ میں خرچ کی، علماء اور عقلمندوں کی ہم نشینی اختیار کی اور جو غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ملتا جلتا رہا۔ مبارک ہے وہ جس کے اخلاق اچھے اور پاکیزہ ہوں، دل پاک اور مطہر ہو اور جو لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ مبارک ہے وہ جو ضرورت سے بچا ہوا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتا رہے اور فضول گفتگو سے پرہیز کرے۔ راہِ شریعت پر عمل کرنا اُس کے لئے آسان ہوا اور بدعت اُسے اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی لطیف مثال دے کر واضح فرمایا کہ انسان کو یہ کبھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کی عمر لمبی ہے بلکہ ہمیشہ ہی موت کو قریب سمجھ کر نیک اعمال بجا لانے میں منہمک رہنا چاہیئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضورؐ نے یہ خطبہ عصر کے بعد ارشاد فرمایا۔ حضورؐ نے سلسلۂ خطاب جاری رکھا یہاں تک کہ مغرب کا وقت

قریب آگیا اور درختوں کی شاخوں پر کچھ کچھ سُرخی باقی رہ گئی۔ اُس وقت حضورؐ نے موت کو یاد رکھنے کی تلقین کے سلسلہ میں عمر کی ناپائیداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّہٗ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا فِیْمَا مَضٰی اِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنْ یَّوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْمَا مَضٰی۔ (جمہرۃ خطب العرب ص۵۴)

دنیا کی باقی ماندہ عمر کی نسبت گزرے ہوئے زمانہ سے فقط اتنی ہے جتنی اس باقی ماندہ وقت کو گزرے ہوئے دن سے۔

اس نہایت ہی لطیف مثال سے حضورؐ کی مراد یہی تھی کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اِس دھوکا میں کبھی نہ رہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے بلکہ موت کو ہمیشہ قریب سمجھے اور بلا توقف نیکیاں بجا لانے میں مصروف ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت جو بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں اچانک آجائے اور پھر انسان کو پچھتانا پڑے۔

اسی طرح حضورؐ نے ایک خطبہ میں بہت ہی لطیف و بلیغ انداز میں واضح فرمایا کہ موت کو کبھی دُور نہ سمجھو۔ اِس خطبہ میں حضورؐ نے ایک مختصر سا فقرہ ایسا فرمایا کہ جو مختصر ہونے کے باوجود حکمت و معرفت کے ایک بھرپور خزینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلَا اِنَّ مَا ھُوَ اٰتٍ قَرِیْبٌ وَاِنَّ الْبَعِیْدَ مَا لَیْسَ بِاٰتٍ۔ (ابن ماجہ)

یاد رکھو جو چیز آنے والی ہو اُسے ہمیشہ قریب سمجھنا چاہیئے دُور وہ چیز ہوتی ہے جو آنے والی نہ ہو۔

اگر کبھی کبھار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ محسوس فرماتے کہ حضورؐ کے اصحابؓ میں سے بعض کا رویہ ایسا ہے کہ جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے چند لمحوں کے لئے موت کو فراموش کر دیا ہے تو اس سے حضورؐ کو سخت تکلیف ہوتی۔ اور حضورؐ انہیں فوراً سرزنش فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؐ نماز پڑھانے باہر تشریف لائے حضورؐ نے دیکھا کہ مسجد میں بعض ناپختہ کار لوگ ذکرِ الٰہی کی بجائے باہم ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔ حضورؐ کو اُن کی یہ بات بہت ہی ناگوار گزری حضورؐ نے اُن کے اِس فعل کو اِس امر کا نتیجہ قرار دیا کہ انہوں نے فی الوقت موت کو فراموش کر دیا ہے ورنہ خانہ خدا میں خشوع و خضوع کا طریق اختیار کرنے کی بجائے وہ کبھی ہنسی مذاق اور استہزاء کا طریق اختیار نہ کرتے۔ حضورؐ سے رہا نہ گیا اُسی وقت حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جلالی خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضورؐ نے اس کے آغاز میں فرمایا:۔

اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ اَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا اَرٰی۔ فَاَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَاْتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ اِلَّا تَکَلَّمَ فَیَقُوْلُ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ،

اگر تم لوگ لذتوں کا قلع قمع کر دینے والی موت کو پیش نظر رکھتے تو آج میں تم کو ہنستے نہ دیکھتا۔ موت کو اکثر اپنے سامنے رکھو۔ (یاد رکھو) کہ قبر سے پُر زور یہ آواز آتی ہے کہ میں غربت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں خاک (میں ملا کر خاک کر دینے) والا مکان

اَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ ۔ (ترمذی)　　ہوں، مَیں کیڑوں والامکن ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احیاءِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے لئے دُنیا میں مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اس مقصد کے پیشِ نظر خادمان و فدائیانِ اسلام کی ایک دردمند جماعت تیار کی تو آپؑ نے بھی اپنے اصحاب کو جہاں ایک طرف نفسِ مطمئنّہ کے مینار تک پہنچنے کی تلقین فرمائی وہاں دوسری طرف اس بلند درجہ کے حصول کے ایک ذریعہ کے طور پر موت کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس طرح ہر آن اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہوئے روحانی لحاظ سے ترقی کرتے چلے جانے کی اہمّیت کو بار بار اور بہ تکرار اُن کے ذہن نشین کرایا۔ جہاں تک نفسِ مطمئنّہ کے حصول کا تعلّق تھا آپؑ نے پُرزور انداز میں تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ یہ تسلّی بخش وعدہ ناصرہ میں پیدا ہونے والے ابنِ مریم سے ہوا تھا۔ مگر مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ یسوع مسیح کے نام سے آنے والے ابنِ مریم کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں الفاظ میں مخاطب کر کے بشارت دی ہے۔ اب آپ سوچ لیں کہ جو میرے ساتھ تعلق رکھ کر اس وعدۂ عظیم اور بشارتِ عظیم میں شامل ہونا چاہتے ہیں کیا وہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اَمّارہ کے درجہ میں پڑے ہوئے فسق و فجور کی راہوں پر کاربند ہیں؟۔ نہیں ہرگز نہیں ...... خوب دھیان دے کر سُن رکھو کہ اگر اس بشارت سے حصّہ لینا چاہتے ہو اور اس کے مصداق ہونے کی آرزو رکھتے ہو اور اتنی بڑی کامیابی (کہ قیامت تک مکفرین پر غالب رہو گے) کی سچّی پیاس تمہارے اندر ہے تو پھر اتنا ہی مَیں کہتا ہوں کہ **یہ کامیابی اُس وقت تک حاصل نہ ہو گی جب تک لوّامہ کے درجہ سے گزر کر مطمئنّہ کے مینار تک نہ پہنچ جاؤ۔**" (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

چونکہ نفسِ مطمئنّہ کے حصول کی جدّوجہد میں موت کو ہر آن یاد رکھنے اور اس طرح اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہوئے روحانیت میں ترقی کرتے چلے جانے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لئے آپ نے موت کو بہر طور یاد رکھنے پر اس کثرت اور شدّ و مدّ کے ساتھ زور دیا کہ اس کی اہمیت واضح ہوئے بغیر نہ رہی۔ ان میں سے بعض اہم ارشادات کے اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ــــ آپؑ موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(۱) "یاد رکھو قبریں آواز دے رہی ہیں اور موت ہر وقت قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب کرتا جاتا ہے اور تم اسے فرصت کی گھڑیاں سمجھتے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مکر کرنا مومن کا کام نہیں ہے۔ جب موت کا وقت آ گیا پھر ایک ساعت آگے پیچھے نہ ہوگی۔ وہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر نہیں کرتے اور انہیں کوئی عظمت اس کی معلوم ہی نہیں ان کو جانے دو مگر ان سب سے بدقسمت اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تو وہ ہے جس نے اس سلسلہ کو شناخت کیا اور اس میں شامل ہونے کی فکر کی لیکن اس نے کچھ قدر نہ کی۔" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء)

(۲) "موت کیا دور ہے۔ جس کی پچاس برس کی عمر ہو چکی ہے اگر وہ زندگی پائے گا تو دو چار برس اور پائے گا یا زیادہ سے زیادہ دس برس۔ آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شے ہے جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپے پیسے کے حساب میں ایسے غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ **بدبخت ہے وہ انسان جس کو عمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو۔ سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شے ہے وہ تو عمر ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور انسان حسرت لے کر دنیا سے کوچ کرے۔** قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے جہنم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے تو بہت بڑے جہنم میں ہوتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ اب چلا۔ ہیضہ، طاعون، محرقہ، خفقان یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو موت سے پہلے ہی ایک موت وارد ہو جاتی ہے جو دل اور روح کو فرسودہ کر دیتی ہے اور وہ حسرت ہوتی ہے۔ بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ دو منٹ دم لینے نہیں دیتے اور جھٹ پٹ کام تمام کر دیتے ہیں۔ جس نے ایک دن بھی مطالعہ کیا کہ میں مرنے والا جانور ہوں وہ عذاب سے بچنے کی فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے ..... یقیناً یاد رکھو کہ دنیا کوئی چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سب جو اس وقت یہاں موجود ہیں سال آئندہ میں بھی ضرور ہوں گے۔ بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے آج نہیں ہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اگلے سال نہ ہوں گے۔ اسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہوں گے۔ اور کس کو معلوم ہے کہ مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔ **بس بڑا ہی مورکھ اور نادان ہے وہ شخص جو مرنے سے پہلے خدا سے صلح نہیں کرتا**۔" (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

موت کو ہر آن یاد رکھنے اور اس سے کبھی غافل نہ ہونے کی تلقین کے ضمن میں آپ نے جس چیز پر خاص

زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر دنیا سے دل برداشتہ رہے۔ اس سے اور اس کے مال و منال سے ایسا دل نہ لگائے کہ موت یاد ہی نہ رہے اور اس طرح اصلاح و ترقی کی کوئی صورت ہی نہ نکل سکے۔ چنانچہ آپؑ دنیا سے دل نہ لگانے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

(۱) "یہ مت خیال کرو کہ کوئی ظاہری دولت یا حکومت، مال و عزت، اولاد کی کثرت کسی شخص کے لئے کوئی راحت یا اطمینان و سکینت کا موجب ہو جاتی ہے اور وہ دم نقد بہشت ہی ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ اطمینان اور وہ تسلّی اور وہ تسکین جو بہشت کے انعامات میں سے ہیں ان باتوں سے نہیں ملتی۔ وہ خدا ہی میں زندہ رہنے اور مرنے سے مل سکتی ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام خصوصاً ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی بھی وصیّت تھی کہ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ لذاتِ دنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں، استسقاء کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھتی، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بے جا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی منجملہ اسی جہنم کی آگ ہے جو انسان کے دل کو راحت و قرار نہیں لینے دیتی بلکہ اس کو ایک تذبذب اور اضطراب میں غلطاں و پیچاں رکھتی ہے۔ اس لئے میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہ رہے کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبت کے جوش اور نشے میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو جاوے کہ اس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے۔" (الحکم ۶ ستمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) "کسی کو کیا معلوم ہے کہ ظہر کے بعد عصر کے وقت تک زندہ رہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ہی دورانِ خون بند ہو کر جان نکل جاتی ہے۔ بعض دفعہ چنگے بھلے آدمی مرجاتے ہیں۔ وزیر محمد حسن خان صاحب ہوا خوری کر کے آئے تھے، خوشی خوشی زینہ پر چڑھنے لگے، ایک دو زینے چڑھے ہوں گے کہ چکر آیا بیٹھ گئے، نوکر نے کہا کہ میں سہارا دوں کہا نہیں، پھر دو تین زینے چڑھے پھر چکر آیا اور اسی چکر کے ساتھ جان نکل گئی۔ ایسا ہی غلام محی الدین کونسل کشمیر کا ممبر یکدفعہ ہی مر گیا۔ غرض موت کے آنے کا ہم کو کوئی وقت معلوم نہیں کہ کس وقت آجاوے اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوں۔ پس دین کی غمخواری ایک بڑی چیز ہے جو سکرات الموت میں سرخرو رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ ساعت سے مراد قیامت بھی ہوگی ہم کو اس سے انکار نہیں مگر اس میں سکرات الموت بھی مراد ہے کیونکہ انقطاعِ تام کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوبات اور مرغوبات سے یکدفعہ الگ ہو جاتا ہے اور ایک عجیب قسم کا زلزلہ اس پر طاری ہو جاتا ہے گویا

اندر ہی اندر وہ ایک شکنجہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کی تمام تر سعادت یہی ہے کہ وہ موت کا خیال رکھے اور دنیا اور اس کی چیزیں اس کی ایسی محبوبات نہ ہوں جو اس آخری ساعت میں علیحدگی کے وقت اس کے لئے تکالیف کا موجب ہوں۔"

(الحکم ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کی ناپائیداری اور موت کے کسی وقت بھی وارد ہو جانے کو دو نہایت ہی لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ یہ مثالیں اتنی لطیف اور اتنی مسحور کن ہیں کہ دنیا کی بے ثباتی اور عمر کی ناپائیداری دل پر نقش ہو کر انسان کو ایک اور ہی عالم میں پہنچا دیتی ہے حضورؑ فرماتے ہیں :-

(۱) "موت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب کے سب عمر کی ایک تیز رفتار گاڑی پر سوار ہیں اور مختلف مقامات کے ٹکٹ ہمارے پاس ہیں، کوئی دس برس کی منزل پر اُتر جاتا ہے، کوئی بیس، کوئی تیس، اور بہت ہی کم اسی برس کی منزل پر۔ جبکہ یہ حال ہے تو پھر کیا ہی بدنصیب وہ انسان ہے کہ وہ اُس وقت کی جو اُس کو دیا گیا ہے کچھ قدر نہ کرے اور اُس کو ضائع کر دے۔" (الحکم ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) "یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے۔ خواہ برف کو کیسا ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی تدبیریں کی جاویں لیکن یہ سچی بات ہے کہ وہ ختم ہوتی جاتی ہے اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق آتا ہی جاتا ہے۔ دنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں طبیب بھی ہیں مگر کسی نے عمر کا نسخہ نہیں لکھا۔"

(الحکم ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

پھر ایک موقع پر تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقامِ ولایت جو نفسِ مطمئنہ ہی کا دوسرا نام ہے حاصل کرنے کی نصیحت فرماتے ہوئے ساتھ ہی موت کو ہر وقت یاد رکھنے اور اس کے زیرِ اثر ہر آن اپنی اصلاح کر کے روحانیت اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے چلے جانے کی پُر زور تلقین فرمائی اور اِس طرح دونوں کے باہمی تعلق کو بڑی عمدگی سے واضح فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

"انسان کو چاہیئے کہ وہ اِس مقام کے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سعی کرتا رہے۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے کہ کب آجاوے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل

نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔"

(بدر ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

قرآنِ مجید کی یہ سب آیات نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کے یہ تمام اقتباسات جو بطور نمونہ ہم نے یہاں درج کئے ہیں اِس امر کے آئینہ دار ہیں کہ نفسِ مطمئنّہ کے حصول کی جدوجہد میں موت کو یاد رکھنے اور اسے قریب سمجھ کر ہر آن اپنے اعمال کا احتساب کرتے رہنے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اِس میں شک نہیں نفسِ مطمئنّہ کا درجہ اپنے نفس پر ایک موت وارد کرنے اور ہمہ تن خدا ہی کا ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اِس امر کا احساس کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے اور ہر انسان کو بہرحال جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن اِس جہان سے کُوچ کر کے اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہونا ہے انسان کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اسے کبھی غافل نہیں ہونے دیتا۔ اِس احساس کے ماتحت انسان حسنات بجا لانے میں آگے ہی آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی درمیانی منزل پہ نہیں ٹھہرتا تا آنکہ نفسِ مطمئنّہ حاصل کر کے براہِ راست خود خدا کی حفاظت میں نہ آجائے اور انوار و برکاتِ سماوی سے براہِ راست حصّہ نہ پانے لگے۔ یہ موت کو فراموش کر دینے کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے غافل ہو کر دن بدن دنیا اور اس کی لذّات ہی کا والہ و شیدا بن کر بکلّی شیطان کے پنجہ میں چلا جاتا اور اسفل السافلین میں جا شامل ہوتا ہے۔

سو اگر دیکھا جائے تو نفسِ امّارہ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ایک دفعہ نفسِ لوّامہ کے مرتبہ تک پہنچ کر نفسِ مطمئنّہ کی طرف قدم بڑھانے میں موت سے ہمکنار ہونے کے احساس کو اُس ابتدائی زینہ کی حیثیت حاصل ہے جو انسان کو سفلی زندگی سے بچا کر روحانی بلندیوں کی طرف قدم مارنے کے قابل بناتا ہے۔ ہمارے لئے اِس زینہ پہ گامزن ہونا از بس ضروری ہے کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کا خدائی وعدہ اُس وقت تک ہمارے حق میں پُورا نہیں ہوگا جب تک کہ ہم نفسِ مطمئنّہ کے مینار تک نہ پہنچینگے۔ اصلاحِ نفس کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے اِس بلند مینار پہ پہنچنا ہمارا مطمحِ نظر ہے۔ اِس سے ورے کسی مقام پہ مطمئن ہونا خود کو خسرانِ مبین میں مبتلا کرنے کے مترادف ہوگا۔ پس ہمیں ہر آن اِسی کوشش میں رہنا چاہیئے کہ اصلاحِ نفس کی جدوجہد میں ہمارا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے اور کبھی ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی شومیٔ قسمت سے قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن مجید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات کی روشنی میں موت سے کبھی غافل نہ ہوں اور ہر آن توشۂ آخرت مہیا کرنے میں لگے رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم میں سے ہر ایک کو نفسِ مطمئنّہ کے حصول کے اِس ابتدائی لیکن نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ کو اختیار کرنے اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اسی کی دی ہوئی توفیق سے روحانیت کے میدان میں برق رفتاری کے ساتھ ترقی کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ نفسِ مطمئنّہ کے بلند مینار پر پہنچ کر ہی دم لیں اور جب اِس جہان سے رخصت ہوں تو خدا کے فرشتے گواہی دیں کہ یہ خدا کے وہ منتخب بندے ہیں کہ جو اِس دنیا میں اسلام پر ہی جیئے اور اب اسلام پر ہی انہیں موت آئی ہے اور بلاشبہ یہ وہی خوش نصیب ہیں جو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے مصداق ہیں۔ اے قادر و کریم اور رحمٰن و رحیم خدا تُو ایسا ہی کر ٭

انسانی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"انسانی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے جس قدر احباب اِس وقت میرے پاس جمع ہیں مَیں خیال کرتا ہوں شاید آئندہ سال جمع نہ ہو سکیں۔ اور اِنہی دنوں میں مَیں نے ایک کشف بھی دیکھا ہے کہ اگلے سال بعض احباب دنیا میں نہ ہوں گے گو مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اِس کشف کے مصداق کون کون احباب ہوں گے اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ اِس لئے ہے تا ہر ایک شخص بجائے خود سفرِ آخرت کی تیاری رکھے ..... جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے مجھے کسی کا نام نہیں بتلایا گیا لیکن میں یہ اللہ تعالیٰ کے اعلام سے خوب جانتا ہوں کہ قضاء و قدر کا ایک وقت ہے اور ضرور ایک وقت اِس فانی دنیا کو چھوڑنا ہے۔ اِس لئے یہ کہنا نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اور ہر دوست جو اِس وقت موجود ہے وہ میری باتوں کو قصہ گو کی داستان کی طرح نہ سمجھے بلکہ یہ ایک واعظ من جانب اللہ اور مامور من اللہ ہے جو نہایت خیر خواہی اور سچی بھلائی اور پوری دلسوزی سے باتیں کرتا ہے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یہ کبھی نہ بھولو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے

ہمیشہ اس فکر میں لگے رہو کہ تم عمدہ حالت میں اس دنیا سے کوچ کرو

جلسۂ سالانہ ۱۸۹۷ء کے مبارک موقع پر امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روح پرور تقریر ارشاد فرماتے ہوئے اپنے اصحاب کو جہاں اور بہت سی بیش قیمت نصائح فرما کر انہیں علوم و معارف کی بے اندازہ دولت سے مالا مال فرمایا وہاں انہیں ایک خاص نصیحت یہ بھی فرمائی کہ وہ موت کو کبھی فراموش نہ ہونے دیں اور اس کے زیر اثر اپنی زندگیوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کریں تا وہ عمدہ حالت میں اس دنیا سے کوچ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ حضور علیہ السلام کی اس پُر معارف تقریر کا وہ حصہ جو خاص اس نصیحت پر مشتمل ہے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔　　(ادارہ)

"خوب یاد رکھو اور اس کو سچ سمجھو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ پس اگر ہم عمدہ حالت میں یہاں سے کوچ کرتے ہیں تو ہمارے لئے مبارکی اور خوشی ہے ورنہ خطرناک حالت ہے۔ یاد رکھو کہ جب انسان بُری حالت میں جاتا ہے تو مکانِ بعید اس کے لئے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے یعنی نزع کی حالت ہی سے اس میں تغیر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي یعنی جو شخص مجرم بن کر آوے گا اُس کے لئے ایک جہنم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ یہ کیسی صاف بات ہے۔ اصل لذت زندگی کی، راحت اور خوشی ہی میں ہے بلکہ ایسی حالت میں وہ زندہ متصور ہوتا ہے جبکہ ہر طرح امن و آرام میں ہو۔ اگر وہ کسی درد مثلاً قولنج یا درد دانت ہی میں مبتلا ہو جاوے تو وہ مُردوں سے بدتر ہوتا ہے اور حالت ایسی ہوتی ہے کہ نہ تو مُردہ ہی ہوتا ہے اور نہ زندہ ہی کہلا سکتا ہے۔ پس ایسی پر قیاس کر لو کہ جہنم کے دردناک عذاب میں کیسی بُری حالت ہوگی۔

مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔ اُن کو تو حکم تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے

ہو جاتا اور صادقوں کے ساتھ ہو جاتا مگر وہ ہوا و ہوس کا بندہ بن کر رہا اور شریروں اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے موافقت کرتا رہا گویا اُس نے اپنے طرزِ عمل سے دکھا دیا کہ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہ ایک عادۃ اللہ ہے کہ انسان جدھر قدم اُٹھاتا ہے اُس کی مخالف جانب سے وہ دُور ہوتا جاتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ ہو کر اگر ہوا و ہوسِ نفسانی کا بندہ ہوتا ہے تو خدا اُس سے دُور ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں اِدھر تعلقات بڑھتے ہیں اُدھر کم ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ دل را بدل رہیست۔ پس اگر خدا تعالیٰ سے عملی طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ بھی اُس سے بیزار ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اُس کی طرف جھکتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ مہربان ہے۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اُس کو محبت کرتا ہے۔ وہ وہ خدا ہے کہ اپنے محبوں پر برکات نازل کرتا ہے اور اُن کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے کلام میں اور اُن کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ اُن کے کپڑوں اور اُن کی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ میں اِس کا بیّن ثبوت اِس وقت تک موجود ہے کہ جو خدا کے لئے ہوتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے والے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا کھیت ضائع کرے نوکر موقوف ہو کر نقصان پہنچا دے، امتحان دینے والا کامیاب نہ ہو، مگر خدا کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اُس کا سچا وعدہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جو جویا ہوا وہ آخر منزلِ مقصود پر پہنچا۔ دنیوی امتحانوں کے لئے تیاریاں کرنے والے، راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو دیکھ کر ہم رحم کھا سکتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ جس کا رحم اور فضل بے حد اور بے انتہا ہے اپنی طرف آنے والے کو ضائع کر دے گا؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور پھر فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزارہا طالب علم سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عمیم ایسا ہے کہ وہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان دنیا میں ظنّی اور وہمی باتوں کی طرف تو اِس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام اپنے اوپر گویا حرام کر لیتا ہے اور صرف خشک اُمید پر کہ شاید کامیاب ہو جاوے ہزارہا رنج اور دُکھ اُٹھاتا ہے، تاجر نفع کی اُمید پر لاکھوں روپے لگا دیتا ہے مگر یقین اُسے بھی نہیں ہوتا کہ ضرور نفع ہی ہوگا، مگر خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے کی (جس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں کہ جس کی طرف قدم اُٹھانے والے کی ذرا بھی محنت رائیگاں نہیں جاتی) میں اِس قدر دَوڑ دھوپ اور سرگرمی نہیں پاتا ہوں۔ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے اور کیوں نہیں ڈرتے کہ آخر ایک دن مرنا ہے؟ کیا وہ ان ناکامیوں کو دیکھ کر بھی اُس تجارت کی فکر میں نہیں لگ سکتے جس میں خسارہ کا نام و نشان

ہی نہیں اور نفع یقینی ہے؟ -

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور یہ کیسا خزانہ ہے کہ کوڑی بھی جمع ہوسکتی ہے روپیہ اور اشرفی بھی - نہ چور چکار کا اندیشہ نہ یہ خطرہ کہ دیوالہ نکل جاوے گا - حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اس کا بھی ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک ڈول اپنے بھائی کے گھڑے میں ڈال دے تو خدا تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا - پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہوسکتا وہ خدا کی راہ ہے - دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں - وہ لوگ جنہوں نے سلطنتوں تک کو چھوڑ دیا آخر بے وقوف تو نہ تھے - جیسے ابراہیم ادھم، شاہ شجاع، شاہ عبدالعزیز جو مجدد بھی کہلاتے ہیں حکومت سلطنت اور شوکت دنیا کو چھوڑ بیٹھے - اس کی یہی وجہ تو تھی کہ ہر قدم پر ایک ٹھوکر موجود ہے - خدا ایک موتی ہے اس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی اشیاء کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کے دیکھنے کے لئے بھی اسے طبیعت پر ایک جبر اور اکراہ کرنا پڑتا ہے پس خدا تعالیٰ کی معرفت چاہو اور اس کی طرف ہی قدم اٹھاؤ کہ کامیابی اسی میں ہے -

اللہ تعالیٰ سے اصلاح چاہنا اور اپنی قوت خرچ کرنا یہی ایمان کا طریق ہے - حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یقین سے اپنا ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا رد نہیں کرتا ہے پس خدا سے مانگو اور یقین اور صدق نیت سے مانگو - میری نصیحت پھر یہی ہے کہ اچھے اخلاق ظاہر کرنا ہی اپنی کرامت ظاہر کرنا ہے - اگر کوئی کہے کہ میں کراماتی بننا نہیں چاہتا تو یہ یاد رکھے کہ شیطان اس کو دھوکہ میں ڈالتا ہے - کرامت سے عجب اور پندار مراد نہیں ہے - کرامت سے لوگوں کو اسلام کی سچائی اور حقیقت معلوم ہوتی ہے اور ہدایت ہوتی ہے - میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ عجب اور پندار تو کرامت اخلاقی میں داخل ہی نہیں پس یہ شیطانی وسوسہ ہے - دیکھو یہ کروڑہا مسلمان جو روئے زمین کے مختلف حصص میں نظر آتے ہیں کیا یہ تلوار کے زور سے یا جبر و اکراہ سے ہوئے ہیں؟ نہیں، یہ بالکل غلط ہے - یہ اسلام کی کراماتی تاثیر ہے جو ان کو کھینچ لائی ہے - کرامتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں - منجملہ ان کے ایک اخلاقی کرامت بھی ہے جو ہر میدان میں کامیاب ہے - انہوں نے جو مسلمان ہوئے صرف راستبازوں کی کرامت ہی دیکھی اور اس کا اثر پڑا - انہوں نے اسلام کی عظمت کو نگاہ سے دیکھا نہ کہ تلوار کو دیکھا - بڑے بڑے محقق انگریزوں کو یہ بات ماننی پڑی ہے کہ اسلام کی سچائی کی روح ہی ایسی قوی ہے جو غیر قوموں کو اسلام میں آنے پر مجبور کر دیتی ہے -

جو شخص اپنے ہمسایہ کو اپنے اخلاق میں تبدیلی دکھاتا ہے کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے وہ گویا ایک کرامت دکھاتا ہے - اس کا اثر ہمسایہ پر بہت اعلیٰ درجہ کا پڑتا ہے - ہماری جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ترقی ہوگئی ہے اور تہمت لگاتے ہیں کیونکہ افتراء اور غیظ و غضب میں مبتلا ہیں - کیا یہ ان کے لئے باعث ندامت نہیں ہے کہ انسان عمدہ سمجھ کر اس سلسلہ میں آتا ہے - جیسا کہ ایک رشید فرزند اپنے باپ کی نیک نامی ظاہر کرتا ہے کیونکہ بیعت کرنے والا فرزند کے حکم میں ہوتا ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اُمہات المومنین کہا ہے گویا حضورؑ عامۃ المومنین کے باپ ہیں -

جسمانی باپ زمین پر لانے کا موجب ہوتا ہے اور حیاتِ ظاہری کا باعث مگر روحانی باپ آسمان پر لے جاتا اور مرکزِ اصلی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدنام کرے، طوائف کے ہاں جاوے اور بدنام کرتا پھرے، شراب پیوے یا اور ایسے افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو جو باپ کی بدنامی کا موجب ہوں۔ مَیں جانتا ہوں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو سکتا جو اس فعل کو پسند کرے لیکن جب وہ ناخلف بیٹا ایسا کرتا ہے تو پھر زبانِ خلق بند نہیں ہو سکتی۔ لوگ اس کے باپ کی طرف نسبت کر کے کہیں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا فلاں بدکام کرتا ہے۔ پس وہ ناخلف بیٹا خود ہی باپ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جب کوئی شخص ایک سلسلہ میں شامل ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا بلکہ دوسروں کے لئے ایک بُرا نمونہ ہو کر ان کو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے۔ پس جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت ہے خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمّت سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں عاجز آجاؤ وہاں صدق اور یقین سے ہاتھ اُٹھاؤ کیونکہ خشوع اور خضوع سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھتے ہیں خالی واپس نہیں ہوتے۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ ہماری ہزارہا دعائیں قبول ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔

یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اندر اپنے ابنائے جنس کے لئے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے اگر مَیں ایک راہ دیکھوں جس میں بھلائی اور خیر ہے تو میرا فرض ہے کہ مَیں پکار پکار کر لوگوں کو بتلاؤں۔ اس امر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں ؏ کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم —— اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے تو کافی ہے۔

مَیں یہ بات کھول کر بیان کرتا ہوں کہ میرے مناسبِ حال یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ مَیں آپ لوگوں کو کہتا ہوں مَیں ثواب کی نیت سے کہتا ہوں۔ نہیں! مَیں اپنے نفس میں انتہا درجہ کا جوش اور درد پاتا ہوں گو وہ وجوہ نامعلوم ہیں کہ کیوں یہ جوش ہے۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ جوش ایسا ہے کہ مَیں رُک نہیں سکتا۔ اس لئے آپ لوگ ان باتوں کو ایسے آدمی کی وصایا سمجھ کر کہ پھر شاید ملنا نصیب نہ ہو ان پر ایسے کاربند ہوں کہ ایک نمونہ ہو اور ان آدمیوں کو جو ہم سے دور ہیں اپنے فعل اور قول سے سمجھا دو۔ اگر یہ بات نہیں ہے اور عمل کی ضرورت نہیں ہے تو پھر مجھے بتلاؤ کہ یہاں آنے سے کیا مطلب ہے۔ مَیں مخفی تبدیلی نہیں چاہتا نمایاں تبدیلی مطلوب ہے .....

القصہ مَیں پھر تم کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ تم جو میرے ساتھ ایک سچا تعلق پیدا کرتے ہو اس سے یہی غرض ہے کہ تم اپنے اخلاق میں، عادات میں، ایک نمایاں تبدیلی کرو جو دوسروں کے لئے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو۔" (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَلَيْسَ عِلَاجُ الْوَقْتِ اِلَّا اِطَاعَتِيْ

(تمام موجودالوقت آفات کا علاج میری اطاعت میں ہے ۔)

وَلَيْسَ عِلَاجُ الْوَقْتِ اِلَّا اِطَاعَتِيْ اَطِيْعُوْنِ فَالطَّاعُوْنُ يُفْنٰى وَيُدْبَرُ

اور تمام موجودالوقت آفات کا علاج میری اطاعت میں ہے ۔ میری اطاعت کرو تو طاعون دُور ہو جائے گی ۔

وَقَدْ ذَابَ قَلْبِيْ مِنْ مَصَائِبِ دِيْنِنَا وَاَعْلَمُ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُبْصِرُ

اور میرا دل دین کی مصیبتوں سے گداز ہو گیا ہے ۔ اور مجھے وہ باتیں معلوم ہیں جو انہیں معلوم نہیں ۔

وَبَثِّيْ وَحُزْنِيْ قَدْ تَجَاوَزَ حَدَّهٗ وَلَوْلَا مِنَ الرَّحْمٰنِ فَضْلٌ اُتَبَّرُ

اور میرا غم اور حزن حد سے بڑھ گیا ہے ۔ اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو مَیں ہلاک ہو جاتا ۔

وَعِنْدِيْ دُمُوْعٌ قَدْ طَلَعْنَ الْمَاٰقِيَا وَعِنْدِيْ صُرَاخٌ لَا يَرَاهُ الْمُكَفِّرُ

اور میرے پاس وہ آنسو ہیں جو گوشۂ آنکھ پر چڑھ رہے ہیں ۔ اور میرے پاس وہ آہ ہے جسے مجھے کافر کہنے والا نہیں دیکھ سکتا ۔

وَلِيْ دَعَوَاتٌ صَاعِدَاتٌ اِلَى السَّمَاءِ وَلِيْ كَلِمَاتٌ فِي الصَّلَابَةِ تَقْعَرُ

اور میری وہ دعائیں ہیں جو آسمان پر چڑھ رہی ہیں ۔ اور میری وہ باتیں ہیں جو پتھر میں دھنس جاتی ہیں ۔

وَاُعْطِيْتُ تَاْثِيْرًا مِّنَ اللّٰهِ خَالِقِيْ وَتَاْوِيْ اِلٰى قَوْلِيْ قُلُوْبٌ تُطَهَّرُ

اور مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے جو میرا پیدا کرنے والا ہے ایک تاثیر دیا گیا ہوں ۔ اور میری بات پر پاک دل مائل ہو رہے ہیں ۔

(اعجاز احمدی)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم!

(ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں۔)

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم! ہمچو خاکے اوفتادہ بر درے

ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں۔ اور خاک کی طرح اُن کے دروازہ پر پڑے ہیں۔

ہر رسُولے کو طریقِ حق نمود جانِ ما قرباں برآں حق پرورے

ہر وہ رسول جس نے خدا کا راستہ دکھایا ہماری جان اس راستباز پر قربان ہے۔

اے خداوندم بہ خیلِ انبیاء کش فرستادی بہ فضلِ وافرے

اے میرے خدا اُن انبیاء کے گروہ کے طفیل جن کو تُو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے۔

معرفت ہم دہ چو بخشیدی دلم مے بدہ زاں ساں کہ دادی ساغرے

مجھے بھی معرفت عطا فرما جیسے تُو نے دل دیا ہے۔ اور شراب بھی عطا کر جبکہ تُو نے جام دیا ہے۔

اے خداوندم بنامِ مصطفےٰؐ کش شدی در ہر مقامے ناصرے

اے میرے خدا۔ مصطفےٰؐ کے نام پر جس کا تُو ہر جگہ مددگار رہا ہے۔

دستِ من گیر از رہِ لطف و کرم در مہمّم باش یار و یاورے

اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ۔ اور میرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا۔

تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

مَیں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں کیونکہ مَیں خود خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی کمتر۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ اوّل)

مغربی تہذیب اور اسلام

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ الآیہ (الفرقان) کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرماتے ہوئے مغربیت کی تقلید کے خطرناک نتائج کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور ایدہ اللہ کی بیان فرمودہ تفسیر کا یہ حصہ ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

فرمایا:- "اس میں مغربیت اور دجالیت کے متعلق بھی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو قرآن کریم نے اپنے الفاظ میں ہی اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔ فرماتا ہے هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور اُجَاجٌ سے یاجوج اور ماجوج دونوں قوموں کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں عَذْبٌ فُرَاتٌ رکھا ہے اور "حِجْرًا مَّحْجُوْرًا" میں بتا دیا کہ گو تمہیں ان دونوں اقوام سے مل کر رہنا پڑے گا مگر ایسی حالت میں بھی تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ تم میٹھے پانی کا سمندر ہو اور وہ کڑوے پانی کا سمندر ہیں۔ تم مغربیت کی کبھی نقل نہ کرو اور باوجود ان میں ملے ہونے کے ایسے امور کے متعلق صاف طور پر کہہ دیا کرو کہ تم اور ہو اور ہم اور ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم کفار سے صاف طور پر کہہ دو کہ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (سورۃ الکافرون ع۱) گویا ایک برزخ تمہارے اور ان کے درمیان ہمیشہ حائل رہنی چاہیئے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک دجالی فتنہ سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں ہوگا (مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال)

چنانچہ اس کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانوں میں جو فتنے پیدا ہوئے تھے وہ صرف مقامی ہوتے تھے۔ مثلاً ہندوستان کا فتنہ مستقل ہوتا تھا اور وہ ایرانی فتنہ سے متاثر نہیں ہوتا تھا، اور ایرانی فتنہ مستقل ہوتا تھا اور وہ یونانی فتنہ سے متاثر نہیں ہوتا تھا، اسی طرح مصری فتنہ مستقل ہوتا تھا جو یونانی اور ایرانی فتنوں سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان فتنوں کا دین پر متفقہ حملہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی مثال بالکل ایسی ہی تھی جیسے ایک ملک میں ڈاکو لوٹ مار کر رہے ہوں تو کچھ ایک طرف سے حملہ آور ہوں اور کچھ دوسری طرف سے۔ ڈاکوؤں سے ملک کا امن

بے شک خطرہ میں پڑ جائے گا مگر حکومت تباہ نہیں ہوگی۔ حکومت ہمیشہ منظم طاقتوں سے تباہ ہؤا کرتی ہے۔ لیکن موجودہ فتنہ کے زمانہ میں ریل اور تار اور فون اور ریڈیو کی ایجاد کی وجہ سے ایشیا افریقہ پر اثر انداز ہو رہا ہے اور افریقہ ایشیا پر اثر انداز ہو رہا ہے، یورپ امریکہ پر اثر ڈال رہا ہے اور امریکہ یورپ پر اثر ڈال رہا ہے، اس لئے مختلف ممالک میں جو مذہبی بے چینی پائی جاتی ہے وہ ساری دنیا میں یکساں طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ پس پہلے فتنوں اور موجودہ فتنہ میں یہ فرق ہے کہ یہ فتنہ ایک عالمگیر فتنہ ہے۔ جاپان گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات کی رَو یورپ کے تابع ہے، چین گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات یورپ کے تابع ہیں، اسی طرح ایران ترکستان اور عرب عیسائی نہیں ظاہراً مسلمان ممالک ہیں مگر ان کے خیالات کی رَو بھی یورپ کے تابع ہے۔

غرض موجودہ زمانہ میں تمام تحریکات ایک سلک میں پروئی ہوئی ہیں اور ایک نظام کے ماتحت نظر آتی ہیں جس سے اس فتنہ کی ہیبت بہت بڑھ گئی ہے۔ پہلے انسان یہ خیال کرتا تھا کہ ایرانی یا یونانی یوں کہتا ہے مگر اب یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کا ہر معقول پسند انسان یوں کہتا ہے۔ پہلے اگر کسی کے سامنے یہ کہا جاتا تھا کہ ایرانیوں کا یہ عقیدہ ہے تو سننے والا دل میں کہہ سکتا تھا کہ شاید باقی دنیا کا عقیدہ اس کے خلاف ہو اس لئے وہ مرعوب نہیں ہوتا تھا اور عملاً بھی ایسا ہی تھا یعنی ایک وقت میں ایک ہی بدی سارے عالم میں پھیلی ہوئی نہ تھی کسی ملک میں کوئی بدی ہوتی تھی اور کسی ملک میں کوئی۔ اگر ہندوستان میں دہریت کی رَو تھی، تو ایران میں بدعملی کی رَو تھی، یونان میں فلسفہ کی رَو تھی تو مصر میں مشرکانہ خیالات کی رَو تھی۔ پس ان کے اعتراضات میں یکسانیت نہ تھی اور مخالفت میں تنظیم نہیں پائی جاتی تھی لیکن اس زمانہ میں تمام خیالات ایک رَو اور ایک ہی سلک کے ماتحت ہیں۔ جہاں سے بھی کوئی تحریک اُٹھتی ہے اس کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو خدا سے دُور کر دیا جائے اور مادیت کی طرف اسے مائل کیا جائے۔ چین، جاپان، سائبیریا، ایران، افغانستان، جہاں جاؤ وہاں یہی مرض دکھائی دے گا۔ ہر شخص دنیا کو دین پر مقدم کر رہا ہوگا اور ہر شخص کی یہ کوشش ہوگی کہ دنیا سے خدا تعالیٰ کی محبت کو مٹا دیا جائے۔ یہ چیز پہلے کبھی ساری دنیا میں ایک وقت میں نہیں پائی جاتی تھی۔

دوسری چیز جو امتیازی رنگ رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے جتنے حملے ہوتے تھے وہ فلسفیانہ ہوتے تھے، اور فلسفہ کی بنیاد واہمہ اور خیال پر ہے۔ مگر اس وقت جتنے حملے ہوتے ہیں وہ سائنس کی بناء پر ہوتے ہیں اور سائنس کی بنیاد مشاہدہ پر ہے۔ فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات میں تو انسان بڑی دلیری سے کہہ سکتا ہے کہ یہ تمہارے ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن مشاہدہ پر بنیاد رکھتے ہوئے جب کوئی سوال پیش کیا جائے تو اُس کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ اس دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے مرنے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ کس نے دیکھا کہ وہ آرام و آسائش میسر آسکے گی ایک فلسفیانہ خیال ہے اور اسے سُن کر ایک انسان متأثر تو ہو سکتا ہے مگر دوسرا شخص یہی

تو کہہ سکتا ہے کہ یہ تو درست ہے کہ اگلے جہان کا ثواب اور عذاب کسی نے نہیں دیکھا لیکن اگلے جہان میں ثواب اور عذاب کا نہ ملنا بھی تو تم نے نہیں دیکھا اس لئے دونوں نظریات سائنس کے لحاظ سے برابر حیثیت رکھتے ہیں لیکن ذراتِ عالم کی بناوٹ پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ایک ایسی تنظیم کی صورت رکھتا ہے کہ کارخانۂ عالم خود بخود چلتا چلا جاتا ہے جب کہا جائے کہ اس دنیا کو چلانے کے لئے کسی بیرونی ہستی کی ضرورت نہیں تو یہ سوال ایک نیا رنگ اختیار کر لیتا ہے جو پہلے وسوسہ میں نہیں تھا۔ پھر پہلے خدا تعالیٰ کے وجود کے خلاف صرف فلسفی کھڑے ہوا کرتے تھے مگر اب علم النفس والے بھی کھڑے ہیں، علم طبقات الارض والے بھی کھڑے ہیں، علم ہیئت والے بھی کھڑے ہیں۔ غرض تمام علوم مشترکہ طور پر اسلام کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں اور یہ حملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ ایک فلسفی نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا ہے، نہ معلوم اس کے قول میں سچائی بھی ہے یا نہیں مگر اب یہ کہا جاتا ہے کہ جس رنگ میں بھی دیکھو یہی نتیجہ نکلے گا کہ نعوذ باللہ خدا نہیں۔ غرض آج کفر اپنے تمام ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور یہ حملہ اپنی کمیّت اور کیفیت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ پہلے حملوں میں آدمی کم ہوتے تھے اور پھر وہ متفرق طور پر حملہ کرتے تھے۔ ایرانی اور رنگ میں حملہ کرتا تھا اور جاپانی اور رنگ میں مگر اب تمام دنیا متفقہ طور پر حملہ کرتی اور ایک ہی محاذ پر جنگ لڑتی ہے۔ پھر پہلے حملے فلسفہ تک محدود تھے مگر اب جتنے رائج الوقت علوم ہیں اُن سب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس فتنہ کے برابر دنیا کا اور کوئی فتنہ نہیں۔ آج دجالی فتنہ جس رنگ میں دنیا پر غالب ہے اس کی وجہ سے کوئی چیز بھی اسلام کی باقی نہیں رہی، نہ اس کے تمدنی احکام قائم ہیں، نہ سیاسی احکام قائم ہیں، نہ اقتصادی احکام قائم ہیں اور نہ شخصی احکام قائم ہیں، ہر چیز میں آج تبدیلی کر دی گئی ہے۔ پس جب تک اسے مٹانے کے لئے ہمارے اندر دیوانگی نہ ہوگی، جب تک ہمیں اس تہذیب مغربی سے بغض نہ ہوگا، اتنا بغض کہ اس سے بڑھ کر ہمیں کسی اور چیز سے بغض نہ ہو اُس وقت تک ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم میں سے جو شخص بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے وہ روحانی میدان کا اہل نہیں۔ جس تہذیب نے ہمارے مقدّس آقا کی تصویر کو دنیا کے سامنے بھیانک رنگ میں پیش کیا ہے، جس تہذیب نے اسلامی تمدّن کی شکل کو بدل دیا ہے، جب تک اُس کی ایک ایک اینٹ کو ہم ریزہ ریزہ نہ کر دیں کبھی چین اور اطمینان کی نیند نہیں سو سکتے۔ وہ لوگ جو یورپ کی نقالی کرتے اور مغربیت کی رَو میں بہتے چلے جاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے تن بدن میں تو اُن

کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر آگ لگ جانی چاہیئے کیونکہ اسلام اور مغربیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا اسلامی ثقافت زندہ رہے گی یا مغربیت زندہ رہے گی۔ دونوں کی بنیاد ہی متضاد اصولوں پر ہیں اور اُن کا ایک ہی جگہ جمع ہونا ناممکن ہے۔ مغربیت کی بنیاد ساری کی ساری دنیاوی لذات اور عیش پرستی پر ہے اور اسلام کی بنیاد کلّی طور پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی روحانیت اور اخلاق کی درستی پر ہے۔ اس لئے اِن دونوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ مگر یہ امر یاد رکھو کہ انگریز اور مغربیت میں فرق ہے۔ انگریز انسان ہیں اور ویسے ہی انسان ہیں۔ لیکن مغربیت ہدایت نہیں پاسکتی وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور جب تک اسے توڑا نہیں جائیگا دنیا میں حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

یہی وہ برزخ ہے جس کو قائم رکھنے کے لئے میں تحریک جدید کے ذریعہ جماعت کے دوستوں کو توجہ دلا رہا ہوں کہ وہ مغربی اثرات کو کبھی قبول نہ کریں۔ جو احمدی میٹھے پانی کا طلبگار ہے وہ ضرور اُن سے الگ رہے گا اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کڑوا اور میٹھا پانی ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ جو غیر احمدی ہیں وہ خواہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائیں پھر بھی اُن کا فرض ہے کہ وہ مغربیت کی کبھی نقل نہ کریں کیونکہ یہ مسیح موعودؑ کی تعلیم نہیں یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ اُن کے بھیجنے والے خدا کی تعلیم ہے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے . . . . کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو کھانے پینے پہننے اور تمدن و معاشرت سے تعلق رکھنے والے کئی امور میں مغربیت کی نقل کرتا اور اس نقل میں خوشی اور فخر محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح بعض احمدی نوجوان باوجود سمجھانے کے اس طرف جا رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف نام کے احمدی ہیں حقیقی احمدی نہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ بعض غیر احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ شادی بیاہ اور دوسرے معاملات میں آپ اپنی جماعت کے لوگوں کو کیوں اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمارے ساتھ تعلقات قائم کریں۔ آپ نے فرمایا اگر ایک مٹکہ دودھ کا بھرا ہوا ہو اور اس میں کھٹی لسی کے تین چار قطرے بھی ڈال دیئے جائیں تو سارا دودھ خراب ہو جاتا ہے مگر لوگ اس حکمت کو نہیں سمجھتے کہ قوم کی قوتِ عملیہ کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُسے دوسروں سے الگ رکھا جائے اور اُن کے بد اثرات سے اُسے بچایا جائے۔ آخر ہم نے دشمنانِ اسلام سے روحانی جنگ لڑنی ہے اگر اُن سے مغلوب اور اُن نقل کرنے والے لوگوں سے ہم گھل مل کر رہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بھی یورپ کے نقال ہو جائیں گے اور ہم بھی جہادِ قرآنی سے غافل ہو جائیں گے۔ پس خود اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہمیں دوسری جماعتوں سے نہیں ملنا چاہیئے تاکہ ہم غافل ہو کر اپنا فرض جو تبلیغ اسلام کا ہے بھول نہ جائیں جس طرح دوسرے مسلمان بھول گئے ہیں۔ اسلام میں پہلے ہی سپاہیوں کی کمی ہے۔ اگر تھوڑے بہت سپاہی جو اُسے میسر ہیں وہ بھی سُست ہو جائیں تو انہوں نے اسلام کی طرف سے دشمنوں کا کیا مقابلہ

کرنا ہے ......

قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین سے بعض قوموں نے درخواست کی کہ یاجوج ماجوج نے ہمارے علاقوں میں بڑا فساد برپا کر رکھا ہے آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں تاکہ وہ ہم میں داخل ہو کر کوئی خرابی پیدا نہ کر سکیں۔ چونکہ اس زمانہ کے ذوالقرنین بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لئے بالکل ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے دیوار حائل کرنے سے مراد اس زمانہ میں مغربیت اور اسلام میں ہی دیوار حائل کرنا ہو اور دو قوموں سے مراد دو قسم کے جذبات اور قومی خیالات و افکار ہوں۔ بہرحال ہمارا فرض ہے کہ ہم مغربیت اور اسلام کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل کر دیں جس کے بعد مغربیت کے لئے ہمارے اندر داخل ہونے کا راستہ کھلا نہ رہے اور اسلامی فوج ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہو جائے جس پر شیطان کا کوئی حملہ کارگر نہ ہو سکے۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ حصہ ۲ صفحہ ۱۱۲-۱۱۰)

شیطان کا سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"شیطان کے وساوس بہت ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ اور شبہ جو انسانی دل میں پیدا ہو کر اسے خسر الدنیا والآخرۃ کر دیتا ہے آخرت کے متعلق ہے کیونکہ تمام نیکیوں اور راستبازیوں کا بڑا بھاری ذریعہ منجملہ دیگر اسباب اور وسائل کے آخرت پر ایمان بھی ہے۔ اور جب انسان آخرت اور اس کی باتوں کو قصہ اور داستان سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ رد ہو گیا اور دونوں جہانوں سے گیا گزرا ہوا اس لئے کہ آخرت کا ڈر بھی تو انسان کو خائف اور ترساں بنا کر معرفت کے سچے چشمہ کی طرف کشاں کشاں لے آتا ہے اور سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت اور خدا ترسی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس یاد رکھو کہ آخرت کے متعلق وساوس کا پیدا ہونا ایمان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور خاتمہ بالخیر میں فتور پڑ جاتا ہے۔" (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اور

اُن کی بے اندازہ اہمیت

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے انصار اللہ کے نویں سالانہ اجتماع منعقدہ یکم نومبر تا ۳ر نومبر ۱۹۶۳ء کے موقع پر احباب کو اپنے اختتامی خطاب سے نوازنے سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب و ملفوظات کی عظمت و اہمیت پر بہت ہی دلنشین انداز میں روشنی ڈالی تھی اور احباب کو ان کا بار بار اور بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور اس طرح ان کی زندگی بخش تاثیرات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آپ کے اختتامی خطاب کا یہ ابتدائی حصہ افادہ عام کی غرض سے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

قبل اس کے کہ میں وہ بات شروع کروں جو مجھے اس وقت آپ دوستوں کے سامنے رکھنی ہے میں ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں جماعت کے دوستوں تک یہ خوشخبری پہنچا دوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جلد پنجم بھی شائع ہو گئی ہے اور یہ کہ احباب اس موقع پر ملفوظات کی دیگر جلدوں کے ساتھ یہ جلد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات، تقاریر اور ارشادات اس وقت کئی شکلوں میں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک تو وہ کتب ہیں جو حضورؑ نے اپنے قلم معجز رقم سے خود تحریر فرمائیں۔ دوسرے وہ مسحور کن نظمیں ہیں جو حضورؑ نے عربی یا فارسی یا اردو میں لکھیں۔ ان نظموں کے مجموعے عربی، فارسی اور اردو میں علیحدہ علیحدہ چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی اپنی ایک خصوصیت اور جداگانہ شان ہے۔ مثلاً درثمین اردو ایک چھوٹی سی کتاب ہے بچے بھی اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس سے بہت لطف اٹھاتے ہیں۔ اگر یہ ہمارے گھروں میں موجود ہو اور ہمارے توجہ دلانے پر بچے اسے بار بار اور بکثرت پڑھتے رہیں تو یہ امر اُن کی تعلیم و تربیت میں بے حد ممد ثابت ہو سکتا ہے،

اس لئے کہ ہر وہ مضمون جو حضورؑ نے اپنی کتب میں شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسے اختصار کے ساتھ اور اشارۃً حضورؑ نے ان نظموں میں ادا فرما دیا ہے۔ مزید برآں وہ اشتہارات ہیں جو حضورؑ نے اپنی زندگی میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً شائع فرمائے۔ یہ امر دیگر ہے کہ وہ اشتہارات فی الوقت دستیاب ہو سکتے ہیں یا نہیں لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اپنی ایک شان اور اُن کا اپنا ایک مزہ ہے۔ مثلاً آتھم کی پیشگوئی صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اُن تمام اشتہارات کو پڑھنا نہایت ضروری ہے جو اس تعلق میں حضورؑ نے اُسوقت لکھے اور شائع فرمائے۔ ان کے علاوہ حضورؑ کے وہ ارشادات و فرمودات ہیں جو ملفوظات کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں اور ان کا اپنا ایک مزہ اور اپنا ایک لطف ہے۔ ان کا مطالعہ کرتے وقت بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضورؑ بہت دلنشین انداز میں مختلف موضوعات اور مختلف مسائل پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ حاضرین میں سے کوئی ایک بات پوچھتا ہے حضورؑ جواب دیتے ہیں کسی کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے، حضورؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہو جاتا اور حضورؑ رفع شک کی خاطر اس کے متعلق تقریر شروع فرما دیتے ہیں۔ الغرض ملفوظات کا مطالعہ کرتے وقت ایک قاری پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ ایک اور ہی عالم میں پہنچا ہوا ہے۔

یہ ملفوظات اُن پُر معارف مجالس کی تحریری روداد ہیں جن میں حضورؑ سامعین کی فکری نہج اور ان کی ذہنی اور فکری اُلجھنوں کو ملحوظ رکھ کر مختلف مسائل پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک جگہ حضورؑ نے فرمایا ہے کہ میرے پاس آ کر لمبا عرصہ رہا کرو کیونکہ میں ایک ہی وقت میں ہر ایک کی فکری نہج اور ضرورت کے مطابق بات نہیں کر سکتا اور نہ یہ عملاً کسی انسان کے لئے ممکن ہے۔ میں ایک وقت میں کسی کی ذہنی کیفیت کے مطابق بات کر رہا ہوتا ہوں اور دوسرے وقت میں کسی اور شخص کی ذہنی کیفیت کو ملحوظ رکھ کر بات کر رہا ہوتا ہوں۔ اگر کوئی شخص صرف چند گھنٹے ہی میری صحبت میں رہے اور پھر چلا جائے تو اس امر کا امکان ہے کہ اُسکی ذہنی و فکری اُلجھنیں دُور نہ ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُسوقت میں ایک دوسرے گروہ کی ذہنی اُلجھنوں کو دور کرنے میں مصروف ہوں اور تمہیں اس سے پورا فائدہ نہ ہو۔ لیکن اگر تم یہاں آ کر لمبا عرصہ رہو گے تو تمہیں ایسے مواقع ضرور میسر آجائیں گے کہ جب میں تمہاری اپنی فکری نہج کے مطابق بات کر رہا ہوں گا۔ اس طرح تمہاری اپنی ذہنی اُلجھنیں دُور ہو جائیں گی اور تم اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ گے۔ تو ملفوظات جو حضور کے ایسے ہی پُر معارف ارشادات پر مشتمل ہیں ان کا اپنا ایک مزہ اور ان کی اپنی ایک جُداگانہ شان ہے اور وہ بڑا ہی عجیب مزہ اور بہت ہی نرالی شان ہے۔ میں اس مزہ اور شان کی کیفیت کیا بیان کروں اور کیونکر بیان کروں جبکہ الفاظ میں اُسے بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا ہاں مطالعہ کر کے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اپنی تو یہ حالت ہے کہ ملفوظات کی جلدیں ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی ہیں اور جونہی ضروری اور فوری کاموں سے ذرا بھی فرصت ہوتی ہے تو انہیں پڑھنا شروع

کر دیتا ہوں۔ کتاب کھولنے کی دیر ہوتی ہے کہ ایک جہان آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، کہیں دُعا کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے، کہیں عیسائیت کے ردّ میں دلائل بیان ہو رہے ہیں، کہیں استغفار کی اہمیّت ذہن نشین کرائی جا رہی ہے، کہیں جماعت کو ایک رنگ میں نصیحت کی جا رہی ہے، کہیں دوسرے رنگ میں نصائح ہو رہی ہیں۔ جس طرح ایک گلّہ بان اپنی بھیڑوں کے گلّہ پر ہر سمت اور ہر طرف نگاہ رکھتا ہے کہ کوئی اِدھر نہ بھٹک جائے اور کوئی اُدھر نہ بھٹک جائے اسی طرح یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؑ نے ہر قسم کی نیکیوں پر نگاہ رکھی ہوئی ہے اور گھیر گھیر کے حضورؑ نے انہیں ایک چھوٹی سی جگہ میں ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اور جب ملفوظات کی شکل میں یہ سب نیکیاں یکجائی طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں تو ہم ان سے بڑا ہی لطف اُٹھاتے ہیں۔ یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے جس سے ہماری نسلیں قیامت تک روحانی حظ اٹھاتی رہیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملفوظات کی اشاعت ایک بڑا ضروری کام تھا۔ پہلے ایک جلد شائع ہوئی۔ پھر بہت سے دوستوں نے مزید جلدیں شائع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ میری اپنی بڑی خواہش تھی کہ جلد تر تمام ملفوظات کی اشاعت کا انتظام ہو۔ میں سوچتا تھا کہ حضورؑ کے ملفوظات کا ایک چھوٹا سا حصّہ شائع ہوا ہے۔ ابھی ایک بہت بڑا حصّہ ایسا ہے جو تاحال کتابی شکل میں اشاعت پذیر نہیں ہوا، اسے بھی شائع ہونا چاہیئے۔ دوستوں کے ساتھ میری بھی آرزو تھی اور ہم نے شمس صاحب سے کہا کہ آپ اِس طرف توجہ دیں اور تمام کے تمام ملفوظات جلد شائع کرنے کا انتظام کریں۔ چنانچہ مزید جلدیں شائع ہونی شروع ہوئیں اور اب یہ پانچویں جلد شائع ہوئی ہے۔ خیال ہے کہ دس یا گیارہ جلدوں میں یہ ملفوظات مکمل ہوں گے۔ ہزارہا مسائل ہیں جو اِن میں آجاتے ہیں۔ بعض جگہ اثر و جذب میں ڈوبے ہوئے ایسے ایسے فقرے ہیں کہ ان میں سے ایک ہی فقرہ ایک سعید انسان کی کایا پلٹنے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم ماہنامہ "انصار اللہ" میں بھی بعض اوقات چھوٹے چھوٹے فقرے شائع کرتے ہیں وہ اکثر و بیشتر انہی ملفوظات میں سے لئے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر اُس گھرانہ میں جس میں احمدیت کے ساتھ محبّت اور اخلاص پایا جاتا ہے کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ملفوظات کا موجود ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ اِن سے بچے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچے جن کی عقل میں اتنی تیزی نہیں ہوتی بڑی بڑی کتابوں میں درج شدہ مضامین کو یکدم نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ایک چھوٹی عمر کا بچہ جو عبارت پڑھنی جانتا ہو وہ اِس قابل ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ایک بڑے حصّہ کو سمجھ سکے اور دُرِّ ثمین اُردو سے فائدہ اُٹھا سکے۔ میں سمجھتا ہوں دُرِّ ثمین اُردو کا تو ہر بچہ کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے اور ملفوظات کا ہر احمدی گھر میں موجود ہونا ضروری ہے۔ میرے نزدیک ملفوظات خریدنے اور ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے متعلق تحریک کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جس طرح میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے کلام سے محبّت کا جذبہ موجزن ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک کے دل میں حضور علیہ السلام اور حضورؑ کی بیش بہا کتب اور ارشادات سے محبّت کا ایسا ہی جذبہ موجزن ہے لہٰذا میں آپ کے جذبۂ محبت کے پیشِ نظر تحریک کرنا نہیں بلکہ یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ ملفوظات کی جلد پنجم شائع ہو گئی ہے دوست اسے یہاں حاصل کر کے جائیں ÷

ایمانِ کامل کے دو بلند مراتب

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے، قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مومنوں کے ذکر میں فرماتا ہے :۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ (سورۃ الحدید)

جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر صحیح معنی میں ایمان لاتے ہیں وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک صدیق اور شہید ہوتے ہیں، وہ اس اجر کو پالیتے ہیں جو اُن سے مخصوص ہے اور انہیں خدا کی معرفت کا نور حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اِس مقام پر صدیق اور شہید مومنین کے بلند مراتب کا ذکر فرمایا ہے اِس لئے ہمیں اِس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ صدیق اور شہید اپنے اندر کیا کیا خصوصیات رکھتے ہیں تا کہ ہمارے دل میں بھی ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی تمنا اور تڑپ پیدا ہو۔

(۱)

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے ایک ایسا شخص جو صدق اور راستبازی میں فنا ہو اور بدرجۂ اتم راستباز اور حق و صداقت کا عاشق صادق ہو۔ جب ایک شخص اِس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ تمام راستبازیوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صدیق کے کمالات کا فلسفہ و حقیقت بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"صدیق کے کمال کے حصول کا فلسفہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہتا اور صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رجس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے دُور بھاگتا ہے۔ اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا، جھوٹی گواہی نہ دوں گا اور نہ جذبۂ نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹا کلام کروں گا۔ نہ لغو طور پر نہ کسبِ خیر اور دفعِ شر کے لئے یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اِس حد تک وعدہ کرتا ہے تو گویا اِیَّاكَ نَعْبُدُ

پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے اور اس کا وہ عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے آگے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے خواہ یہ اُس کے منہ سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اللہ تعالیٰ جو مبدء الفیوض اور صدق اور راستی کا سرچشمہ ہے اس کو ضرور مدد دے گا اور صداقت کے اعلیٰ اصول اور حقائق اُس پر کھول دے گا ...... پس جب وہ اُس صدق تک پہنچ جاتا ہے تب اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور اُسے ایک خاص بصیرت ملتی ہے جس سے معارفِ قرآنی اس پر کھلنے لگتے ہیں۔ مَیں اس بات کے ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوں کہ وہ شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور راستبازی کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ قرآن کریم کے معارف کو سمجھ بھی سکے۔ اِس لئے کہ اُس کے قلب کو اس سے مناسبت ہی نہیں کیونکہ یہ تو صدق کا چشمہ ہے اور اس سے وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو۔"

(ملفوظات جلد اول ۳۶۵، ۳۶۶)

صدیقیت کا کمال حاصل ہونے پر ایک مومن پر قرآن شریف کے حقائق اور دقائق کھلتے ہیں اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بلند مرتبہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی تائید سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے جہاں تک اُس سے ہوسکے وہ تگ و دو اور جد و جہد کرے اور اس طرح اپنے تئیں اس بلند مرتبہ کا اہل ثابت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو **صدّیق** کا خطاب دیا ہے اس لئے ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے تا ہمیں معلوم ہو کہ آپ کس درجہ صدق اور راستبازی میں فنا تھے اور تا ہمیں بھی اپنے اندر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صفات اور ان کی سی فطرت پیدا کرنے کی خواہش پیدا ہو۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ آپ وہاں سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں انہیں مکہ کا ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا مکہ کی کوئی نئی بات؟۔ اس نے کہا نئی بات یہ ہے کہ تمہارے دوست محمدؐ نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر اعتماد اور آپؐ کی راستبازی کا انہیں اس قدر یقین تھا کہ انہیں اس دعویٰ کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے کسی مزید دلیل اور حجت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے اِس خیال سے کہ کہیں انہیں ٹھوکر نہ لگے اپنی صداقت کی دلیل دینا چاہی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، میرے لئے صرف آپ کا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آپ خدا کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں مَیں خدا کا نبی ہوں۔ اس پر آپ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور پھر اس عہد کو عمر بھر نبھایا۔ یہ اِس بات کی دلیل تھی کہ آپ راستبازی اور صدق میں فنا اور بدرجہ اتم حق و صداقت کے عاشقِ صادق تھے۔ عمر بھر ہر کٹھن منزل اور مشکل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جب قریشِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کا ساتھ دیا اور آپؐ کی رفاقت اختیار کی یہ جانتے ہوئے کہ آپؐ کی رفاقت میں انہیں بھی آپؐ کی طرح قدم قدم پر موت کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ وفاداری، یہ طاقت اور یہ ہمت صدقِ ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی پر پڑی جو ان کی وفا شعاری کی دلیل تھی۔ نبی خدا کی آنکھ سے دیکھتا ہے، آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جذبات سے واقف تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفاداری، راستبازی اور ایمانداری کو جانتے تھے۔ غرضیکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مشکل وقت اور عسرت میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا وقت تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری ایک ایسے ہی وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی رفاقت کا حق ادا کیا اور دوستی اور وفاداری کا عہد نبھایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تشریف لے گئے تو شریر کفار آپؐ کو تلاش کرتے ہوئے غار کے مُنہ تک جا پہنچے۔ اُسوقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے اپنے لئے نہیں بلکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونکہ اگر خدانخواستہ دشمن آپؐ کو گزند پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو اسلام مٹ جاتا۔ یہ گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اللہ اللہ کس قدر بلند مرتبہ تھا صدیق اکبرؓ کا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا گھبراؤ نہیں جس طرح خدا میرے ساتھ ہے اسی طرح خدا تمہارے ساتھ بھی ہے اور وہ میری طرح تمہاری بھی حفاظت کرے گا جو اُن کے علوِ مرتبت اور بلند شان کی دلیل ہے۔ اُمتِ مسلمہ میں سے اس مشکل گھڑی میں حضورؐ کی جسمانی معیت کا فخر اور کسے حاصل ہوا ؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدق، وفاشعاری اور راستبازی کا نمونہ ایک اُس وقت ظاہر ہوا جبکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ یہ وقت بڑا ہی مشکل وقت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اُسوقت یہ حالت تھی کہ وہ تلوار کھینچ کر نکل کھڑے ہوئے کہ اگر کوئی کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو وہ اُسے قتل کر دیں گے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑی جُرأت اور دلیری سے کام لیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور خطبہ میں فرمایا کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہی ہیں اور جس قدر ان سے پہلے رسول گزرے سب وفات پا چکے ہیں پھر اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں تو کیا ہوا۔ اِس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اس کے بعد اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُس وقت بعض جھوٹے نبی پیدا ہو گئے اور بعضوں نے نماز چھوڑ دی۔ اِس مصیبت میں میرا

باپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی ہمت اور شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی ہے اور صدیق نے ہی دکھائی۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اس خطرہ کو سنبھال سکتا۔" (ملفوظات جلد اول ص ۳۷۹)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مردانہ وار ان حالات کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہ اُن کا صدق ہی تھا جس سے آپ نے اس فتنہ کو فرو کیا اور حالات پر قابو پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"صدیق رضی اللہ عنہ نبی کا ہمسایہ تھا۔ آپ کے اخلاق کا اثر اس پر پڑا تھا اور دل نور یقین سے بھرا ہوا تھا اس لئے وہ شجاعت اور استقلال دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسکی نظیر ملنی مشکل ہے ..... میں سچ کہتا ہوں کہ ابوبکر صدیق رض اسلام کے لئے آدم ثانی ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رض کا وجود نہ ہوتا تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابوبکر صدیق رض کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔" (ملفوظات جلد اول ص ۳۸۱)

(۲)

متذکرۃ الصدر آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدیقوں کے ساتھ شہداء کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ شہید کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"وہ ایک کیفیت ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ یاد رکھو کہ صدیق نبی سے ایک قرب رکھتا ہے اور وہ اُس سے دوسرے درجہ پر ہوتا ہے اور شہید صدیق کا ہمسایہ ہوتا ہے ... جب انسان خدا تعالیٰ سے قوت پاکر اس مقام شہید پر پہنچتا ہے تو اس کو ایسی طاقت اور استقامت دی جاتی ہے کہ اسے اعمالِ صالحہ میں کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوتی گویا وہ ان اعمال پر سوار ہوتا ہے ... شہید اُسی وقت کسی شخص کو کہیں گے جب اسکی قوتِ ایمانی اُس سے وہ فعل دکھائے کہ آرام سے ان افعال کا صدور ہو۔ جیسے پانی اُوپر سے نیچے گرتا ہے اسی طرح پر شہید سے اعمالِ صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔ شہید اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھتا ہے اور اُس کی طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب یہ مقام کامل درجہ پر پہنچے تو یہ ایک نشان ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۶)

پس ایک شہید عبادات بجا لاتا ہے تکلف اور تکلیف سے نہیں بلکہ ذوق و شوق سے۔ اور خدا تعالیٰ کی خاطر سختیاں برداشت کرتا ہے سختی سمجھ کر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام سمجھ کر۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صدیقین اور شہداء کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُن کے رنگ میں رنگین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ٭

نظامِ خلافت کی اہمیت

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

(۱)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔ (النور آیت ۳۶)	اللہ تعالیٰ آسمانوں کا بھی نور ہے اور زمین کا بھی۔ اُس کے نور کی کیفیت یہ ہے جیسے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک دیا پڑا ہو (اور وہ) دیا ایک شیشے کی چمنی کے اندر ہو۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا دارومدار اللہ تعالیٰ پر ہی ہے۔ وہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اُس کے نور کے مخصوص اور نمایاں اظہار کی صورت یہ ہے کہ وہ نبوت کے شیشے کے ذریعہ سے ظاہر ہو اور اُس شیشے کے پیچھے ایک طاقچہ ہو۔ طاقچے کی تمثیل بیٹری کے ری فلیکٹر سے واضح ہو جاتی ہے ٹارچ کے پیچھے جو (reflecter) ری فلیکٹر ہوتا ہے وہ روشنی کو ایک مخصوص رُخ پر موڑ دیتا ہے اور منتشر ہونے نہیں دیتا اور پھر زیادہ سے زیادہ آگے تک اور دُور دور فاصلے تک لیجاتا ہے۔ خلافت نبوت کے لئے بمنزلہ اسی طاقچے یا ری فلیکٹر کے ہے جو نورِ نبوت کو ممتد کرتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء مجسّم نور ہوتے ہیں لیکن اُن کا جسمانی وجود بہر حال ایک فانی وجود ہوتا ہے۔ اُن کی شخصی زندگی محدود ہوتی ہے لیکن خلافت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انبیاء کی قومی زندگی کو دُور تک ممتد کر دیتا ہے اور ایک لمبے عرصہ تک دنیا انوارِ نبوت سے مستفیض ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَا کَانَتِ النُّبُوَّۃُ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْھَا خِلَافَۃٌ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹۔ خصائص کبریٰ للسیوطی)	جب بھی دنیا میں نبوت قائم ہوئی ہے اس کے بعد خلافت آئی ہے۔

ٹارچ کے پیچھے ری فلیکٹر ہوتا ہے اس کے دو کام ہیں۔ اوّل روشنی کو دُور فاصلے تک لیجانا، دوسرے روشنی کو منتشر ہونے سے بچا کر ایک خاص رُخ پر موڑ دینا۔ یہی کام خلافت کا ہے۔ خلافت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نبی کے وجود باجود کو قومی زندگی عطا کرتا ہے اور دنیا لمبے عرصے تک انوارِ نبوت سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر خلافت قوم کی طاقت اور

انرجی کو منتشر ہونے سے بچاتی ہے اور ضرورت کے مطابق مخصوص اطراف میں موڑتی رہتی ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:-

"نبوت میں آکر یہ نور (یعنی الٰہی نور رسالت) مکمل تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا زمانہ پھر بھی محدود ہوتا ہے کیونکہ نبی بھی موت سے محفوظ نہیں ہوتے۔ پس اس روشنی کو دور تک پہنچانے کے لئے اور زیادہ دیر تک قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی اور تدبیر کی جاتی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ری فلیکٹر بنایا جس کا نام خلافت ہے۔ جس طرح طاقچہ تین طرف سے روشنی کو روک کر صرف اُس جہت میں ڈالتا ہے جدھر اُس کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خلفاء نبی کی قوت قدسیہ کو جو اُس کی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر تو زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے اور تفرقہ اور شقاق کی وجہ سے کسی نظام کے ماتحت جماعت کا روپیہ اور اس کا علم اور اس کا وقت خرچ نہ ہوتا۔ غرض خلافت کے ذریعہ سے الٰہی نور کو جو نبوت کے ذریعہ مکمل ہوتا ہے ممتد اور لمبا کر دیا جاتا ہے۔" (تفسیر کبیر تفسیر سورۃ نور)

اس کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ فیضان خداوندی، تائیدات سماویہ، معجزانہ تجلیات جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کے شامل حال تھیں اُسی طرح خلفائے راشدین کے زمانوں میں رہیں۔ خلافت راشدہ کے ذریعہ برکات نبوت تیس سال تک مزید جاری رہیں لیکن چونکہ مسلمانوں نے خلافت کی اہمیت کو نہ سمجھا اور اس کو قائم و دائم رکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کو واپس لے لیا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے اس تیس سالہ دور کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی خلافت مجددیت کے رنگ میں جاری ہوئی "پس خلافت ایک الٰہی انعام ہے، کوئی نہیں جو اس میں روک بن سکے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ایک ذریعہ ہے۔ جو اُس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اسکے زمانہ کی لمبائی مومنوں کے اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے۔" (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ نور)

(۲)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ خلفاء کو ہم مقرر کرتے ہیں۔ پس خلافت وہ بابرکت نظام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے قائم کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تصرف کی مخفی تاریں مومنوں کے دلوں کو منظور خداوندی کی طرف پھیر دیتی ہیں۔ اور پھر آیت استخلاف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی پے در پے تائیدات و نشانات اس خلافت کے خلافت حقہ ہونے پر

مُہر لگا دیتا ہیں۔ اِس خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہونے کے علاوہ ایک اور اہم نشان یہ بھی ہے کہ مامور کی وفات کے بعد اس کے مقدس ہاتھوں سے تیار شدہ جماعت کو من حیث الجماعت کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے خلافت عطا کی جاتی ہے، اُس جماعت کو اللہ تعالیٰ عزت کا یہ مقام عطا فرماتا ہے کہ اپنے خلفاء کا انتخاب اس جماعت کے ذریعہ سے کرواتا ہے۔ گویا وہ جماعت روحانی طور پر اس کے قابل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی تجلیات و تصرفات کی مورد بنے۔ خلیفۂ وقت اس جماعت کے لئے بمنزلہ دل و دماغ کے ہوتا ہے اور ... جماعت کے اراکین اس دل و دماغ کے لئے بمنزلہ جوارح کے ہوتے ہیں۔ گویا وہ جماعت اپنے خلیفہ سمیت اس اسلامی معاشرہ کو پیش کرتی ہے جس کے متعلق حدیث نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومنوں کی مثال جسم انسانی کی مثال ہے۔

پس اگر کسی جماعت میں خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ قائم ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی برگزیدہ جماعت ہے اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے مطابق خلافت کی ذمہ واریوں میں اس کے تمام مخلص اراکین علیٰ حسب مراتب شریک ہیں۔ اور اپنی اپنی نیّت اور عمل کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کو قائم فرمایا ہے۔ نظام کے لحاظ سے ہمارا ایک واجب الاطاعت امام ہے جو جماعت کے روحانی جسم کے لئے بمنزلہ دل و دماغ کے ہے۔ لیکن کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے اِس جماعت کا ہر مخلص رکن جو سچا احمدی ہے اپنے اپنے رنگ میں ظلّی طور پر خلیفہ المسیح ہے اور اس سے قیامت کے دن اپنے اس مقام کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پس دیکھئے کتنا عظیم الشان اعزاز ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے ذریعہ جماعتِ مُسلمہ کو ملتا ہے کہ وہ کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے رسالت و نبوّت کے کام اور مشن کی تکمیل میں شریک کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○

ہم نے تم سب جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اپنی اس ذمہ داری کو کس طرح ادا کرتے ہو۔

پس ہمارے لئے خلافت کی ایک عظیم اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس جماعت کا ہر مخلص فرد خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کے مشن میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے اور جماعت کو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مقام عزت حاصل ہے کہ خلیفۃ اللہ کا انتخاب اس جماعت کے ذریعہ سے کروایا جاتا ہے اور مومنوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے الہام خفی کے مورد بنتے ہیں۔ ہاں جب شامتِ اعمال سے قوم اِس مقام سے نیچے گر جاتی ہے تب اللہ تعالیٰ یہ اعزاز اُن سے چھین لیتا ہے اور اس کے بعد روحانی خلفاء ماموریں کی طرح براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اِسی کو خلافتِ مجدّدیت کہتے ہیں مگر خلافتِ مجدّدیت کا مقام خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ سے نیچے اور اسکے بعد ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے ایام میں خلیفۂ وقت گویا رئیس المجدّدین ہوتا ہے اور اس کے تمام مخلص نائبین

مجدّدین کے رنگ میں ہوتے ہیں اور اُن کے ہاتھ سے دین کی تجدید کا کام جاری رکھا جاتا ہے۔ وہ اپنے کاموں کے لحاظ سے بعد میں آنے والے اور مجدّد کا نام پانے والے مجدّدین سے کم نہیں ہوتے لیکن شمسِ خلافت کی شعاعوں کے سامنے یہ ستارے مانند نظر آتے ہیں اور اتنے نمایاں نہیں ہوتے لیکن شمسِ خلافت کے غروب ہونے کے بعد اسی قسم کے لوگ تاریکی کے زمانے میں مجدّد، قطب، غوث ایسے عظیم القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم میں شمسِ خلافت موجود ہے اور اُس کے مخلص خدام ستاروں کی طرح اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

آجکل کئی ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ چودھویں صدی کا اخیر قریب آرہا ہے۔ کیا اِس صدی کے آخر میں بھی مجدّد قائم کیا جائے گا؟ اِس کا جواب یہی ہے کہ الصادق المصدوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط کیسے ہوسکتی ہے، ضرور ہوگا لیکن حدیث سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر صدی کے شروع میں یا اخیر پہ اللہ تعالیٰ کی طرف تائید یافتہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حکمِ شرعی یا حکمِ تکوینی سے تجدید و خدمتِ اسلام کے لئے موجود ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ عام مجدّدین سے بالا مقام رکھنے والا شخص بھی مجدّد ضرور کہلائے گا۔ اگر کسی صدی کے سر پہ کوئی نبی مبعوث ہو جائے تو وہی اس صدی کا مجدّد ہوگا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں نبوت کے بعد خلافتِ راشدہ متصلہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا مقام و مرتبہ عام مجدّدیت سے یقیناً بلند و بالا ہے۔ اِس صدی کے سرے کے لئے یہ خلیفۂ وقت ہی نہ صرف مجدّد بلکہ شمس المجدّدین ہوگا کیونکہ اس کے سچے معاونین و انصار بھی مجدّدین کے حکم میں ہی ہوں گے۔ ایک وقت میں مجدّد کئی ہوسکتے ہیں لیکن خلیفہ اور امام ایک ہی ہوسکتا ہے۔

پس خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوت کا مقام اور اہمیت نبوت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور نبوت کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا انعام ہے۔ اِس انعام کے خاتمے پر ہی پھر عام مجدّدین والی خلافت شروع ہوتی ہے۔

(۳)

قرآن کریم کی آیتِ استخلاف میں خلافتِ اسلامیہ کی موعود علامات و تائیدات الٰہیہ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (النور آیت ۵۷)	تم سب (اس خلافتِ موعودہ اسلامیہ کے ذریعہ سے) نمازوں کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اِس رسول مقبول کی اطاعت کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مورد بنو۔

اِس میں خلافت کی اِس اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول خلافت کے بغیر در اصل حقیقی طور پر ہو ہی نہیں سکتیں۔

اقامتِ صلوٰۃ کی رُوح یہ ہے کہ اپنی عبادت اور بندگی میں بھی ایک اجتماعیت پیدا کر کے ایک تیز رفتار رَو Current کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور لایا جائے۔ اور جب سارے مسلمان ایک ہاتھ پر جمع ہوں اور ایک امام کے تابع ہوں اسی وقت ہی ایسا ہونا ممکن ہے۔ جب جماعت کا شیرازہ بکھر جائے اور وہ ایک امام کے تابع نہ رہے تو وہی دریا جو ایک تیز رفتار رَو کی شکل میں بہہ رہا تھا کئی چھوٹی چھوٹی سُست رفتار ندیوں میں ختم ہو جاتا ہے اور اُس کے اندر وہ زور اور جوش باقی نہیں رہتا۔ ایک تیز رَو بڑے بڑے محلات کو بھی بہا کر لے جاتی ہے بر خلاف اس کے سُست رفتار ندی بعض دفعہ ایک درخت کو بھی جڑ سے نہیں اُکھیڑ سکتی۔

اسی طرح اقامتِ صلوٰۃ کی انتہا نماز و خطبہ جمعہ ہے۔ خطبہ جمعہ میں دین کی ضروریات کی تفصیل بیان کر کے وعظ کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں تربیتی و تبلیغی ضروریات کو تبھی پُورا کیا جا سکتا ہے جب کہ ایک مرکزی نظام ہو جسے کُل دنیا کی ضروریات کا علم ہو۔ اس کے بغیر "پاکستان کی جماعتوں کو کیسے علم ہو سکتا ہے کہ چین اور جاپان اور دیگر ممالک میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے اور اسلام اُن سے کن قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اگر ایک مرکز ہو گا اور ایک خلیفہ ہو گا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاطاعت ہو گا تو اُسے اکنافِ عالم سے رپورٹیں پہنچتی رہیں گی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے اور وہاں وہ ہو رہا ہے۔ اور اس طرح وہ لوگوں کو بتا سکے گا کہ آج فلاں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور آج فلاں قسم کی خدمات کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کی حاجت ہے۔ اسی لئے حنفیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی سلطان نہ ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ..... جب خلافت کا نظام نہ رہے تو انفرادی رنگ میں کسی کو قومی ضرورتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے اور وہ ان کو کس طرح اپنے خطبات میں بیان کر سکتا ہے۔ بلکہ بالکل ممکن ہے کہ حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکہ میں مبتلا رہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں مبتلا رکھے۔" (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ النور صـ۳۶۸)

اسی طرح زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی باقاعدہ تقسیم مرکزی نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ "جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی انتظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشاء ہے اُمراء سے لی جاتی ہے اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہو سکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو۔ اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کر دے تو اس کے وہ خوشگوار نتائج کہاں نکل سکتے ہیں جو اس صورت میں نکل سکتے ہیں جبکہ زکوٰۃ ساری جماعت سے وصول کی جائے اور ساری جماعت کے غرباء میں تقسیم کی جائے۔" (تفسیر کبیر صـ۳۶۹)

اسی طرح حقیقی طور پر اطاعتِ رسول بھی خلافت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعتِ رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعتِ رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعتِ

رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں۔ اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جانے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں قربان کرنے اور وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں "غرض یہ تین باتیں (اقامتِ نماز، ادائیگی زکوٰۃ، اطاعتِ رسول۔ ناقل) ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہیگی اور تمہارے دل سے اطاعتِ رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔" (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ النور ص ۳۶۹)

(۴)

اب خلاصۂ کلام یہ ہے کہ :۔

۱۔ خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوت اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی قومی زندگی اور برکات رسالت و نبوت کے لمبے عرصے تک ممتد کئے جانے کا نام ہے۔ یعنی زمانۂ خلافت میں اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نشانات کی بارشیں زمانۂ نبوت کی طرح برستی رہتی ہیں۔

۲۔ خلافتِ راشدہ متصلہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی نے اپنی قوتِ قدسی سے قدسیوں کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزت کا مقام رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ اپنے خلفاء کا تقرر اس جماعت کے دلوں پر الہام کر کے بالواسطہ کرواتا ہے اور مومنوں کے انتخاب کو اپنی قبولیت سے نوازتا ہے۔

۳۔ خلافت کے ذریعہ ہی حقیقی طور پر اقامتِ صلوٰۃ ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ کا نظام بھی خلافت کے نظام پر ہی منحصر ہے اطاعتِ رسول بھی حقیقی طور پر خلفاء کی اطاعت کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ جماعت جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت نظام جاری فرمایا ہو۔ اس جماعت کے اراکین کا فرض ہے کہ خلافت کی اہمیت و افادیت پر ایمان رکھیں اور خلافت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے اعمال بجا لاتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور بدقسمت ہیں وہ افراد جو خلافتِ حقہ کا انکار کر کے فاسقین کے زمرہ میں شامل ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی جو خلافتِ حقہ کے قیام کے بعد انکار کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

وَاٰخِرُ كَلِمِنَا حَمْدٌ وَّ شُكْرٌ

لِرَبٍّ مُحْسِنٍ ذِی الْاِمْتِنَانِ

مغربی ممالک میں اباحتی زندگی کا دل دوز منظر

معصیت نواز معاشرہ کی گھناؤنی صورتِ حال

انگلستان کے مشہور عیسائی رسالہ "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" کی نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں امریکہ کے شہرہ آفاق عیسائی منّاد ڈاکٹر بلی گراہم کا ایک مضمون بعنوان "I do have a social Gospel" شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے روحانی نقطۂ نگاہ سے اہلِ امریکہ کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی بیوی کا ایک قول بھی درج کیا تھا۔ وہ قول جیسا کہ ہم اپریل ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ "انصار اللہ" میں اس سے قبل ازیں شائع کر چکے ہیں۔ خود ڈاکٹر بلی گراہم کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:-

"عوام کا جنسی شغف اس درجہ بڑھ چکا ہے کہ قومِ لوط کی بستیوں سدوم اور عمورہ کی یاد تازہ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ کچھ عرصہ ہوا میری بیوی نے کہا تھا کہ اگر خدا نے امریکہ کے بارہ میں اپنا فیصلہ صادر نہ کیا تو اسے سدوم اور عمورہ کی بستیوں سے معذرت کرنا پڑے گی" (یاد رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ان بستیوں کو گناہوں کی بے انتہا کثرت کے باعث گندھک اور آگ کے عذاب کے ذریعہ نیست و نابود کر دیا تھا۔ ناقل)

ڈاکٹر بلی گراہم نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں امریکہ کے معصیت نواز معاشرہ کے متعلق کچھ اشارے بھی کئے تھے لیکن وہ اتنے خفیف تھے کہ ان سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ صورتِ حال انتہائی نازک صورت اختیار کر چکی ہے۔ اُن کے اِس مضمون کے بعد امریکہ کے مشہور ماہوار رسالہ "میک کالز" (Mc Calls) میں "فلورنس کری ٹنٹن ایسوسی ایشن آف امریکہ" (Florence Crittenton Association of America) کی ایگزیکیوٹو ڈائرکٹر میری لوئی ایلن (Mary Louse Allen) کا ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے امریکہ میں بڑھتی ہوئی فحاشی اور اس کے ہولناک نتائج و عواقب پر سے پردہ اُٹھا کر قوم کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس مضمون میں امریکی معاشرہ کے جس پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہے وہ حد درجہ بھیانک، لرزہ خیز اور عبرت انگیز ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نافرمان قوم کو سزا کے طور پر

خوشحالی کے فتنہ میں مبتلا کر کے اسے ڈھیل دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ عقل و خرد، دانشمندی و دانشوری اور مادی ترقی و عروج کے باوجود اخلاقی پستی کا شکار ہو کر رفتہ رفتہ تحت الثریٰ میں جا گرتی ہے اور اسکے افراد اسفل السافلین میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ پھر اس مضمون کے مطالعہ سے وہ وجوہات بھی پوری طرح منظرِ عام پر آجاتی ہیں جنہوں نے مسز بلی گراہم کو انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر آج خدا نے امریکہ کے بارہ میں اپنا فیصلہ صادر نہ کیا تو اسے سدوم اور عمورہ کی بستیوں سے معذرت کرنا پڑیگی۔ ہرچند کہ میئری لوئی ایلن نے جس صورتِ حال کی نشاندہی کی ہے وہ بہت گھناؤنی اور بھیانک ہے تاہم وہ عبرتناک ہونے کے علاوہ ایک خدائی نشان کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے ہم اُس کے بعض حصّوں کا ترجمہ ذیل میں درج کر کے اُس خدائی نشان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہمارا مقصد حصولِ عبرت کی خاطر محض اظہارِ حقیقت ہے نہ کہ دوسروں کے عیوب کو اجاگر کر کے اُنکی تضحیک۔

قبل اسکے کہ ہم مقالہ مذکورہ کے بعض اقتباسات پیش کریں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "میک کالز" جس میں میئری لوئی ایلن کا مقالہ شائع ہوا ہے امریکی خواتین کا نہایت مشہور و معروف رسالہ ہے جسکی ماہوار اشاعت ۸۰ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ اور "فلورنس کری ٹنٹن ایسوسی ایشن آف امریکہ" جسکی وہ ڈائرکٹر ہیں سماجی بہبود کا وہ وسیع ترین امریکی ادارہ ہے جو بیک وقت امریکہ کا کم و بیش تیس یا ستون میں غیر شادی شدہ ماؤں کی دیکھ بھال اور انہیں طبّی امداد بہم پہنچانے کے نصف صد کے قریب مراکز چلا رہا ہے۔ اس طرح یہ ادارہ امریکہ بھر میں بیک وقت آٹھ ہزار ماؤں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ میئری لوئی ایلن کے مضمون کا (جو "میک کالز" کی نومبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا) عنوان یہ ہے کہ ـــــ "ہم امریکہ کی غیر شادی شدہ نوعمر ماؤں کے بارہ میں اصلاحِ احوال کے طور پر کیا کر سکتے ہیں" ـــــ انہوں نے اپنے مضمون کا آغاز اِن الفاظ سے کیا ہے :۔

"ہم سب امریکی والدین اور امریکی بچے ایک لرزہ انگیز دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری یہ دنیا (قومی جذبہ کے لحاظ سے) اندرونی طور پر تو باہم اتحاد و یگانگت کی آئینہ دار ہے لیکن بیرونی طور پر ایک بہت وسیع تباہی و بربادی اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔"

اس کے بعد وہ ایک دردانگیز صورتِ حال پر سے پردہ اُٹھاتی ہوئی لکھتی ہیں :۔

"تازہ ترین اعداد و شمار کی رُو سے (جن کا اندراج سرکاری طور پر عمل میں آیا ہے) ۱۹۶۰ء کے دوران ہر عمر کی غیر شادی شدہ امریکی ماؤں نے اڑھائی لاکھ بچے جنے۔ بلاشبہ یہ اعداد و شمار اصل صورتِ حال کے آئینہ دار نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بہت سی غیر شادی شدہ مائیں اپنے آپکو شادی شدہ ظاہر کر کے فرضی ناموں سے کسی نہ کسی زچگی وارڈ میں داخلہ لے لیتی ہیں۔ پھر بہت سی مطلقہ اور بیوہ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے ناجائز بچوں کو اپنے سابقہ خاوندوں کی طرف منسوب کر کے اپنے کئے پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ تاہم جو اعداد و شمار سرکاری طور پر دستیاب ہوئے ہیں انہی پر حصر کرتے ہوئے ہماری معلومات یہ ہیں کہ ۱۹۶۰ء میں (ان اڑھائی لاکھ ناجائز بچوں میں سے) "نامعلوم باپوں" کے

۹۱،۷۰۰ بچے ایسے تھے جو تیرہ سے انیس سال کی عمر کی ماؤں کے ہاں پیدا ہوئے اور یقیناً اگلے دو سالوں یعنی ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء میں اس سے بھی زیادہ تعداد میں اِس عمر کی ماؤں کے ہاں ناجائز ولادتیں ہوئیں۔ اب چونکہ ہماری آبادی میں فی زمانہ تیرہ سے انیس سال کی عمر کے بچوں کی تعداد بے پناہ بڑھ چکی ہے یہ امر ناگزیر ہے کہ بچے جننے والی غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد سال بہ سال حشرات الارض کی طرح بڑھتی چلی جائے گی۔"

جیسا کہ میری لوئی ایلین نے خود اِس امر کو تسلیم کیا ہے اڑھائی لاکھ کی یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلہ میں بہت کم ہے کیونکہ ایسی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو شادی شدہ ظاہر کر کے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں ناجائز جنسی اختلاط کی شکل میں فحاشی کس قدر وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے کیونکہ یہ اعداد و شمار تو صرف اُن عورتوں کے ہیں جن کے ہاں برتھ کنٹرول کے متعدد طریقوں اور اسی قسم کی دوسری احتیاطوں کے باوجود حمل ٹھہر جاتا ہے ورنہ ایسی عورتوں کی تعداد جو ناجائز طور پر شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط کی عادی ہوتی ہیں حدِ شمار سے باہر ہے۔ چنانچہ میری لوئی ایلین نے اپنے مضمون میں تسلیم کیا ہے کہ امریکی عورتوں میں سے چالیس سے ۶۰ فیصدی تک ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط شروع کر دیتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:-

"غور طلب امر یہ ہے کہ یہ غیر شادی شدہ مائیں کون ہیں اور کہاں سے آتی ہیں؟ یہ ایک بہت بڑے گروہ کا صرف ایک حصہ ہوتی ہیں انہیں ہم کُل کے ایک کوتاہ قسمت جزو سے تعبیر کر سکتے ہیں اس لئے کہ یہ بیچاریاں اُن کثیر التعداد عورتوں میں سے جو شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط شروع کر دیتی ہیں اپنی شومیٔ قسمت سے منظرِ عام پر آ جاتی ہیں۔ عورتوں کا یہ طبقہ مختلف جائزوں کی رُو سے امریکی خواتین کی مجموعی آبادی کا ۴۰ سے ۶۰ فی صد شمار کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی اکثریت حمل کی نوبت ہی نہیں آنے دیتی، پھر جو حاملہ ہو بھی جاتی ہیں اُن میں سے بہت سی متوقع ولادت کو جائز ظاہر کرنے کے لئے فی الفور شادی کر لیتی ہیں۔ اور بہت سی حمل گرا کر بے فکر ہو جاتی ہیں۔"

اِس انتہائی افسوسناک صورتِ حال کا اور بھی زیادہ گھناؤنا پہلو یہ ہے کہ چھوٹی بچیاں بھی سنِ بلوغ کو پہنچتے ہی اس میں ملوث ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اِس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:-

"ان لڑکیوں میں سے ہزاروں لڑکیاں اپنی عمر کے لحاظ سے اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ وہ نوعمر بچیاں ہی کہلا سکتی ہیں نہ کہ جوان لڑکیاں۔ غیر شادی شدہ ماؤں کے زچہ خانوں میں سے قریباً ہر زچہ خانہ میں گیارہ گیارہ، بارہ بارہ، تیرہ تیرہ سال کی نوخیز بچیاں اپنے ایامِ حمل اِس حال میں گزارنے آتی ہیں کہ انہوں نے ابھی گڑیاں اپنے ہاتھوں میں اٹھائی ہوتی ہیں اور جب ماں ہونے کا تجربہ حاصل کرنے کے بعد یہ اپنی سابقہ زندگی کی طرف لوٹتی ہیں تو ابھی تک اپنے کھلونوں سے کھیل رہی ہوتی ہیں۔"

غور کا مقام ہے کہ جس معصیت نواز معاشرہ میں زنا اتنا عام ہو کہ ملک کی چالیس سے ساٹھ فیصد عورتیں اور اتنی ہی تعداد

میں مرد اس میں ملوث ہوں اور ان کے دن رات بے محابا اسی معصیت میں گزر رہے ہوں اس کے متعلق اگر مسٹر بلی گراہم یہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں کہ قومِ لوط کی طرح اہلِ امریکہ بھی گناہوں کی کثرت کے باعث عذابِ الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں۔

معاصی کی بے پناہ کثرت اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی یہ بھیانک صورتِ حال جس کے تصور سے ہی بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے نتیجہ ہے مغرب کی اُس مادی تہذیب کا جسے وہاں کے عیسائی پادری آج سے کچھ عرصہ قبل تک عیسائی تہذیب قرار دینے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ ایک امریکہ ہی نہیں بلکہ کم و بیش تمام مغربی ممالک کا یہی حال ہے۔ وہاں لوگ مادی خوشحالی کے باعث سرتاپا فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو فساد کی اصل جڑ کفارہ کا وہ عقیدہ ہے جس پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مسیح نے ہمارے تمام گناہ اُٹھا لئے ہیں اور صلیب پر جان دیکر ہمارے اگلے اور پچھلے سب گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور یہ کہ نجات اعمال پر نہیں بلکہ کفارہ کو درست تسلیم کرنے پر موقوف ہے تو پھر لوگ نیک اعمال کیوں بجا لائیں اور کیوں نہ بے راہ روی کے طریقوں پر گامزن ہو کر سراسر اباحتی زندگی اختیار کریں۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ساٹھ سال قبل (جبکہ اہلِ مشرق مغرب کے سیاسی تفوّق سے مرعوب ہو کر مغربی تہذیب اور اُس کی دلآویز رنگینیوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ اِس تہذیب کو اپنائے بغیر وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو ہی نہیں سکتے) دنیا کو اِس تہذیب کی تباہ کاریوں سے آگاہ فرما دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہ تہذیب انسانوں کو حیوان بنا کر انہیں جہنّم کی طرف لیجا رہی ہے۔ ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء کی شام کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے اور انہیں علم و عرفان کی دولت سے مالا مال فرما رہے تھے۔ "رزق میں قبض و بسط" کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ دورانِ گفتگو میں حضرت مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لندن سے آمدہ ایک خط کا ذکر کیا۔ اُس خط میں صاحبِ مکتوب نے لکھا تھا کہ لندن آ کر دیکھو جنّت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مسلمانوں کو۔ اِس خط کے مندرجات سے آگاہ ہو کر حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء نے فرمایا:۔

"یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ بڑی آزادی ہے۔ شراب خوری کی اِس قدر کثرت ہے کہ ۱۰ میل تک شراب کی دکانیں چلی جاتی ہیں۔ زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟ بہشت سے یہ مراد نہیں ہے۔ دیکھو انسان کی بھی بیوی ہے اور وہ تعلقاتِ زوجیت رکھتا ہے۔ پرندوں اور حیوانوں میں بھی یہ تعلقات ہوتے ہیں۔ مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لطافت اور ادراک بخشا ہے۔ انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ آیا ہے اُن کے ساتھ وہ اِن تعلقاتِ زوجیت میں زیادہ لطف اور سرور حاصل کرتا ہے بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس اور ادراک نہیں رکھتے۔ اور اِسی لئے وہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے جیسے بکرے۔

پس اگر انسان بھی اِن سو اس کے ساتھ سرور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں پھر ان میں اور حیوانوں میں کیا فرق رہا۔ یہ جو فرمایا ہے کہ مومن کے لئے ہی جنّت ہے یہ اس لئے فرمایا ہے کہ سچی راحت دنیا کی لذات سے تب پیدا ہوتی ہے جب تقویٰ ساتھ ہو۔ جو تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے اور حلال و حرام کی قید کو اُٹھا دیتا ہے وہ تو اپنے مقام سے نیچے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔

لندن میں جب ہائیڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں اور کوئی شرم وحیا ایک دوسرے سے نہیں کیا جاتا تو پھر ایک شخص انسانیت کو ضبط رکھ کر دیکھے تو ایسی بہشت اور راحت سے ہزار توبہ کریگا کہ ایسی دیوث اور بے غیرت جماعت سے خدا بچائے۔ ایسی جماعت جو ایسی زندگی بسر کرتی ہے بہشت میں سمجھنا حماقت ہے۔ اصل یہی ہے کہ بہشت کی کلید تقویٰ ہے" (الحکم ۲۴؍اگست ۱۹۰۲ء)

اسی طرح ایک اور موقع پر مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور ؑ نے اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے فساد کی اصل جڑ کی بھی نشان دہی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کفارہ کا مسئلہ ماننے والوں نے پاک باطنی کی عملی نظیریں کیا قائم کی ہیں؟ - یورپ کی بداعمالیاں سب کو معلوم ہیں۔ شراب جو اُمّ الخبائث ہے اُس کی یورپ میں اس قدر کثرت ہے کہ اسکی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔ مَیں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ اگر لندن کی شراب کی دکانوں کو ایک لائن میں رکھا جائے تو پچھتر میل تک چلی جاویں جس حالت میں ان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر ایک گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے اور جس قدر کوئی گناہ کرے معاف ہیں تو اب سوچ کر ہم کو عیسائی جواب دیں کہ اِس کا اثر کیا پڑے گا......

اِس اصول (کفارہ) کا اثر درحقیقت بہت بُرا پڑا ہے۔ اگر یہ اصول نہ ہوتا تو یورپ کے ملکوں میں اِس کثرت سے فسق و فجور نہ ہوتا اور اِس طرح پر بدکاری کا سیلاب نہ آتا جیسے اب آیا ہوا ہے۔ لندن اور پیرس کے ہوٹلوں اور پارکوں میں جا کر دیکھو کیا ہو رہا ہے اور اُن لوگوں سے پوچھو جو وہاں سے آتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں اُن بچوں کی فہرستیں جن کی ولادت ناجائز ولادت ہوتی ہے شائع ہوتی ہیں" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۷۶-۱۷۷)

کتنا مبنی بر حقیقت ہے یہ تجزیہ جو مغربی تہذیب کے نتیجہ میں رونما ہونیوالے اخلاقی فساد کا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۶۰ سال قبل فرمایا اور اِس حال میں فرمایا کہ اہلِ مشرق کیا ہندو اور کیا مسلمان سب ہی اِس تہذیب اور اس کی مادّی ترقیوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور انہوں نے اسے اپنا قبلہ بنا رکھا تھا جس زمانہ میں آپ نے مغربی تہذیب کے بخیئے اُدھیڑے اُس وقت تک اسکے نتیجہ میں رونما ہونیوالا اخلاقی بگاڑ ابھی اپنی انتہا کو نہ پہنچا تھا اور ابھی ایسی صورتِ حال پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہاں کا ذی فہم طبقہ سراسیمہ ہو کر اُسکے مہلک اثرات کے خلاف چیخ اُٹھا ہو۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ؑ کا یہ انتباہ دراصل آنیوالے سیلاب بلاخیز کے حق میں ایک الارم کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج اس سیلابِ عظیم نے ہر طرف سے اُمڈ کر پورے مغرب کو ایک ہولناک صورتِ حال سے دوچار

کر دیا ہے اور وہ خود دہائی دے رہے ہیں کہ ہم اپنی بداعمالیوں کے باعث عذابِ الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں اور ہمارا اسی طرح تباہ و برباد ہو جانا یقینی نظر آرہا ہے جس طرح حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں سدوم اور عمورہ کی بستیوں کے رہنے والے گندھک اور آگ کے عذاب کے نتیجہ میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے تھے۔ پھر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے مغرب کے اخلاقی بگاڑ کا محاکمہ ہی نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر نہایت زوردار الفاظ میں انہیں آنے والے ہولناک عذابوں سے بھی خبردار فرمایا۔ آپ نے مشرق و مغرب میں بسنے والی تمام قوموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہونگی، کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا .... اے یورپ (مراد مغربی ممالک) تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا (مراد مشرقی ممالک) تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا جس کے کان سننے کے ہوں وہ سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶-۲۵۷)

اہلِ مغرب کے لئے معصیت کی متعفن دلدل سے نکلنے اور مسلسل وار آنے والے بہیم عذابوں سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام کی اخلاقی تعلیم کو اپنائیں تا خدا تعالیٰ جو غضب میں دھیما ہے ان پر رحم کرے۔ اس دلدل میں پھنسنے کے بعد اہلِ مغرب کی ایک بہت بڑی اکثریت کا عیسائیت کی خلیع الرسن تعلیم پر سے ایمان اُٹھ چکا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اس تعلیم کے عملی اثرات سے بھی اپنے آپ کو بچائیں اور اسلام کی عافیت بخش آغوش میں آکر امان پانے والے خوش نصیبوں میں شامل ہوں۔ اس کے علاوہ امن و سلامتی اور روحانی آسودگی کی اور کوئی راہ نہیں ٭

بچوں کے صفحات

ہمارا خدا

(محترم جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی)

تم دیکھتے ہو یہ نیلا نیلا آسمان کیسا خوبصورت ہے! جہاں تک بھی نظر جاتی ہے دکھائی دیتا ہے۔ دن کو اس آسمان پر سورج چمکتا ہے جس سے دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے اور روشنی میں آدمی اپنا کام کرتے ہیں۔ سورج نہ ہو تو ساری دنیا میں اندھیرا چھا جائے۔ رات کو آسمان پر ننھے ننھے تارے نکل آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سینکڑوں ہزاروں چراغ ہوا میں لٹک رہے ہیں۔ جب چاند نکلتا ہے تو اُس کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی کتنی اچھی لگتی ہے! ان بادلوں کو دیکھو کیسے رنگ برنگ کے نیلے، اُودے، سفید، سرخ، ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔

یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں کتنی لمبی چوڑی ہے اسی زمین پر ہمارے مکان بنے ہوئے ہیں جن میں ہم رہتے ہیں۔ اسی زمین پر کھیتی باڑی ہوتی ہے جس سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ اگر اناج نہ ہو تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی پر ہرے بھرے باغ لگے ہوتے ہیں جن میں طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں جنہیں ہم شوق سے کھاتے ہیں۔ کئی قسم کے پھول کھلتے ہیں جن میں بہت خوشبو ہوتی ہے۔ اسی زمین پر بڑے بڑے جنگل ہیں جن کی لکڑی ہزاروں کام آتی ہے۔ اسی زمین پر بہت سے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں جن سے پتھر کٹ کر آتے ہیں۔ اسی زمین پر ہزاروں دریا بہتے ہیں جن میں کشتیاں چلتی ہیں جو لوگوں کو اس کنارے سے اُس کنارے تک لے جاتی ہیں۔

اسی زمین پر سمندر ہیں جہاں سینکڑوں میل تک سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان سمندروں میں جہاز دوڑتے پھرتے ہیں جو ہزاروں آدمیوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور لاکھوں روپے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اسی زمین پر بہت سے ملک آباد ہیں جن میں ہزاروں شہر بسے ہوئے ہیں۔

اسی زمین پر ہم طرح طرح کے جانوروں کو بھی چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔ گھوڑا تانگے میں کام آتا ہے۔ گدھا بوجھ اٹھاتا ہے۔ خچر اسباب ڈھوتا ہے۔ بیل ہل چلاتا

ہے۔ گائے دُودھ دیتی ہے۔ بکری کا گوشت کھانے کے کام آتا ہے۔ مرغی انڈے دیتی ہے۔ کتّا گھر کی رکھوالی کرتا ہے۔ بلی چوہے پکڑتی ہے۔ جب تم چڑیا گھر جاتے ہو تو وہاں ہاتھی دیکھتے ہو۔ اُس کی سونڈ کتنی لمبی ہوتی ہے۔ اس کے دانت کیسے چمکتے ہیں۔ شیر کی آواز کتنی ڈراؤنی ہوتی ہے۔ ریچھ کے بدن پر کیسے لمبے لمبے بال ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے سانپ کیسے زہریلے ہوتے ہیں۔ بندر کیسا چالاک ہوتا ہے۔ مچھلیاں تالاب میں بڑی کیسی پیاری لگتی ہیں۔ بطخیں پانی میں تیرتی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ طوطے میاں مٹھو کہتے ہوئے کیسے اچھے لگتے ہیں۔ پھر زمین کے اندر، سمندر کے نیچے، اور پہاڑوں کے اوپر ہزاروں لاکھوں جانور رہتے ہیں۔ کچھ ایسے چھوٹے کہ آنکھ سے دکھائی بھی نہ دیں۔ بعض اتنے بڑے کہ پورے آدمی کو نگل جائیں۔

جن جن چیزوں کے نام تم نے اوپر پڑھے ہیں یہ آپ سے آپ نہیں بن گئیں۔ جس نے ان کو بنایا ہے وہی **ہمارا خدا** ہے۔

(ایمان کی باتیں)

خدا کی نصرت کن کو ملتی ہے

(سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کبھی نصرت نہیں ملتی درِمولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(دُرِّثمین)

اطمینان کامل کے لئے ایمان کامل ضروری ہے

اللہ تعالیٰ پر سچا اور کامل ایمان حاصل کرو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام فرماتے ہیں :-

''یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے ۔ جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمال صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ہے ۔ لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضا کو کاٹ دیتا ہے ۔ دیکھو اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جائیں تو پھر وہ آنکھوں سے بدنظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا ۔ اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دئے جائیں پھر وہ گناہ جو ان اعضا سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے ۔ ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفس مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفس مطمئنہ اسے اندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رہتی ۔ وہ دیکھتا ہے پر نہیں دیکھتا کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے ۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور جو باتیں گناہ کی ہیں نہیں سن سکتا ۔ اس طرح پر اسکی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضاء کاٹ دئے جاتے ہیں ۔ اس کی ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہوجاتی ہے اور وہ بالکل ایک میت کی طرح ہوتا ہے ۔ وہ خداتعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے اور وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اٹھا سکتا ۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اسے دیا جاتا ۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہئیے اور ہماری جماعت کو اس کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ اطمینان کامل حاصل کرنے کے واسطے ایمان کامل ضروری ہے ۔ پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں ۔ ،،

(الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۴ء)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ہؤا

جلد ۵ — جولائی ۱۹۶۲ء — شمارہ ۷

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے — فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

جولائی سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

موجودہ دور میں ہماری ایک اہم ذمہ داری	ایڈیٹر	۳
مومنوں پر آنے والے ابتلاء اور ان کی حکمت	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۱
وَلَيْسَ لَنَا بَابٌ سِوَاكَ وَمَعْبَرٌ (عربی نظم)	" " "	۱۴
کس نہ گردد در روزِ محشر جز پناہش رستگار (فارسی نظم)	" " "	۱۵
بدظنی سے بچو اور عفو سے کام لو	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۶
حکومتِ مغربی پاکستان کا ایک غیر منصفانہ اقدام	ایڈیٹر	۱۹
ارضِ ربوہ (نظم)	مکرم عبد المنان صاحب ناہید	۲۴
انبیاء کرام اور ان کے متبعین کا عمل و کردار	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	۲۵
زندگی کی سب سے بڑی سعادت	محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب	۳۵
"ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا"	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے	۳۷
دو کام کی باتیں	ایڈیٹر	۴۱
بچوں کے صفحات:-		
خدا کے نام	محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	۴۵
شانِ اسلام (نظم)	درِ ثمین	۴۶
اہم مرکزی اعلانات	قائدین مجلس انصار اللہ مرکزیہ	۴۷

طابع و ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ؛ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۸

۱۵ جولائی سنہ ۱۹۶۴ء

موجودہ دور میں ہماری ایک اہم ذمہ داری

بہت زیادہ مستعد اور چوکس و ہوشیار رہنے کی ضرورت

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے ماتحت کبھی کبھی الٰہی جماعتوں پر ایسے وقت بھی آتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کو یا تو طویل بیماری یا پھر دور ودراز کے سفر کی وجہ سے خدائی منشاء کے مطابق کچھ عرصہ کے لئے اپنی جماعت سے ایک رنگ میں جدا ہونا پڑتا ہے۔ بیماری یا سفر کی وجہ سے اس عرصہ میں طبعی نتیجے کے طور پر جماعت کی براہِ راست نگرانی کی نوعیت کسی قدر بدل جاتی ہے اور ایسا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں ایسا ہی ہوا۔ ان میں سے کسی کو طویل علالت کی وجہ سے اور کسی کو عارضی جدائی یا مستقل ہجرت کی وجہ سے اپنی جماعتوں سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور جماعتوں کی براہِ راست نگرانی کی نوعیت میں فی الحقیقت تبدیلی رونما ہوئی۔

ظاہر ہے کہ عارضی جدائی یا براہِ راست نگرانی کی نوعیت میں ایک حد تک تبدیلی کے اس زمانہ میں الٰہی جماعتوں کی ذمہ داری پہلے کی نسبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایسے اوقات میں بہت سے وہ جماعتی کام جو پہلے الٰہی جماعتوں کے افراد اپنے امام کی براہِ راست نگرانی اور ہر آن ملنے والی تفصیلی ہدایات کے ماتحت سرانجام دے رہے ہوتے ہیں اب ان کی انجام دہی کا بار بڑی حد تک خود اُن کے اپنے کندھوں پر آپڑتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں ایک حد تک انہیں جماعتی کام امام کی تفصیلی ہدایات کی بجائے اصولی ہدایات کے مطابق پوری ذمہ داری اور کمال درجہ ہوشمندی و مستعدی کے ساتھ انجام دینا ہوتے ہیں۔ وہ ان امور کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تو جوابدہ ہوتے ہی ہیں لیکن انہیں امام کی واپسی یا صحتیابی پر امام کے سامنے بھی جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔

الٰہی جماعتوں پر ایسے اوقات اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے ماتحت اس لئے لاتا ہے تاکہ اُن جماعتوں کے افراد کا امتحان لے کہ طویل عرصہ کی ٹریننگ اور تربیت کے بعد انہوں نے کس حد تک اپنے اندر تبدیلی کی ہے اور کس حد تک مفوضہ فرائض کی انجام دہی کا جذبہ اُن کے اندر فطرتِ ثانیہ کے طور پر راسخ ہو کر انہیں سابق یا لخیرات بنانے کا موجب ہوا ہے۔ ایسے اوقات در اصل الٰہی جماعتوں کے حق میں امتحان اور آزمائش کے اوقات ہوتے ہیں۔ مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ مخلصوں اور منافقوں میں فرق ظاہر کیا جائے اور اس طرح الٰہی جماعتوں کو کچے ایمان والوں اور نام کے مومنوں سے پاک کر کے انہیں مزید ترقیات اور انعامات سے نوازا جائے۔ ہر چند کہ اس امتحان اور آزمائش میں رحمت کا ایک پہلو مضمر ہوتا ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے اوقات میں الٰہی جماعتوں کے افراد کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور اس امر کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں پہلے سے بہت زیادہ بڑھ کر مستعدی اور ہوشمندی و ہوشیاری کا ثبوت دیں۔

ہم لوگ جنہیں مامورِ زمانہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم ہونیوالی الٰہی جماعت میں شمولیت کا خصوصی شرف حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے ماتحت اور اُس کی پہلے سے دی ہوئی اخبارِ غیبیہ کے عین مطابق فی زمانہ ایک ایسے ہی وقت میں سے گزر رہے ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ کی علالت کے باعث غلبۂ اسلام کی جد و جہد کو حضور کی طرف سے وقتاً فوقتاً ملنے والی اصولی ہدایات کی روشنی میں چلانے اور جاری رکھنے کا بار حضور کے قائم کردہ مرکزی نظام کی وساطت سے اب ہمارے کندھوں پر آپڑا ہے۔ اس لحاظ سے ہماری ذمہ داری پہلے کی نسبت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ نظامِ سلسلہ کا کمال درجہ احترام کرتے اور اس کی پوری پوری اطاعت بجا لاتے ہوئے اپنی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ذمہ داری کو نبھانا آج ہمارا اوّلین فرض ہے۔ اس فرض کو کمال درجہ مستعدی کے ساتھ ادا کئے بغیر ہم اُس آزمائش اور امتحان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جس کی خاطر خدا تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے ماتحت اپنی قائم کردہ جماعتوں پر ایسے اوقات لایا کرتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو اس آزمائش اور امتحان میں کامیاب ہونا ہمارے لئے چنداں مشکل نہیں ہے کیونکہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے عین مطابق اپنی موجودہ علالت کے آغاز میں ہی ہمیں وہ گُر سمجھا دیا تھا جس پر چل کر ہم اس آزمائش میں پورے اُتر سکتے ہیں۔ حضور نے حسب بشارات خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ غیر معمولی فہم و فراست اور کمال درجہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے جماعت کو خبردار فرمایا تھا کہ ان کے لئے اس آزمائش میں پورا اُترنے اور اس طرح خدائی انعامات کا وارث بننے کا طریق کیا ہے۔ حضور نے اُنہی ایام میں جماعت کے نام متعدد پیغامات کے ذریعے واضح فرمایا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ غلبۂ اسلام کی اُس راہ پہ گامزن ہوتے ہوئے جس پر میں نے اپنا

خون پسینہ ایک کر کے تمہیں مسلسل چالیس سال تک چلایا ہے اسلام کی سربلندی کی خاطر قربانیاں کرتے چلے جاؤ اور اس طرح خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ٹھہرو تو اس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں جب تک کہ مَیں صحتیاب ہوں تم باہمی تفرقہ سے بچو اور اُن شریر الطبع لوگوں سے خبردار رہو جو ایسے مواقع پر مخالفانہ باتیں کر کے جماعت میں پھوٹ ڈالنے اور اُسے اُس کے اصل مقصد سے دُور لے جانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ پھر حضور نے اِس امر سے بھی خبردار فرمایا تھا کہ اِس قسم کے فتنے بالعموم چھوٹے لوگوں کی طرف سے نہیں اُٹھا کرتے بلکہ ظاہری لحاظ سے بعض کج فہم، بڑے اور ذی اثر و ذی ثروت لوگ ہی ایسے فتنے اُٹھانے کا موجب ہُوا کرتے ہیں۔

حضور ایدہ اللہ کے یہ پُر معارف پیغامات جو حضور نے اپنی علالت کے آغاز میں جماعت کے نام دیئے تھے نہایت درجہ اہمیت کے حامل ہیں اور بالخصوص موجودہ دَور میں تو یہ ہمارے لئے ایک ایسی مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جس کے بغیر ہم راہ میں پیش آنے والے گڑھوں اور خندقوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اِن پیغامات میں حضور نے خاص اِس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ امتحان و آزمائش کے موجودہ دَور میں ہماری اصل ذمہ داری کیا ہے اور ہم اِس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ ہمارے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم آسمانی حکمت و دانش اور بصیرت و معرفت سے بھرپور اِن پیغامات کا بار بار بالاستیعاب مطالعہ کرتے رہیں اور ان کے مالہٗ وما علیہ پر غور کر کے اِس امر کا جائزہ لیتے رہیں کہ آیا ہمارا عمل ایسا تو نہیں ہے کہ یہ جماعت میں کسی لحاظ سے بھی افتراق کا بیج بونے والا ہو۔ یا یہ کہ ہم غیر شعوری طور پر دنیوی اعتبار سے ایسے ذی اثر، ذی ثروت اور ذی علم اشخاص کی ہاں میں ہاں تو نہیں ملا رہے جو اپنی مخالفانہ آوازوں سے جماعت میں مایوسی پھیلا کر اسے خدمتِ دین اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد سے غافل کرنا چاہتے ہوں۔ حضور کے اِن پیغامات کی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں ہم اُن کے بعض اقتباسات یاد دہانی کے طور پر ذیل میں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

حضور ایدہ اللہ کے اِن پیغامات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو علالت کے آغاز ہی میں یہ فکر دامنگیر تھا کہ کہیں بعض شریر الطبع لوگ حضور کی بیماری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ چنانچہ حضور نے ۲۲ مارچ ۱۹۵۵ء کو احباب جماعت کے نام ایک نہایت اہم پیغام دیا۔ اُس میں حضور نے کسی حد تک فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے احباب کو فتنہ اُٹھانے والے شریر الطبع لوگوں سے خبردار رہنے کی پُرزور تلقین فرمائی۔ حضور نے فرمایا:۔

"مجھے ایک حد تک تشویش تو ہے لیکن مایوسی نہیں کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کے جواب میں اپنی مدد ضرور بھیجے گا اور معجزانہ رنگ میں مدد بھیجے گا۔ اگر میری دعاؤں کی تائید میں جماعت

کی دعائیں بھی شامل رہیں تو انشاء اللہ تاثیر بڑھ جائے گی۔ احباب کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی ذمہ دار افسر اِدھر اُدھر ہوتا ہے تو شریر لوگ فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ ہماری جماعت بھی ایسے شریروں سے خالی نہیں۔ بعض لوگ اپنے لئے درجہ چاہتے ہیں۔ ایسا کوئی شخص بھی پیدا ہو یا کوئی بھی آواز اٹھائے خواہ کسی گاؤں میں یا شہر میں یا علاقہ میں تو اُس کی بات کو کبھی برداشت نہ کریں۔ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ یہ معمولی بات ہے۔ فساد کوئی بھی معمولی نہیں ہوتا۔ حدیثیں اس پر شاہد ہیں۔ جب کوئی شخص اختلافی آواز اٹھائے فوراً لاحول اور استغفار پڑھیں۔ اور آپ خواہ عمر میں سب سے چھوٹے ہوں اور درجہ میں سب سے چھوٹے ہوں اور خواہ آپ کے بزرگ اُس فتنہ انداز کی بات کی تائید کر رہے ہوں فوراً مجلس میں کھڑے ہو جائیں اور لاحول پڑھ کر کہہ دیں کہ ہم نے احمدیت کو خدا کے لئے اختیار کیا تھا، ہمارا آسمانی باپ خدا ہے اور ہمارے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جماعت میں فتنہ پھیلانے والی بات اگر ہمارے عزیز ترین وجود سے بھی ظاہر ہوئی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔"

(الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۵۵ء)

اِس نہایت درجہ اہم پیغام میں حضور نے مخلصینِ جماعت کو نہایت زوردار الفاظ میں خبردار فرمایا ہے کہ جب کبھی الٰہی جماعتوں پر ایسا وقت آتا ہے کہ جماعت کا امام لمبے عرصہ کے لئے باہر چلا جائے یا علالت کے باعث پہلے کی طرح جماعت کی تفصیلی نگرانی نہ کر سکے تو بالعموم شریر لوگ ناواجب اعتراضات اور لایعنی نکتہ چینیوں کے ذریعے جماعت میں فتنہ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضور نے ایسی صورت میں مخلصین کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ ایسے شریر لوگوں کی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریں اور اس امر کی قطعاً پرواہ نہ کریں کہ مخالفانہ آواز اٹھانے والا کوئی بڑا آدمی ہے کیونکہ بالعموم دنیوی لحاظ سے بعض کج فہم بڑے آدمی ہی اپنی بڑائی کے زعم میں ایسے فتنے اٹھایا کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اِس کی پرواہ کئے بغیر کہ فتنہ پھیلانے والا صاحبِ اثر و رسوخ اور صاحبِ مرتبہ و صاحبِ ثروت ہے فوراً اُس مجلس میں کھڑے ہو کر لاحول پڑھیں اور کہہ دیں کہ جماعت میں فتنہ پھیلانے والی بات اگر ہمارے بزرگ اور عزیز ترین وجود سے بھی ظاہر ہوگی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ حضور نے مخلصین کے لئے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ وہ جہاں ایسے شریر لوگوں سے چوکس و ہوشیار رہیں وہاں بکثرت استغفار کرتے رہیں اور شریر لوگوں کی شرارتوں سے بچنے اور جماعت کے اتحاد کے مضبوط سے مضبوط تر ہونے کے لئے مسلسل دعائیں کرتے چلے جائیں۔

ایسے اوقات میں چوکس و ہوشیار رہنے اور کسی فتنہ پرداز کو اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دینے کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مذکورہ بالا پیغام کے بعد قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے متعدد مضامین میں جماعت کو حضور کی اِس ہدایت

بہ دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی نصیحت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک مضمون رقم فرمودہ ۳ راپریل ۱۹۵۵ء میں امرائے جماعت اور صدر صاحبان کو اس تعلق میں ان کی خصوصی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا :۔

"اس موقع پر مَیں احباب کی خدمت میں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ تاریخ اور ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے پتہ چلتا ہے ایسے موقعوں پر جبکہ امام کسی دور دراز کے سفر پر ہو بیرون از جماعت مخالفین اور اندرونِ جماعت منافقین امام کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مختلف قسم کے اندرونی اور بیرونی فتنے برپا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر تبوک کے موقع پر ہوا۔ اس لئے احبابِ جماعت کو عموماً اور امرائے جماعت اور صدر صاحبان کو خصوصاً اس امکانی خطرہ کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے اور اپنے مخصوص اتحاد اور قربانی اور چوکسی اور احساسِ ذمہ داری اور بیدار مغزی سے ثابت کر دینا چاہیئے کہ کوئی اندرونی یا بیرونی خطرہ انہیں خدا کے فضل سے غفلت کی حالت میں نہیں پا سکتا اور نہ ان کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش پیدا کر سکتا ہے۔" (الفضل ۵ راپریل ۱۹۵۵ء)

اس کے بعد اُنہی ایام میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے انتباہ کے بموجب بعض لوگوں کی طرف سے ناواجب اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ایک مضمون کے ذریعے احبابِ جماعت اور امراء و صدر صاحبان کو پھر ایسے شر پسند دل سے ہوشیار رہنے اور جماعتی اتحاد میں کوئی رخنہ واقع نہ ہونے دینے کی پُر زور تلقین فرمائی۔ آپ نے اپنے مضمون رقم فرمودہ ۱۸ راپریل ۱۹۵۵ء میں تحریر فرمایا :۔

"باقی رہا جماعت کا سوال سو علاقہ وار امراء اور صدر صاحبان کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں ناواقف اور دُور افتادہ دوستوں کو اس قسم کے فتنوں کے متعلق باخبر اور ہوشیار رکھیں اور انہیں بتا دیں کہ یہ سب جھوٹا اور مفتریانہ پراپیگنڈا ہے جو بعض مخالفین کی طرف سے جماعت اور مرکز کے خلاف کیا جا رہا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ پراپیگنڈا اُن خدشات کی عملی تصدیق ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سفر پر جانے سے قبل جماعت پر ظاہر کر کے اسے متنبہ کیا تھا کہ امام کی غیر حاضری میں اس قسم کے فتنے اُٹھ سکتے ہیں۔ جماعت کو اس خطرہ سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

ہماری جماعت خدا کے فضل سے اور حضرت افضل الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی پیشگوئی کے مطابق ایک ہاتھ پر جمع ہو کر اخوت اور اتحاد اور راستی اور صداقت کے

طریق پر قائم ہے اور ہر قسم کے فتنوں سے الگ رہ کر امن اور آشتی کے رنگ میں اسلام کی خدمت بجا لانا چاہتی ہے اور یہی اس کا واحد مقصد و منتہا ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہر قسم کی انتشار پیدا کرنے والی باتوں سے الگ رہ کر اپنی پوری توجہ اور پوری کوشش اور پوری طاقت کے ساتھ اُس مرکزی نقطہ پر قائم رہیں جو خدائے علیم و قدیر نے ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے ......

دوستوں کو چاہیئے کہ اِن ایام میں خاص طور پر دعاؤں اور صدقہ و خیرات سے کام لیں، اپنے اندر تقویٰ اور طہارتِ نفس پیدا کریں۔ اپنے ہمسایوں اور ماحول کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک بلکہ غیر معمولی احسان سے پیش آئیں، امن اور اتحاد اور تعاون باہمی کا کامل نمونہ دکھائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے خلاف ہو۔" (الفضل ۲۱ اپریل ۱۹۵۵ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے علی الخصوص موجودہ دور میں افتراق پھیلانے والے نام کے مومنوں سے ہوشیار رہنے اور اُن کی باتوں پر کبھی کان نہ دھرنے کی پُرزور تلقین کرنے کے علاوہ احبابِ جماعت کو ایک اور اہم نصیحت یہ فرمائی ہے کہ وہ خلافتِ حقّہ کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اس کی اطاعت سے کبھی اور کسی حال میں بھی روگردانی اختیار نہ کریں۔ اِس تعلق میں حضور نے یہ نصیحت اِس لئے فرمائی کیونکہ منافقین کا سب سے بڑا حربہ یہی ہوتا ہے کہ وہ بدظنی پھیلا کر افرادِ جماعت کو خلافت کی اطاعت سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ خلافت ہی اتحادِ قومی کی جان ہے، جب تک خلافت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا نہ کئے جائیں اور خلیفۂ وقت اور اُس کے قائم کردہ نظام کی اطاعت سے انہیں برگشتہ نہ کیا جائے اُس وقت تک وہ افتراق پھیلانے کے مذموم ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ حضور نے اپنے ایک خصوصی پیغام میں احباب کو خلافت کے ساتھ دلی طور پر وابستہ رہنے اور پوری پوری اطاعت کو اپنا امتیازی شعار بنانے کی تلقین فرمائی۔ حضور نے اِس خصوصی نصیحت کی بنیادی اہمیت اور اس کی بے انداز افادیت واضح کرنے کے لئے اسے اپنی آخری نصیحت قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا :-

"اے دوستو! میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں۔ نبوّت ایک بیج ہوتی ہے جس کے بعد خلافت اُس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے۔ تم خلافتِ حقّہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تم کو اِس دنیا میں بھی اونچا کرے اور اُس جہان میں بھی اونچا کرے۔ تا مرگ اپنے وعدوں کو پورا کرتے رہو۔" (الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۹ء)

حضور نے خلافتِ حقّہ کے ساتھ دلی طور پر وابستہ رہنے کی اِس عمومی تلقین پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُس

سال جلسہ سالانہ کے مبارک موقع پر جو جنوری ۱۹۶۰ء کے اواخر میں منعقد ہوا تھا پاکستان کے طول و عرض اور ممالکِ غیر سے آئے ہوئے ہزاروں ہزار احباب کو کھڑا کر کے اُن سے یہ عہد لیا کہ وہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور نظامِ خلافت کی حفاظت اور استحکام سے نہ صرف یہ کہ آخر دم تک غافل نہیں ہونگے بلکہ اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے چلے جائینگے تاکہ خلافتِ احمدیہ قیامت تک محفوظ چلی جائے اور جماعت کا شیرازہ بکھیرنے کی کوشش کرنے والے منافقین ہمیشہ ہمیش کے لئے مایوس ہو جائیں۔ حضور نے یہ عہد حسب ذیل الفاظ میں لیا:-

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس مقدس فرض کی تکمیل کے لئے ہمیشہ اپنی زندگیاں خدا اور اُس کے رسولؐ کے لئے وقف رکھیں گے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اُونچا رکھیں گے۔ ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نظامِ خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لئے آخر دم تک جدوجہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تاکہ قیامت تک خلافت احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔ اے خدا تو ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔ اللّٰھم آمین۔" (الفضل ۱۶ فروری ۱۹۶۰ء)

پس موجودہ حالات میں جبکہ خدا تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے ماتحت حضور کی علالت طویل ہو جانے کے باعث ہمارے امتحان کا زمانہ دراز ہو گیا ہے ہماری سب سے اہم ذمہ داری اور اوّلین فرض یہ ہے کہ ہم حضور ایدہ اللہ کی کامل و عاجل شفایابی کے لئے درد و الحاح سے بالالتزام دعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ حضور کی مذکورہ بالا نصائح پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شریر لوگوں کی افتراق انگیز چالوں سے ہر دم اور ہر آن ہوشیار رہیں۔ ان کی نکتہ چینیوں اور بدظنیوں پر کبھی کان نہ دھریں بلکہ ان کی باتیں ان کے منہ پر مار کر انہیں خاموش کرا دیں۔ پورے عزم اور تعہد کے ساتھ خلافت کے ساتھ دلی طور پر وابستہ رہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضور کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کو لازم پکڑیں اور اس میں ایسا کمال حاصل کریں کہ جماعت کے بیرونی مخالفین اور معدودے چند اندرونی منافقین ہمیشہ ہمیش کے لئے مایوس ہو جائیں۔

جس دَور میں سے فی زمانہ ہم گزر رہے ہیں ہماری اصلی اور بنیادی ذمہ داری یہی ہے کہ ہم حضور کی مذکورہ بالا نصائح پر جو

حضور نے موجودہ دور کے مخصوص حالات کو مدنظر رکھ کر ازراہِ شفقت کی ہیں دل وجان سے عمل پیرا ہوں اور اس حد تک عمل پیرا ہوں اور اس میں ایسی مداومت دکھائیں کہ ہمارے لئے اِن نصائح پر عمل پیرا ہونا فطری تقاضہ کی صورت اختیار کرے اور اس بارہ میں کسی قسم کی غفلت یا لغزش کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ اگر ہم اس ذمہ داری کو پورے تعہد اور عزم وہمت کے ساتھ ادا کر دکھائیں گے تو غلبۂ اسلام کے ضمن میں جانی و مالی قربانیوں سے متعلق ہمارے جو اہم فرائض ہیں خلافت کے ساتھ دلی وابستگی اور کامل فرمانبرداری کے نتیجہ میں ہمیں پہلے سے بھی بڑھ کر اِن فرائض کو کماحقہٗ بجالانے کی توفیق ملتی چلی جائے گی۔ اور ہم حسب سابق وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کے قرآنی وعدے کے مصداق ثابت ہوتے چلے جائیں گے۔

ہمارے لئے زمانہ دراز کی تربیت اور غلبۂ اسلام کے لئے مسلسل قربانیوں کے نتیجہ میں موجودہ دور کی اس خصوصی ذمہ داری کو ادا کرنا نہ صرف یہ کہ مشکل نہیں ہے بلکہ حد درجہ آسان ہے۔ یہ کوئی نئی ذمہ داری نہیں ہے ہم اس ذمہ داری کو گزشتہ نصف صدی سے پوری کامیابی اور سرخروئی کے ساتھ ادا کرتے چلے آرہے ہیں اور اس ذمہ داری کو محبت وعقیدت اور دلی اخلاص کے ساتھ کماحقہٗ ادا کرنے کے نتیجہ میں ہی غلبۂ اسلام کی جدوجہد میں ہمیں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ العزیز ہمیں پہلے سے بھی بڑھ کر کامیابیاں حاصل ہونگی۔ بات صرف اتنی ہے کہ موجودہ دور کے مخصوص حالات میں اس ذمہ داری کی اہمیت پہلے کی نسبت کسی قدر بڑھ گئی ہے اور ہماری طرف سے نسبتاً زیادہ مستعدی اور زیادہ چوکسی وہوشیاری کی متقاضی ہے۔ پھر ذمہ داری کی اہمیت بڑھ جانے کے ساتھ ساتھ اس میں ہمارے لئے ایک خوشکن پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ حضور نے جہاں ہمیں اس ذمہ داری سے خاص طور پر آگاہ فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی ہمیں یہ بشارت بھی دی ہے کہ خدا تعالیٰ مخلصین کو کبھی ضائع نہیں کریگا۔ اگر کسی بدنہاد منافق نے افتراق پھیلانے کی کوشش کی بھی تو وہ ضرور بالضرور ناکام ونامراد ہوگا اور الٰہی جماعت کا یہ قافلہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ کی آسمانی قیادت اور رہنمائی میں آگے ہی آگے بڑھتا اور نئی کامیابیوں اور فتح مندیوں سے ہمکنار ہوتا چلا جائیگا۔ چنانچہ حضور پیشگوئی کے طور پر بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> "خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلص گروہ ہی جیتے گا اور وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ میری بیماری کی وجہ سے انہیں سر اٹھانے کا موقع مل گیا ہے ناکام ونامراد ہوں گے اور خدا تعالیٰ مخلص حصہ کا ساتھ دیگا اور دن اور رات کے کسی حصہ میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" (الفضل ۲ رمئی ۱۹۵۵ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ہمیشہ ہی ایسے مخلص گروہ میں شامل رکھے تا ہمیں ہمیشہ ہی خدا تعالیٰ کی معیت حاصل رہے اور دن اور رات کے کسی حصہ میں بھی وہ ہمارا ساتھ نہ چھوڑے۔ آمین ثم آمین ؛

(کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

مومنوں پہ جو ابتلاء آتے ہیں اُن میں آثارِ رحمت پوشیدہ ہوتے ہیں

ابتلاء کو بُرا نہ جانو بُرا وہی جانے گا جو مؤمن کامل نہیں ہے

یہ امر بعض ناپختہ کار لوگوں کے لئے اچنبھے کا موجب ہوتا ہے کہ الٰہی جماعتوں اور ان کے افراد پر ابتلاء کیوں آتے ہیں اور بعض اوقات انہیں اذیت ناک مصائب و شدائد اور ظلم و جَور کا نشانہ کیوں بننا پڑتا ہے۔ امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملفوظات میں مومنوں پر آنے والے ابتلاؤں اور مصائب و شدائد کے فلسفہ پر بہت مسحور کُن انداز میں روشنی ڈالی ہے اور ان کی حکمت کو نہایت دلنشیں پیرائے میں واضح فرمایا ہے۔ ان ملفوظات کا ایک حصہ ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

"یہ خیال نہ آوے کہ پھر انبیاء اور مومنوں کو کیوں تکلیفیں آتی ہیں؟ ان لوگوں پر بھی بعض بلائیں آتی ہیں اور ان کے واسطے آثارِ رحمت ہوتی ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی کیسی مصائب آتی تھیں اُن کو گننا بھی کسی بڑے دل کا کام ہے۔ ان کے نام سے ہی انسان کے بدن پر لرزہ آتا ہے۔ پھر جو کچھ سلوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں سے ہوئے اُن کی بھی تاریخ گواہ ہے۔ کیا کوئی ایسی بھی تکلیف تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ کو پہنچائی نہ گئی ہو؟ جس طرح ان کی ایذا دہی میں کفار نے کوئی دقیقہ باقی نہ اُٹھا رکھا تھا اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے کمالات میں کوئی کمی باقی نہ رکھی۔ اصل میں اُن لوگوں کے واسطے یہ مصائب اور سختیاں تریاق ہو جایا کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے خدا کی رحمت کے خزانے انہیں سختیوں ہی کی وجہ سے کھولے جاتے ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ است

مگر ایسے وقت میں انسان کو چاہیئے کہ صبرِ جمیل کرے اور خدا تعالیٰ سے بدظن نہ ہو۔ وہ لوگ تو خدا کے ابتلاء کو انعام کے رنگ میں دیکھتے ہیں اور ابتلاء میں لذت پاتے ہیں۔ قرب کے مراتب جس طرح جلد ابتلاء کے وقت میں طے ہوتے

ہیں وہ یوں زہد و تعبّد یا ریاضت سے تو سالہا سال میں بھی تمام نہیں کئے جاتے۔ اُن لوگوں میں سے جو خدا کے قرب کا نمونہ بنے اور خلق کی ہدایت کا تمغہ ان کو دیا گیا، وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہوتے، ایک بھی نہیں جس پر کبھی نہ کبھی مصائب اور شدائد کے پہاڑ نہ گرے ہوں۔ ان لوگوں کی مثال مشک کے نافہ کی سی ہوتی ہے وہ جب تک بند ہے اُس میں اور ایک مٹی کے ڈھیلے میں کچھ تفاوت نہیں پایا جاتا مگر جب اس پر سختی سے جرّاحی کا عمل کیا جاوے اور اُس کو چھری یا چاقو سے چیرا جائے تو معاً اُس میں سے ایک خوشکن خوشبو نکلتی ہے جس سے مکان کا مکان معطر ہو جاتا ہے اور قریب آنے والا بھی معطر کیا جاتا ہے۔ سو یہی حال انبیاء اور صادق مومنوں کا ہے کہ جب تک انکو مصائب نہ پہنچیں تب تک اُن کے اندرونی قوی چھپے رہتے ہیں اور اُن کی ترقیات کا دروازہ بند ہوتا ہے ...... غرض ایسے ایسے مصائب ہیں جو اُن کے لئے رحمت ہیں اور ان سے اُن لوگوں کے اندرونی گُن ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہمیشہ ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور سیّد سیّد کہہ کے پکارے جاتے تھے انہوں نے بھی تو سختی کا زمانہ نہ دیکھا تھا اُن کو ایسے ایسے زمانے دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا تھا کہ وہ اُن صحابہؓ کے مراتب کو پہنچ سکتے۔ اُن کی ساری زندگی ناز و نعمت میں گزری تھی، نہ انہوں نے کسی جہاد میں حصّہ لیا تھا نہ کسی کفر ہی کو توڑا تھا تو خدا نے جو اُن کو شہید کیا کیا اُن پر ظلم کیا؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے پچاس پچپن برس کی عمر تک وہ زمانہ نہ دیکھا تھا کہ شدائد کیا ہوا کرتے ہیں اور انہوں نے وہ زمانہ بھی دیکھا تھا کہ جب صحابہؓ بکریوں کی طرح ذبح ہوتے تھے تو پھر اُن کا کیا حق تھا کہ وہ شہداء میں درجہ پاتے یا کسی طرح آخرت میں خدا کے قرب میں عزت پاتے۔ کیا اُن کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا کہلانے کا فخر بس تھا؟ اور اُن کے واسطے یہی کافی تھا؟ نہیں، اِس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا تھا اس سے کوئی حق قرب الٰہی نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض اُن کی اپنی تو ایسی بظاہر کارنمائی نہ تھی جس سے وہ ان درجاتِ اعلیٰ کے وارث یا حقدار ہوتے مگر چونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قسم کا تعلق تھا اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس قسم کا تعلق رکھنے والے کو ضائع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اِس طرح گمنام فوت نہ ہوں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن کو شہادت کی موت سے وفات دی تاکہ وہ دنیا میں قیامت تک نیک نام مشہور ہو جاویں۔ اگر اُن پر یہ مصائب نہ آتے تو وہ کس طرح مشہور ہوتے۔ سو اُن کے واسطے ایسے ایسے سامان میسّر کر دیئے کہ وہ خدا کی راہ میں شہادت پانے کے قابل ہو گئے اور اِس طرح وہ سابقین کے ساتھ مل گئے جن کے حالات سے وہ محض ناواقف تھے۔ ایک ذرا سی تکلیف اور اجر عظیم مل گیا......

پس تم مومن ہونے کی حالت میں ابتلاء کو بُرا نہ جانو اور بُرا وہی جانے گا جو مومن کامل نہیں ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ

وَاِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کبھی تم کو مال سے یا جان سے یا اولاد یا کھیتیوں وغیرہ کے نقصان سے آزمایا کریں گے مگر جو ایسے وقتوں میں صبر کرتے اور شاکر رہتے ہیں تو اُن لوگوں کو بشارت دو کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کشادہ اور اُن پر خدا کی برکتیں ہوں گی جو ایسے وقتوں میں کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ یعنی ہم اور ہماری متعلقہ کُل اشیاء یہ سب خدا ہی کی طرف سے ہیں اور پھر آخر کار اُن کا لَوٹنا خدا ہی کی طرف ہے کسی قسم کے نقصان کا غم اُن کے دل کو نہیں کھاتا اور وہ لوگ مقامِ رضا میں بُود و باش رکھتے ہیں، ایسے لوگ صابر ہوتے ہیں اور صابروں کے واسطے خدا تعالیٰ نے بے حساب اجر رکھے ہوئے ہیں۔ .... مومن کے لئے مصائب ہمیشہ نہیں رہتے اور نہ لمبے ہوتے ہیں بلکہ اس کے واسطے رحمت، محبت اور لذت کا چشمہ جاری کیا جاتا ہے۔ عاشق لوگ عشق کے غلبہ کے وقتوں اور اس کے دردوں میں ہی لذت پاتے ہیں۔ یہ باتیں گو ایک خشک محض انسان کے لئے سمجھانی مشکل ہیں مگر جنہوں نے اِس راہ میں قدم مارا ہے وہ ان کو خوب جانتے ہیں بلکہ اُن کو تو معمولی آرام اور آسائش میں وہ یقین اور لذت نہیں ہوتی جو دُکھ کے اوقات میں ہوتی ہے۔......" (الحکم جلد ۷ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء بحوالہ ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۹۲-۲۰۰)

ابتلاء کی غرض

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"ابتلاؤں کے آنے میں ایک سِرّ یہ بھی ہوتا ہے کہ دُعا کے لئے جوش بڑھتا ہے کیونکہ جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اُسی قدر رُوح میں گدازش ہوتی جائے گی اور یہ دُعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۳۵)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَلَيْسَ لَنَا بَابٌ سِوَاكَ وَمَعْبَرٌ

(اے خدا! تیرے سوا ہمارے لئے نہ کوئی دروازہ اور نہ جائے گزر ہے)

سَئِمْنَا تَكَالِيفَ التَّطَاوُلِ مِنْ عِدًا
تَمَدَّدَتْ لَيَالِي الْجَوْرِ يَا رَبِّ انْصُرِ

ہم نے معاندین کے ہاتھوں ظلم کی تکلیفیں اٹھائی ہیں
اور ظلم کی راتیں لمبی ہوگئی ہیں۔ اے میرے خدا تو مدد کر۔

وَجِئْنَاكَ كَالْمَوْتَى فَأَحْيِ أُمُورَنَا
نَخِرُّ أَمَامَكَ كَالْمَسَاكِينِ فَاغْفِرِ

ہم مُردوں کی طرح تیرے پاس آئے ہیں تو ہمارے کاموں کو زندہ کر
ہم تیرے آگے مسکینوں کی طرح گرتے ہیں پس تو ہمیں بخش دے۔

إِلٰهِي فَدَتْكَ النَّفْسُ إِنَّكَ جَنَّتِي
وَمَا إِنْ أَرَى خُلْدًا كَمِثْلِكَ يُثْمِرُ

اے میرے خدا میری جان تجھ پر قربان تُو میری بہشت ہے
اور مَیں نے کوئی ایسی بہشت نہیں دیکھی جو تیرے جیسا پھل لاوے

طُرِدْنَا لِوَجْهِكَ مِنْ مَجَالِسِ قَوْمِنَا
فَأَنْتَ لَنَا حِبٌّ فَرِيدٌ وَمُؤْثَرُ

تیرے مُنہ کے لئے ہم اپنی قوم کی مجلسوں سے رد کر دیئے گئے ہیں۔
تُو ہمارا یگانہ دوست ہے اور ہم نے تجھے سب کو چھوڑ کر اختیار کیا ہے

إِلٰهِي بِوَجْهِكَ أَدْرِكِ الْعَبْدَ رَحْمَةً
وَلَيْسَ لَنَا بَابٌ سِوَاكَ وَمَعْبَرُ

اے میرے خدا اپنے مُنہ کے صدقے میں رحمت کے ساتھ اپنے بندہ کی خبر لے
اور ہمارے لئے تیرے سوا نہ کوئی دروازہ اور نہ جائے گزر ہے۔

إِلٰى أَيِّ بَابٍ يَا إِلٰهِي تَرُدُّنِي
وَمَنْ جِئْتُهُ بِالرِّفْقِ يَزْرِ وَيَصْعَرُ

اے میرے خدا تُو کس کے دروازے کی طرف مجھے رد کرے گا
مَیں جس کے پاس نرمی سے جاتا ہوں وہ بدگوئی کرتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے

صَبَرْنَا عَلٰى جَوْرِ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ
ہم نے تمام دنیا کا ظلم صبر سے برداشت کیا ہے۔

وَلٰكِنْ عَلٰى هَجْرٍ سَطَا لَا نَصْبِرُ
مگر تیری جُدائی کی ہمیں برداشت نہیں ہے۔

(اعجاز احمدی)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کس نہ گردد روزِ محشر جز پناہش رستگار

(حشر کے دن کوئی بھی آنحضرتؐ کی پناہ میں آنے کے بغیر نجات نہیں پائے گا)

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار   عاجز از مدحش زمین و آسمان ہر دو دار

مجھ سے اُس عالی قدر سردار (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کس طرح ہو سکے جس کی مدح سے زمین و آسمان اور دونوں جہان بھی عاجز ہیں

آں مقامِ قُرب کو دارد بدلدارِ قدیم   کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار

قُرب کا جو مقام وہ محبوبِ ازلی کے پاس رکھتا ہے اُس مقام کی شان کو واصلانِ بارگاہِ الٰہی میں سے بھی کوئی نہیں جانتا۔

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں   آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

وہ خاصانِ حق کا سردار اور عاشقانِ الٰہی کی جماعت کا بادشاہ ہے۔ اُس کی روح نے وصلِ الٰہی کے ہر درجہ کو طے کر لیا ہے۔

آں مبارک پے کہ آمد ذات با آیاتِ او   رحمتے زاں ذاتِ عالم پرور و پروردگار

وہ مبارک قدم جس کی ذات والاصفات رحمت بن کر اُس رب العالمین پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی۔

آنکہ دارد قُربِ خاص اندر جنابِ پاکِ حق   آنکہ شانِ او نہ فہمد کس ز خاصان و کبار

وہ جسے جنابِ الٰہی میں خاص قُرب حاصل ہے۔ وہ جس کی شان کا ادراک خواص اور بزرگوں کو بھی حاصل نہیں۔

احمدِ آخر زماں کو اوّلیں را جائے فخر   آخریں را مقتدا و ملجا و کہف و حصار

احمدؐ آخر الزماں پہلوں کے لئے فخر کی جگہ ہے اور پچھلوں کے لئے پیشوا، مقامِ پناہ، جائے حفاظت اور قلعہ ہے۔

ہست درگاہِ بزرگش کشتیٔ عالم پناہ،

اس کی عالی بارگاہ سارے جہان کو پناہ دینے والی کشتی ہے

کس نہ گردد روزِ محشر جز پناہش رستگار

حشر کے دن کوئی بھی اسکی پناہ میں آنے کے بغیر نجات نہیں پائیگا

(آئینۂ کمالاتِ اسلام)

بدظنی سے بچو اور عفو و درگذر سے کام لو

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج سے چوالیس سال قبل جماعت کے افراد میں باہمی اتحاد و اتفاق کو قائم رکھنے کی تلقین فرماتے ہوئے احباب جماعت کو بدظنی سے بچنے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی نصیحت فرمائی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات احباب کے افادہ کے لئے پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اِن نصائح پر عمل کرنے اور باہمی اتحاد و اتفاق کو زیادہ مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین　　(ادارہ)

"اتفاق اور اتحاد کو مٹانے والی کونسی باتیں ہیں؟ درحقیقت ان کی تفصیل مشکل ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا جُرم نہیں جو خواہ اخلاقی جرم ہو یا شرعی جس سے اتحاد کو خطرہ نہ ہو۔ اخلاقی جُرم کو شرعی جُرم سے علیحدہ کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ اخلاق شریعت میں داخل نہیں بلکہ شرعی جرائم سے مراد وہ جرائم ہیں جو محض شریعتِ اسلام کے نزدیک جُرم ہیں اور اخلاقی وہ جرائم ہیں جن میں اسلام کے ساتھ دوسرے مذاہب بھی شامل ہیں۔ اور وہ مسائل بھی اخلاقی ہی کہلائیں گے جو فطرت سے متعلق ہیں۔ مثلاً اسلام کہتا ہے چوری نہ کرو، چوری کرنا اخلاقی جرم تو اس لئے ہوگا کہ تمام مذاہب میں چوری سے منع کیا گیا ہے اور شرعی اِس لئے کہ اسلام بھی چوری سے روکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی شریعت حکم دیتی ہے کہ جھوٹ نہ بولو، یہ شرعی جُرم ہے کیونکہ اسلام اِس سے روکتا ہے۔ مگر اخلاق بھی ہے کیونکہ سب مذاہب جھوٹ کے ترک کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اِس لئے یہ کہنا درست ہے کہ جھُوٹ بولنا اخلاقی جرم ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام اخلاقی جرائم اور وہ جرائم جن سے فطرت نفرت کرتی ہے ان سے نفرت کی بناء شرائع نے ہی ڈالی ہے۔ پہلے پہل ایک نبی نے پیش کیا کہ یہ باتیں بُری ہیں ان سے بچو اور تمام انسانوں نے قبول کر لیا اِس لئے یہ مسائل فطرت میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ سب دنیا کے نزدیک مسلّم ہیں اِس لئے یہ فطری مسائل ہیں۔

پس اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ تمام جرائم سے بچنے کی کوشش کی جائے اور شریعت نے جو حکم دیئے ہیں اُن پر عمل کیا جاوے کیونکہ بہت دفعہ اختلاف اِنہی باتوں سے پڑتے ہیں۔ مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھی جائے

اب اگر کوئی شخص سوال کرے کہ نماز نہ پڑھنے سے کیسے اتحاد ٹوٹ سکتا ہے؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ گو یہ درست ہے کہ نماز پڑھنے والے پر نہ پڑھنے والے کا کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ مگر بالطبع اُس کو وہ بُرا معلوم ہوگا اور وہ خیال کرے گا کہ یہ شخص خدا اور رسولؐ سے محبّت کا دعویٰ کرتا ہے اور گو باوجود دعویٰ محبّت کے اُس راہ کو چھوڑتا ہے جو پسندیدہ ہے یعنی نماز نہیں پڑھتا۔ اس لئے پڑھنے والے کو نہ پڑھنے والے سے نفرت ہو جائے گی۔ یا ایک شخص روزہ نہیں رکھتا بظاہر روزہ رکھنے والے پر اس رکھنے والے کا کچھ اثر نہیں لیکن جب وہ دیکھے گا کہ اسکے محبوب (خدا) کے احکام کی بے قدری کی جارہی ہے اور محبوب بھی وہ جس کی محبت کا مدعی بے قدری کرنے والا ہے تو اس کو اس سے نفرت ہو جائے گی۔ تو شرعی جرائم بھی خواہ براہِ راست دوسرے پر اثر نہ ڈالیں مگر ان کی وجہ سے محبت و تعلق اور اتحاد و اتفاق ٹوٹ جاتے ہیں۔

دوسرے اخلاقی جرائم ہیں اُن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جو خود اُس انسان کی ذات پر اثر کرتے ہیں، دوسرے وہ جو غیر پر بھی اثر ڈالتے ہیں۔ جو جرائم مجرم پر ہی اثر ڈالتے ہیں یہ قدرتی امر ہے کہ اُن کا ارتکاب کرنے والے شخص سے لوگ نفرت کرینگے کیونکہ جو کسی میں بُرائی دیکھے گا اُس سے پیچھے ہٹے گا۔ اور وہ جرائم جو دوسروں پر اثر ڈالتے ہیں اُن کا ارتکاب کرنے والوں سے بھی لوگ علیحدہ ہوں گے۔ مثلاً جو شخص قاتل ہے اُس سے نفرت کی جائے گی، جو غیبت کا عادی ہوگا اُس سے نفرت ہو گی کیونکہ وہ اپنے اس فعل سے لوگوں میں لڑائی ڈلواتا ہے۔ غرض جتنے اخلاقی عیب ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے نفرت ہوتی ہے اور وہ نفرت اتفاق کو توڑتی ہے۔

اِن تمام اخلاقی جرائم میں جو اتفاق و اتحاد کو توڑنے والے ہیں بڑا جرم بدظنّی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہوتی یونہی خیال کر لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا میرے متعلق یہ خیال ہے اور اِس طرح اُس سے عداوت کرنی شروع کر دی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا یقینی نتیجہ بے اتفاقی ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے جماعتِ احمدیہ کو چھوڑا اور جو کبھی جماعتِ احمدیہ کی طرف منسوب تھے اب اُن میں احمدیت برائے نام ہے اُن کی علیحدگی کی وجہ بدظنّی ہی ہے۔ اگر ان میں بدظنّی نہ ہوتی تو وہ جماعت سے علیحدہ نہ ہوتے ...... یہ تمام بدظنّی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس میں مبتلا ہو کر انسان کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے۔ مجھے اِس کا بڑا تجربہ ہے۔ مَیں روز دیکھتا ہوں کہ یہ خطرناک مرض ہے۔ حضرت صاحبؑ نے اِس سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی تو ثلث زندگی اِسی پر وعظ کرتے گذری۔ مَیں بھی تمہیں اکثر کہتا رہتا ہوں کہ بدظنّی سے بچو۔ احمدی اور مسلم کیا اور بدظنّی کیا۔ اِن کا آپس میں تعلق ہی کیا ہے۔ یونہی قیاس کر لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے جو فلاں بات کی ہے وہ عداوت سے کی ہے اور یہ محض بدظنّی ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ آٹے میں نمک مگر وہ سرا سر نمک ہی ہوتا ہے آٹا تو ہوتا ہی نہیں۔ ان کی بدظنّی

کی اکثر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ اس سے بچو یہ سب سے بڑی بیماری ہے جو اتحاد و اتفاق کو توڑ دیتی ہے۔

دوسری چیز جو اتحاد کو توڑنے والی ہوتی ہے وہ عفو کی صفت کا موجود نہ ہونا ہے۔ جُرم تو ہوتا ہے مگر اس کو عفو کرنا بھی ایک کام ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی سے غلطی ہوتی ہے تو اس کو معاف نہیں کرتے۔ اس سے درگذر نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو تین دن تک غصہ کی وجہ سے نہیں بولتا اس کا ہم سے تعلق نہیں۔ معمولی سی بات ہوتی ہے اس پر گفتگو چھوڑ دیتے ہیں اور مدتوں آپس میں نہیں بولتے۔ اول تو میں نے بتایا ہے کہ بدظنی سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے عفو اور درگذر کا نہ ہونا بھی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اگر بدظنی ہو بھی تو عفو سے کام لینا چاہیئے اور عفو کس غرض سے رکھا گیا ہے۔ سیاسی طور پر قطع کلام کرنا ایک سزا ہے لیکن بے وجہ یا معمولی سی بات پر بولنا چھوڑ دینا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس کا نتیجہ شقاق اور افتراق ہے۔ میں جانتا ہوں ہمارے یہاں ایسے بعض لوگ موجود ہیں جو مہینوں بلکہ سالوں سے آپس میں نہیں بولتے اور پھر وہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے عمل میں اور اُن کے ایمان میں کوئی کمی نہیں اور اس کا نتیجہ اسلام کے لئے کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا۔ حالانکہ میں نے بتایا ہے کہ بعض گناہ ذاتی ہوتے ہیں کہ اُن کا اثر محض اُس شخص کی ذات تک ہوتا ہے خواہ بالواسطہ دوسروں پر بھی اثر ڈالے مگر یہ وہ گناہ ہے جو براہِ راست دوسروں پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ ایسا شخص جو دوسروں سے گفتگو ترک کرتا ہے اسلام میں تفرقہ ڈالتا ہے اور پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں مسلم ہوں اور مخلص ہوں۔ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ خالی اس تعلیم کا نام نہیں جو قرآن کریم میں ہے بلکہ اسلام اس جماعت کا بھی نام ہے جو اسلامی لوا کو اٹھائے ہوئے ہے۔ خالی کتاب کیا چیز ہے اگر اس کی تعلیمات کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ کتاب کیسے پھیلے اگر اسکے جھنڈا بردار نہ ہوں۔ جب مسلمانوں نے اس گر کو بھلا دیا اور آپس میں محبت و وداد کم ہوگیا تو دیکھ لو مسلمانوں کی کیا بڑی گت ہوئی۔ جو شخص ترکِ گفتگو کرتا ہے وہ اسلام پر حملہ کرتا ہے۔ دیکھو قرآن خدا کے علم میں موجود تھا مگر یہ دنیا کے لئے مفید نہیں تھا۔ یہ اُسی وقت فائدہ مند ہوا جب خدا نے اُسے اپنے ایک بندے کے ذریعہ دنیا میں نازل فرمایا۔ پھر اس کو اٹھانیوالی ایک جماعت ہوئی اور اسکی تعلیمات کو دنیا میں پھیلایا۔ اس لئے اُسی جماعت میں تفرقہ ڈالنا اسلام میں فتنہ ڈالنا ہے۔ پس اس راہ سے بچو جس پر چل کر اسلام پر حرف آئے۔

یہ دو باتیں خاص طور پر مدنظر رکھنی چاہئیں۔ (۱) بدظنی نہ ہو (۲) درگذر ہو۔ جب یہ دونوں باتیں مدنظر ہوں تو پھر کبھی تفرقہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ یاد رکھو تمہیں اپنے رشتہ داروں، عزیزوں کی نسبت اسلام سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ تم دیکھو کہ خدا، رسول اور قرآن کدھر ہیں۔ بدظنی کو چھوڑ دیا کرو اور عفو سے کام لیا کرو۔ اس کی وجہ سے تمام اختلاف دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵؍جون ۱۹۲۰ء مطبوعہ الفضل ۸؍جولائی ۱۹۲۰ء)

حکومتِ مغربی پاکستان کا ایک غیر منصفانہ اقدام

شہری و مذہبی حقوق سے افسوسناک بے اعتنائی

یہ امر ہر احمدی کے لئے انتہائی دُوح فرسا اور اذیت ناک ہے کہ حکومتِ مغربی پاکستان نے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سراسر معصوم اور بے ضرر علمی تصنیف الموسوم بہ "ایک غلطی کا ازالہ" شائع کردہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ کو بحق سرکار ضبط قرار دے دیا ہے۔ ہماری دانست میں حکومت کا یہ نا روا اقدام سراسر بے تدبیری اور کوتاہ اندیشی پر مبنی ہے اِس لئے کہ یہ محض بالعموم شائع ہونے والی اَن گنت کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کی ضبطی کا سوال نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پاکستان کی ایک نہایت وفادار، پابندِ قانون اور امن پسند مذہبی جماعت کے بنیادی شہری و مذہبی حقوق سے ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں جو بلا استثناء دیگر باشندگانِ پاکستان کی طرح اُسے بھی از رُوئے آئین حاصل ہیں۔

حکومت نے کمال درجہ بے تدبیری سے کام لیتے ہوئے جس کتاب کو ضبط کرنے کا حکم دیا ہے

- وہ ایک معصوم و بے ضرر نہایت اہم علمی تصنیف ہے۔
- وہ احیاءِ علبۂ اسلام کی علمبردار ایک عالمگیر مذہبی جماعت کے مامور من اللہ مقدس بانی کی مقدس تصنیف ہے۔ اس جماعت کے افراد کے لئے مقدس بانیٔ جماعت کے قلمِ معجز رقم اور زبانِ فیض ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ واجب الاحترام ہوتے ہوئے آسمانی علوم و معارف اور حکمت و دانش کا بھرپور خزینہ ہے اسی لئے وہ اپنی جماعت کے مقدس بانی کی تحریرات اور ارشادات و ملفوظات کے لفظ لفظ کو اپنی عزت و آبرو، اپنے مال، اپنی اولاد، اپنی جان، الغرض ہر عزیز سے عزیز شے سے بھی بڑھ کر عزیز سمجھتے ہیں اور بلاشبہ ان کے لئے جماعت کے مقدس بانی کی قلم اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ہی نہیں بلکہ ہر حرف جزوِ ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔
- پھر وہ کتاب حال ہی میں شائع نہیں ہوئی بلکہ آج سے قریباً پون صدی قبل کی تصنیف فرمودہ

ہے اور پون صدی کے اس لمبے عرصہ میں اس کے بیسیوں ایڈیشن طبع ہو کر ہزاروں ہی نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں اور احمدی اسے اپنے عقیدے کی بنیاد کے طور پر کمال درجہ عقیدت کے ساتھ نسلاً بعد نسل مطالعہ کرتے اور اس سے دینی راہنمائی حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔

ان حالات میں، اگر دیکھا جائے تو یہ محض کسی ایک نو تصنیف شدہ کتاب کی ضبطی کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ ملکی آئین و حکومت کی ایک نہایت درجہ وفادار، پابندِ قانون اور امن پسند مذہبی جماعت کے اُن بنیادی شہری و مذہبی حقوق سے بے اعتنائی کا سوال ہے جو ازروئے آئین اسے حاصل ہیں اور بجا طور پر حاصل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ تصانیف اور ارشادات و ملفوظات کو اپنے عقیدے اور ایمان کی رُو سے قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد روحانی تسکین اور دینی و اعتقادی راہنمائی کا سب سے اوّل اور سب سے مقدم ذریعہ یقین کرتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اگر آسمانی علوم و معارف سے مملو ایسی لاثانی تصانیف میں سے ایک تصنیف کو پون صدی کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد یکایک ضبط قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر آئین پاکستان میں دی گئی اس حتمی ضمانت کی کیا قدر و قیمت اور وقعت باقی رہ جاتی ہے کہ :-

"کوئی قانون کسی مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کو باز نہ رکھے گا کہ وہ اپنے عقیدے کے داعی ہوں، اُس پر عمل کرتے ہوں، یا اُس کی اشاعت کرتے ہوں۔ اسی طرح کوئی قانون مانع نہ ہو گا کہ کسی مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کے لوگ اپنے مذہب کی راہنمائی حاصل کریں یا اپنے مذہب کے لئے یا مذہب کی اغراض کے سلسلہ میں درس گاہیں یا ادارے چلائیں۔"

(آئین پاکستان جزو دوم شق نمبر ۷ (الف))

آئین کی مذکورہ بالا دفعہ اس امر کی آئینہ دار ہے کہ ازروئے آئین پاکستان میں ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقہ اس امر میں کلّی طور پر آزاد ہے کہ وہ اپنے مذہب کی راہنمائی حاصل کرے۔ اس راہنمائی میں اُس کی بنیادی مذہبی کتب سے استفادہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقہ خود اپنی ہی بنیادی کتب سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے نہ کہ دوسروں کی بنیادی کتب سے۔ اب جبکہ آئین میں دی گئی اس حتمی ضمانت کے باوجود حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف فرمودہ کتب میں سے ایک کتاب کی ضبطی کا حکم دیا گیا ہے تو اس کا بجز اس کے اور کیا مطلب نکل سکتا ہے کہ اس مذہبی جماعت کے افراد کو دینی راہنمائی کے ایک ایسے ذریعے سے محروم کیا جا رہا ہے

جو اُن کے عقیدہ کی رُو سے اُن کے واسطے زندگی بخش جام اور آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمیں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ حکومتِ مغربی پاکستان بعض عاقبت نااندیش مشیروں کے کہنے پر عجلت میں ایک ایسا اقدام کر گزری ہے جس سے آئینِ پاکستان کی سراسر خلاف ورزی لازم آتی ہے اور جس کے نتیجہ میں ایک مذہبی جماعت کے اُن بنیادی شہری و مذہبی حقوق سے محروم ہو جانے کا احتمال ہے جن کی آئینِ پاکستان واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اُس کو ضمانت دیتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں حکومتِ مغربی پاکستان کا یہ غیر منصفانہ اقدام ایک وفادار، پابندِ قانون اور امن پسند مذہبی جماعت کے خیر خواہ افراد کے دلوں میں یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کے مترادف نہ ہوگا کہ ان کی وفاداری، قانون کی پابندی اور امن پسندی کے باوصف حکومت ان کے جائز دینی حقوق سے بے اعتنائی برتنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی؟

ہم سمجھتے ہیں یہ ناگوار صورتِ حال اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ حکومت ایک طرف ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کی اُن بنیادی کتب میں جن پر اُس کے اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی بنیاد ہے اور جن سے وہ دینی امور میں قدم قدم پر رہنمائی حاصل کرتی ہے اور دوسری طرف اُن توضیحی اور تشریحی کتب میں جو فی الوقت لکھی جا رہی ہیں تفریق کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کی بنیادی کتب جو اُس کے بانی اور دیگر ائمہ کی تحریر کردہ ہوں اور پہلے سے موجود چلی آرہی ہوں اُس مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کے نزدیک تقدس کی حامل ہوتی ہیں جنہیں وہ کمال درجہ عزت و احترام اور محبت و عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ پڑھتے اور اُن سے رہنمائی و برکت حاصل کرتے ہیں۔ قریباً پون صدی کے طویل عرصہ کے بعد آج اگر ایسی بنیادی کتب میں سے کسی ایک کتاب کو نئے قانونی احتساب کی آڑ میں ضبط کرنا در اصل خواہ مخواہ اُس مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کو ایسی آزمائش یا اذیت میں ڈالنا ہے جو اُس کے لئے قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی۔

البتہ ازاں بعد فی زمانہ تصنیف ہونے والی توضیحی اور تشریحی کتب کا معاملہ دیگر ہے۔ نہ وہ کسی مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کے عقائد کی بنیاد ہوتی ہیں اور نہ اُنہیں بنیادی کتب کا سا تقدس حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایسی تشریحی کتب کے قبل ازیں متعدد ایڈیشن بغیر کسی اعتراض کے شائع نہ ہو چکے ہوں یعنی وہ پہلی بار ہی شائع ہوئی ہوں تو صرف ایسی کتابیں اس بات کی سزاوار ہیں کہ انہیں زمانہ حال کے مروجہ قوانین کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے اور از روئے انصاف جو امر خلافِ قانون ہو اُس پر گرفت کی جائے۔

اگر احتسابِ کتب میں یہ جائز بنیادی تفریق روا نہ رکھی گئی تو پھر کسی بھی مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقے کا بنیادی لٹریچر اپنی قدامت اور سالہا سال کی ثابت شدہ بے ضرر نوعیت کے باوجود محفوظ قرار نہیں پا سکتا اور مذہب، عقیدے

اور دینی رہنمائی حاصل کرنے کی آزادی سے متعلق آئین میں درج شدہ ضمانت اپنے صحیح معنوں کی رُو سے قابلِ اعتماد ضمانت نہیں کہلا سکتی۔

صوبائی حکومت نے جس کتاب کی ضبطی کا حکم دیا ہے وہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر فرمودہ ہے اور جماعت کے اُس بنیادی لٹریچر کا حصّہ ہے جس سے جماعت کے افراد کمال درجہ عزّت و احترام اور محبّت و عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ دینی رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور جس کی بے ضرر نوعیت پون صدی کے طویل عرصہ میں کسی اعتراض کے بغیر بار بار اشاعت پذیر ہوتے چلے آنے سے آفتابِ نصف النہار کی طرح ثابت ہو چکی ہے۔ ہم دُکھے ہوئے مجروح دل کے ساتھ یہ کہنے پہ مجبور ہیں کہ صوبائی حکومت کا یہ اقدام ہمارے لئے انتہائی طور پر رُوح فرسا اور اذیّت ناک ہے۔ ہم اسے اپنے اُن بنیادی شہری و مذہبی حقوق پر جو از رُوئے آئین ہمیں حاصل ہیں ضربِ کاری تصوّر کرتے ہیں۔ پاکستان کے وفادار، پابندِ قانون اور امن پسند شہری ہوتے ہوئے ہمیں از رُوئے آئین یہ حق حاصل ہے کہ ہم حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کردہ لٹریچر کو جو ہمارے لئے قرآن مجید اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بطور بنیادی لٹریچر کی حیثیت رکھتا ہے شائع کریں، اسے اپنے پاس رکھیں، اُس سے استفادہ کرتے ہوئے اُس سے رہنمائی حاصل کریں اور اس طرح اُن عظیم الشان برکات کے وارث بنیں جو ہمارے اپنے عقیدہ کی رُو سے اس بنیادی لٹریچر کے بار بار اور بالاستیعاب مطالعہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اِس عظیم الشان روحانی لٹریچر کے کسی خفیف سے خفیف حصّہ سے ہمیں محروم کرنے کی کوئی بھی کوشش مداخلت فی الدین کے مترادف ہوتے ہوئے ہمارے لئے یکسر ناقابلِ برداشت ہے۔

چنانچہ ہم حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ضبطی کے حکم کو فی الفور واپس لے کر ایک بہت بڑی ناانصافی کا سدِّ باب فرمائے اور اِس طرح دنیا پہ ثابت کر دکھائے کہ پاکستان کا آئین اور اس کو عملی جامہ پہنانے والے باتدبیر حکام ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقہ کے بنیادی شہری و مذہبی حقوق کے صحیح معنوں میں محافظ ہیں اور اس بارہ میں کسی تفریق کے روادار نہیں ہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت ضبطی کے ناروا حکم پر فی الفور نظرِ ثانی کر کے اسے جلد از جلد واپس لینے کے احکام صادر کر دے گی اور اِس طرح ایک وفادار، پابندِ قانون اور امن پسند مذہبی جماعت کے خیر خواہ افراد کی اُس تشویش اور اذیّت کو دُور کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گی جو اُسکے ایک غیر آئینی اور غیر منصفانہ اقدام سے طبعی طور پر انہیں لاحق ہوئی ہے

ہم اپنے خدا سے جو سب حاکموں کا حاکم اور قادر و توانا ہے دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے ہادی و رہنما اور مشکل کشا! تو ہماری حکومت کی رہنمائی فرما تا وہ اپنے غیر منصفانہ حکم کو فی الفور واپس لیکر رحمت و برکت

اور یُمن وسعادت کے اُس انمول خزانے کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہ کرے جسے تُونے اِس آخری زمانہ میں دینِ اسلام کا شرف اور کلامِ اللہ کا رتبہ ظاہر کرنے کے لئے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اے احکم الحاکمین! تُو ایسا کر کہ ہمارے حاکموں کو جنہیں تُونے ہی اقتدار بخشا ہے تیری رہنمائی اور تائید و نصرت ہمیشہ حاصل رہے تاوہ ہمیشہ ہی حق وانصاف کی راہ پر گامزن رہتے ہوئے تیری دی ہوئی امانت کا پُورا پُورا حق ادا کر سکیں اور اِس مملکتِ خداداد میں جس کے آئین میں ہر مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقہ کو کامل مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے اسلامی اصول کا ہمیشہ ہی بول بالا رہے۔ اٰمین یا احکم الحاکمین ٭

عقدہ کشائی کا ذریعہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"ساری عقدہ کشائیاں دُعا کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں بھی اگر کسی کی خیر خواہی ہے تو کیا ہے صرف ایک دُعا کا آلہ ہی ہے جو خدا نے ہمیں دیا ہے کیا دوست کیلئے اور کیا دشمن کے لئے۔ ہم سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے بس میں ایک ذرّہ بھر بھی نہیں ہے مگر جو خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کر دے۔ انسان کو مشکلات کے وقت اگرچہ اضطراب ہوتا ہے مگر چاہیئے کہ توکل کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دے۔ ... اضطرابِ دل کا آنا تو انسانی اخلاق اور مدارج کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے مگر انسان کو چاہیئے کہ یاس کو پاس نہ آنے دے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲)

ارضِ ربوہ

مکرم عبد المنان صاحب ناہید

ترا پیام پیامِ محمدِ عربی
ترے نظام سے برہم مزاجِ بولہبی

ترے نصیب ملا تجھ کو یہ ہجومِ سجود
متاعِ سوزِ دروں نالہائے نیم شبی

ترے مقام کی رفعت کی داستاں شاید
سمجھ سکے گی نہ اہلِ خرد کی بوالعجبی

کیا ہے آب دلوں کو تری حرارت نے
وہ آگ کیا تھی تری خاک میں رہی جو دبی

ترے فقیروں پہ وہ دن بھی آنے والا ہے
نہ ہوگی شاہوں کو بھی جب مجالِ بے ادبی

ترے فیوض کے چشموں سے یار ہا ناہیدؔ
مٹا کے آیا ہے قلب و نظر کی تشنہ لبی

انبیاءِ کرام اور اُن کے متبعین کا عمل و کردار

انتہائی بلندی اور انتہائی پستی کی دو واضح مثالیں

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے انصار اللہ کے نویں سالانہ اجتماع منعقدہ یکم نومبر تا ۳ نومبر ۱۹۶۳ء کے موقع پر اجتماع کے آخری روز انصار کو اختتامی خطاب سے نوازا تھا۔ افادۂ عام کی غرض سے آپ کا یہ نہایت ہی اہم خطاب ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

جب ہم انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ماننے والوں نے دو راہیں اختیار کیں انہیں ہم دو متضاد انتہاؤں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو تسلیم و رضا اور قربانی و ایثار کی نہایت ارفع و اعلیٰ مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف تفریط کی راہ انکار و اباء اور پہلو تہی کی بدنما مثال کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور دیگر الہامات میں ان دونوں متضاد انتہاؤں کی واضح اور نمایاں مثالوں کا ذکر کر کے ہمیں ان سے آگاہ فرمایا ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی احادیث مبارکہ میں ان مثالوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

نافرمانی کی بدترین مثال

قرآن مجید نے تفریط کی ایک انتہائی بدنما مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمان قوم کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے :-

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ

اے میری قوم (یعنی قوم موسیٰ) تم اُس پاک کی ہوئی زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھی ہے اور اپنی پیٹھوں کے رُخ نہ لوٹ جانا ورنہ تم نقصان اُٹھا کر لَوٹو گے۔ انہوں نے (جواب میں) کہا کہ اے موسیٰ! اس

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ
فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ
الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا
لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا
هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ
لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝
قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا
تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(المائدہ آیات ۲۲ تا ۲۷)

(ملک) میں یقیناً ایک سرکش قوم رہتی ہے اور جب تک وہ لوگ اس میں سے نہ نکل نہ جائیں ہم اس میں ہرگز ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ ہاں اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم یقیناً داخل ہو جائیں گے۔ (تب) جو لوگ اللہ سے ڈرتے تھے اُن میں سے دو شخصوں نے جن پر اللہ نے احسان کیا تھا انہیں کہا کہ تم ان پر (حملہ آور ہو کر) ان کے خلاف (چڑھائی کرتے ہوئے) اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ۔ جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم یقیناً غالب آجاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو۔ پھر (ہم کہتے ہیں کہ اُسی پر) توکل کرو۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ جب تک وہ لوگ اُس میں ہیں ہم اس زمین میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے اس لئے تُو اور تیرا رب (دونوں) جاؤ اور (اُن سے) جنگ کرو ہم تو بہر حال اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے رب! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر ہرگز تصرف نہیں رکھتا اس لئے تُو ہمارے درمیان اور باغی لوگوں کے درمیان امتیاز کر دے۔ (اللہ نے) فرمایا تو انہیں اس ملک سے چالیس سال تک کے لئے یقینی طور پر محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ زمین میں سرگرداں ہو کر پھرتے رہیں گے۔ پس تُو باغی لوگوں پر افسوس نہ کر۔

فی الوقت میں ان آیات کی تشریح کرنا نہیں چاہتا صرف دو ایک باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بشارت پا کر اپنی قوم سے کہا کہ اُس ارضِ مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ بات یہ ہے کہ جب یہ حکم دیا گیا اُس وقت وہ ارض، مقدس نہیں تھی۔ اُس میں داخل ہونے کا حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ وہ زمین ناپاک تھی، وہ گناہوں سے بھری ہوئی تھی، وہاں کے رہنے والے اپنے رب کو بھول چکے تھے، اُس سے اپنا تعلق منقطع کر چکے تھے، اُس کے قرب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور اُس کے لئے اپنے دلوں میں کوئی اخلاص نہیں رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندے موسیٰ سے کہا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اس زمین کو مقدس بناؤں پس

تو اپنی قوم سے کہہ دے کہ تم جاؤ اور اپنے خونوں سے اُس زمین کو مقدس بناؤ اور وہاں آباد ہو کر اُس کی فضا کو خدا تعالےٰ کے ذکر سے اُس کی تحمید سے اس کی تحمید سے اور اس کی تکبیر سے بھر دو۔ تمہارے ایسا کرنے سے وہ زمین مقدس بن جائے گی۔ پہلے وہ زمین مقدس نہیں تھی۔ اُس میں داخل ہونے کے بعد جب وہ خدا تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرتے تو وہ زمین مقدس ہو جاتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ان سے کہا کہ ہم نے تم پر انعام کرنے کا فیصلہ کیا ہے سو تم اُس ارض میں داخل ہو اور اِس طرح داخل ہو کہ وہ زمین تمہارے خونوں سے سیراب ہو کر اور اُس کی فضا تمہارے ذریعہ ذکر الٰہی سے معمور ہو کر مقدس بن جائے۔

لیکن ہوا کیا؟ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے اِس راز کو نہیں سمجھا۔ انہوں نے خدائی حکم کے جواب میں کہا تو یہ کہا کہ اگر خدا تعالیٰ نے انعام کے طور پر ہمیں یہ زمین دینی ہے تو پھر ہمارا خون بہانے سے کیا مطلب؟ اے موسیٰ تیرا خدا اور تُو جا اور اُس زمین پر قبضہ کر۔ جو قومیں وہاں رہتی ہیں اور جن کے متعلق تُو کہتا ہے کہ وہ گنہ گار ہیں انہوں نے اپنے گناہوں سے اُس زمین کو ناپاک اور منحوس بنا دیا ہے تُو جا کر اپنے خدا کی مدد سے ان کو ہلاک کر۔ جب وہ زمین ناپاک وجودوں سے خالی ہو جائے گی تو ہم ناکارہ اور قربانی سے جی چرانے والے "مقدس وجود" وہاں جا کر آباد ہو جائیں گے اور ہمارے وہاں جا کر آباد ہونے سے وہ زمین ارض مقدسہ بن جائے گی۔ یہ تھا وہ جواب جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے خدائی حکم سُننے کے بعد دیا۔

ان کا یہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ نے کہا تمہارا کردار اور تمہاری ذہنیت اِس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ تمہیں کسی جگہ بھی آباد نہ کیا جائے اور کوئی جگہ بھی تمہارے وجود سے ناپاک نہ ہو۔ جب تک تمہارے وجود میں پاکی داخل نہیں ہو جاتی، جب تک تم صحیح معنوں میں پاک اور مطہر نہیں ہو جاتے اُس وقت تک کے لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ تم خانہ بدوشوں کی طرح مارے مارے پھرتے رہو کیونکہ مُحَرَّمَةٌ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کے تحت ہم نے چالیس سال کے لئے اُس زمین میں تمہارا داخلہ بند کر دیا ہے۔ اور يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ کے مطابق تم زمین میں سرگرداں ہو کر اِدھر اُدھر پھرتے رہو گے۔ اُن کی نافرمانی کی اُنہیں یہ سزا ملی۔

چالیس سال کا زمانہ ہمیں اِس طرف متوجہ کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُس نافرمان قوم سے کہا کہ تمہاری نسل سے یہ انعام واپس لیا جاتا ہے۔ اب ایک اور قوم پیدا ہو گی۔ وہ ہو گی تمہیں میں سے لیکن ہو گی ایک نئی قوم۔ اُسے اِس انعام کا وارث بنایا جائے گا۔ وہ بچے جو آج کے بعد پیدا ہوں گے اور دس یا پندرہ سال بعد اس حال میں تم سے تربیت حاصل کریں گے کہ مسلسل دس پندرہ سال تک سرگرداں رہنے اور مارے مارے پھرنے کے بعد تمہارے اندر ندامت کا احساس پیدا ہو چکا ہو گا اور تم یہ سمجھ چکے ہو گے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے اور اپنے آپ کو ایک بڑی اور عظیم الشان نعمت سے محروم کر لیا ہے تو وہ تربیت یافتہ بچے بڑے ہو کر اس بات

کے اہل بن جائیں گے کہ ہم اُنہیں اپنے انعام سے نوازیں۔ دس پندرہ سال بعد تمہارے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ اگرچہ ہم اِس نعمت سے محروم ہوگئے ہیں ہمارے بچوں کو تو اس نعمت سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ اِس احساس کے ساتھ تم جس قوم کی تربیت کروگے وہ، وہ قوم ہوگی جو ارضِ مقدس میں داخل ہونے کے لئے اپنے خون بہائے گی اور اپنے خون سے سیراب کرکے اُسے مقدس بنائے گی۔ وہ، وہ قوم ہوگی جس کے دل کی گہرائیوں سے ذکرِ الٰہی بلند ہوگا جو خدا کی حمد کرنے والے اُس کی بزرگی اور کبریائی بیان کرنے والے، اُس کی عظمت کو ظاہر کرنے والے اور اُس کے جلال کو دنیا میں قائم کرنے والے ہوں گے۔ وہی وہ قوم ہوگی جو اِس انعام کو حاصل کرے گی۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم اپنی ذہنیت، اپنے کردار اور اپنے انکار کی وجہ سے محروم کردیئے گئے ہو۔ سو قربانی و ایثار سے پہلوتہی اور نافرمانی کی یہ وہ بدترین مثال ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی اِن آیات میں کیا ہے۔

اطاعت، فرمانبرداری اور فدائیت کا اعلیٰ ترین نمونہ

اِس کے بالمقابل ایک دوسری انتہا یعنی تسلیم و رضا، اطاعت و فرمانبرداری اور محبّت و فدائیت کی بہترین اور اعلیٰ ترین مثال جو تاریخِ عالم میں ہمیں نظر آتی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کی مثال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر یہ اعلان فرمایا کہ مَیں تمام جہان کے لئے یعنی دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لئے رحمت بناکر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا یعنی ایک چھوٹا سا چند ہزار مربع میل کا رقبہ نہیں بلکہ دنیا کا ہر ملک اور ہر وہ جگہ جہاں دنیا کی کوئی نہ کوئی قوم رہتی ہے براعظم بھی اور چھوٹے چھوٹے جزائر بھی سب کو میرے لئے مسجد بنایا گیا ہے یعنی خشکی اور تری غرض دنیا کے چپّہ چپّہ کی تقدیس ہمارا کام ہے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پہ خدا تعالیٰ کا نام بلند کرکے ہم نے وہاں اپنی پیشانیوں کو رگڑنا ہے۔ اور جب زمین ہماری سجدہ گاہ بنے گی تو وہ پاک ہوجائے گی۔ تب ایک نیا آسمان ہوگا اور نئی زمین ہوگی۔ نئی زمین اِن معنی میں کہ اُس وقت ساری زمین پر خدائے واحد کا نام لیا جائے گا۔ اور نیا آسمان اِن معنی میں کہ آسمانوں کے وہ دروازے جو پچھلی قوموں نے اپنے پر بند کر لئے تھے اُن کے قفل کھول دیئے جائیں گے۔ اس اعلان کے ذریعہ سے آپؐ نے صحابہؓ کو باور کرایا کہ اِن دروازوں میں سے جس دروازہ پہ بھی تم دستک دوگے وہ دروازہ تمہارے لئے کھولا جائے گا۔ جب تم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ گے تو گویا دعا کے دروازے پہ تمہاری دستک ہوگی سو وہ دروازہ آسمان کا کھُل جائے گا اور تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔ اسی طرح معجزات، نشانات اور تائیداتِ آسمانی کے دروازے کھولے جائیں گے

اور آسمان سے فرشتے نازل ہو کر تمہاری مدد اور نصرت کریں گے۔ الغرض آسمان کے وہ سارے دروازے جو قبولیتِ دعا کے ہیں، جو رؤیا و کشوف کے ہیں، جو معجزات اور نشانات کے ہیں۔ جو پیشگوئیوں اور بشارتوں کے ہیں، جو فرشتوں کے نازل ہونے اور دلوں میں تسکین پیدا کرنے کے ہیں، جو دشمنوں کے دلوں پر خوف طاری کرنے کے ہیں ان میں سے آسمان کا ہر دروازہ جو پہلے مقفل تھا وہ کھول دیا جائے گا۔ ان دروازوں کے کھل جانے سے گویا ایک نیا آسمان معرضِ وجود میں آجائے گا۔ اسی طرح یہ زمین بھی ایک نئی زمین ہوگی کیونکہ اس کے کونہ کونہ اور چپّہ چپّہ سے خدا تعالیٰ کا ذکر بلند ہو رہا ہوگا، اس کے نام کی عظمت ظاہر ہو رہی ہوگی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس نئی زمین اور نئے آسمان کا وعدہ مسلمان کو دیا گیا۔ بنی اسرائیل کو تو ایک چھوٹی سی زمین فتح کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ وہ کام اس اتنے بڑے اور عظیم الشان کام کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے دنیا کے ہر ملک کو فتح کرنا ہے اور کرنا بھی ہے اپنے رب کے لئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی جگہ کو فتح کرنے کا سوال نہیں ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو حکم دیا گیا تھا یہاں تو ساری دنیا کو فتح کرنے کا حکم ہے۔ قومِ موسیٰ کے بالمقابل کتنا بڑا کام ہے اور کتنی بڑی ذمہ داری ہے جو اُمّتِ مُسلمہ کے کندھوں پر ڈالی گئی۔

یہ اسی عظیم الشان کام اور عظیم الشان ذمہ داری کا ردِ عمل تھا کہ جب بدر کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ دنیا کی نگاہ میں اس وقت اس بات یہ ہے کہ تم تعداد میں تھوڑے ہو، کمزور ہو رہتے ہو، تمہاری تلواریں ٹوٹی ہوئی ہیں، تمہارے نیزے گند ہیں، تمہارے پاس سواریاں نہیں ہیں صرف ستّر اونٹ اور دو گھوڑے ہی تو ہیں۔ پھر تمہیں غذا بھی پوری کا میسّر نہیں۔ تمہارے مقابلہ پر کفارِ مکّہ کا لشکر جرار کھڑا ہے جو تعداد میں تم سے تین گنا زیادہ ہے اور سواریوں کے لحاظ سے دس گنا زیادہ ہے کیونکہ ۔ ۔ کے مقابلہ میں ۷۰۰ اونٹ اُن کے پاس ہیں اور ستّر گھوڑے ان کے علاوہ ہیں۔ پھر جن کے نیزوں کی انیاں تیز اور چمکدار اور دل میں خوف پیدا کرنے والی ہیں، جن کی تلواریں بہترین لوہے کی بنی ہوئی ہیں اور وہ ہاتھ جو ان تلواروں پر ہیں وہ عرب کے مانے ہوئے سرداروں کے ہاتھ ہیں۔ دنیا کی نگاہیں ظاہری سامانوں کے اس باہمی تقابل کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھ رہی ہیں کہ اپنے ایمان اور اخلاص کی بناء پر خدا تعالیٰ کے اُن وعدوں پر جو اُس نے تم سے کئے ہیں تمہاری نظر ہے یا نہیں؟ تو صحابہؓ کا جواب یہ تھا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی حقانیت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے۔ یہ فوج کیا چیز ہے۔ دنیا کی ظاہر بین نگاہ میں تو یہ امکان بھی آسکتا ہے کہ شاید ہار ہیں یا جیت جائیں یا اگر جیتنا ممکن نہ ہو تو شکست اتنی فاش نہ ہو کہ ہم کُلّی طور پر تباہ ہو جائیں۔ ہمارے دلوں کی کیفیت تو یہ ہے کہ آپ اگر حکم دیں تو ہم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں جو قطعی اور یقینی موت ہے ہم اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ آپ کے ایک اشارے پر اس طرح موت کے مُنہ میں چلے جائیں۔

سو یہ دوسری انتہا تھی یعنی اطاعت اور فدائیت کی بہترین مثال جو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے اور کسی نبی کی قوم نے نہ دکھائی۔ انہوں نے محض زبان سے دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود اور اسلام کی شکل میں انہیں جو نعمت دی گئی تھی اس کی انہوں نے قدر و منزلت کو سمجھا اور ہر وہ قربانی دی اور پورے انشراح صدر کے ساتھ دی جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا۔ اُن کے اس انتہائی بلند کردار اور اعلیٰ ترین ذہنیت کے نتیجہ میں دنیا نے یہ نظارہ دیکھا کہ یہ مسکین لوگ یہ نادار و غریب لوگ جن کی غربت کا یہ حال تھا کہ جب عبادت میں اپنے رب کے سامنے جھکتے تھے تو عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ذرا دیر کے بعد سجدوں سے سر اٹھایا کرو کیونکہ تمہارے سامنے مَردوں کی جو صفیں ہیں اُن کے تن پوری طرح ڈھکے ہوئے نہیں ہیں اور سجدہ کرتے وقت وہ ننگے ہو جاتے ہیں، یہی مسکین اور غریب لوگ دیکھتے ہی دیکھتے بحر و بر کے مالک بن گئے۔ یہ ایک نادار اور بے کس اور بے بس قوم تھی لیکن جب انہوں نے اپنے خدا کی آواز پر والہانہ لبیک کہا اور اُس انعام کی دل سے قدر کی جو خدا تعالیٰ انہیں دینا چاہتا تھا، جب انہوں نے اپنے دلوں کو اخلاص سے بھر لیا، جب انہوں نے اپنے اعمال کو صلاحیت کے روغن سے پالش کر کے درخشندہ بنا دیا اور خدا تعالیٰ کے حقیقی عبد بن گئے اور اُس کی صفات کے مظہر بن گئے تب یہی لوگ دنیا کے جس میدان میں بھی نکلے فتح و ظفر ان کے قدم چومتی چلی گئی، جہاں بھی گئے قلیل التعداد ہونے کے باوجود فاتح کی حیثیت سے گئے۔ بدر کا میدان تو ایک ابتدا تھی۔ خدا تعالیٰ نے صدیوں تک اُن کے ساتھ یہی سلوک کیا اور دنیا صدیوں تک اُن کی فتح و ظفر کا نظارہ دیکھتی چلی گئی۔ قیصر و کسریٰ کو انہوں نے زیر کیا، افریقہ پر وہ چھا گئے، سپین کو انہوں نے فتح کیا، سسلی کو انہوں نے اپنا زیرنگیں بنایا۔ اِدھر مشرق کا رُخ کیا تو ہندوستان چین اور اُس کے اُوپر کے علاقوں میں گھستے چلے گئے حتیٰ کہ روس کے ایک بڑے علاقے میں بھی جا گھسے۔ جہاں بھی گئے تھوڑی تعداد میں گئے، کمزور حالت میں گئے لیکن اِس یقین کے ساتھ گئے کہ ہم کمزور ہونے کے باوجود فتحیاب ہوں گے، اور اِس لئے فتحیاب ہوں گے کہ جس خدا پر ہم ایمان لائے ہیں اور جس کی اطاعت کو ہم نے لازم پکڑا ہے وہ کمزور نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم فاتح ہو قدم بڑھاتے ہوئے فاتحانہ انداز میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ مشرق و مغرب میں فاتحانہ انداز میں بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے ملک ہی فتح نہیں کئے بلکہ قوموں کے دلوں کو بھی فتح کر دکھایا۔

احیاءِ و غلبۂ اسلام کی ایک نئی بنیاد

اِس کے بعد بدقسمتی سے مسلمانوں پر پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا۔

اُن کے دل اخلاص سے خالی ہو گئے۔ قرآن کو انہوں نے مہجور کی طرح چھوڑ دیا۔ خدا تعالیٰ کو جو قادر مطلق ہے وہ ایک انسان کی طرح عاجز و مجبور ہستی سمجھنے لگے۔ قبولیتِ دُعا کے وہ منکر ہو گئے۔ الٰہی تائیدات کو تمسخر اور تحقیر کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اِس طرح انہوں نے اپنے پر آسمان کے دروازے بند کر لیئے۔ وہ زمین جس کو انہوں نے اپنے خون سے، وہ زمین جس کو انہوں نے اپنی زبانوں سے، وہ زمین جس کو انہوں نے اپنے دل کے اخلاص سے، وہ زمین جس کو انہوں نے اپنی عبادات اور ذہانت و فراست سے پاک کرنا اور مقدس بنانا تھا اُسے انہوں نے اپنے اعمال و اخلاق اور عقیدہ کے بگاڑ کی وجہ سے منحوس قرار دے ڈالا۔ جب وہ خود ہی بگڑ گئے تو پھر اُن کے لئے یہ زمین، وہ زمین نہ رہی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا کردہ تھی اور نہ اُن کے لئے وہ آسمان، آسمان رہا جس کے دروازے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کھولے گئے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا جو آپؐ کا عاشق صادق تھا اور فنا فی الرسولؐ کے ایسے مقام پر پہنچا ہوا تھا کہ جس مقام تک نہ اُس سے پہلے کبھی کوئی پہنچا اور نہ آئندہ قیامت تک کوئی پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ وہ اُس کے ذریعہ سے اسلام کو پھر دنیا میں غالب کرے گا اور اسلام پھر اُسی شان کے ساتھ تمام دنیا پہ چھا جائے گا جس شان کے ساتھ اُس نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے دنیا پر محیط ہو کر اخلاص سے، محبت سے، ہمدردی سے، خدا ترسی سے اور قربِ الٰہی کے بل پر حکومت کی تھی۔ اسی حکومت کے ازسرِنو احیاء اور قیام کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا

اسلام کی اِس عالمگیر حکومت کے ازسرِنو قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو چُنا ہے۔ آپ جو اپنے آپ کو احمدیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، آپ جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے محبت ہے، آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اُن تمام بشارتوں پر ایمان لائے ہیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیں، آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حَکَم تسلیم کرتے ہیں اور آپؑ کے حُکم کے آگے ہماری گردنیں خم ہیں، آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اسلام کی محبت جوش مار رہی ہے، آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے دل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فدائیت میں تڑپ رہے ہیں، آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اِس لئے ہر دم اور ہر آن بے چین رہتے ہیں کہ خدا کی توحید دُنیا سے مٹ چکی ہے، آپ اور صرف آپ ہی ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بشرطیکہ آپ اپنے عہدوں کو پُورا کرنے والے ہوں اسلام کو پھر دنیا میں غالب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُس ارضِ مقدس کی طرح جو موسیٰؑ کی قوم کو دی گئی تھی چھوٹی سی بشارت نہیں دی۔ آپ کو تو اتنی زبردست اور عظیم الشان بشارتیں دی گئی ہیں کہ جب انسان ان کو پڑھتا ہے تو ایک طرف اُسے اپنی کمزوری اور بے بضاعتی کا احساس ہوتا ہے اور دوسری طرف

خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرتوں اور طاقتوں کا احساس بھی اُس کے دل میں پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ان بشارتوں میں سے چند بشارتیں اِس وقت مَیں آپ کو سُنانا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(۱) "سچائی مجھے مجبور کرتی ہے کہ مَیں گواہی دوں اور میری گواہی بے وقت نہیں بلکہ ایسے وقت میں ہے جبکہ دنیا میں مذاہب کی کُشتی شروع ہے۔ آخر کار اسلام کو غلبہ ہے۔ مَیں زمین کی باتیں نہیں کہتا کیونکہ مَیں زمین سے نہیں ہوں بلکہ مَیں وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے مُنہ میں ڈالا ہے۔ زمین کے لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید انجام کار عیسائی مذہب دُنیا میں پھیل جائے یا بُدھ مذہب دنیا پر حاوی ہو جائے۔ مگر وہ اِس خیال میں غلطی پر ہیں۔ یاد رہے کہ زمین پر کوئی بات ظہور میں نہیں آتی جب تک وہ بات آسمان پر قرار نہ پائے۔ تو آسمان کا خدا مجھے بتلاتا ہے کہ آخر اسلام کا مذہب دلوں کو فتح کرے گا۔" (ملفوظات)

(۲) "مَیں ہر دم اِس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے ..... مَیں کبھی کا اِس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا آقا قادر و توانا مجھے تسلّی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھُوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے، مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر مَیں چاہوں تو مریم اور اُس کے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں۔ سو اَب اُس نے چاہا ہے کہ (دلائل اور براہین کے ذریعہ) ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے سو اَب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔ اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے۔ اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ نہ وہ ٹوٹے گا اور نہ کُند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔" (اشتہار ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

(۳) "خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین پر پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اِس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا مُنہ بند کر دیں گے اور ہر اک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہانتک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اُٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پُورا کرے گا۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اَے سُننے والو! اِن باتوں کو یاد رکھو اور اِن پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو۔ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ صلا ۲۱)

(۴) "خدا تیرے نام کو اُس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ مَیں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلّت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور اُن کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اُس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا اُنہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے ...... وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دل میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو، اگر تمہیں اُس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر کیا تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کرسکو

(اور ہرگز پیش نہ کرسکوگے) تو اُس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

احیاءو غلبۂ اسلام کے ضمن میں ہماری ذمہ داری

یہ چند اقتباسات مختصراً میں نے آپ دوستوں کے سامنے اس لئے رکھے ہیں کہ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے ساتھ آپ کے رب نے کس قدر محبت کے وعدے کئے ہیں اور آپ کی عظمت کو (بوجہ اس کے کہ آپ خدا کی عظمت کو دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں) دنیا میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کردیا ہے کہ آپ ہی وہ گروہ ہوں گے جن کی وجہ سے اور جن کی کوششوں اور جن کی قربانیوں کے نتیجہ میں اور جن کے اخلاص اور ایثار کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ تمام دنیا میں اسلام کو غلبہ دے گا اور آپ ہی وہ جماعت ہوں گے جو نئی زمین بنانے والے ہوں گے اور آپ ہی وہ لوگ ہوں گے جو آسمان کی بلندیوں پہ چڑھ کر اس کے ہر دروازہ پر دستک دیں گے اور آپ کے لئے ہر دروازہ کھولا جائے گا۔ اب آپ نے فیصلہ کرنا ہے کہ آیا آپ نے اپنے رب کو موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ جواب دینا ہے کہ جا تو اور تیرا رب لڑ ہم اس قربانی کے لئے تیار نہیں یا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی طرح اپنے رب سے یہ کہنا ہے کہ تیرے بندہ نے تو ہم سے بہت تھوڑی قربانیاں لی ہیں اگر یہ ہمیں حکم دے تو ہم اپنا سارا مال، اپنا سارا وقت اور اپنی ساری عزتیں تیری راہ میں قربان کردیں گے اس لئے کہ تیرا نام دنیا میں بلند ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نعرہ تمام دنیا میں گونجنے لگے۔ اے خدا تو ہمیں ایسا ہی بنا۔

اخلاص اور وفاداری کا انعام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہر مومن کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کا ولی بنتا ہے۔ لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بے شک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال نہیں جانتے، سینے کا علم تو خدا کو ہی ہے مگر انسان اپنی خیانت سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف نہیں تو پھر بیعت فائدہ دیگی نہ کچھ اور۔"

(ملفوظات جلد پنجم صا۷)

زندگی کی سب سے بڑی سعادت

(محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جج عالمی عدالت۔ دی ہیگ)

حال ہی میں ماہنامہ "نقوش" لاہور کا قریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل "آپ بیتی نمبر" شائع ہوا ہے۔ محترم ایڈیٹر صاحب "نقوش" نے محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے بھی آپ بیتی کے رنگ میں ایک مضمون رقم فرمانے کی درخواست کی تھی۔ مدیر محترم کے خط کے جواب میں چوہدری صاحب موصوف نے جو مکتوبِ گرامی اُن کے نام ارسال فرمایا اُسے اُنھوں نے "آپ بیتی نمبر" میں شائع کر دیا۔ یہ بیش قیمت مکتوب ماہنامہ "نقوش" کے شکریہ کے ساتھ ہم ذیل میں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ (ادارہ)

نیویارک
۲۴ ستمبر ۱۹۶۳ء

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب نقوش!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کے ارشاد مؤرخہ ۹ ستمبر کی تعمیل میں گزارش ہے کہ خاکسار بنام ظفر اللہ خاں سیالکوٹ میں ۶ فروری ۱۸۹۳ء مشیتِ ایزدی کے ماتحت خلعتِ حیات کے ساتھ نوازا گیا فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اللہ تعالیٰ کا مزید بے پایاں احسان یہ ہوا کہ خاکسار کے والدین سادہ، منکسر مزاج، بنی نوع اور خصوصاً مساکین و غرباء کے ہمدرد اور خادم تھے۔ شرک سے بیزار، اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے اور اُس سے ڈرنے والے، اپنے فرائض دینی اور دنیوی کی بجا آوری میں مستعد۔ میری والدہ بفضل اللہ صاحبۂ رؤیا و کشوف تھیں۔ دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند کہ خاکسار نہایت عاجز، عاصی اور تقصیروار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اِس نحیف، عاجز، ناتواں، عاصی بندہ پر اللہ تعالیٰ کے افضال و انعامات کی پیہم بارش کا ایک جاذب سبب خاکسار کی والدہ صاحبہ کی پُر درد پُر سوز دعائیں بھی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ

مبارک الجنۃ تحت اقدام اُمّھٰتکم کی حقیقت کو اپنی والدہ صاحبہ کے قدموں میں شناخت کیا۔ والدہ صاحبہ کے متواتر رؤیا و کشوف کے ذریعہ ہی خاکسار کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت نصیب ہوئی یعنی خاکسار نے ۱۴½ سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ سے وابستگی نصیب ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اب ستر سال کی عمر میں زندگی کی آخری منازل طے ہو رہی ہیں۔ دل کی حالت بیم و رجا کی ہے۔ اپنی خطاؤں اور تقصیروں کے تصور سے رُوح کانپتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں غفران و رحمت کے وعدوں سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عفو، بخشش، چشم پوشی اور ذرہ نوازی پر بھروسہ کئے ہوئے حافظ شیرازی کا ہمنوا ہوں ؎

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش بینم و تسلیم وے کنم

والسلام

خاکسار ظفر اللہ خان

(نقوش - آپ بیتی نمبر - جون ۱۹۶۴ء صہ ۹۶۲)

اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"تم اپنے سارے ہی قویٰ کو پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دو۔ جو جو کمی کسی قوت میں ہو اُسے اُس پان والے کی طرح جو گندے پان تلاش کر کے پھینک دیتا ہے اپنی گندی عادات کو نکال پھینکو اور سارے اعضاء کی اصلاح کر لو۔ یہ نہ ہو کہ نیکی کرو اور نیکی میں بدی ملا دو۔"

(ملفوظات جلد پنجم صہ ۱۲۵)

"ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا"

(المسیح الموعود)

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

"شتر بے مہار" کی ضرب المثل آپ نے سنی ہوگی، ایک ایسا اونٹ جو مہار کے بغیر ہو جادۂ استقامت پر نہیں چلتا بلکہ ادھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے اور اکثر اوقات راستہ گم کر بیٹھتا ہے۔ مومن جو ایک منظم جماعت کے افراد ہوں ان کی مثال با مہار اونٹوں کے گلہ کی سی ہے جو ہار کے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ انکی کوئی حرکت و سکون آزاد نہیں ہوتی بلکہ ایک نظام کے تحت ہوتی ہے۔ ان کے افعال اور اعمال ایک خاص تنظیم کے ماتحت ان سے سرزد ہوتے ہیں اور ان کے کان، ان کے ہاتھ، ان کی زبان اور دل و دماغ ایک مخصوص نہج پر کام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں تو یکساں طور پر اور کام کرتے ہیں تو ایک رنگ میں۔ وہ ایک اشارہ پر اُٹھتے اور ایک اشارہ پر بیٹھتے ہیں کیونکہ ان کی فلاح و نجات کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔ وہ تھوڑے ہو کر بہتوں پر غالب آجاتے ہیں، مشکلات کے باوجود کامیاب ہو جاتے ہیں اور کمزور اور بےبس ہونے کے باوجود منزلِ مقصود تک جا پہنچتے ہیں، اس طرح کہ بھیڑوں بکریوں کی طرح منتشر دنیا ان کے کارناموں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے اور ان کی ناچیز کوششوں کے شاندار نتائج کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

مومنوں کی منظم جماعت کا مدار تقویٰ پر ہوتا ہے وہ ہر بات سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ یہ تقویٰ کے خلاف تو نہیں اور ہر کام سے پہلے غور کرتے ہیں کہ کہیں یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب تو نہیں ہوگا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ انکی باتوں میں اثر پیدا کر دیتا ہے اور ان کے کاموں کو بابرکت بنا دیتا ہے۔ مومن تقویٰ ہی کو اپناتا اور اسی میں راحت محسوس کرتا اور سکون پاتا ہے۔ وہ تقویٰ ہی سے وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو بادشاہوں کو ان کے محلوں میں بھی نصیب نہیں ہوتا۔ راحت، مال و دولت سے نہیں بلکہ تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک متقی انسان ایک جھونپڑی میں بیٹھا ہوا وہ لذت و سرور اور آرام پا رہا ہوتا ہے جو دولت مندوں کو دولت کدوں میں بھی میسر نہیں آتا مگر تقویٰ کی راہ پر چلنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک متقی انسان اپنے اُوپر بہت سی پابندیاں عائد کر لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"معلوم کرنا چاہیئے کہ تقویٰ کے بہت سے شعبے ہیں جو عنکبوت کے تاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں تقویٰ تمام جوارح انسانی اور عقائد زبان اخلاق وغیرہ سے متعلق ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۴۲۲)

گویا تقویٰ تمام جوارح انسانی مثلاً آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں اور دل و دماغ پر ایک پابندی عائد کر دیتا ہے۔ ایک متقی انسان کی آنکھ کسی ایسی چیز پر نگاہ نہیں ڈالتی جسے دیکھنے کی خدا نے اجازت نہ دی ہو۔ اس کے کان کسی ایسی بات کے سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس کے سننے سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ اس کے ہاتھ کسی ایسی حرکت کے لئے تیار نہیں ہوتے جس سے خدا ناراض ہوتا ہو۔ اس کے پاؤں کسی ایسی جگہ جانے پر رضامند نہیں ہوتے جہاں جانے سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہو۔ اور اس کا دل اور دماغ کسی ایسے خیال کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا جو شیطانی خیال ہو اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اسی طرح وہ کسی ایسے خُلق کو اپنے اندر پیدا ہونے نہیں دیتا جو رحمانی صفات کے خلاف ہو۔

ان میں سے سب سے نازک معاملہ زبان کا ہے۔ ایک کلمۂ کفر تمام نیکیوں کو ضائع کرنے اور حبطِ اعمال کا باعث بن جاتا ہے اس لئے بات کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیئے کہ کہیں یہ تقویٰ کے خلاف تو نہیں، خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث تو نہیں، اس کی بنیاد شیطانی وسوسہ پر تو نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"زبان سے ہی انسان تقویٰ سے دُور چلا جاتا ہے، زبان سے تکبّر کر لیتا ہے اور زبان سے ہی فرعونی صفات آجاتی ہیں اور اسی زبان سے پوشیدہ اعمال کو ریاکاری سے بدل لیتا ہے اور زبان کا زیان بہت جلد ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۴۲۳)

ایک انسان جو رات بھر تہجد کے نوافل ادا کرنے اور ذکرِ الٰہی کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ اسے خدا کی، دین اور اس کا خاص فضل سمجھ کر دن کے وقت اُسکے حضور زیادہ جُھکے مگر بعض اوقات عبادت گزاری اور شب بیداری اس کے دل میں غرور کے جذبات پیدا کر دیتی ہے اور وہ اُس پر ناز کرتے ہوئے کبر سے کام لینا شروع کر دیتا ہے یا دوسروں پر رعب جمانے کے لئے ان کے سامنے اس کا اظہار کر دیتا ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ امر نہیں۔ یہ کبر اور ریاکاری اس کی نیکی کو ایک لمحہ میں ضائع کر دیتی ہے اور خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا باعث بن جاتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"نازک ترین معاملہ زبان سے ہے۔ بسا اوقات تقویٰ کو دُور کر کے ایک بات کہتا ہے اور دل میں خوش ہو جاتا ہے کہ مَیں نے یوں کہا اور ایسا کہا حالانکہ وہ بات بُری ہوتی ہے۔ مجھے اس پر ایک نقل یاد آئی ہے کہ ایک بزرگ کی کسی دنیادار نے دعوت کی۔ جب وہ بزرگ کھانا کھانے کے لئے تشریف لے گئے تو اس متکبّر دنیادار نے اپنے نوکر سے کہا کہ فلاں تھال لانا جو ہم پہلے حج میں لائے تھے اور پھر کہا دوسرا تھال بھی لانا جو دوسرے حج میں لائے تھے اور پھر کہا کہ تیسرے حج والا بھی لیتے آنا۔ اس بزرگ نے فرمایا تُو تو بہت ہی قابلِ رحم ہے ان تین فقروں میں تُو نے اپنے تینوں حجوں کا ستیاناس کر دیا۔ تیرا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ تُو اس

امر کا اظہار کرے کہ تو نے تین حج کئے ہیں"۔ (ملفوظات جلد اوّل ص۴۲۲)

ذرا غور فرمائیے تین حج ادا کرنے میں کتنا روپیہ اور کتنا وقت صرف ہوا ہوگا پھر ان تین حجوں کے ایام میں ذکر الٰہی اور عبادات میں اُس نے کتنا وقت گزارا ہوگا مگر تین حج ادا کرنے کا ثواب اُس نے دکھاوے کیلئے محض ایک لمحہ میں ضائع کر دیا۔ کتنا عظیم نقصان ہے جو اُسے محض ایک غیر محتاط بات کرکے برداشت کرنا پڑا اور کس قدر بدنصیب ہے وہ جس نے ان عظیم نیکیوں پر ایک لمحہ بھر میں پانی پھیر دیا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

"متقی اپنی زبان کو بہت ہی قابو میں رکھتا ہے۔ اُس کے مُنہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جو تقویٰ کے خلاف ہو۔ پس تم اپنی زبان پر حکومت کرو نہ یہ کہ زبانیں تم پر حکومت کریں اور اناپ شناپ بولتے رہو۔ ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت اسکے کہنے میں کہاں تک ہے۔ جب تک یہ نہ سوچ لو مت بولو۔ ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث اور فساد کا موجب ہو نہ بولنا بہتر ہے"۔ (ملفوظات جلد اوّل، حاشیہ ص۴۲۳)

پس ہم جو جماعت احمدیہ ایسے منظم سلسلہ میں منسلک ہیں اور ایک ہاتھ پر اپنا سب کچھ بیچ چکے ہیں ہمیں ہر وقت یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ ایک تنظیم سے وابستہ ہو کر ہم نے اپنے دل و دماغ، اپنی زبان اور دیگر جوارح پر ایک پابندی عائد کر لی ہے اس لئے ہمیں ہر آن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ ارشادات ملحوظِ خاطر رکھنے چاہئیں اور کوئی بات (اعتراض، نکتہ چینی یا اظہار رائے) غیر محتاط طور پر نہیں کرنی چاہیئے۔ بات کرنے سے پہلے بار بار سوچ لینا چاہیئے کہ اس میں سے ریا، تکبّر اور خود پرستی یا خود رائی کی بُو تو نہیں آتی، یہ بات نظامِ سلسلہ کے خلاف تو نہیں، اس سے کوئی فتنہ پیدا ہونے کا احتمال تو نہیں، یہ بات کسی فساد اور خرابی کے پیدا کرنے اور سلسلہ کے وقار کو صدمہ پہنچانے کا باعث تو نہیں ہوگی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں "ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث اور فساد کا موجب ہو نہ بولنا بہتر ہے" کہ یہی تقویٰ کا اقتضاء ہے۔

سلسلۂ نظام میں چھوٹے بڑے سب برابر ہوتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں سلسلۂ احمدیہ کا ایک پُرانا واقعہ یاد آگیا۔ استاذی المحترم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت میں بے حد عزّت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ایک بہت بڑے عالم اور ایک زبردست مناظر تھے۔ علم حدیث کے ماہر تھے۔ ناظر ضیافت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کی وجہ سے صدر انجمن احمدیہ کے ممبر تھے۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کو شدید عشق تھا جو آپ کی ہر حرکت و سکون سے عیاں تھا۔ یتیموں، بوڑھوں اور بیواؤں کی خبرگیری آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کے شب و روز قال اللہ اور قال الرسول کی نشر و اشاعت اور دینی کاموں میں انہماک ہی میں بسر ہوتے اور اسی میں آپ کو راحت نصیب ہوتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

سایۂ عاطفت میں آپ نے جوانی کے ایام گزارے۔ آپ کو نہ صرف حضور علیہ السلام کے صحابی ہونے کا فخر حاصل تھا بلکہ حضور علیہ السلام کے قرابت دار بھی تھے۔ احباب آپ کی باتوں کو شوق سے سنتے اور اُن پر سر دھنتے۔ حضرت میر صاحبؓ کی بات ان کے لئے حکم کا درجہ رکھتی جس کی تعمیل کو وہ سعادت جانتے۔ آپ غریبوں کے ملجأ اور یتیموں کے ماویٰ تھے۔ ان سب اوصافِ حمیدہ کے باوجود آپ اپنے تئیں سلسلہ کا ایک ادنیٰ رکن تصور کرتے۔ آپ ہر روز مغرب کی نماز کے بعد مہمان خانہ میں بخاری شریف کا درس دیتے جسے سُننے کے لئے دُور و نزدیک سے لوگ کثرت سے جمع ہوتے۔ درس کا انداز کچھ اس قدر دلچسپ اور دلکش ہوتا کہ اُسے سُن کر بے ساختہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کے جذبات دل میں موجزن ہوتے اور زبان سے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے الفاظ نکلتے۔ اس لئے کہ عشقِ رسولؐ آپ کی رگ رگ میں رچا ہوا تھا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ہر بات سے عیاں تھی۔ انہی درسوں میں سے ایک درس میں آپ سے ایک ایسی بات ہو گئی جس پر ناظر صاحب تعلیم نے آپ کو حکماً درس دینے سے روک دیا۔ حضرت میر صاحب موصوفؓ نے اسے اپنی ہتک قرار نہیں دیا بلکہ اپنے علم و فضل، ذاتی وجاہت، جماعت میں اثر و رسوخ، بے انتہا خدماتِ دینی، صحابیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے رشتہ داری کے تعلق کے باوجود فوراً اُس حکم کی تعمیل میں درس روک دیا اور اس وقت تک اُسے دوبارہ جاری نہیں کیا جب تک کہ نظارتِ تعلیم نے آپ کو اس کی اجازت نہیں دیدی۔

ملاحظہ فرمائیے! حضرت میر صاحبؓ ایک نیک کام کر رہے تھے، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دے رہے تھے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نیک کام سے مجھے کون روک سکتا ہے۔ نہیں بلکہ فوراً نظامِ سلسلہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ کیونکہ ایک نیک کام بھی اُسی وقت تک نیکی کہلاتا ہے جب تک اُس میں نفسانیت اور جذبات کی مغلوبیت کا رنگ نہ ہو۔ سلسلہ کے نظام میں جہاں نفسانیت، رعونت، تکبّر اور غرور آیا وہیں یہ ہلاکت کا موجب ہوا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے لئے نظامِ سلسلہ کے احترام کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم فرمایا ہے جس کی ہم میں سے ہر خورد و کلاں کو تقلید کرنی چاہیئے۔ بعض اوقات شیطان نیکی کے رنگ میں ایک امر کی تحریک کرتا ہے مگر وہ ہوتی بدی ہے اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو ہمیشہ نظامِ سلسلہ کے تقاضوں پر نظر رکھنی چاہیئے اور کبھی بھی شیطانی خیالات و وساوس کو دماغ پر نہیں آنے دینا چاہیئے کہ احمدیت اسی امر کی مقتضی ہے۔ ✣

دو کام کی باتیں

"اُردو ڈائجسٹ" کے شمارہ فروری ۱۹۶۴ء میں لبنان کے ایک نامور وکیل جناب حسن الامین کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا۔ جناب حسن الامین مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک کی سیاحت کر چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ پاکستان بھی آئے تھے۔ ان سے لاہور میں "اُردو ڈائجسٹ" کے مدیر مسئول جناب الطاف حسن قریشی ایم۔اے نے ملاقات کی۔ جو گفتگو ہوئی اسے انہوں نے "حسن الامین" کے زیرِ عنوان سپردِ قلم کیا۔ یہ ساری ہی گفتگو اوّل سے آخر تک بہت دلچسپ اور عبرت آموز ہے۔ اس گفتگو کو من وعن یہاں درج کرنا ہمارا مقصد نہیں البتہ دو نہایت ہی کام کی باتیں ایسی ہیں جن کی طرف توجہ دلانا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلی بات ان میں سے یہ ہے کہ جب جناب الطاف حسن قریشی نے ان سے دریافت کیا کہ —— "لبنان میں عورتیں کونسا لباس پہنتی ہیں ؟" —— تو انہوں نے کہا کہ "ہمارے ملک میں عورتیں نہیں ہیں"۔ اس جواب پر قریشی صاحب بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے! انہیں حیرت زدہ دیکھ کر جناب حسن الامین نے فرمایا:-

"تمہیں میرے جواب پر اتنی حیرت کیوں ہوئی۔ ہم عربی زبان میں خاتون کو عورت اس لئے کہتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھتی تھی۔ لیکن اب میرے ملک میں تمام کی تمام خواتین بے پردہ ہیں۔ میں انہیں "عورتیں" کیونکر کہہ سکتا ہوں —— کاش! کہہ سکتا"۔

دورانِ گفتگو میں اِس سوال کے جواب میں کہ —— "آپ کے ملک میں بے پردگی کا رواج کب سے شروع ہوا؟" —— انہوں نے فرمایا:-

"فرانسیسیوں سے اختلاط کے بعد شروع ہوا۔ بے پردگی نے مختلف مراحل آہستہ آہستہ طے کئے سب سے پہلے یہ بات سُننے میں آئی کہ چہرے اور ہاتھ کا پردہ ضروری نہیں۔ اِس خیال کے جڑ پکڑتے سے اونچے طبقہ کی خواتین کھلے چہرے گھروں سے باہر نکلنے لگیں۔ نقاب اُٹھ گیا۔ نقاب کے اُٹھ جانے کے بعد وہ چادر بھی غائب ہو گئی جس سے خواتین اپنے جسم کو چھپائے رکھتی تھیں۔ پھر سروں پر رومال باندھنے کا رواج چلا —— اور پھر آہستہ آہستہ یہ سب کچھ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گیا۔ آج ہماری نئی نسل جس طرف جا رہی ہے اس کے انجام کا تصوّر کر کے میں اکثر کانپ اُٹھتا ہوں —— جنسی

اختلاط جس تیزی سے بڑھ رہا ہے اُس کے پیش نظر یہ اندازہ لگا لینا کچھ مشکل نہیں کہ اگر پوری قوت سے اِس رُجحان کو نہ روکا گیا تو پاکدامن اور عفت مآب خاتون کا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا — بس یہ آخری مرحلہ باقی ہے۔ دیکھئے کس کی جیت ہوتی ہے اور کس کی ہار"

جب گفتگو آگے بڑھی تو انہوں نے اِس سوال کا — "آپ نے اُس وقت سے جدّ وجہد کیوں نہ شروع کی جب بے پردگی کا آغاز ہوا تھا؟" — جواب اِن الفاظ میں دیا:-

"علماء نے جدّ وجہد تو اُسی وقت کی تھی لیکن ان کی کوششیں مؤثر ثابت نہیں ہوئیں۔ بے حیائی کا سیلاب جس قوت سے اُبھر رہا تھا اُس کے آگے علماء مضبوط بند نہ باندھ سکے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جن قوتوں نے اُس وقت علماء کی مخالفت کی تھی اور بے پردگی کے حق میں بڑی جانفشانی سے کام کیا تھا آج وہ قوتیں بے حیائی کے خطرناک نتائج سے بُری طرح خائف ہیں لیکن وہ اب اپنے آپکو بے بس محسوس کر رہی ہیں۔ اب اُن کے لئے بھی دھارے کا رُخ موڑنا مشکل ہو گیا ہے"

جناب حسن الامین نے لبنان میں بے پردگی کی وجہ سے رونما ہونیوالی جس دردانگیز صورتِ حال پر روشنی ڈالی ہے اُس میں اُن اسلامی ممالک کے لئے جن کے ہاں مغربی تہذیب ابھی اپنا پورا اثر جمانے میں کامیاب نہیں ہوئی ہے ایک بہت بڑا سبق مضمر ہے۔ اور وہ سبق یہی ہے کہ مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کی موجودگی میں اِس خیال اور نظریہ کو بے ضرر خیال کرتے ہوئے اِسکی ترویج پر زور دینا کہ چہرے اور ہاتھوں کا پردہ ضروری نہیں، بے پردگی ہی نہیں بلکہ بے حیائی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اِس نظریہ کے جڑ پکڑنے کی دیر ہے کہ رفتہ رفتہ بے پردگی اور پھر اِسکی آڑ میں بے حیائی کا سیلابِ بلاخیز اُمڈ آتا ہے اور اِس شدت سے اُمڈ آتا ہے کہ پھر اُس کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں رہتا۔ بے پردگی کی وبا کو روکنے کا اصل اور مؤثر طریق یہی ہے کہ سِرے سے اِس نظریہ کو جڑ پکڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اِس نظریہ کو ابتداء ہی میں کُچل دینے میں سلامتی ہے بصورتِ دیگر لبنان کا سا حشر ہو کر رہے۔ جو مسلمان مغربی تہذیب کے زیرِ اثر اِس نظریہ کے قائل ہیں لبنان کی صورتِ حال کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ہم اِن کی خدمت میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دوسری بات جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں اسلامی ممالک کے اُن باشندوں سے تعلق رکھتی ہے جو مغربی ممالک میں جا آباد ہوئے ہیں۔ جناب حسن الامین نے مغربی ممالک میں اپنی سیاحت کے گوناگوں تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"تاثرات تو بے حد متنوع اور حیرت انگیز ہیں لیکن میں دو چار پر اکتفا کرتا ہوں۔ سب سے پہلے میں جنوبی امریکہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس علاقہ میں تقریباً نصف صدی پہلے شام اور لبنان سے

لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہجرت کر گئے۔ یہ مسلمان اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے پختہ مسلمان تھے۔ مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ نوجوان بڑی حد تک اسلام سے بے گانہ ہو گئے ہیں۔ یہ مہاجرین عربی رسالے نکالتے تھے۔ اِن رسالوں میں سے ہر دوسرے تیسرے سال ایک رسالہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ عربی جاننے والوں کی تعداد میں معتد بہ کمی آتی جا رہی ہے۔ یہ اِس لئے ہو رہا ہے کہ وہاں کے مسلمانوں نے عیسائی خواتین سے شادیاں کر لی ہیں۔ یہ عورتیں ان مسلمانوں کے معاشرے مذہب اور کلچر پر اس شدت سے اثر انداز ہوئی ہیں کہ اُن کا اپنا ڈھانچہ تقریباً تقریباً گر چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دس سال کے بعد میں اُس علاقہ میں جاؤں تو وہاں مجھے کوئی سلام کرنیوالا نہیں ملے گا"

کِس قدر عبرتناک ہے عرب ممالک کے اُن مسلمانوں اور اُن کی آئندہ نسلوں کی حالت جو مغربی ممالک میں جا کر آباد ہوتے ہیں۔ وہ ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد کے مصداق بن کر اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا دین ایمان سب کچھ گنوا بیٹھے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غور کا مقام ہے کہ یہ لوگ اُس اُمت کے افراد ہیں جسے خدا تعالیٰ نے خیر امت قرار دیا ہے اور اِس لئے قرار دیا ہے کہ اُن پر یہ عظیم الشان فرض عائد کیا گیا ہے کہ یہ لوگ دوسری اقوام و ملل کو اُس ہدایت کی طرف بلائیں جس پر خدا نے اُنہیں اپنے فضل سے قائم فرمایا ہے۔ بجائے اِس کے کہ یہ جس قوم میں جا کر آباد ہوئے تھے اسے اپنے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرتے خود اُس کے رنگ میں رنگین ہو کر اُسی کی طرح بے دین ہو گئے۔ تنزل وادبار اور خود دین سے بے رغبتی کا اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا۔ ایک قرونِ اولیٰ کے وہ مسلمان تاجر تھے جنہوں نے اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ کر تجارت کے ساتھ ساتھ مشرق کے دُور دراز علاقوں میں کروڑوں کروڑ انسانوں کو دولتِ ایمان عطا کی اور ملک کے ملک اسلام کے نور سے منوّر کر دکھائے اور ایک اِس زمانے کے یہ "ماڈرن مہاجر" ہیں کہ دوسروں کو اسلام میں داخل کرنا تو کجا خود گمراہی و ضلالت میں پھنستے چلے جا رہے ہیں اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طاغوت کے حوالے کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اسلامی ملکوں سے جو لوگ مغربی ممالک میں جا کر آباد ہوتے ہیں وہ دین کی اصل رُوح سے عاری ہوتے ہیں، اسلام کا کوئی درد اور اس کے لئے کوئی غیرت ان میں نہیں ہوتی، وہ یکسر مرعوبیّت کا ایک شدید احساس لے کر محض مادی آسائشوں کے لالچ میں وہاں جاتے ہیں اور پھر مادی آسائشوں میں ہی غرق ہو کر رہ جاتے ہیں۔

آجکل دیگر اسلامی ممالک کی تقلید میں پاکستان سے بھی لوگ بہت بڑی تعداد میں مغربی ممالک میں جا جا کر آباد ہو رہے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ ان کے لئے بہت خوف کا مقام ہے۔ اگر وہ کوشش بھی کریں تو شاید خود اپنا ایمان بچانے میں کامیاب ہو سکیں اپنی آئندہ نسلوں کو وہ کسی صورت بھی شیطان کے چنگل میں جانے سے نہیں بچا سکتے۔ اِس

خطرہ سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہی لوگ دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہوں جو اسلام کا حقیقی درد اپنے سینوں میں رکھتے ہوں۔ محض دُنیا کمانا ان کے مدِنظر نہ ہو بلکہ اسلام کی خدمت کو وہ اپنا مطمحِ نظر بنائیں اور اُن علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ صرف اور صرف اِسی صورت میں وہ نہ صرف اپنے دین و ایمان اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ سکتے ہیں بلکہ خود وہاں غلبۂ اسلام کی راہ ہموار کرنے میں نہایت قابلِ قدر خدمت بجالانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

چونکہ فی زمانہ احمدی نوجوان بھی خاصی تعداد میں مغربی ممالک میں جا کر آباد ہوئے ہیں انہیں بہت زیادہ چوکس و ہوشیار اور مستعد و بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک خدائی جماعت کے افراد ہونے کی حیثیت میں جسے خدا نے اِس زمانہ میں غلبۂ اسلام کی خاطر ہی قائم فرمایا ہے اُن کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھیں بلکہ وہاں کے لوگوں تک پیغامِ حق پہنچا کر انہیں اسلام کا والہ و شیدا بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ٹھہریں گے اور بے اندازہ اجرو ثواب اور افضال و انعامات سے نوازے جائیں گے بصورتِ دیگر خود اپنا ایمان ضائع کرنے ہی کی ذمہ داری اُن پر نہ ہوگی بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کی گمراہی و ضلالت کا مواخذہ بھی انہیں سے ہوگا۔ پس بیرونی ممالک میں جا کر آباد ہونیوالے احمدی نوجوانو! ڈرو، اپنے مقام اور اپنی ذمہ داری کو سمجھو اور اسے ادا کرنے میں دن رات ایک کر دکھاؤ ایسا نہ ہو کہ عدالت کے دن عنداللہ قابلِ مواخذہ ٹھہرو اور خسران مبین میں مبتلا ہو کر دردناک عذاب کا مزہ چکھو۔ اللّٰھم انصر من نصر دین محمدٍ صلّی اللہ علیہ وسلّم وجعلنا منھم۔ اٰمین۔

اِسلام کی پاکیزہ تعلیم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں :-

"اسلامی پردہ سے مُراد زندان نہیں بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہوگا ٹھوکر سے بچیں گے۔ . . . اسلامی تعلیم کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ جس نے مرد و عورت کو الگ رکھ کر ٹھوکر سے بچایا اور انسان کی زندگی حرام اور تلخ نہیں کی۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۴، ۳۵)

بچوں کا صفحہ

خدا تعالیٰ کے نام

(محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی۔ لاہور)

دنیا میں ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے تمہارے ماں باپ نے بھی تمہارا نام رکھا ہے۔ تمہارے بھائی بہنوں کے بھی نام ہیں اور تمہارے ماں باپ، چچا، ماموں کے بھی نام ہیں۔ تمہارے شہر میں جتنے آدمی رہتے ہیں سب کا کوئی نہ کوئی نام ہے۔ اسی طرح خدا کا بھی ایک نام ہے اور وہ نام ہے "اللہ"

اللہ کے سوا خدا کے اور بھی بہت سے نام ہیں مگر وہ سب نام صفاتی ہیں۔ یعنی ان سے خدا کی کوئی نہ کوئی صفت اور قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں سے یہاں ہم تمہیں صرف چار بڑے بڑے ناموں کا حال سناتے ہیں۔

(۱) پہلا صفاتی نام ہمارے خدا کا رَبُّ الْعَالَمِیْن ہے یعنی تمام جہانوں کی ہر چیز کو بنانے اور پرورش کرنیوالا اور ہر شے کو بڑھانے اور ترقی دینے والا۔ زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے، سمندر کے بیچ میں اور اسکی تہ میں، آسمانوں اور ستاروں میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں جسے خدا نے نہ بنایا ہو۔ یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ تمام چھوٹے چھوٹے جانور، یہ ہرے بھرے باغ، اور یہ اونچے اونچے پہاڑ، غرض ہر چیز کا بنانے والا ہمارا پیارا خدا ہے اور کوئی نہیں۔

(۲) خدا کا دوسرا نام رَحْمٰن ہے یعنی وہ ہم پر بڑی مہربانی کرنیوالا ہے۔ اسنے یہ مہربانی ہمارے کسی کام کے بدلے میں ہم پر نہیں کی بلکہ خود ہی اس نے ہمیں ہر طرح کی نعمتیں دیں۔ سب سے بڑا احسان اس کا یہ ہے کہ اس نے ہمیں آدمی بنایا۔ اس نے ہمارے سانس لینے کے لئے ہوا، پینے کے لئے پانی، رہنے کے لئے زمین، کھانے کے لئے اناج، آرام کے لئے رات، کام کے لئے دن، اور روشنی کے لئے سورج بنایا۔ اور یہ سب چیزیں اس نے ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے پیدا کیں۔

(۳) تیسرا نام خدا کا رَحِیْم ہے۔

اِس نام کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہم پر ایسا مہربان ہے کہ جب ہم کوئی کام کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں تو وہ ہم پر مہربانی کر کے ہمارا کام بنا دیتا ہے۔ ہم دن رات کوشش کر کے پڑھتے اور امتحان دیتے ہیں تو وہ ہمیں پاس کر دیتا ہے ہم بیمار ہوتے ہیں اور دوا علاج کرتے ہیں تو وہ ہم پر رحم کر کے ہمیں اچھا کر دیتا ہے۔ ہم اپنے باغ میں کوئی پودا لگاتے ہیں تو وہ اسے تھوڑے دنوں میں پورا درخت بنا دیتا ہے۔ ہم اپنی کیاری میں کچھ بوتے ہیں تو کچھ دنوں بعد وہ اُس میں سے ترکاریاں پیدا کرنی شروع کر دیتا ہے۔

(۴) چوتھا صفاتی نام خدا کا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ اِس نام کا مطلب یہ ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ اُس کے سارے بندے اچھے اور نیک کام کریں۔ کوئی بھی آدمی بُرا کام نہ کرے جو اچھے کام کرے گا خدا اُسے انعام دے گا۔ جو بُرے کام کرے گا خدا اُسے سزا دے گا۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے یہ معنی بھی ہیں کہ خدا جس کو چاہے اچھے کام کا بہت زیادہ انعام دیدے۔ جس کے گناہ چاہے معاف کر دے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اِس نے ایسا کیوں کیا؟ وہ چاہے رحم کرے، چاہے انعام دے، چاہے سزا دے۔ اُسے ہر بات کا پورا اختیار ہے۔ (ایمان کی باتیں)

شانِ اِسلام

(حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام)

اسلام سے نہ بھاگو، راہِ ہُدیٰ یہی ہے　　اے سونے والو جاگو، شمسُ الضُّحیٰ یہی ہے

مجھ کو قسم خُدا کی، جس نے ہمیں بنایا　　اَب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

دُنیا کی سب دُکانیں ہیں ہم نے دیکھی بھالیں　　آخر ہُوا یہ ثابت، دارُالشّفا یہی ہے

دُنیا میں اِس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت　　پی لو تم اِس کو یارو آبِ بقا یہی ہے

اِسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج
پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن، بلا یہی ہے

(دُرِّ ثمین)

اہم مرکزی اعلانات

ضلع خیرپور کی مجالس انصار اللہ کا تربیتی اجتماع

مکرم ناظم صاحب اعلیٰ سابق صوبہ سندھ نے اطلاع دی ہے کہ ضلع خیرپور کی مجالس انصار اللہ کا تربیتی اجتماع ۲۵-۲۶ جولائی کو بمقام گوٹھ غلام محمد منعقد ہو رہا ہے۔ قرب و جوار کے انصار کو چاہیئے کہ وہ اس اجتماع میں شامل ہو کر اجتماع کی روحانی برکات سے مستفیض ہوں۔ علمائے کرام کی تقاریر کے علاوہ اجتماع میں ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور دیگر بزرگانِ سلسلہ کی تقاریر بھی سُنائی جائیں گی انشاء اللہ۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

مجالس انصار اللہ جائزہ لیں

انصار اللہ کو علم ہے کہ ہمارے مالی سال کا نصف گزر چکا ہے اس لئے ہمارے بجٹ آمد کا نصف لازمی طور پر وصول ہو جانا چاہیئے تھا۔ زعماء اور عہدہ داران سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں اس بات کا جائزہ لیں کہ ان کے بجٹ کے مقابلہ پر نصف چندہ وصول ہو کر مرکز میں پہنچ چکا ہے یا نہیں۔ اگر اس میں کسی وجہ سے کمی رہ گئی ہو تو اُسے پورا کرنے کی تدبیر کی جائے۔

(قائد مال انصار اللہ مرکزیہ)

اشاعتِ لٹریچر اور انصار اللہ کا فرض

وہ روحانی خزائن جو ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں اُن کا حق کے متلاشیوں تک پہنچانا انصار اللہ کے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس سلسلہ میں بہت عمدہ کام ہو رہا ہے جس قدر لٹریچر انصار اللہ کی طرف سے شائع ہوا ہے اسے بہت پسند کیا گیا ہے اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اشاعتِ لٹریچر کا چندہ لازمی چندوں میں سے ہے اور اس کی شرح ایک روپیہ فی رکن ہے۔ زعماء صاحبان کوشش کریں کہ اِس مد کا پورا چندہ اِس ماہ میں وصول ہو کر مرکز میں پہنچ جائے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(قائد مال انصار اللہ مرکزیہ)

تعمیر فنڈ انصار اللہ

مجلس شوریٰ انصار اللہ میں تمام نمائندگان کے مشورہ سے طے ہوا تھا کہ اِس سال تعمیر فنڈ کے لئے اراکین تین ہزار روپے جمع کریں۔ یہ تین ہزار کی رقم اراکین سے اِس طرح وصول کرنی ہے کہ ہر رُکن سے کچھ نہ کچھ رقم حسبِ استطاعت ضرور لی جائے۔ عہدہ داران نے اِس فنڈ کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ اِس نوٹ کے ذریعہ جملہ زعماء کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اِس فنڈ کے لئے رقوم جمع کر کے مرکز میں بھجوا دیں۔ بعض ضروری تعمیری کام روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے رُکے ہوئے ہیں۔

(قائد مال انصار اللہ مرکزیہ)

مجالس انصار اللہ چندہ نہ روکیں!

بعض مجالس انصار اللہ وصول شدہ چندہ مرکز میں بھجوانے کی بجائے اس لئے روک لیتی ہیں کہ مزید چندہ وصول ہو جائے تو کثیر رقم مرکز میں بھجوائی جائے۔ یہ طریق درست نہیں۔ ہر ماہ جس قدر رقم وصول ہو وہ بلا تاخیر مرکز میں روانہ کر دینی چاہیئے۔ اس کا آئندہ خیال رکھیں اور رقم روکیں نہیں۔

(قائد مال انصار اللہ مرکزیہ)

بلند پایہ تربیتی مجلّہ

ماہنامہ "انصار اللہ" ایک بلند پایہ تربیتی رسالہ ہے، اس کا ہر احمدی گھرانے میں پہنچنا از حد ضروری ہے۔ اگر آپ ابھی تک اس کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی سالانہ چندہ چھ روپے ارسال کر کے اسکی خریداری قبول فرمائیں۔

(مینیجر ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ)

صدق اور خدمت کا یہ آخری موقعہ ہے
بدقسمت ہے وہ جو اس موقعہ کو کھو دے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''مردانہ زندگی یہی ہے کہ اس زندگی پر فرشتے بھی تعجب کریں - وہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اس کی استقامت ، اخلاص ، اور وفاداری تعجب خیز ہو - خدا تعالی نامرد کو نہیں چاہتا - اگر زمین وآسمان بھی ظاہری اعمال سے بھر دیں لیکن ان اعمال میں وفا نہ ہو تو ان کی کچھ بھی قیمت نہیں - کتاب اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان صادق اور وفادار نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی نمازیں بھی جہنم ھی کولے جانے والی ہوتی ہیں - جب تک پورا وفادار اور مخلص نہ ہو ریاکاری کی جڑ اندر سے نہیں جاتی - لیکن جب پورا وفادار ہو جاتا ہے اس وقت اخلاص اور صدق آتا ہے اور وہ زہریلا مادہ نفاق اور بزدلی کا جو پہلے پایا جاتا ہے دور ہو جاتا ہے -

اب وقت تنگ ہے - میں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی جوان یہ بھروسہ نہ کرے کہ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر ہے اور ابھی بہت وقت باقی ہے - تندرست اپنی تندرستی اور صحت پر ناز نہ کرے - اسی طرح اور کوئی شخص جو عمدہ حالت رکھتا ہے وہ اپنی وجاہت پر بھروسہ نہ کرے - زمانہ انقلاب میں ہے - یہ آخری زمانہ ہے - اللہ تعالی صادق اور کاذب کو آزمانا چاہتا ہے - اس وقت صدق و وفا دکھانے کا وقت ہے اور آخری موقع دیا گیا ہے - یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا - یہ وہ وقت ہے کہ تمام نبیوں کی پیشگوئیاں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں - اس لئے صدق اور خدمت کا یہ آخری موقع ہے جو انسان کو دیا گیا ہے - اب اس کے بعد کوئی موقع نہ ہوگا - بڑا ہی بدقسمت وہ ہے جو اس موقع کو کھو دے ''

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۴ء)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا -

جلد ۵ اگست ۱۹۶۴ء شمارہ ۸

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اگست سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ۶/ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مقامِ ذی شان کی رفعت	ایڈیٹر	۳
عظیم الشان آسمانی بشارات اور کشوف و الہامات	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۵
وَمِنَ الشُّمُوْمِ عَدَاوَۃُ الصُّلَحَاءِ (عربی نظم)	" " "	۲۲
فدایت جانم اے جانِ محمدؐ (فارسی نظم)	" " "	۲۳
مَیں ہی پسرِ موعود اور موعود جانشین ہوں	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۲۴
مہتم بالشان خلافتِ ثانیہ	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم-اے	۳۳
سیدنا محمود کا مقام حضرت خلیفہ اوّلؓ کی نظر میں	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم-اے	۴۰
بچوں کے صفحات:-		
خوش نصیبی کی انتہاء	ایڈیٹر	۴۶
مسیحِ پاکؑ کا لختِ جگر (نظم)	درثمین	۴۷
اہم مرکزی اعلانات	قائدین مجالس مرکزیہ	۴۸

ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی - ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۸

۱۵؍ اگست ۱۹۶۴ء

خلافتِ موعودہ اور اُس کا رفیع الشّان موعود خلیفہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مقامِ ذی شان کی رفعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے بموجب چودھویں صدی کے اوائل میں جب اسلام "لم یبق من الاسلام اِلّا اسمہ' ولم یبق من القراٰن اِلّا رسمہ' " کا مصداق بن کر انتہائی ضعف کی حالت کو پہنچ گیا اور مغرب کی عیسائی اقوام اور اُن کی آڑ میں عیسائیت کے دنیا بھر میں غالب آجانے سے اُس کے یکسر کالعدم ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دی ہوئی بشارت کے عین مطابق حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود کی حیثیت سے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت کی غرض یہی تھی کہ آپ اسلام کو از سرِنو زندہ کرکے اپنی خداداد قوتِ قدسیہ اور عظیم الشان تجدیدی مہم کے ذریعہ اسے رُوئے زمین پر غالب کرنے کی ایک ایسی مستحکم بنیاد قائم کر دکھائیں کہ جس کے نتیجہ میں اسلام دنیا میں آگے ہی آگے بڑھتا اور پھیلتا چلا جائے۔ آپ نے اپنا یہ مفوّضہ کام ایک درد مند اور فدائیِ اسلام جماعت کے قیام، ادیانِ باطلہ کی تردید اور اسلام کی صداقت پر مشتمل عظیم الشان لٹریچر کی اشاعت، اور تازہ بتازہ آسمانی نشانوں کے پیہم ظہور کی شکل میں اس قدر مہتم بالشان طریق پر ادا فرمایا اور اسلام کو اِس طور پر سربلند کر دکھایا کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اُٹھے اور سب کو ہی یہ محسوس ہونے لگا کہ فی الحقیقت اسلام ایک عظیم الشان صداقت اور ناقابلِ تسخیر طاقت کا حامل ہے، اِس کا کالعدم ہونا تو کجا یہ ایک دفعہ پھر دنیا میں غالب آکر رہے گا۔

جب احیاء و غلبۂ اسلام کا یہ عظیم الشان کارنامہ جو تخم ریزی کے طور پر تھا آپ انجام دے چکے اور

منشائے ایزدی کے ماتحت آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر اپنی جماعت کو اپنے بعد قدرتِ ثانیہ کی شکل میں خلافت کے آسمانی نظام کے قیام اور اس کے قیامت تک جاری رہنے کی بشارت دی۔ آپ نے فرمایا میرے ہاتھوں جس پودے کی تخم ریزی ہوئی ہے خلافت کے ذریعہ وہ پودا بڑھیگا اور پھلے پھولے گا کوئی اسے بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روک نہیں سکے گا، وہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا ہی چلا جائے گا یہاں تک کہ میرے قائم کردہ سلسلہ کے ذریعہ اسلام پوری دنیا میں غالب آکر اس دنیا کو حقیقی امن و سلامتی اور صلح و آشتی سے ہمکنار کردے گا۔ اس وقت دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا یعنی اسلام، ایک ہی رسول ہو گا یعنی **محمد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک ہی کتاب ہوگی یعنی قرآن مجید کی بے مثال و لازوال شریعت۔ اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی دی ہوئی اس عظیم الشان بشارت کے مطابق آج روئے زمین پر صرف جماعتِ احمدیہ ہی ایک ایسی جماعت ہے جسے خدا تعالیٰ نے خلافت جیسی عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور وہ اس نعمت کے طفیل ایک ہاتھ پر جمع اور بنیان مرصوص کی طرح متحد ہو کر اشاعت و غلبہ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہے اور کمال درجہ تندہی اور جانفشانی سے دنیا بھر میں اس فریضہ کو منظم طور پر بجا لانے میں ایک نمایاں امتیاز اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اس نمایاں امتیاز اور منفرد حیثیت میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔ روئے زمین پر وہی اور صرف وہی ایک جماعت ہے جس کے سرفروش مجاہدینِ اسلام دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا عَلَم بلند کئے ہوئے ہیں اور ہر رنگ و نسل کی قوموں کو اسلام کی عافیت بخش آغوش میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کو یہ نمایاں امتیاز اور منفرد حیثیت نظامِ خلافت کی عظیم الشان برکات کے طفیل ہی ملی ہے اور آئندہ بھی اس کے لئے جو ترقیات مقدر ہیں وہ اسی آسمانی نظام کے طفیل اسے ملیں گی اور قیامت تک ملتی چلی جائیں گی۔ پس نظامِ خلافت کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کی قدر کرنا اور نسلاً بعد نسلٍ اس کے ساتھ وابستہ رہنے کا عہد باندھتے اور اس عہد کو پورا کرتے چلے جانا ہماری ایک نہایت اہم اور سب سے مقدم ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کو خلافت جیسی عظیم الشان نعمت سے نوازنے کے علاوہ اسی تعلق میں اس پر ایک اور عظیم الشان احسان فرمایا اور وہ یہ کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بشارت بھی دی کہ خود آپ ہی کی نسل اور ذریت میں سے ایک ایسا صاحبِ عظمت شخص منصبِ خلافت پر فائز ہو کر آپ کا جانشین ہوگا جو آپ کی برکات کے نور کو دوبارہ دنیا میں پھیلائے گا۔ یہ بشارت اس امر کی آئینہ دار تھی کہ وہ خلیفہ ہی نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوگا اور اس حیثیت سے بھی اسے ایک خاص اور امتیازی شان حاصل ہو گی۔ اس موعود

خلیفہ کی تعیین کے سلسلہ میں آپؑ نے واضح فرمایا کہ وہی پسر موعود جو خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان ہوگا، جو فضل اور احسان کا نشان ہوگا، جو فتح اور ظفر کی کلید ہوگا، جو صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا، جو اپنے مسیحی نفس سے لوگوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا، جو رُوح الحق کی برکت اپنے ساتھ رکھتا ہوگا، جو کلمۃ اللہ ہوگا اور کلمہ تمجید سے بھیجا جائے گا، جو سخت ذہین و فہیم اور دل کا حلیم ہوگا، جو علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا، جو تین کو چار کرنے والا ہوگا، جو فرزند دلبند گرامی ارجمند ہوگا، جو مظہر الاوّل والآخر اور مظہر الحق والعلاء ہوگا، جس کا آنا کان اللہ نزل من السماء کا مصداق ہوگا، جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا، جو نور ہوگا اور سراپا نور، جو رضائے الٰہی کے عطر سے ممسوح ہوگا، جس میں خدا اپنی روح ڈالے گا یعنی جو وحیٔ الٰہی کا مورد ہوگا، جس کے سر پر خدا کا سایہ ہوگا، جو جلد جلد بڑھے گا، جو اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا، جو زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا، جس سے قومیں برکت حاصل کرینگی، جس کا نفسی نقطہ آسمان ہوگا، جو فخرِ رسل ہوگا، جس کی ظاہری اور باطنی برکتیں تمام جہان میں پھیلیں گی، جو عالم کباب ہوگا یعنی جس کے زمانہ میں بڑی بڑی جنگیں ہوں گی، جو اولوالعزم ہوگا، جو روح القدس کی برکات کا حامل ہوگا، جو حسن و احسان میں مسیح موعود کا نظیر ہوگا اور جس کے ذریعہ سے خود مسیح موعود کی برکتیں دوبارہ دنیا میں ظاہر ہوں گی ـــــ وہی پسر موعود اپنی ان عظیم الشان صفات کے ساتھ موعود خلیفہ بھی ہوگا۔

چنانچہ سبز اشتہار میں آپؑ نے یہ واضح فرمایا کہ انزالِ رحمت اور روحانی برکت بخشنے کے دو عظیم الشان طریقے ہیں اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی مصیبت اور غم و اندوہ نازل کرکے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔ دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ائمہ اولیاء اور خلفاء کا نزول ہے جن کی اقتداء سے لوگ راہِ راست پر قائم ہوکر اور جن کے نمونے پر اپنے تئیں بنا کر نجات پاتے ہیں۔ انزالِ رحمت کے یہ دو طریق واضح کرنے کے بعد آپ نے لکھا کہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ میری اولاد کے ذریعہ سے انزالِ رحمت کے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔ انزالِ رحمت کی پہلی شق بشیر اوّل کے آنے اور وفات پانے سے اس طرح ظاہر ہوئی کہ صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھلے۔ اب انزالِ رحمت کی دوسری شق کی تکمیل کے لئے جس کی رُو سے کسی ولی اللہ، امام اور خلیفہ کا ظہور مقدر ہے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا جس کا نام محمود ہوگا اور یہ وہی پسر موعود ہوگا جو ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے بموجب اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ سبز اشتہار کا یہ حصہ جس میں آپ نے انزالِ رحمت کے دو طریق واضح فرما کر پسر موعود کے قریب مستقبل میں پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر کیا ہے صاف اِس امر پر دال ہے کہ پسر موعود مصلح موعود ہونیکے علاوہ موعود خلیفہ بھی ہوگا کیونکہ اُس کا آنا انزالِ رحمت کی دوسری شق کے ماتحت ہے

جس کی رُو سے خدا تعالیٰ کسی امام یا خلیفہ کو دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ لوگ اُس کی اقتداء سے راہِ راست پر آئیں اور اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات یافتہ ٹھہریں۔ پھر آپ کو مصلح موعود کے متعلق ایک کشف میں یہ نظارہ دکھایا گیا کہ مسجد کی دیوار پر پسرِ موعود کا نام "محمود" لکھا ہوا ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ پسرِ موعود جماعت کا امام اور خلیفہ ہوگا کیونکہ رؤیا میں مسجد دیکھنے کی تعبیر جماعت ہی ہوتی ہے۔ آپ نے بعد ازاں "تریاق القلوب" میں اس کشف کو شائع کر کے اپنے فرزندوں میں سے سب سے بڑے فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کو اس کشف کا مصداق قرار دیا۔ اسی طرح آپؑ نے اپنی کتاب "حقیقۃ الوحی" میں مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی یتزوج ویولد لہ' کا مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس سے یہی مراد ہے کہ مسیح موعود کی اولاد میں سے ایک ایسا شخص ہوگا جو اس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی حمایت کریگا آپؑ نے یہ بھی لکھا کہ خود میری پیشگوئیوں میں بھی ایسے فرزند کی ولادت کا ذکر آچکا ہے جو میرا جانشین ہوگا۔ جانشین سے مراد یہی ہے کہ پسرِ موعود مصلح موعود ہونے کے ساتھ ساتھ جماعت کا امام اور خلیفہ بھی ہوگا۔

آپؑ کے کشوف و الہامات اور اِن جملہ تحریرات میں خلافت کے عمومی وعدہ کے علاوہ خاص طور پر مصلح موعود کے لازماً خلیفہ بننے کی بشارت دی گئی ہے۔ لہذا اِس امر میں قطعاً کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ مصلح موعود اپنی عظیم الشان موعودہ صفات کے ساتھ موعود خلیفہ بھی ہے اور اپنی ذات میں دو شانوں کا حامل ہے اور یہ دونوں شانیں اپنی اپنی جگہ اُس کی عظمت اور خاص امتیازی نشان پر دلالت کرتی ہیں۔ پس جماعتِ احمدیہ کے لئے یہ خاص فخر کا مقام ہے کہ ایک طرف اسے خلافت کے قیام اور اُس کے تاقیامت اجراء کے عمومی وعدہ سے نوازا گیا اور دوسری طرف اسے ایک عظیم الشان موعود خلیفہ کے ظہور کی بشارت دی گئی۔ جو اُس موعود خلیفہ کو اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے دوسرے خلفاء سے ممتاز کرنے والی ہے۔

یہ امر ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہے کہ جماعتِ احمدیہ میں نظامِ خلافت کے قیام سے متعلق آسمانی بشارتوں کے یہ دونوں پہلو نہایت شان کے ساتھ پورے ہو کر احمدیت کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرنے کا موجب بنے۔ جہاں حکیم الامت حاجی الحرمین حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلیفہ اوّل منتخب ہونے سے قیامِ خلافت کا عمومی وعدہ پورا ہوا اور جو حسبِ وعدہ الٰہی قیامت تک پورا ہوتا چلا جائے گا وہاں پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے منصبِ خلافت پر فائز ہونے سے موعود خلیفہ کے ظہور کا وعدہ بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا اور اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ گزشتہ پچاس سال سے برابر پورا ہوتا چلا آرہا ہے اور جس کے نتیجہ میں

ہم دنیا بھر میں ایک عظیم الشان روحانی انقلاب رونما ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان روحانی انقلاب ہے جس کے ہم ہی نہیں ایک زمانہ قائل و معترف ہے۔

جہاں تک خلافت کے عمومی وعدے کا تعلق ہے اس وعدہ کے مطابق جماعت احمدیہ میں ظاہر ہونیوالے تمام خلفاء جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب خلافت کے وقت سے لیکر قیامت تک ظاہر ہوتے چلے جائیں گے عمومی وعدہ خلافت کے موجب ایک رنگ میں موعود خلفاء ہی ہیں اور ہوں گے اور بلا استثناء اُن سب کی اطاعت یکساں طور پر واجب ہے اور آئندہ بھی ہوگی۔ ان کی اطاعت سے سرمُو انحراف یا اُن میں امتیاز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اطاعت کے لحاظ سے تمام دوسرے خلفاء کے ساتھ یکساں حیثیت رکھنے کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو مرتبہ و مقام اور شان و احتشام کے لحاظ سے ایک امتیاز حاصل ہے اور وہ امتیاز آپ کی ذات کے ساتھ ہی خاص ہے۔ وہ امتیاز یہ ہے کہ آپ ایک خاص رنگ میں موعود خلیفہ ہیں یعنی آپ وہ خاص خلیفہ ہیں جن کے ظہور کی خلافت کے عمومی وعدہ سے علاوہ شخصی طور پر بشارت دی گئی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ پسر موعود کی حیثیت میں پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق بھی ہیں اور اپنی اس حیثیت میں" آپ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے بعد اُن نوادر شخصیات میں سے ہیں جن کی زندگی کے سارے پروگراموں، محیّر العقول کارناموں، پاکیزہ سیرت اور ہمہ گیر اوصاف کی تفصیلات سے خود ربّ العالمین نے عرش عظیم سے اپنی مقدس وحی اور الہامات کے ذریعہ معمورۂ عالم کو آگاہی بخشی۔ آپ کے روشن کارنامے اور آپ کی پاکیزہ سوانح حیات تاریخ عالم کا ایک نہایت شاندار اور مستقل حصہ ہیں۔ اور جس طرح آپ کی پاکیزہ اور اولو العزمانہ قابل تقلید زندگی موجودہ مومنین صادقین کے لئے مشعل ہدایت اور موجب ازدیاد ایمان ہے اسی طرح یہ آنے والی نسلوں میں عظیم الشان قوت عمل پیدا کرتی رہے گی۔"
(الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء)

ان امتیازی خصائص، عظیم الشان صفات اور محیّر العقول کارناموں کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا روحانی مقام اور عظمت و جلالت شان خلافت احمدیہ کے عمومی وعدہ کے تحت ظاہر ہونیوالے خلفاء سے بلند، بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ کے مقام کی رفعت اور امتیازی حیثیت اس سے ہی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہامات کے ذریعہ آپ کو حسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظیر قرار دیا اور آپ کے حق میں كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فرما کر آپ کے آنے کو استعارہ کے رنگ میں خود اپنا آنا ٹھہرایا۔ یہ دو امر ہی اتنے عظیم الشان ہیں کہ ان سے آپ کے مقام کی رفعت ظاہر و باہر ہے اور وہ یہی ہے کہ اگرچہ آپ مامور نہیں لیکن آپ کا مقام ماموریت کے مقام سے بہت زیادہ قریب ہے یعنی آپ کا مقام ماموریت اور خلافت کے مابین ہوتے ہوئے ماموریت سے نیچے اور عمومی خلافت سے بہرحال اُوپر ہے۔ یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت اور بیّن صداقت

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو آپ کے اس مقام سے آگاہ کرنے کے لئے جماعت کے متعدد اصحاب پر رؤیا و کشوف کے ذریعہ اس کا انکشاف فرمایا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ذیل میں ہم جماعت کے دو مقتدر بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا کشف جو انہوں نے عین عالم بیداری میں دیکھا اور ایک بزرگ کا خواب درج کرتے ہیں۔

محترم جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر مرحوم ہوم سیکرٹری حیدر آباد اسٹیٹ مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے۔ قیام خلافت ثانیہ کے اوائل میں وہ اس گمان میں مبتلا ہو گئے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنی نوعمری کے باعث خلافت کی عظیم ذمہ داری کو نبھا نہ سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ابتداءً وہ مولوی محمد علی صاحب کی طرف مائل تھے اور مسئلہ نبوت کے بارہ میں بھی کسی حد تک انہیں ہی حق پر سمجھتے تھے لیکن تھے ابھی گومگو کی حالت میں، اور کوئی فیصلہ نہ کر پاتے تھے۔ وہ اپنے شکوک رفع کرنے کی غرض سے ۱۹۱۶ء میں قادیان آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے طویل ملاقات کی لیکن شکوک رفع نہ ہوئے اور تذبذب کی حالت قائم رہی۔ انہی دنوں ایک روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نماز مغرب پڑھانے کے بعد مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے، بعض احباب حضور کے ہاتھ پاؤں دبا رہے تھے۔ نواب صاحب حضور کے سامنے فاصلہ پر بیٹھے بغور حضور کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عین بیداری کی حالت میں انہوں نے ایک نظارہ دیکھا۔ دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور کے پیچھے نمودار ہوئے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وجود میں سما گئے ہیں۔ اس وقت انہیں یوں محسوس ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وجود میں دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مجلس میں جلوہ افروز ہیں۔ اس کشفی نظارہ کا دیکھنا تھا کہ طرفۃ العین میں ان کے سب شکوک جاتے رہے اور دل اس یقین سے بھر گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہی حسن و احسان میں حضرت مسیح موعودؑ کے نظیر ہیں اور خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کی برکتوں کو دوبارہ ظاہر کرنے کے لئے ہی آپ کو خلافت کا منصب عطا فرمایا ہے۔ خود محترم نواب صاحب مرحوم اس کشفی نظارہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:۔

"بعد ازاں اسی دن شام کو جبکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مسجد مبارک کی چھت پر بعد نماز مغرب امامت کے مصلےٰ پر ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے تھے اور کئی لوگ حضور کے ہاتھ اور پاؤں داب رہے تھے میں آپ کے سامنے کچھ فاصلہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ آپ بھی آنکھیں نیچے کئے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ میں کھلی آنکھوں سے سامنے بیٹھا ہوا آپ کو دیکھ رہا تھا۔ نہ میں نے کوئی مراقبہ کیا تھا نہ گردن جھکائی تھی کہ دفعۃً میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی پشت پر نمودار ہوئے اور میرے دیکھتے دیکھتے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اندر اس طرح سما گئے جس طرح کوئی ہتھیار

اپنے نیام میں سماجاتا ہے۔ جس وقت مَیں نے یہ نظارہ دیکھا اُس وقت مَیں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بالکل نوعمر ہیں، ابھی علم و تجربہ، ذاتی وجاہت اور وقار بھی اتنا حاصل نہیں ہوا ہے جو خلافت جیسے اہم ترین مقام کے لئے موزوں ہو، جماعت کا کام اور احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ بڑا اہم اور مشکل کام ہے اور تجربہ کار لوگ آپ سے علیحدہ ہو چکے ہیں، یہ اتنا بڑا کام آپ کیونکر سنبھال سکیں گے۔ غالباً میرے اِس تفکر اور اندیشہ کے جواب میں وہ نظارہ مجھے دکھایا گیا اور اس نظارہ کے ذریعہ سے میرے دل میں یہ اذعان پیدا کیا گیا کہ گویا اپنی جماعت کا کام خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی انجام دے رہے ہیں اگرچہ بظاہر کاروبار کی باگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی میرزا بشیر الدین محمود احمد (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے ہاتھوں میں ہے۔"

(الفضل خلافت جوبلی نمبر مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۴۰)

دوسرا کشف یا خواب حیدر آباد دکن کے حضرت مولانا محمد سعید صاحب مرحومؓ کا ہے جو انہوں نے خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں جب خدائی انکشاف کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے باذن اللہ مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا اُس سے پہلے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؓ وفات پا چکے تھے تاہم مکرم سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے حضور کو اُن کے کشف یا خواب سے اطلاع دی۔ انہوں نے لکھا۔

"حضرت مولانا محمد سعید صاحب آج اگر اِس دنیا میں ہوتے تو وجد کرتے۔ یقیناً قبر میں اب اُن کی رُوح وجد کر رہی ہو گی۔ حضور والا کو غالباً مجھ سے زیادہ ان کا خواب یا کشف معلوم ہے جس میں اُنہوں نے زمانہ خلافتِ اوّل میں یہ دیکھا تھا کہ حضور ایک بلند مینار پر چڑھ رہے ہیں جس پر صالحین، شہداء، صدیقین و نبیین کے مدارج و مقامات مقرر ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ اور خود حضرت مولوی صاحب مرحومؓ صدیقیت کے مقام پر جا کر جم گئے مگر حضور اس بلند مینار پر بجد و جہد جس طرح چڑھ رہے ہیں اردگرد کے مخلصین گلاب کے پھول آپ پر بکثرت نچھاور کر رہے ہیں۔ آخر میں دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک سے پسینے کا تقاطر ہو رہا ہے مولوی صاحب نے پسینے کے قطرے لے ایک شیشی میں جمع کر کے سونگھے تو گلاب کی بو آئی اور خوشبو آئی۔ بالآخر حضور صدیقیت سے اُوپر نبوت، وصدیقیت کے مقام کے درمیان یا نبوت کے پرتو کے نیچے پہنچ گئے۔ حضرت مرحوم کو اِس کشف یا خواب کے بعد حضور کے بلند مراتب اور مقامِ محمود کا اِس قدر یقین تھا کہ جماعت کو اور اپنے اہل بیت کو بار بار یہ کہتے تھے کہ جب تک فضلِ عمر کی دعائیں شاملِ حال

نہ ہوں بیڑا پار نہیں ہو سکتا۔" (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۴۴ء)

جماعت کی دو مقتدر اور بزرگ ہستیوں کے یہ رؤیا و کشوف جو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہم نے یہاں درج کئے ہیں اس امر کو روز روشن کی طرح عیاں کر رہے ہیں کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بیک وقت مصلح موعود اور موعود خلیفہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص اور امتیازی شان کے حامل ہیں اور ان دو رفیع الشان درجات کے آپ کی ذات والا صفات میں جمع ہونے سے آپ کو عند اللہ جو مقام حاصل ہے وہ خلافتِ احمدیہ کے عمومی وعدہ کے تحت منصبِ خلافت پر متمکن ہونے والے دوسرے موعود خلفاء سے آپ کو ایک نمایاں امتیاز بخشنے والا ہے اور وہ مقام ماموریت کے پرتو کے نیچے خلافت کے مقام سے بالا ہے۔

پھر یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے اس رفیع الشان مقام کا عرفان بعض صحابہ مسیح موعودؑ اور دیگر مقتدر ہستیوں کو تو رؤیا و کشوف کے ذریعہ دے دیتا اور خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام اور شانِ خلافت سے آگاہ نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ نے خود آپ پر آپ کے مقام کی یہ رفعت ظاہر فرمائی اور آپ کو اپنے اس مقام کا دنیا کے سامنے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے متعدد مواقع پر اذنِ الٰہی کے ماتحت اپنے اس مقام اور اس کی رفعت کو علی الاعلان دنیا پر ظاہر فرمایا۔ آپ نے ۱۹۳۶ء میں مجلس مشاورت کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے صاف اور واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میں صرف خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں اور اس حیثیت سے میرا مقام عام خلافت سے بالا ہوتے ہوئے ماموریت اور خلافت کے درمیان ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

(۱) "اس وقت ہماری جماعت کے لئے تو خلافت کا ہی سوال نہیں دو اور سوال بھی ہیں، ایک قربِ زمانہ نبوت کا سوال اور دوسرا موعود خلافت کا سوال۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو ہر خلیفہ کے ماننے والے کو نہیں مل سکتیں۔ آج سے دو سو سال بعد بیعت کرنے والوں کو یہ باتیں حاصل نہیں ہو سکیں گی۔ اس زمانے کے عوام تو الگ رہے خلفاء بھی اس بات کے محتاج ہونگے کہ ہمارے قول، ہمارے عمل اور ہمارے ارشاد سے ہدایت حاصل کریں۔ ہماری بات تو الگ رہی وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ آپ لوگوں کے قول، آپ لوگوں کے عمل، اور آپ لوگوں کے ارشاد سے ہدایت حاصل کریں۔ وہ خلفاء ہوں گے مگر کہیں گے زید نے فلاں خلافت کے زمانہ میں یوں کہا تھا ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ پس یہ صرف خلافت اور نظام کا ہی سوال نہیں بلکہ ایسا سوال ہے جو مذہب کا سوال ہے۔ پھر صرف خلافت کا سوال نہیں بلکہ ایسی

خلافت کا سوال ہے جو موعود خلافت ہے، الہام اور وحی سے قائم ہونے والی خلافت کا سوال ہے۔ ایک خلافت تو یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے خلیفہ منتخب کراتا ہے اور پھر اسے قبول کر لیتا ہے۔ مگر یہ ویسی خلافت نہیں یعنی میں اس لئے ہی خلیفہ نہیں ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں۔ میں مامور نہیں مگر میری آواز خدا تعالیٰ کی آواز ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقام ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۸،۱۷)

اس تعلق میں یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان ۱۹۳۶ء میں فرمایا جبکہ ابھی آپ پر براہِ راست خدا کی طرف سے یہ انکشاف نہیں ہوا تھا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے حقیقی مصداق ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدائی الہامات کی رُو سے آپ کا موعود خلیفہ ہونا ہی اپنی ذات میں ایسے رفیع الشان مقام پر دلالت کرتا ہے کہ جو عام خلافت سے بالا ہوتے ہوئے ماموریت کے پرتو کے نیچے ایک بلند تر مقام ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف بھی ہو گیا کہ مصلح موعود کی عظمت و شان کے بھی آپ ہی حامل ہیں اور آپ ہی مصلح موعود ہیں، تو پھر آپ کے مقام کا عمومی خلافت کے مقام سے ہر طور بلند ہونا اور بھی زیادہ اظہر من الشمس ہو گیا اور اس بارہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔

اس کے بھی ایک سال بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک خطبۂ جمعہ میں احبابِ جماعت کو یہ یاد دلاتے ہوئے کہ آپ صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ خدائی الہامات کے بموجب موعود خلیفہ ہیں انہیں باور کرایا کہ ایسے موعود خلیفہ کی اطاعت کا انہیں عند اللہ زیادہ ثواب ملے گا اور اس بناء پر وہ غیر معمولی رنگ میں خدائی تائید و نصرت سے نوازے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۲) "یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو دیکھتے ہوئے میں انسانوں پر انحصار نہیں کر سکتا۔

اور تم بھی یہ نصرت اس طرح حاصل کر سکتے ہو کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ اور ایسا کرنے میں صرف خلیفہ کی اطاعت کا ثواب نہیں بلکہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب تمہیں ملیگا۔ اور اگر تم کامل طور پر اطاعت کرو تو مشکلات کے بادل اُڑ جائیں گے، تمہارے دشمن زیر ہو جائینگے اور فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت و سطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ راگست ۱۹۳۷ء مطبوعہ الفضل ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

اسی خطبہ میں آپ نے اپنے مقام کی رفعت ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی واضح فرمایا کہ آپ نے اپنا یہ مقام خود اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے اِذن اور حکم کے ماتحت ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :-

(۱۳) "اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اُٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا، تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔ بے شک میں نبی نہیں ہوں لیکن میں نبوت کے قدموں پر اور اس کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہر جاتا ہے۔ جو میرا جُوا اپنی گردن سے اُتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو اُن کا جُوا اُتارتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا جُوا اُتارتا ہے۔ میں بے شک انسان ہوں خدا نہیں ہوں مگر میں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ مجھے جو بات کہنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے میں اُسے چھپا نہیں سکتا۔" (الفضل ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات، ولادت سے بھی قبل دی ہوئی آسمانی بشارات، خدائی حکم کے ماتحت خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے واضح اعلانات اور متعدد بزرگانِ سلسلہ کے تائیدی رؤیا و کشوف سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور اس پر بفضل اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کے ایک ایک فرد کا ایمان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مصلح موعود اور موعود خلیفہ ہونے کی ہر دو حیثیتوں کے اعتبار سے عند اللہ روحانی طور پر بہت بلند مقام پر فائز ہیں اور خلافتِ احمدیہ کے عمومی وعدہ کے تحت منصبِ خلافت پر فائز ہونے والے دیگر خلفاء کے بالمقابل آپکو ایک نہیں کئی نمایاں اور خصوصی امتیازات حاصل ہیں۔ اسی لئے ان کے مرتبہ و مقام سے آپ کا مرتبہ و مقام زیادہ

بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ایسے صاحبِ مرتبت اور مقدس و بابرکت وجود روز روز دُنیا میں نہیں آتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایسے عالی مقام اور رفیع الشان موعود خلیفہ کے پَیرو ہونے کی حیثیت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم خود اپنے مقام اور اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھیں اور اپنے قول و فعل کو اُس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا موعود خلیفہ ہونا حضور کے بلند مرتبہ و مقام پر دلالت کرتا ہے وہاں (جیسا کہ ۱۹۳۶ء کی مجلس مشاورت کی محولہ بالا تقریر میں حضور نے خود فرمایا ہے) اِس سے حضور کے پَیرو ہونے کی حیثیت میں ہمارے اپنے مقام کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ آنے والے خلفاء اور اُن کے پَیرو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات کو ہی نہیں بلکہ حضور کے متبعین کے قول و فعل کو بھی سند قرار دیکر اس کی پَیروی کریں گے۔ اس لحاظ سے اگر ہم دیکھیں اور سمجھیں تو ہمارا مقام ہی بڑا نہیں ہے بلکہ ہماری ذمہ داری اس سے بھی زیادہ بڑی اور عظیم ہے۔ وہ ذمہ داری یہی ہے کہ ہم حضور کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بناتے ہوئے اپنے قول اور اپنے فعل کو ایسا بنائیں کہ وہ فی الحقیقت آنے والی نسلوں کے لئے مثال اور نمونے کا کام دے سکے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو آنے والی نسلیں ہم پر محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کریں گی اور اگر خدانخواستہ ہم نے لغزش کھائی تو پھر ہم خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لیکر راندۂ درگاہ تو ہوں گے ہی آنے والی نسلیں بھی ہم پر نفرین بھیجیں گی کہ انہوں نے ایسے عالی مقام اور رفیع الشان موعود خلیفہ کا عہد پایا لیکن افسوس اس کی قدر نہ کی اور نافرمانی کے مرتکب ہو کر خدا کی جناب سے دھتکار دیئے گئے۔

اِس میں شک نہیں کہ اطاعت تمام خلفاء کی یکساں فرض ہے اور اُس میں تفریق و امتیاز کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لیکن اِس میں بھی شک نہیں ہے کہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب بہر حال زیادہ ہے اور اس کی نافرمانی زیادہ گرفت اور سزا کا مستوجب بنانے والی ہے۔ اِسی لئے ۲۷ اگست ۱۹۳۷ء کے محولہ بالا خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ اگر تم اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ گے تو تمہیں خلیفہ کی اطاعت کا نہیں موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب ملے گا، غیر معمولی تائید و نصرت سے تم نوازے جاؤ گے، فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت و سطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے۔ پس ہمارے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی عظمت و جلالت شان کو ہر آن ملحوظ رکھیں، حضور کے وجود باجود کی دل و جان سے قدر کریں اور پھر حضور کے پیرو ہونے کی حیثیت میں خود اپنے مقام کو بھی پہچانتے ہوئے حضور کے ہر حکم کو بجا لائیں اور اطاعت و فرمانبرداری میں وہ

مقام حاصل کریں کہ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا، ہمارا کھڑا ہونا اور چلنا، ہمارا بولنا اور خاموش ہونا حضور کے ارشادات و فرمودات اور اشاروں کے ماتحت ہو۔

کامل اطاعت و فرمانبرداری کے علاوہ دوسری اہم ذمہ داری جو اِس ضمن میں ہم پر عائد ہوتی ہے وہ اتحاد و یگانگت ہے کیونکہ حضور ایدہ اللہ نے ۱۹۳۶ء کی مجلسِ مشاورت میں جب موعود خلیفہ ہونے کی حیثیت میں اپنے مقام اور مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے احباب کو اُن کی عظیم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی تھی تو اطاعت کے ساتھ ساتھ باہمی اتحاد و یگانگت پر بھی بہت زور دیا تھا اور فرمایا تھا کہ صرف نظام کا اتحاد ہی کافی نہیں ہے بلکہ جماعت کا متحد الخیال ہونا بھی ضروری ہے۔ ہم حضور کی اِس نصیحت پر ہی اپنے اِس مقالہ کو ختم کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"یہ موقع (یعنی موعود خلیفہ کا بابرکت و مقدس زمانہ) ایسا نہیں ہے کہ جماعت اسے اکارت جانے دے اور پھر بھی خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو جائے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اِسی طرح یہ بات بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔ ۔ ۔ ۔ پس ضرورت ہے اِس بات کی کہ جماعت **متحد الخیال** ہو کہ خلیفہ کو اپنا ایسا استاد سمجھے کہ جو بھی سبق وہ دے اُسے یاد کرنا اور اس کے لفظ لفظ پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھے۔ اتحادِ خیالات کے ساتھ قومیں بہت بڑی طاقت حاصل کر لیا کرتی ہیں ورنہ نظام کا اتحاد بھی فائدہ نہیں دیتا جب تک اتحادِ خیالات نہ ہو۔ پس جب تک اتحادِ خیالات پیدا کرنے کی ہم کوشش نہیں کرتے وہ نتائج نہیں دیکھ سکتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے مقدر ہیں۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صـ ۱۹)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے رفیع الشان مرتبہ و مقام کو ہر آن ملحوظ رکھنے، حضور کے وجودِ باجود کی دل و جان سے قدر کرنے اور جماعتی لحاظ سے پوری طرح متحد الخیال ہو کر حضور کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم آنے والی نسلوں کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ آمین یا ربّ العالمین +

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بلند مرتبہ و مقام کے متعلق

عظیم الشان آسمانی بشارات اور کشوف و الہامات

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان صفات والے فرزند کی بشارت دی اور بذریعہ کشوف و الہامات اس کے محیر العقول کارناموں سے بھی آگاہ فرمایا نیز یہ اطلاع بھی بخشی کہ یہ پسرِ موعود ہی مصلح موعود اور موعود خلیفہ ہوگا اور اپنی ان ہر دو حیثیتوں میں عنداللہ بہت رفیع الشان اور بلند مرتبہ کا حامل ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر اپنے متعدد اشتہارات اور تصانیف میں اپنے فرزند دلبند گرامی ارجمند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو ان جملہ بشارتوں اور الہامات کا مصداق ٹھہرایا اور پھر بعد کے واقعات نے ایک ایک آسمانی بشارت، کشف اور الہام کو آپ کے وجود میں عملاً پورا بھی کر دکھایا۔ یہ سب آسمانی بشارات جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ کی امتیازی شان اور بہت بلند مرتبہ و مقام کی آئینہ دار ہیں ترتیب وار ذیل میں شائع کی جارہی ہیں۔ (ادارہ)

مصلح موعود کی بشارت اور اُس کے الہامی الفاظ

"بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزّ و جلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں، اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں، اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو، اور تا حق اپنی تمام

برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے، اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں، اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کأنّ اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امرًا مقضیًا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

پیشگوئی مصلح موعود کی عظمت و اہمیت

(۱) "اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلّ شانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مُردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و افضل و اکمل ہے۔" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

(۲) "اس جگہ بفضلہ تعالیٰ و احسانہ و ببرکت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی

برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ سو اگرچہ بظاہر یہ نشان احیاء موتی کے برابر معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ نشان مُردوں کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ بہتر ہے۔ مُردہ کی بھی رُوح ہی دُعا سے واپس آتی ہے اور اس جگہ بھی دُعا سے ایک رُوح ہی منگائی گئی ہے مگر اُن رُوحوں اور اِس رُوح میں لاکھوں کوسوں کا فرق ہے۔" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

(۳) "صریح دلی انصاف ہر ایک انسان کا شہادت دیتا ہے کہ ایسی عالی درجہ کی خبر جو ایسے نامی اور اخص آدمی کے تولد پر مشتمل ہے انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے اور دُعا کی قبولیت ہوکر ایسی خبر کا ملنا بے شک یہ بڑا بھاری آسمانی نشان ہے نہ یہ کہ صرف پیشگوئی ہے۔" (اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء)

ولادتِ مصلح موعُود کی میعاد

(۱) "ابھی تک جو ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء ہے ہمارے گھر میں کوئی لڑکا بجز پہلے دو لڑکوں کے جن کی عمر ۲۰-۲۲ سال سے زیادہ نہیں، پیدا نہیں ہوا لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الہٰی ۹ سال کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔"
(اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

(۲) "الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اور بیان کیا کہ بعض لڑکے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے دیکھو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء۔ سو مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا پیدا ہوگیا اور فوت بھی ہوگیا۔ اور دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اُس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

مصلح موعود کا الہامی نام

"مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اُس کا بشیر ثانی بھی ہے۔" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

مصلح موعود کی ولادت باسعادت، بچپن اور جوانی

(۱) "خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام

محمود بھی ہوگا اور اِس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہوگا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹؍ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ بروز شنبہ اِس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہوگیا ہے۔"

(اشتہار ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء الموسوم بہ "تکمیل تبلیغ")

(۲) "سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اُس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔ چنانچہ اب تک ہمارے مخالفوں کے گھروں میں صدہا یہ سبز رنگ کے اشتہار پڑے ہوئے ہوں گے اور ایسا ہی دہم جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار بھی ہر ایک کے گھر میں موجود ہوں گے۔ پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پہنچ چکی اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ باقی نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء کو مطابق ۹؍ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا اور اس کے پیدا ہونے کی میں نے اُس اشتہار میں خبر دی ہے جس کے عنوان پر "تکمیل تبلیغ" موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے۔" (تریاق القلوب صد ۴۲ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۳) "پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم کئے گئے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب **نویں سال میں ہے۔**" (سراج منیر صلا۳ مطبوعہ مئی ۱۸۹۷ء)

(۴) "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارہ میں یہ بشارت ہے — دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں — یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ ۷ کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے۔" (حقیقۃ الوحی صد ۳۶ مطبوعہ مئی ۱۹۰۷ء)

مصلح موعود روح القدس کی برکات کا حامل اور خدا کا محبوب ہوگا

(۱) "خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی

نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں رُوح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا اور مظہر الحق والعلاء ہوگا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۶)

(۲) "بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا ۞ جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا ۞ دکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اِک دل کی غذا دی
فسبحان الّذی اخزی الاعادی"

(آمین مطبوعہ سنہ ۱۹۰۱ء)

(۳) "پیشگوئیوں کے مجموعی الفاظ یہ ہیں کہ بعض لڑکے فوت بھی ہوں گے اور ایک لڑکا خدا تعالیٰ سے ہدایت میں کمال پائے گا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۵۰)

مصلح موعود کو مثیلِ مسیح کا مرتبہ حاصل ہوگا

(۱) "اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری عالتِ موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں (مثلاً مسیح موعود کے دمشق میں نزول کی حدیث۔ ناقل) محمول کیا جائے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے ذریعہ سے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیلِ مسیح کا مرتبہ رکھتا ہوگا...... اُس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۴۶ تا صفحہ ۱۴۱)

(۲) "خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کرے گا۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السّماء۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۵۶)

مصلح موعود مسیح موعود کا جانشین اور موعود خلیفہ ہوگا

(۱) "میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر

اُس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور مَیں نے مسجد کی دیوار پر اُس کا نام لکھا ہُوا یہ پایا کہ "محمود"۔ تب مَیں نے اِس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۴۰)

(یاد رہے خواب میں مسجد دیکھنے کی تعبیر جماعت ہوتی ہے۔ اِس خواب کا صاف مطلب یہ ہے کہ مصلح موعود جماعت کا امام اور خلیفہ ہوگا۔ ناقل)

(۳) سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتزوّج و یولد لہٗ کے مقدس الفاظ میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیشگوئی مصلح موعود مندرجہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا ذکر کرنے کے بعد اِس حدیث کی تشریح میں فرمایا:۔

"فَفِیْ ھٰذَا اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ اللّٰہَ یُعْطِیْہِ وَلَدًا صَالِحًا یُشَابِہُ اَبَاہُ وَلَا یَأْبَاہُ وَیَکُوْنُ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ الْمُکْرَمِیْنَ۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۷۸ حاشیہ)

(یعنی اِس حدیث میں اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مسیح موعود کو ایک فرزند صالح عطا فرمائے گا اور یہ فرزند صالح اپنے باپ مسیح موعود سے صورت و سیرۃ میں مشابہ ہوگا اور اس کا منکر نہیں ہوگا بلکہ خدا سے عزت یافتہ بندوں میں سے ہوگا۔)

(۳) اور حقیقۃ الوحی میں اِسی حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے بتایا کہ صورت و سیرۃ میں مشابہ ہونے اور خدا سے عزت یافتہ ہونے سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اُس کی نسل سے ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اُس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آ چکی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۲)

(۴) "خدا تعالیٰ کے انزالِ رحمت اور روحانی رحمت بخشنے کے لئے بڑے عظیم الشان دو طریقے ہیں:۔

(۱) اوّل یہ کہ کوئی مصیبت اور غم و اندوہ نازل کرکے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولے جیسا کہ اُس نے خود فرمایا ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ

قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ یعنی ہمارا یہی قانونِ قدرت ہے کہ ہم مومنوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈالا کرتے ہیں اور صبر کرنے والوں پر ہماری رحمت نازل ہوتی ہے اور کامیابی کی راہیں اُنہی پر کھولی جاتی ہیں جو صبر کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسالِ مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اُن کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پاجائیں۔

سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعے سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔ پس اوّل اُس نے قسم اوّل کے انزالِ رحمت کے لئے بشیر کو بھیجا تا بشّر الصابرین کا سامان مومنوں کے لئے تیار کرکے اپنی بشیریت کا مفہوم پورا کرے سو وہ ہزاروں مومنوں کے لئے جو اس کی موت کے غم میں محض للہ شریک ہوئے بطور فرط کے ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کا شفیع ٹھہر گیا اور اندر ہی اندر بہت سی برکتیں اُن کو پہنچا گیا..... دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی (یعنی ارسالِ مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء۔ ناقل) اس کی تکمیل کیلئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا جیسا کہ بشیر اوّل کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائیگا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا یخلق اللّٰہ ما یشاء۔" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء حاشیہ)

خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو

جب بشیر اوّل کی وفات کے بعد بعض لوگوں پر ابتلاء کی ظلمت وارد ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصلحِ موعود کے بلاتوقّف پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئیگی۔" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

عربی منظوم کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَمِنَ السُّمُوْمِ عَدَاوَةُ الصُّلَحَاءِ

(نیکوں کی دشمنی منجملہ زہروں کے بدتر زہر ہے)

يَا لَاعِنِيْ اِنَّ الْمُهَيْمِنَ يَنْظُرُ ۔۔۔ خَفْ قَهْرَ رَبٍّ قَادِرٍ مَّوْلَائِیْ

اے مجھ پر لعنت کرنے والے غالب خدا دیکھتا ہے ۔۔۔ میرے مولیٰ قادر و رب کا خوف کر۔

اَلْحَقُّ لَا يُصْلٰى بِنَارِ خَدِيْعَةٍ ۔۔۔ اَنّٰى مِنَ الْخُفَّاشِ خُسْرُ ذُكَاءٍ

آتشِ فریب سے حق سوزاں نہیں ہو سکتا۔ ۔۔۔ کیا شپر کے حسد سے آفتاب کو خسارہ ہو سکتا ہے

لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ نَفْسِكَ شِقْوَةً ۔۔۔ يُلْقِيْكَ حُبُّ النَّفْسِ فِي الْخَوْقَاءِ

بدبختی سے خواہشاتِ نفس کی پیروی مت کر۔ ۔۔۔ محبتِ نفس تجھے ہلاکت کی غار میں ڈال دے گی۔

اِنَّ السُّمُوْمَ لَشَرُّ مَا فِي الْعَالَمِ ۔۔۔ وَمِنَ السُّمُوْمِ عَدَاوَةُ الصُّلَحَاءِ

تمام عالم میں بدتر چیز زہر ہے۔ ۔۔۔ اور نیکوں کی دشمنی منجملہ زہروں کے بدتر زہر ہے پس ڈر

اَللّٰهُ يُخْزِيْ حِزْبَكُمْ وَيُعِزُّنِيْ ۔۔۔ حَتّٰى يَجِيْءَ النَّاسُ تَحْتَ لِوَائِیْ

اللہ تعالیٰ تمہارے گروہ کو رُسوا کریگا اور مجھے عزت دیگا ۔۔۔ یہاں تک کہ سب لوگ میرے جھنڈے تلے آجائیں گے۔

يَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا بِكَرَامَةٍ ۔۔۔ يَا مَنْ يَّرٰى قَلْبِيْ وَلُبَّ لِحَائِیْ

اے ہمارے رب مہربانی فرما اور ہمارے درمیان فیصلہ فرما ۔۔۔ اے وہ ذات جو میرے دل اور مغز اور پوست کو دیکھتا ہے

يَا مَنْ اَرٰى اَبْوَابَهٗ مَفْتُوْحَةً ۔۔۔ لِلسَّائِلِيْنَ فَلَا تَرُدَّ دُعَائِیْ

اے خدا میں سائلوں کے لئے تیرے در کھلے دیکھتا ہوں۔ اے خدا میری دُعا ردّ نہ کر اور قبول فرما۔

(انجام آتھم)

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فدایت جانم اے جانِ محمدؐ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تجھ پر میری جان فدا ہو)

توجانِ ما منوّر کردی از عشق — فدایت جانم اے جانِ محمدؐ

تُو نے عشق کی وجہ سے ہماری جان کو روشن کر دیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تجھ پر میری جان فدا ہو۔

دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ — نباشد نیز شایانِ محمدؐ

اگر اِس راہ میں سَو جان سے قربان ہو جاؤں تو بھی مجھے یہ افسوس رہیگا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے شایان نہیں ہے

چہ ہیبت ہا بداد ندایں جواں را — کہ ناید کس بہ میدانِ محمدؐ

اِس جوان کو کس قدر رعب دیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر میدان میں کوئی بھی نہیں آتا

اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ — بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہوجا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر!!

رہِ مولیٰ کہ گُم کردند مردم ! — بجو در آل و اعوانِ محمدؐ

خدا کے اس راستہ کو جسے لوگوں نے بھلا دیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور انصار میں ڈھونڈ۔

اَلا اے منکر از شانِ محمدؐ — ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

اے وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپؐ کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے خبردار ہوجا۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است — بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اگرچہ کرامت اب ہر جگہ مفقود ہے مگر تُو آ اور اُسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

"وہ پسرِ موعود جس نے حضرت مسیح موعود کا جانشین بننا تھا میں ہی ہوں"

"خدا نے مجھے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے مطابق خلافت کے مقام پر کھڑا کیا ہے"

"جو لوگ تکبّر اور اِباء کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلیں گے وہ ملکوتی صفات کے مالک ہوں گے"

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے اپنے موعود خلیفہ ہونے کا پُرشکوہ اعلان

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسرِ موعود کے متعلق متعدد بشارات دی تھیں اُن میں سے ایک بشارت یہ بھی تھی کہ پسرِ موعود ہی مصلح موعود اور موعود خلیفہ ہوگا اور اِس بنا پر عند اللہ بہت بلند مرتبہ و مقام اور امتیازی شان کا حامل ہوگا۔ خود حضور علیہ السلام کی تعیین کے بموجب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے وجود میں یہ جملہ بشارتیں پوری ہوئیں۔ آپ حسبِ بشارات موعودہ خلافت کے مقام پر فائز ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رؤیا اور الہام خاص کے ذریعہ براہِ راست آپ پر یہ انکشاف بھی فرمایا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں۔ چنانچہ آپ نے خدائی حکم کے ماتحت متعدد مواقع پر اپنے بلند مرتبہ و مقام اور امتیازی شان کا اعلان فرمایا۔ آپ کا بلند روحانی مقام اور امتیازی شان واضح کرنے کے لئے آپ کے ایسے ہی بعض اعلان جو ادارتی مقالہ میں پیش کردہ اعلانوں کے علاوہ ہیں ذیل میں ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

حضرت مسیح موعود کا موعود جانشین میں ہی ہوں

۱۹۴۴ء کے اوائل میں جب اللہ تعالیٰ نے ایک رؤیا کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پر یہ انکشاف فرمایا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود اور دیگر متعلقہ بشارات کے مصداق ہیں تو حضور نے اُس سال جلسہ سالانہ پر ایک نہایت ہی پُرمعارف تقریر میں احبابِ جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے پُرشکوہ انداز میں فرمایا:-

(۱) "یہ رؤیا ۷،۸ جنوری ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا جس سے یہ بات آسمانی

طور پر مجھ پر ظاہر ہو گئی کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک بیٹے کے متعلق فرمائی تھی، اور جس کے متعلق یہ تعیین فرمائی تھی کہ ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء سے ۹ سال کے عرصہ کے اندر اندر پیدا ہو جائے گا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ اُسے آپ کا جانشین بنائے گا، اُس سے آپؑ کے کام کی تکمیل کرائے گا، اور اُس کے وجود میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی بعض پیشگوئیوں کو بھی پورا کرے گا، وہ مَیں ہی ہوں۔ چنانچہ ۲۸؍ جنوری کو قادیان کی مسجد اقصیٰ میں جمعہ کے دن مَیں نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان کر دیا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ انکشاف کیا گیا ہے اس لئے گو مَیں پہلے بھی مختلف مقامات پر اِس کا اعلان کر چکا ہوں مگر اب جبکہ ساری جماعت یہاں جمع ہے مَیں اُس کے سامنے ایک بار پھر یہ اعلان کرتا ہوں کہ **اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اُسی کے انکشاف** کے ماتحت مَیں اِس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ وہ مصلح موعود جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے ماتحت دنیا میں آنا تھا اور جس کے متعلق یہ مقدر تھا کہ وہ اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلائے گا اور اس کا وجود خدا کے جلالی نشانات کا حامل ہوگا وہ مَیں ہی ہوں اور میرے ذریعہ ہی وہ پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک موعود بیٹے کے متعلق فرمائی تھیں۔ یاد رہے کہ مَیں کسی خوبی کا اپنے لئے دعویدار نہیں ہوں۔ مَیں فقط خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے ہتھیار بنایا ہے۔ اِس سے زیادہ نہ مجھے کوئی دعویٰ ہے نہ مجھے کسی دعویٰ میں خوشی ہے۔ میری ساری خوشی اسی میں ہے کہ میری خاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی میں کھاد کے طور پر کام آجائے اور اللہ تعالیٰ مجھ پر راضی ہو جائے اور میرا خاتمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے قیام کی کوشش پر ہو۔

مجھے کسی دعوے کا شوق نہیں ہے اور جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے انبیاء بھی جب خدا اُن کو کہتا ہے تو دعویٰ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں خود اُن کو دعویٰ کرنے کا شوق نہیں ہوتا۔ میری ذاتی کیفیت تو جیسا کہ مَیں نے بارہا کہا ہے یہ ہے کہ اگر خدا مجھ سے دین کی خدمت کا کام لے لے تو چاہے کوئی شخص میرا نام چوڑھا یا چوڑھے سے بھی بدتر رکھ دے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ خدا نے مجھے دعویٰ کرنے کے لئے کہا ہے اور چونکہ اِس اجتماع میں بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کو میرے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع نہ ملا ہو اور وہ اِس امر کو نہ سمجھتے ہوں کہ مَیں سچ بولنے والا ہوں یا جھوٹ بولنے والا اِسلئے جس طرح پہلے مختلف مقامات پر مَیں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اِس امر کا اعلان کر چکا ہوں، اسی طرح اب جبکہ جماعتوں کے نمائندے یہاں ہزاروں کی تعداد میں چاروں طرف سے جمع ہیں اور غیر بھی سینکڑوں کی تعداد

میں یہاں موجود ہیں میں اللہ تعالیٰ کی جو زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا ہے، جس نے مجھے بھی پیدا کیا ہے اور میرے آباؤ اجداد کو بھی، جس کی بادشاہت سے کوئی چیز باہر نہیں، جس کا مقابلہ کرنا انسان کو لعنتی بنا دیتا ہے اور دینی اور دُنیوی تباہیوں کا مستوجب بنا دیتا ہے، یعنی اسی خدا لاشریک خدا کی جو قرآن، اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا ہے قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ میں نے اِس وقت جو رُویا بیان کیا ہے وہ میں نے حقیقتاً اِسی رنگ میں دیکھا تھا اور میں نے بغیر کسی قطع و برید کے اور بغیر کسی زیادتی کے (سوائے اس کے کہ رُویا کو بیان کرتے ہوئے کوئی لفظ بدل گیا ہو) اُس کو اُسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھے یہ رُویا دکھایا گیا۔ اگر میں اپنے اِس بیان میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹوں کی سزا دے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی مجھے دکھایا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ خود ایک نظارہ دکھا کر اپنے کسی بندہ کو ذلیل نہیں کیا کرتا۔

مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی خبر اب تک نہیں ملی کہ میرے ذمہ کوئی کام باقی ہے یا نہیں لیکن خواہ میری زندگی میں سے ایک منٹ بھی باقی رہتا ہو میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دشمن خواہ کتنا زور لگا لے وہ اسلام کی تاریخ سے میرا نام نہیں مٹا سکتا کیونکہ میں راستباز ہوں اور میں نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر دنیا کو یہ اطلاع دی ہے اپنی طرف سے کوئی بات بیان نہیں کی۔" (الموعود صفحہ ۲۶۶ تا صفحہ ۲۷۰۔ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء)

مَیں حُسن و احسان میں حضرت مسیح موعودؑ کا نظیر ہوں

(۲) "مَیں نے ایک عرصہ تک جماعت کے جذبات اور اُس کے احساسات کا خیال رکھا اور باوجود دوستوں کی ناتجربہ کاری، اُن کی سیاست سے ناواقفیت اور دینی جماعتوں کے اصول سے عدم علم ہونے کے ہمیشہ ان کے مشوروں کو قبول کیا۔ اور اگر اپنی کوتاہ نظری سے گرد وپیش کے حالات سے غلط طور پر متاثر ہو کر انہوں نے بعض مشورے دیئے تو میں نے اُن کو بھی رد نہیں کیا۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ میں ایسے مشوروں کو قبول نہ کروں اور دوستوں کے جذبات اور ان کے احساسات کا خیال رکھے بغیر ان کو کھلے طور پر رد کر دوں۔ مَیں جانتا ہوں کہ درحقیقت بات یہی ہے کہ اب جو کچھ مَیں کہوں گا اُسی پر جماعت کا چلنا مفید اور بابرکت ہوگا، نہ اُس راہ پر چلنا جس کو وہ خود اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ مَیں حسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نظیر ہوں تو درحقیقت اس کے یہی معنے ہیں کہ اب تمہاری ذمہ داری بحیثیت ایک شخص کے ہے، بحیثیت جماعت جو ذمہ داری سمجھی جاتی تھی وہ ختم ہو گئی

ہے۔ اب مَیں خدا تعالیٰ کے سامنے اُس کے دین کی اشاعت اور اسلام کے احیاء کے لئے ذاتی طور پر ذمہ دار ہوں۔ اس لئے اب مجھے جماعت کے مشوروں کی زیادہ پروا نہیں ہوگی۔ اگر کسی معاملہ میں جماعت کی شدید رائے کو بھی رد کرنا پڑا تو مَیں اُسے کھلے طور پر رد کر دوں گا اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا کہ یہ وہ مشورہ ہے جو جماعت نے متفقہ طور پر دیا ہے۔ اب خدا کے سامنے مَیں صرف اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہوں اور مَیں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور اس کی تائید کی روشنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا منشاء تھا یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس تعلیم کو لیکر دنیا میں مبعوث ہوئے پس آئندہ مَیں صرف اُس آواز کو سنوں گا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، دوسرا کوئی لفظ میرے کان برداشت نہیں کرسکتے۔ میرا فرض ہے کہ اب مَیں اُس کی طرف بڑھتا چلا جاؤں اور خواہ میرے سامنے کوئی بات کیسی ہی خوبصورت شکل میں پیش کی جائے اس کی پروا نہ کروں جبکہ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہو کہ مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا اور مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میری زبان پر تصرّف دینے کے معنے ہی یہی تھے کہ تم اُس آواز کو سنو جو براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کہیں اور تم اُس آواز کو سنو جو براہِ راست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کہیں۔

کوئی شخص اس کے یہ معنے نہ سمجھے کہ باوجود خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی نصوصِ صریحہ کے مَیں کوئی ایسا کام بھی کر سکتا ہوں جو اس کی تعلیم کے خلاف ہو۔ میرے اس بیان کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ میرے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تمام نصوصِ صریحہ سچائی کی طرف جاتی ہیں اور غلطی کی طرف وہ بات جاتی ہے جو خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکام کے خلاف ہوتی ہے۔ پس یہ نہیں کہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے منشاء کے خلاف ہو سکتا ہے بلکہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہی خدا اور اس کے رسولؐ کے منشاء کے مطابق ہوگا۔ اور میرے مقابلہ میں جو کچھ دوسرا سمجھے گا وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے منشاء کے خلاف ہوگا۔ مگر یہ چیزیں ساری کی ساری قیاسی اور وہمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پاک جماعت کو ہمیشہ ایسی ٹھوکروں سے بچا لیتا ہے جو اس کے ایمان کو ضائع کرنے والی ہوں۔ جب مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہیں اور اُس زمانہ کے لوگ ہیں جن کو خدا تباہ نہیں کیا کرتا، اور جبکہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ باوجود اپنی ساری کمزوریوں اور نالائقیوں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت کی ذمہ داری میرے کمزور کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو مَیں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کہلوائے گا جو خدا اور اُس کے رسولؐ کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ

خدا تم سے بھی کبھی اُس بات کا انکار نہیں کرائے گا جو خدا اور اُس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو۔ آخر میں بھی اُس کے قبضہ میں ہوں اور آپ لوگ بھی اُس کے قبضہ میں ہیں۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰-۲۱)

مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے

(۳) "اے اہلِ لاہور! مَیں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ مَیں تمہیں اُس ازلی ابدی خدا کی طرف بلاتا ہوں جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ تم مت سمجھو کہ اس وقت مَیں بول رہا ہوں۔ اِس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میرے سامنے دینِ اسلام کے خلاف جو شخص بھی اپنی آواز بلند کرے گا اُس کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ جو شخص میرے مقابلہ میں کھڑا ہوگا وہ ذلیل کیا جائے گا، وہ رُسوا کیا جائے گا، وہ تباہ اور برباد کیا جائے گا۔ مگر خدا بڑی عزت کے ساتھ میرے ذریعہ اسلام کی ترقی اور اس کی تائید کے لئے ایک عظیم الشان بنیاد قائم کر دے گا۔ مَیں ایک انسان ہوں، مَیں آج بھی مر سکتا ہوں اور کل بھی مر سکتا ہوں لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مَیں اُس مقصد میں ناکام رہوں جس کے لئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے۔ مَیں ابھی سترہ اٹھارہ سال کا ہی تھا کہ خدا نے مجھے خبر دی کہ ان الذین اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيامة اے محمود مَیں اپنی ذات کی ہی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یقیناً جو تیرے متبع ہوں گے وہ قیامت تک تیرے منکروں پر غالب رہیں گے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے جو اُس نے میرے ساتھ کیا۔ مَیں ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بیشک دو دن بھی زندہ نہ رہوں مگر یہ وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا جو خدا نے میرے ساتھ کیا کہ وہ میرے ذریعہ سے اشاعتِ اسلام کی ایک مستحکم بنیاد قائم کرے گا اور میرے ماننے والے قیامت تک میرے منکرین پر غالب رہیں گے۔ اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ اسلام مغلوب ہو گیا، اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو بے شک تم سمجھ لو کہ مَیں ایک مفتری تھا۔ لیکن اگر یہ خبر سچی نکلی تو تم خود سوچ لو تمہارا کیا انجام ہوگا کہ تم نے خدا کی آواز میری زبان سے سُنی اور پھر بھی اُسے قبول نہ کیا۔"

(تقریر جلسہ مصلح موعود ۱۹۴۴ء بمقام لاہور۔ الفضل ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء)

خدا نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا کا استاد مقرر کیا ہے

(۴) "خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے اُن مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور وہ چشمۂ روحانی

جو میرے سینے میں پھوٹا وہ خیالی یا قیاسی نہیں ہے بلکہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اُس سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوں لیکن میں جانتا ہوں آج دُنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا ہے اور اِس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا کا استاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اِس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور اسلام کے مقابلہ میں دنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دُنیا زور لگا لے، وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے، عیسائی بادشاہ اور اُن کی حکومتیں بھی مل جائیں، یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے، دنیا کی تمام بڑی بڑی اور مالدار قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اِس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں، پھر بھی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی اور خدا میری دعاؤں اور تدابیر کے سامنے اُن کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیا میٹ کر دیگا۔ اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اِس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے اسلام کی عزت کو قائم کرے گا اور اُس وقت تک دُنیا کو نہیں چھوڑے گا جب تک اسلام پھر اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے۔"

(المو عود صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۲ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء)

میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے مطابق خلیفہ ہوں

(۵) سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو خطبہ جمعہ میں اپنا ایک رؤیا (جس سے آپ کے رفیع الشان مقام پر روشنی پڑتی ہے) بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تو ایک مصرعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر نازل ہوا جو میرے ہی ایک شعر کا حصہ ہے لیکن اس کے ساتھ زبان اس کو نہیں دُہرا رہی تھی۔ وہ اتنی شدت سے نازل ہوا کہ اس کے زور کی وجہ سے میری آنکھ کھُل گئی۔ وہ مصرعہ جو میرے دل پر نازل ہوا یہ ہے ع

ملک بھی رشک ہیں کرتے . . . .

اس کے بعد کا بقیہ حصہ جاگتے ہوئے نازل ہوا جو یہ ہے :-

وہ خوش نصیب ہوں میں

یہ مصرعہ کہ ؏ ملک بھی رشک ہیں کرتے، وہ خوش نصیب ہوں میں، اپنے اندر بہت بڑی خوشخبری رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ حکمت بیان فرمایا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کا کوئی خلیفہ دنیا میں کھڑا ہوتا ہے تو ملائکہ صفت لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شعر کو میرے دل پہ نازل فرما کر یہ بتایا ہے کہ مَیں نے ہی تجھے خلیفہ بنایا ہے کیونکہ ملائکہ نے آدم پر ہی رشک کیا تھا نہ کسی اَور پر، گویا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق کر دی ہے کہ واقعہ میں ہم نے اس آدم کو صفاتِ الٰہیہ کے ظہور کے لئے کھڑا کیا ہے اور ملکوتی صفات کے لوگ اس پر رشک کریں گے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو اس کے ساتھ مل کر سجدہ کریں گے اور اس کے احکام کے ماتحت چلیں گے جیسا کہ پہلے آدم کے وقت میں ہوا۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ آدم کسی ایک خاص وجود کا نام نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف انسان اس مقام پر فائز کئے جا چکے ہیں اور کئے جاتے ہیں مثلاً سیّد عبد القادر صاحب جیلانیؒ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم کے مقام پر کھڑا کیا تھا۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تیرا پاؤں تمام اولیاء کی گردن پر ہے"۔ غرض اس مصرعہ میں کہ ؏ ملک بھی رشک ہیں کرتے وہ خوش نصیب ہوں میں، اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس نے مجھے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے مطابق خلافت کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور وہ لوگ جو تکبّر اور اِبا کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلیں گے وہ ملکوتی صفات کے مالک ہونگے اور اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر نازل ہو گا لیکن وہ لوگ جو تکبّر اور اِبا سے کام لیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ملائکہ کے گروہ سے نکال دیئے جائیں گے اور مجھ سے علیحدہ رہ کر وہ کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکیں گے ۔۔۔۔۔ افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے ایک حصہ کو ٹھوکر لگی ہے۔ ابتداء میں وہ خلافت کے جھگڑوں میں پڑے اور بعد میں نبوّت کی بحثوں میں آ پھنسے۔ اصل بحث تو خلافت کی ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مصرعہ میں ان کے شکوک کا بھی ازالہ کر دیا ہے اور واضح طور پر بتا دیا ہے کہ مَیں نے ہی اسے خلافت کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور فرشتہ سیرت انسانوں کو چاہیئے کہ اسجدوا لآدم کے حکم کے ماتحت اس کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں اور بغیر کسی تکبّر اور اِبا کے اس کی کامل اطاعت اور پیروی کریں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس آواز پر کان دھریں گے وہ اس کے فضلوں کے مورد بنیں گے اور اس کی برکتیں ان پر نازل ہوں گی لیکن جو لوگ اپنے تکبّر اور انکار کی وجہ سے دُور رہیں گے وہ اُن برکتوں سے محروم رہیں گے جو آدم کے ساتھ ملنے والوں پر نازل ہوتی ہیں"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء مطبوعہ الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء)

خدا تعالیٰ نے سورۂ نور کے حکم کے مطابق مجھے خود خلیفہ چُنا

(۶) حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جولائی ۱۹۵۶ء میں احباب جماعت کے نام ایک پیغام دیا۔ اُس میں فرمایا:-

"(خدا تعالیٰ نے) سورۂ نور کے حُکم کے مطابق مجھے خود خلیفہ چُنا اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ مَیں خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق کہ میرے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ دمشق جائے گا مَیں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اپنی خلافت کے زمانے میں دمشق گیا ہوں اور اب مَیں دلیری سے کہہ سکتا ہوں کہ مَیں کسی انسان کی دی ہوئی خلافت پر خواہ وہ کتنا بڑا انسان کیوں نہ ہو لعنت بھیجتا ہوں۔ یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تردید کرنی ہوگی جنہوں نے کہا کہ مسیح دمشق جائے گا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تردید کرنی ہوگی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ میرے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ دمشق جائے گا۔" (الفضل ۳۰ رجون ۱۹۵۶ء)

مَیں صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ پسر موعود بھی ہوں

(۷) "مَیں صرف خلیفہ ہی نہیں ہوں بلکہ پسر موعود بھی ہوں ...... میرے دل میں بھی کبھی کبھی یہ خیال آتا رہا ہے کہ میری خلافت کے لمبا ہونے کی وجہ سے بعض بے دین نوجوان یہ خیال نہ کریں کہ ہمیں اور ہمارے خاندانوں کو اس شخص کی عمر کی لمبائی نے اس عہدہ سے محروم کر دیا۔ مگر مَیں جانتا ہوں کہ اِن لوگوں کو آسمانی لعنت تو ملے گی لیکن خدائی عزت نہیں ملے گی۔" (الفضل ۳۰ رجولائی ۱۹۵۶ء)

اُس شخص کے درجہ کو جو تمہارے لئے کھڑا کیا گیا ہے پہچانو

(۸) "مَیں اُس خلافت کو جو کسی انسان کی طرف سے ہو لعنت سمجھتا ہوں۔ نہ مجھے اِس کی پرواہ ہے کہ کوئی مجھے خلیفۃ المسیح کہے۔ مَیں تو اُس خلافت کا قائل ہوں جو خدا کی طرف سے ملے۔ بندوں کی دی ہوئی خلافت میرے نزدیک ایک ذرّہ کے برابر بھی قدر نہیں رکھتی ...... ہر ایک وہ شخص جو مقدمہ کرتا ہے وہ اپنے تئیں ہی حق پر سمجھتا ہے لیکن عدالت جو فیصلہ کرتی ہے اُس کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فلا وربّک لا یؤمنون حتّٰی یحکّموک فی ما شجر بینھم جب تک یہ لوگ کامل طور پر تیرے فیصلوں کو نہ مان لیں یہ مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ جب لوگوں کی عدالتوں کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے تو

خدا کی طرف سے مقرر شدہ خلفاء کے فیصلوں کا انکار کیوں ؟ اگر دنیوی عدالتیں سزا دے سکتی ہیں تو کیا خدا نہیں دے سکتا۔ خدا کی طرف سے فیصلہ کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار ہے مگر وہ نظر نہیں آتی۔ اس کی کاٹ ایسی ہے کہ دُور تک صفایا کر دیتی ہے۔ دنیاوی حکومتوں کا تعلق صرف یہاں تک ہے مگر خدا وہ ہے جس کا آخرۃ میں بھی تعلق ہے۔ خدا کی سزا گو نظر نہ آئے مگر حقیقت میں بہت سخت ہے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں کو اپنے قابو میں لاؤ۔ اگر تم خدا کی قائم کی ہوئی خلافت پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو خدا تمہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گا۔ جہاں تمہاری نظر بھی نہیں جا سکتی وہاں خدا کا ہاتھ پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں فہم دے۔ اپنے آپ کو اور اُس شخص کے درجہ کو جو تمہارے لئے کھڑا کیا گیا ہے پہچانو۔ کسی شخص کی عزت اُس شخص کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس لئے نہیں کہ آپ عرب کے باشندہ تھے اور عبد اللہ کے بیٹے تھے بلکہ اُس درجہ کے لحاظ سے ہے جو خدا نے آپ کو دیا تھا۔ اِسی طرح مَیں ایک انسان ہوں اور کوئی چیز نہیں مگر خدا نے جس مقام پر مجھ کو کھڑا کیا ہے اگر تم ایسی باتوں سے نہیں رُکو گے تو خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ بعض باتیں معمولی ہوتی ہیں مگر خدا کے نزدیک بڑی ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ تم کو سمجھ دے۔ آمین "

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ رجون ۱۹۱۷ء مطبوعہ الفضل ۷ رجولائی ۱۹۱۷ء)

اسلام کے لئے خوشی کا دن

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"آج اسلام کے لئے خوشی کا دن ہے کہ معمورۂ عالم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات اور زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ یہ بات کہ اسلام اپنی پاک تعلیم اور اس کے زندہ نتائج کے ساتھ اس وقت معمورۂ عالم میں ممتاز ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذریعہ اس سچائی کو ثابت کر دیا ہے " (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۲۹)

مہتم بالشان خلافتِ ثانیہ

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ عظیم کام اپنی عظمت و شوکت کے مطابق اہتمام چاہتے ہیں۔ ایک عظیم الشان ہال کی تعمیر کے لئے روپیہ، اینٹ، پتھر، لوہے اور سیمنٹ کا خاص اہتمام کرنا ہوتا ہے، اس کی بنیادیں وسیع و عمیق رکھنی پڑتی ہیں اور اس کا نقشہ فنی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے وغیرہ۔ مگر ایک کچی کوٹھڑی کی تعمیر کے لئے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ تو اس کے لئے اتنے بڑے پیمانہ پر سامانِ تعمیر فراہم کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی اس کی بنیادوں کے لئے کسی خاص گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہی کیفیت ہمیں روحانی امور میں نظر آتی ہے کسی نبی اور مامور کی عظمت و شوکت کے لحاظ سے اس کی آمد کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایک عظیم الشان نبی کی آمد کی صدیوں پہلے بشارت دیدی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہزاروں سال قبل کے روحانی نوشتوں میں بھی حضورؐ کی آمد کا ذکر موجود ہے تا آنے والی نسلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت اور علوِ مرتبت کا احساس ہو اور دل آپ کے شایانِ شان استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اس زمانہ کے موعودِ کُل ادیان ہیں آپ کا ذکر اسلام اور دیگر مذاہب کی کتبِ مقدسہ میں پہلے سے موجود ہے۔ حتیٰ کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اس روحانی فرزند کو یاد فرماتے ہوئے آپ پر سلام بھیجا ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی اہمیت و ضرورت کا دنیا کو احساس ہو جائے اور وقت آنے پر اُن کے شایانِ شان استقبال اور اُنہیں قبول کر لینے کے لئے سعید روحیں تیار ہو جائیں۔

آج ہم میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خدا کے فضل سے بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں۔ آپ بفضل اللہ تعالیٰ ایک خصوصی شان کے مالک ہیں۔ یوں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری اولاد جو حضورؑ کی زندگی میں موجود تھی مبارک نسل آسمانی نوروں کو پھیلانے والی، نیک اور بابرکت اولاد ہے مگر ان میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی ذاتِ ستودہ صفات ایک خاص اہمیت اور عظمت و شوکت کی حامل ہے کیونکہ آپ کا ذکر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یتزوج و یولد لہ میں بھی موجود ہے جس میں ایک مہتم بالشان بیٹے کی پیشگوئی ہے۔ اس زمانہ میں اسلام کی بے بسی، بے کسی اور بے چارگی پر مصلح دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے دل میں ٹیس پیدا ہوئی اور وہ درد اُٹھا جس سے آپ بے چین ہوگئے۔ آپ ہوشیار پور تشریف لے گئے جہاں حضور علیہ السلام نے تنہائی میں چالیس دن اور چالیس راتیں عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزاریں اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسلام کی مظلومیت اور مغلوبیت کو دیکھتے ہوئے تو رحم فرما اور اسلام کی عظمت، شوکت اور غلبہ کے دن پھر لے آ اور اس کے لئے ایک عظیم الشان نشان دکھا۔ اللہ تعالیٰ نے خلوصِ دل سے نکلی ہوئی ان تضرعات کو سنا اور انہیں شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنے اس بندے کو الہاماً بتایا کہ وہ اسلام کے غلبہ کے لئے ایک نشان دکھائیگا اور آپ کی ذریتِ طیبہ میں ایک ایسا جلیل القدر انسان پیدا کرے گا جو کئی باتوں میں آپ سے مشابہ ہوگا، وہ آسمان سے اُترےگا اور زمین والوں کی راہنمائی کرے گا۔ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا، فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ مردِ خدا، مسیحی صفت، ہدایت میں کمال پانے والا اور آپ کا جانشین اور یادگار بننے والا ہوگا۔ یہ پاک وجود اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا اس طرح کہ دنیا کے کونے کونے سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے والے آپ پر کثرت سے درود بھیجنا شروع کر دیں گے۔ اس طرح وہ اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا جو آپ کا مشن اور آپ کی آمد کا اصل مقصد ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس الہام کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان صفاتِ ستودہ کے حامل وجود کو مصلح موعود قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفاء آئندہ بھی ہمیشہ آتے رہیں گے اور وہ ہونگے بھی اپنی اپنی جگہ صاحبِ مقام لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی شان ان سب سے جدا اور ممتاز ہے اس لئے کہ آپ مصلح موعود قرار دئیے جانے والے جلیل القدر اور عظیم الشان خلیفۃ المسیح ہیں۔ اس دوہری فضیلت اور پھر آپ کے عملی کارناموں کی وجہ سے جنہیں دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی ہے آپ کی خلافت ایک خصوصی شان کی حامل ہے جو آپ ہی سے مخصوص ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی ولادت باسعادت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی پیدائش کو اس پیشگوئی کی صداقت کا نشان قرار دیا۔ مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ دیکھنے والی آنکھوں نے آپ کی بچپنے کی معصومانہ اداؤں میں سب کچھ بھانپ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ صحابہ کو شروع ہی سے اس امر کا یقین تھا کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں اور آپ ہی کی خلافت کے دور میں اسلام کی فتح مقدر ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور سے ظاہر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بلند پایہ صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بہت بچپن کے زمانہ سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت ۱۸۹۰ء کے آخر میں کی۔ اس وقت ان کی عمر ایک دو سال کے قریب تھی۔ اس کے بعد جب

میں قادیان میں ہائی سکول میں مڈل اور پھر انٹرنس کا ہیڈ ماسٹر تھا تو حضرت امیر المومنین اسی سکول میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور مجھے یہ بھی فخر حاصل ہوا کہ میں سکول کے علاوہ مکان پر جا کر بھی انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ اسی زمانہ سے میرے دل میں ان کی نیکی، طہارت، تقویٰ اور ذہانت کا گہرا اثر ہے۔ میں ہمیشہ یہ سمجھا کرتا تھا کہ بڑے ہو کر یہ ضرور کسی بہت بڑے مقام پر فائز ہوں گے۔ مجھے یاد ہے خلافتِ اوّل کے زمانہ میں ایک دن دفتر بدر میں بیٹھے ہوئے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر اخبار الحکم نے فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو لطف حاصل ہوتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ اُس وقت بے اختیار میری زبان سے نکل گیا کہ جب میاں صاحب خلیفہ بنیں گے تو پھر وہی لطف حاصل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ حضرت خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسن و احسان میں نظیر ہیں اسی واسطے ان کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی سی باتیں ہو رہی ہیں۔" (الفضل ۲ر فروری ۱۹۴۴ء)

اس امر کا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا رائے تھی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ نے جب ایک مضمون اسلام کی تائید میں لکھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ مضمون پڑھ کر فرمایا۔ "محمود پاس ہو گیا"۔ (الفضل ۲ر فروری ۱۹۴۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ کو بھی یہ یقین تھا کہ آپ کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کا اظہار آپ مختلف پیرایوں میں فرماتے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس قسم کے اشارات فرماتے رہتے تھے کہ ان کے بعد ہونے والا خلیفہ کون ہے۔ ایک دن اسی مسجد اقصیٰ میں درس قرآن دیتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا "میاں ہم نے اس مسجد کو جنوب کی طرف بڑھایا ہے تم شمال کی طرف بڑھانے کا خیال رکھنا"۔ ایک دفعہ اسی مسجد اقصیٰ میں درس دینے سے پہلے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "اس وقت ایک بات میرے دل میں آئی ہے جس کو بیان کرنے سے میں رہ نہیں سکتا اگرچہ بظاہر درس کے ساتھ اس کا تعلق نہیں اور وہ یہ ہے کہ تونسہ ضلع ڈیرہ غازیخاں

کے بزرگ گدی نشین چھوٹی عمر میں خلیفہ ہوئے اور بہت بڑی عمر تک پہنچے "
(الفضل ۲ فروری ۱۹۴۴ء)

حضرت مفتی صاحب رضی اللہ عنہ بھیرہ کے ایک اور صوفی منش بزرگ حضرت میاں غلام حسین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"خلافت ثانیہ کے ابتدائی دنوں میں چند پیغامی اُن کے پاس گئے اور کہا آپ نے میاں صاحب کی کیوں بیعت کر لی وہ تو مرزا صاحب کو نبی کہتے ہیں ۔ میاں غلام حسین صاحب نے اُنکو جواب دیا کہ تم کو حضرت مرزا صاحب کی نبوت میں شک ہو رہا ہے اور میں تو اُن کے بیٹے میں بھی آثارِ نبوت دیکھتا ہوں " (الفضل ۲ فروری ۱۹۴۴ء)

اور اس امر کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام کو یقین تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خدا کے فضل سے عام قوتِ قدسیہ نہیں بلکہ خاص قوتِ قدسیہ کے مالک ہیں۔ خاکسار ایک اور واقعہ عرض کرتا ہے ۔ گو دل کی آنکھوں سے دیکھنے والے سب کچھ دیکھتے اور جانتے تھے مگر غیر مبایعین کے بار بار کے اصرار کے باوجود کہ اگر آپ ہی مصلح موعود اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے مصداق ہیں تو خود اپنی زبان سے اس کا اعلان کیوں نہیں فرماتے ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ اس بارہ میں خاموش رہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو الہاماً بتا دیا کہ آپ ہی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں ۔ اس پر آپ نے خطبہ جمعہ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء میں مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا ۔ اس خدائی انکشاف پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے ۲۹ جنوری ۱۹۴۴ء کو مسجد اقصےٰ میں ایک جلسہ ہوا جس میں احباب جماعت قادیان کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موجود الوقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے ۔ اس جلسہ کے صدر حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم ۔ اے ۔ ناظر اعلیٰ تھے جن کی ساری عمر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں گزری تھی اس جلسہ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے متفقہ طور پر ایک عرضداشت پاس ہوئی جو یہ ہے :-

"ہم تمام افراد جماعت احمدیہ قادیان جو اس جلسہ میں شریک ہیں حضور کی خدمت میں پیشگوئی مصلح موعود کے بارے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل انکشاف پر خادمانہ طور پر اجتماعی رنگ میں مبارکباد عرض کرتے ہیں ۔ ہم سب ناچیز غلام اس شاندار موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے حضور کی خدمت میں اظہارِ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان مال عزت حضور کے حکم پر

ہر وقت نثار کرنے کو تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ہم خادم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور اپنی **خاص قوت قدسیہ** سے جو خدا تعالیٰ نے حضور کو عطا فرمائی ہے ہمارے لئے بھی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور فرمائے اور حضور کے ارشادات و ہدایات کے ماتحت خدمتِ دین کی توفیق دے۔ آمین۔

(الفضل ۲ر فروری ۱۹۴۴ء)

یہ عرضداشت حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد نے پیش کی۔ اس میں "خاص قوتِ قدسیہ" کے الفاظ اس امر کا ثبوت ہیں کہ حاضر الوقت خدام جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خاص شانِ خلافت پر صمیمِ قلب سے اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ مسلسل و متواتر صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رضوان اللہ علیہم پر رؤیا و کشوف کے ذریعہ اس امر کا انکشاف فرمارہا تھا۔ ذیل میں چند ایک صحابہ کرام کی ایسی رؤیا درج کی جاتی ہیں جو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے علوِ مرتبت اور خاص شانِ خلافت کی آئینہ دار ہیں۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق صادق حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے اور جنہیں چلّہ کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سفر ہوشیارپور میں رفاقت کی سعادت بھی حاصل تھی ان کی اہلیہ محترمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں حضرت مولوی صاحب موصوف کے ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"عبد القدیر کے والد (حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوری۔ ناقل) شروع سے ہی اس امر پر ایمان رکھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ ہی وہ مصلح موعود بیٹا ہیں اور ان کو یہ کامل یقین تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک خواب دیکھا اور ہمیں بتایا اور میرا خیال ہے حضور کو بھی اس خواب کا علم ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سورج چڑھا ہوا ہے اور چھپنے کے قریب ہے اور پھر دوسرا سورج چڑھا جو چڑھتے چڑھتے پوری روشنی پر پہنچ گیا جیسا کہ دوپہر کے وقت ہوتا ہے۔ یہ خواب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا تو حضور نے فرمایا کہ سورج سے مراد اکابرِ دین ہوتے ہیں اور فرمایا جو پہلا سورج دیکھا جو چھپنے کے قریب تھا وہ میں ہوں۔ اور دوسرے سورج کے متعلق فرمایا کہ تم وہ بھی زمانہ اچھی طرح دیکھو گے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں نے وہ زمانہ

یعنی آپ کا زمانہ اچھی طرح دیکھ لیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن کی خوشی کی کوئی حد نہ ہوتی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی زندگی میں یہ دکھایا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔"

(الفضل ۱۰ر مارچ سنہ ۴۴ء)

(۲) حضرت میاں محمد رحیم الدین صاحب جو ۳۱۳ صحابہ میں سے ۲۰۲ نمبر پر ہیں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۲۵ر اپریل سنہ ۱۹۲۳ء بوقت تین بجے شب مقام ڈاک تھیم ضلع ڈیرہ دون تہجد پڑھ کر مَیں نے لا الٰہ اِلّا اللہ کا وِرد کرنا شروع کیا کہ یکایک آنکھیں بند ہو گئیں اور تاریکی میں روشنی کے خط میں سارے آسمان پر مشرق کی طرف سے لکھا ہوا دیکھا جیسے بجلی کی روشنی ہوتی ہے "محمود بادشاہ اسلام" عجب ذوق طبیعت نے محسوس کیا۔ یہ روشنی کا نوشتہ بہت دیر تک آنکھوں کے سامنے رہا۔ یہ میرا حلفیہ بیان ہے۔" (الفضل ۲۵ر مارچ سنہ ۴۴ء)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک اور صحابی حضرت مولوی محبوب عالم صاحب نیلا گنبد لاہور لکھتے ہیں:۔

"غالباً جمعرات ۲۷ر جنوری کی رات تھی۔ تین بجے رات مَیں نے رؤیا دیکھا کہ مَیں ایک باغ میں جا رہا ہوں۔ جب باغ ختم ہوا تو دیکھا اس کی دیوار بہت اونچی ہے۔ مَیں باہر جانا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں ملتا۔ مَیں اس دیوار کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہوں تو مَیں نے دیکھا کہ کوئی جنگلی جانور ہے شیر معلوم ہوتا ہے جو بیٹھا ہوا ہے۔ مَیں اس سے بہت ڈرا مگر وہ محبت سے مجھے کہتا ہے تمہارا راستہ دائیں طرف ہے۔ مَیں گیا تو مجھے ایک راستہ مل گیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ معلوم ہوا راستہ کٹھن ہے اور چلنا دشوار ہے۔ پھر مَیں ہوا میں اُڑا اور دور نکل گیا۔ دیکھا بہت سی بستیاں ہیں جیسے انگریزوں کی آبادی ہوتی ہے۔ مَیں ہوا میں اُڑتا ہوں جیسے ہوائی جہاز اُڑتا ہے اور بڑی اونچی آواز سے کہتا ہوں اے لوگو سن لو اب دنیا میں کوئی معبودِ باطل نہیں رہے گا اور سب معبودانِ باطل ہلاک کر دیئے جائیں گے ایک ہی خدا جو واحد لاشریک ہے پوجا جائے گا، کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ پھر مَیں عربی زبان میں وعظ کرتا ہوں اور لا الٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں، اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر زور سے کہتا ہوں نیز لا الٰہ اِلّا انت سبحانک اِنّی کنتُ من الظالمین بھی پڑھتا ہوں۔ اللہ اکبر کی آواز مَیں اس زور سے کہتا ہوں کہ میری ایک لڑکی اور میری اہلیہ جاگ اُٹھیں اور مجھے کہنے لگیں کیا زور سے پڑھ رہے ہیں۔ مَیں نے اُن سے رؤیا بیان کی۔ انہوں نے بھی تائید کی کہ ہم نے آوازیں اللہ اکبر کی سُنی ہیں نیز کلمہ طیبہ اور آیت کریمہ بھی بلند آواز سے پڑھتے سُنا ہے اور بھی عربی میں سُنا حالانکہ مَیں عربی کچھ بہت نہیں جانتا۔ اس رؤیا سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کو جو خدا کی

طرف سے مصلح موعود کے منصب سے سرفراز کیا گیا ہے اس کی تشریح میں یہ خواب ہے کہ حضور کی بعثت سے شرک نابود ہو گا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہاموں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے آنے سے خدا کا ظہور ہو گا" (الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۴۴ء)

لاریب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بلحاظ خلیفۃ المسیح منہم بالشان خلیفہ ہیں اور نرالی شان کے حامل ہیں۔ اپنے والد بزرگوار علیہ السلام سے کمال درجہ مشابہت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کے متعلق خدا تعالیٰ نے مصلح موعود کی پیشگوئی میں کأنّ اللہ نزل من السماء فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کثرت سے کشوف و الہامات کا شرف بخشا۔ آپ نے جو مثیل مسیح ہیں اپنی خلافت کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح قرآنی معارف کے ایسے ایسے خزانے لٹائے کہ بڑے بڑے علماء انہیں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ آپ نے سیاسی اور تاریخی اور علمی مسائل پر اس عمدگی کے ساتھ قلم اٹھایا کہ بڑے بڑے سیاستدان، تاریخ دان اور عالم حیران رہ گئے۔ اس طرح آپ کے وجود میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ الہامی پیشگوئی پوری ہوئی کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم سے پُر کیا جائے گا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح خدا کے فضل سے ہر میدان میں فتح پائی اور ہمیشہ ایک کامیاب جرنیل ثابت ہوئے۔ آپ نے خدا کے فضل سے جماعت کی کشتی کو مخالفتوں اور مشکلات کے شدید طوفانوں میں سے صحیح و سالم پار لگایا۔ آپ نے پیشگوئیوں کے عین مطابق اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے عیسائیت اور کفر و الحاد پر ایسی یلغار کی کہ اسے ہر میدان میں پسپا ہونا پڑا۔ آپ نے دنیا بھر میں مشن قائم کر کے اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا۔ آپ نے اپنے مسیحی نفس سے روحانی مُردوں کو زندہ کیا اور انہیں خدا کے فضل سے خدا کے مقرب بندے بنا دیا۔ آپ نے جماعت میں ایک پائیدار نظام قائم فرمایا جس سے جماعت بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بکھرنے سے بچ گئی۔ آپ نے اکنافِ عالم کے احمدیوں کو ایک شیرازہ میں پرو دیا اور ان میں دین کے لئے قربانی کی ایک رُوح پھونک دی اور یہ سب کچھ خدا کی دین ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

آئیں ہم سب مل کر دعا کریں کہ اے اللہ! ایسے عالی مرتبہ انسان دنیا میں ہمیشہ نہیں آیا کرتے اگر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب نہ ہو سکی تھی تو تُو نے ہم پر بے حد احسان کر کے مثیلِ مسیح حضرت المصلح الموعود کے جھنڈے تلے جمع ہونے اور حضور ایدہ اللہ کی ذات بابرکات سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ کچھ کم خوش بختی نہیں، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اے اللہ تُو اس مبارک وجود کو، اپنی رحمت کے اس نشان کو لمبی عمر دے اور تا دیر سلامت رکھ۔ حیّ و قیوم خدا تُو قدرتوں والا ہے تیرے لئے کوئی بات انہونی اور مشکل نہیں۔ ہمارے گناہ بخش، ہماری غفلتوں کو دُور فرما اور ہم پر رحم فرماتے ہوئے حضور کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرما اور ہمیں ایک لمبے عرصہ تک حضور کی ذات ستودہ صفات سے متمتع ہونے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

حضرت محمود ایدہ اللہ الودود کا مقام

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی نظر میں

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم-اے)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلند و عالی مقام جماعت احمدیہ کے افراد سے مخفی نہیں۔ آپ کے حق میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

اسی طرح "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوے سے پہلے یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ مجھے کوئی ایسا مددگار عطا فرمائے جو میرا دست و باز و ہو کر کام کر سکے۔ چنانچہ جب حضرت خلیفہ اوّلؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو انہیں دیکھتے ہی حضورؑ کے دل سے یہ صدا نکلی کہ:-

ھٰذَا دُعَائِیْ

یعنی "یہ مردِ مومن میری دعاؤں کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔"

(اقتباس از "حیاتِ نورؓ" پیش لفظ۔ رقم فرمودہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

خاکسار راقم الحروف نے خود حضرت مولٰنا سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سُنی ہے کہ:-

"جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ گھوڑے سے گرے اور آپ کے سر پر زخم آیا تو میں نے (یعنی حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) آپ سے عرض کیا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت دی کہ مہدی ذو شجّہ تیری نسل میں سے ہوگا۔ آپ کے اس زخم سے یہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک مہدی ذو شجّہ آپ ہی ہیں۔ اس طرح آپ نے فرمایا کہ شجّہ اُس زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی تک پہنچے میرا زخم تو ہڈی تک نہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ڈاکٹروں کو زخم کا اپریشن کرنا پڑا اور یہ ثابت ہو گیا کہ زخم ہڈی تک پہنچا ہوا ہے۔ اس پر میں حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں پھر حاضر ہوا کہ اب تو یہ امر یقینی ہو گیا ہے کہ مہدی ذو شجّہ آپ ہی ہیں۔ کیا میں اس کا اعلان کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کر سکتے ہو۔ (مفہوماً)"

مندرجہ بالا روایت کے لحاظ سے آپ کی خلافت بھی موعود خلافت ہے اور خلفائے راشدین مہدیین ہی

ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ۔ آؤ اب ہم دیکھیں کہ نور الدین جیسا عظیم الشان انسان اور بلند مرتبہ خلیفہ سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود کے متعلق کیا فرماتا ہے؟

(۱) قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی ارفع شان اور علم کی گہرائی اور خدا داد بصیرت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ابھی بچہ ہی تھے کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے انکے متعلق وثوق کے ساتھ فرمایا کہ یہی ہونیوالا مصلح موعود ہے۔" ("حیات نور" بلفظ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ انکشاف کر دیا گیا تھا کہ آپ کے بعد مسند خلافت پر سیدنا محمود نے ہی بیٹھنا ہے۔ چنانچہ آپ نے خطبۂ جمعہ میں فرمایا :-

"ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش کے رک نہیں سکا وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ انکے ساتھ مجھے بہت محبت ہے۔ ۷۸ برس تک انہوں نے خلافت کی۔ بائیس برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی خاص مصلحت اور بھلائی کے لئے کہی ہے۔" (بدر ۲۷ جولائی ۱۹۱۰ء)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں :-

"اس واقعہ کے سنانے سے جس طرف آپ کا اشارہ ہے وہ بھی آپ کی اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے جبکہ آپ گھوڑے سے گر کر بیمار ہو گئے اور ایک شب آپ کو خیال آیا کہ سوجن دل کی طرف جارہی ہے تب آپ نے رات کے وقت قلم دوات طلب کی اور ایک کاغذ پر صرف دو لفظ لکھے "خلیفہ محمود" اور اپنے ایک شاگرد کو وہ کاغذ دیدیا۔" (ضمیمہ حیات نور الدین صفحہ ۵۹ مصنفہ حضرت مفتی صاحب بحوالہ "حیات نور" صفحہ ۳۶)

الفضل میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ :-

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیوں کے مطابق جب گھوڑے سے گرے اور آپ کے سر میں سخت چوٹ آئی تو ایک رات آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ورم دل کی طرف جارہا ہے اس وقت آپ نے قلم دوات طلب فرمائی اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافہ میں بند کر دیا۔ پھر کچھ لفافہ پر بھی ارقام فرمایا اور شیخ تیمور صاحب کو جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے یہ کہتے ہوئے دیا کہ اگر میری وفات ہو جائے تو اس میں جو کچھ لکھا ہے اُسکے مطابق عمل کیا جائے۔ اُن کی روایت ہے کہ اس لفافے پر لکھا تھا علیٰ اسوۃ ابی بکر جس کا نام اس لفافہ میں ہے اس کی بیعت کر و اور جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو اسکے اندر لکھا تھا محمود احمد" (الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء)

مندرجہ بالا امر منکرین خلافت کے امیر مولوی محمد علی صاحب کو بھی مسلّم ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"۱۹۱۱ء میں جو وصیّت آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ) نے لکھوائی تھی اور جو بند کر کے خاص معتبر کے سپرد کی تھی اس کے متعلق مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں آپ نے اپنے بعد خلیفہ ہونے کے لئے میاں صاحب کا نام لکھا تھا" (رسالہ حقیقتِ اختلاف صہ۶۹)

مندرجہ بالا روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منکشف کر دیا گیا تھا کہ آپ کے بعد خلافت کا عالی مقام "سیدنا محمود" ایدہ اللہ الودود کو ہی ملنے والا ہے چنانچہ آپ نے اپنی وصیّت میں آپ کا نام لکھا۔ بعد میں جب آپ کی طبیعت سنبھل گئی تو آپ نے یہ وصیّت لیکر پھاڑ دی۔ اس کے بعد آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی اتباع میں دوبارہ یہ وصیّت نہیں لکھی کیونکہ آپ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وصیّت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے خاص تصرّف کے ساتھ سیّدنا محمود کو مسندِ خلافت پر بٹھائیگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ تیرے باپ ابوبکرؓ کے حق میں وصیّت کر دوں پھر میں نے کہا کہ يَأْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ (صحیح بخاری) یعنی اللہ تعالیٰ بھی انکار کریگا اور مومن بھی انکار کریں گے سوائے اس کے کہ ابوبکرؓ ہی خلیفہ بنے۔

(۲) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ نہ صرف اس بات کا علم رکھتے تھے کہ آپ کے بعد سیّدنا محمود ایدہ اللہ الودود ہی مسندِ خلافت پر متمکن ہونگے بلکہ وہ آپکو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے مطابق پسرِ موعود بھی یقین کرتے تھے اور اس پیشگوئی میں بیان ہونیوالے عالی مقام و مرتبہ کا مصداق سمجھتے تھے اور اس وجہ سے آپکو خاص ادب و احترام اور محبّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات سے چھ ماہ قبل حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی رضؓ مصنّف قاعدہ یسّرنا القرآن نے آپکی خدمت میں عرض کیا کہ

"مجھے آج حضرت اقدس کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسرِ موعود میاں صاحب ہی ہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے فرمایا ہمیں تو پہلے سے ہی معلوم ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم حضرت میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"

حضرت پیر صاحب موصوف رضؓ نے یہی الفاظ لکھ کر حضرت خلیفہ اوّل کے حضور تصدیق کیلئے پیش کئے آپ نے ان پر تحریر فرمایا کہ :۔

"یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔ نور الدین ۱۰ ستمبر ۱۳ء"

(دیکھیں رسالہ "پسرِ موعود" مصنّفہ حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی رضؓ صہ۲۵)

رسالہ متذکرہ بالا یعنی رسالہ "پسرِ موعود" کے متعلق ضمناً یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ پہلا رسالہ ہے جس میں افرادِ جماعت میں سے ایک فرد نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے الفاظ سے استنباط کر کے پسرِ موعود کی تعیین کی ہے۔ غالباً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو الہامات میں اسی رسالہ یا کلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کلام مدلّل تقریباً یا مضمون

کو ہی کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انگریزی الہام ہے :-

"A word and two girls"

اور پھر یہی الہام اُردو زبان میں بھی ہوا کہ :-

"ایک کلام اور دو لڑکیاں"

یاد رہے کہ حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی رضؓ کی نمایاں یادگاریں یہی تین چیزیں ہیں۔ ایک آپ کا کلام یعنی ایک مخصوص مدلّل رسالہ "پسرِ موعود" جس میں پسرِ موعود کی تعیین کی گئی ہے اور آپ کی دو لڑکیاں جن میں سے ایک حضرت سیّدہ اُمِّ داؤدؓ زوجہ محترمہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ تھیں۔

(۳) چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کو اللہ تعالیٰ کے اعلام سے "سیّدنا محمود" ایدہ اللہ الودود کی آنیوالی خلافت کا یقین تھا اور اسی طرح سے آپ انہیں پیشگوئی مصلحِ موعود میں بیان ہونیوالے عالی مقام کا مصداق سمجھتے تھے اسلئے باوجود اس بات کے کہ آپ امامِ وقت اور خلیفۂ وقت تھے اور سیّدنا محمود کے واجب الاحترام استاد بھی آپکے دل میں سیّدنا محمود کی محبّت موجزن تھی اور اس محبّت اور عزّت و احترام کا آپ اکثر مختلف مواقع پر اظہار کرتے رہتے تھے اور جماعت کو آپ کے مستقبل میں ظاہر ہونیوالے عالی مقام کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں "حیاتِ نور" مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مربّی سلسلہ کے صفحہ ۵۹۱ تا ۵۹۳ سے بعض روایات نقل کی جاتی ہیں :-

(ا) محترم مولانا موصوف (مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا) ہی کا بیان ہے کہ :- جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے مکان کی بیٹھک میں بعد نمازِ فجر حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ کو روزانہ قرآن شریف کے دو تین رکوع ترجمہ کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے جن کو سُننے کے لئے کافی لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ عاجز بھی اُن دنوں مدرسہ احمدیہ کا طالب علم تھا اور درس سُننے کے لئے جایا کرتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ تشریف لاتے اور لوگوں کے پیچھے بیٹھ جاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ جب آپ کو دیکھتے تو جس گدیلے پر آپ بیٹھے ہوتے اُس میں سے آدھا خالی کر کے فرماتے میاں آگے تشریف لائیے۔ اس پر حضرت میاں صاحب آپ کے ارشاد کی تعمیل میں آپ کے پاس بیٹھ جاتے۔ آپ کے دوسری طرف حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ بیٹھا کرتے تھے۔

ایک دن جبکہ حضور سورۂ نحل کا درس دے رہے تھے اور آیت لَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا کا درس تھا تو حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب سے کہا کہ میاں! میں آپ کا امتحان لینا چاہتا ہوں آپ اس آیت کا مطلب بتائیں۔ اس پر حضرت صاحبزادہ میاں صاحب نے آہستگی سے کچھ اس کی تشریح بیان فرمائی جسے سُن کر حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ کی طرف مُنہ کر کے فرمایا کہ

میاں محمود احمد صاحب تو پاس ہو گئے اب آپ کا امتحان باقی ہے۔"

محترم مولانا ظہور حسین صاحب کا بیان ختم ہوا۔ اس موقعہ پر خاکسار (مولانا شیخ عبدالقادر صاحب۔ناقل) کو ایک بات یاد آئی جسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے کئی مرتبہ اپنے خطبات میں بیان فرمایا ہے کہ بعض اوقات جب بیٹھے بیٹھے حضور کی طبیعت خراب ہو جاتی تو آپ فرماتے کہ اب احباب تشریف لے جائیں۔ اس پر اکثر احباب چلے جاتے مگر چند دوست پھر بھی بیٹھے رہتے۔ حضور فرماتے اب تم دار بھی چلے جائیں۔ اس پر وہ لوگ بھی اُٹھ جاتے لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اُٹھنے لگتے تو حضور فرماتے میاں آپ مراد نہیں ہیں۔"

(ب) "مولانا موصوف (مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا) ہی کا بیان ہے کہ ایک دن جب حضور رض (حضرت خلیفہ اوّل۔ ناقل) درس دے چکے تو مجھے فرمایا کہ تم بیٹھے رہو۔ آپ نے ایک خط لکھا اور سادہ لفافہ میں ڈالکر فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب کو دے آؤ۔ میں نے وہ خط لے لیا۔ جب میں مسجد مبارک کے نیچے مسقّف حصہ پر پہنچا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں پڑھ تو لوں کہ کیا لکھا ہے؟ جب میں نے پڑھا تو میری حیرانی کی حد نہ رہی کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت میاں صاحب کو اس طرح ادب و محبت سے مخاطب کیا ہوا تھا جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ مجھے اُس وقت خیال آیا کہ اوہو! حضرت میاں صاحب کا اتنا بڑا مقام ہے۔ اُس خط کا یہ مضمون تھا کہ بازار میں بعض احمدیوں کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے۔

اسی طرح لاہور کے ایک دوست شوق محمد صاحب عرائض نویس بیان کرتے ہیں کہ "۱۹۰۲ء میں میں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔ میں نے اپنے زمانۂ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بچپن ہی میں چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے اور چونکہ آپ کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا اس لئے کئی بار میں نے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔ وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے اور رخسارِ مبارک پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے "میاں! تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔ اے مولا! اے میرے قادرِ مطلق مولا! اسکو زمانہ کا امام بنا دے!" بعض اوقات فرماتے "اسکو سارے جہان کا امام بنا دے!" مجھ کو حضور کا یہ فقرہ اسلئے چبھتا کہ آپ کسی اور کے لئے ایسی دعا نہیں کرتے صرف اُن کے لئے کرتے ہیں۔ چونکہ طبیعت میں شوخی تھی اسلئے میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لئے اسقدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں کسی اور کیلئے اس قسم کی دعا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر حضور نے فرمایا "اس نے تو امام ضرور بننا ہے میں تو صرف حصولِ ثواب کے لئے دعا کرتا ہوں ورنہ اس میں میری دعا کی ضرورت نہیں"۔ میں یہ جواب سنکر خاموش ہو گیا۔"

(الفضل ۱۳؍ مارچ ۱۹۳۸ء)

ایسا ہی ایک غیر احمدی دوست سید صادق علی صاحب گیلانی ریلوے اسٹیشن پشاور شہر جو سنہ ۱۹۰۸ء سے لیکر سنہ ۱۹۱۱ء تک قادیان میں بغرض حصولِ تعلیم مقیم رہے، انہوں نے ایکدفعہ اُس زمانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"ایک دن جب مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اوّلؓ) گھوڑی سے گرنے کی چوٹ کیوجہ سے علیل تھے مگر کسی قدر اچھی حالت میں تھے تو ایک چھوٹے سے غالیچہ پر ایک پتلی سی رضائی یا لوئی لیکر تشریف رکھتے تھے۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر اسی کمرے کی چٹائی پر ذرا دور جا بیٹھے۔ پتہ نہیں کس کام کیلئے وہاں گئے اور پھر وہیں چند منٹ بیٹھے رہے اور اُن کی سابقہ مسند خالی تھی اور وہ رضائی یا لوئی حلقہ باندھے مسند پر پڑی تھی جس طرح آدمی فرش پر رضائی اوڑھ کر بیٹھا ہوا ہو اور پھر رضائی کو وہیں چھوڑ کر چلا جائے تو رضائی یا لوئی کا مسند پر حلقہ سا بن جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے ابھی کوئی اُٹھ کر گیا ہے مولوی صاحب کی نشست گاہ اسی طرح خالی پڑی تھی اور مولوی صاحب خود ذرا فاصلہ پر تشریف فرما تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب آ گئے۔ تمام کمرہ میں صرف چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ صرف مولوی صاحب کی چھوٹے سے غالیچہ والی مسند تھی۔ مولوی صاحب نے میاں صاحب کو فرمایا کہ آپ وہاں میری جگہ پر بیٹھ جائیں۔ اُسوقت میاں صاحب بالکل نوعمر تھے۔ آپ خاموش رہے اور پاسِ ادب کی وجہ سے مولوی صاحب کی نشست پر نہ بیٹھے۔ مولوی صاحب نے پھر فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میاں وہاں بیٹھ جاؤ۔ پھر بھی میاں صاحب نے تامّل کیا۔ پھر مولوی صاحبؓ نے سہ بارہ فرمایا اور ساتھ ہی خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی کہا کہ میاں صاحب بیٹھ جاؤ۔ پھر میاں صاحب اُس مسند پر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب کے اِس اصرار سے حاضرین پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ مولوی صاحب اُنہیں اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔" یہ واقعہ سنہ ۱۹۱۱ء کا ہے۔ (الفضل ۲ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء ص۳)

مندرجہ بالا تمام روایات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد رشید سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود سے نہایت ہی شدید محبت رکھتے تھے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کا دل سے احترام کرتے، آپ کی تعلیم و تربیت میں پورے طور پر منہمک رہتے اور جماعت کو آپ کے مستقبل میں ملنے والے خداداد منصب کی قبولیت و عرفان کے لئے تیار کرتے رہتے تھے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ اپنے دلوں کے زنگ کی وجہ سے اور روحانی نابینائی کی وجہ سے پسر موعود کی نورانی تجلّی کے عرفان سے محروم رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہمیشہ خلافت کے دامن سے وابستہ رکھے۔ ہمیں اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم مصلحِ موعود کی نورانی کرنوں سے اپنے ظاہر و باطن کو منوّر کرتے رہیں۔ وما توفیقنا اِلّا باللہ و آخر دعوانا اَنِ الحمد للہ رب العالمین ٭

بچوں کا صفحہ

خوش نصیبی کی انتہاء

بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت خوش نصیب بنایا ہے۔ اتنا خوش نصیب کہ آج دنیا بھر میں کسی بھی قوم کے بچے اتنے خوش نصیب نہیں ہیں۔ پہلی خوش نصیبی تو تمہاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں احمدی ماں باپ کے گھر پیدا کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے ہم سب کے آقا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اِس آخری زمانے میں تمہیں حقیقی مسلمان بننے کی توفیق دی۔ دوسری خوش نصیبی یہ ہے کہ اُس نے تمہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے عہدِ مبارک میں پیدا کیا۔ حضور کا وجود بہت ہی مقدس و مبارک ہے اور اسی لئے حضور کا عہدِ خلافت بھی غیر معمولی برکتیں اور رحمتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بہت عظیم الشان فرزند کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ فرزند بڑا ہو کر جماعت کا خلیفہ بنے گا اور اسلام کو ساری دنیا میں پھیلائے گا۔ وہ مصلحِ موعود بھی ہوگا اور موعود خلیفہ بھی۔ یعنی وہ خدائی وعدہ کے مطابق دنیا والوں کی اصلاح کرے گا اور خدائی وعدہ کے مطابق ہی جماعت کا امام بھی بنے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، سیدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے وجود میں بڑی بڑی آسمانی بشارتوں اور پیشگوئیوں کو پورا فرمایا ہے۔ حضور مصلحِ موعود بھی ہیں اور موعود خلیفہ بھی۔ حضور کے ذریعہ آج اسلام ساری دنیا میں پھیل رہا ہے اور بڑی شان سے پھیل رہا ہے۔ دُنیا حضور کے کارناموں پر حیرت کا اظہار کر رہی ہے۔

ایسے عظیم الشان خلیفہ کا زمانہ پانا اور اُس کا پیرو ہونا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ دنیا بھر کے بچوں میں سے یہ خوش نصیبی آج صرف اور صرف تمہیں حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایسے عظیم الشان خلیفہ کے عہد میں پیدا کر کے تمہیں یہ خوش نصیبی خود عطا فرمائی ہے۔ یہ اتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ اِسے خوش نصیبی کی انتہا کہہ سکتے ہیں۔ جب خدا نے تمہیں یہ خوش نصیبی عطا کی ہے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اپنی اِس خوش نصیبی پر خدا کا شکر ادا کرو اور ادا کرتے ہی چلے جاؤ۔

شکر ادا کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم زبان اور دل سے خدا تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا کرو۔ اُس کی تعریف اور بڑائی بیان کرنے کی عادت ڈالو۔ شکر ادا کرنے کا دوسرا طریق یہ ہے کہ حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ ایسی محبت کرو کہ دنیا میں زندہ انسانوں میں سے اور کسی انسان سے تمہیں ایسی محبت نہ ہو حضور کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرو۔ جن باتوں سے حضور نے منع کیا ہے اُن کے قریب بھی نہ جاؤ اور جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اُنہیں خوشی خوشی بجا لاؤ پھر حضور کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعائیں مانگو تاکہ حضور کا بابرکت سایہ لمبے عرصہ تک ہمارے سروں پر قائم رہے۔

تم صحیح معنوں میں خوش نصیب بھی کہلاؤ گے کہ دین کے خادم بنو۔ اگر تم دین کے خادم بنو گے تو خدا تمہیں اپنی برکتوں سے اِس قدر نوازے گا کہ دنیا تم پر رشک کرے گی۔ اے خوش نصیبو! اپنی اِس خوش نصیبی کی قدر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے مبارک عہد میں پیدا کیا ہے۔ قدر یہی ہے کہ ایسے نیک بنو ایسے نیک بنو کہ لوگ تمہیں دیکھ کر کہیں کہ واقعی نیکی اور شرافت اور دین کی خدمت میں احمدی بچوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خدا تعالیٰ تمہیں اِس کی توفیق دے۔

آمین اللّٰھم آمین +

مسیحِ پاکؑ کا لختِ جگر

(سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام)

تُو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا — دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا
صد شکر ہے خدایا، صد شکر ہے خدایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

میری دعائیں ساری کریو قبول باری — مَیں جاؤں تیرے واری کر تُو مدد ہماری
ہم تیرے در پہ آئے لے کر امید بھاری
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

لختِ جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا — دے اِس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا
دن ہوں مُرادوں والے پُر نور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

(دُرِّ ثمین)

اہم مرکزی اعلانات

اجتماع انصار اللہ مرکزیہ کے مبارک ایّام قریب آرہے ہیں

زعماء انصار اللہ سے ایک ضروری گزارش

الحمد للہ کہ سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ کے مبارک ایّام قریب آرہے ہیں۔ امسال اس خالص دینی و تربیتی مرکزی اجتماع کے انعقاد کیلئے ۳۰-۳۱ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۶۴ء (بروز جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار) کی تاریخیں مقرر کی گئی ہیں۔ اِن تاریخوں میں ہمارا یہ سواں سالانہ اجتماع انشاء اللہ العزیز ذکرِ الٰہی اور انابت الی اللہ کی مخصوص روایات کے ساتھ ربوہ میں منعقد ہوگا۔ اس میں شمولیت خدا کے فضل سے انصار اللہ کے لئے تزکیۂ نفوس اور تطہیرِ قلوب کی دولت سے مالا مال کرنے کا موجب ہوتی ہے اور اس میں شامل ہونیوالے خدا تعالےٰ کے فضل سے اپنے قلوب میں نمایاں تغیر اور اپنی زندگی میں واضح تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔ ایسے بابرکت اجتماع میں شمولیت سعادتِ عظمیٰ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی عظیم الشان برکات کا اندازہ اِس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نوجوانانِ جماعت بھی اس میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انصار اللہ کا بدرجہ اولیٰ یہ فرض ہے کہ وہ روحانی تربیت کے اِس انمول موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں اور پہلے سے زیادہ تعداد میں اپنے اس مرکزی اجتماع میں شریک ہوں۔ آپ سے یہ بھی گزارش ہے کہ:۔

۱۔ مجلس شوریٰ انصار اللہ میں پیش کرنے کے لئے کوئی تجاویز اگر آپ اپنی مجلس کی طرف سے بھجوانا چاہیں تو مقامی مجلس عاملہ کی منظوری حاصل کر کے زیادہ سے زیادہ بیس ستمبر تک مطلع فرماویں تاکہ مجلس عاملہ مرکزیہ ان پر غور کر سکے اور شوریٰ کے لئے ایجنڈا مرتب کر کے تمام مجالس کو غور کرنے کے لئے شوریٰ سے کافی عرصہ قبل بھجوایا جا سکے۔ ایسی تجاویز کے مرکز میں پہنچنے کی آخری تاریخ ۲۰ ستمبر مقرر کی گئی ہے۔

۲۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر آئندہ تین سال کے لئے صدرِ مجلس کا انتخاب ہوگا لہذا آپ اپنی مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد صدارت کے لئے ایک نام مرکز میں بھجوا دیں۔ نام بھجوانے کی آخری تاریخ ۲۰ ستمبر مقرر کی گئی ہے۔

۳۔ آپ کی مجلس کی طرف سے مجلسِ شوریٰ انصار اللہ میں شرکت کے لئے نمائندگان کے اسماء گرامی کے متعلق مرکز میں اطلاع زیادہ سے زیادہ ۲۰ اکتوبر تک پہنچ جانی چاہیئے۔ بیس اراکین یا اس کی کسر پر ایک نمائندہ منتخب ہوگا۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام اور ناظم / ناظم اعلیٰ / زعیم / زعیم اعلیٰ بحیثیتِ عہدہ شوریٰ کے رکن ہوں گے۔

سالانہ اجتماع کا چندہ ازراہِ کرم جلد بھجوا دیا جائے تاکہ اجتماع کی تیاری میں روک پیدا نہ ہو۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔ والسلام

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ بابت ماہ اگست ۱۹۶۴ء

نتیجہ امتحان انصاراللہ سہ ماہی دوم

قیادت تعلیم مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے زیر اہتمام مورخہ ۱۴ جون ۱۹۶۴ء کو کتاب "ضرورت الامام" اور ترجمہ نماز و درس شرائط بیعت کا اراکین انصاراللہ سے امتحان لیا گیا تھا۔ جس کا نتیجہ ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس امتحان میں مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر دارالصدر ربوہ اول اور مکرم میاں عطاء الرحمٰن صاحب دارالرحمت وسطی دوم رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ مبارک کرے۔

(قائد تعلیم مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

معیارِ اوّل

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	درجہ
۱	کوئٹہ	عبدالقیوم صاحب	اول
۲	"	محمد حیات چوہدری	دوم
۳	"	محمد احمد صاحب فاضل	اول
۴	"	ملک محمد اقبال صاحب	دوم
۵	"	نواب الدین صاحب	اول
۶	"	چوہدری محمد عبداللہ صاحب	"
۷	"	فیض الحق صاحب	"
۸	"	محمد عبدالحق صاحب	"
۹	"	شیخ محمد حنیف صاحب	"
۱۰	"	" بشیر احمد صاحب	سوم
۱۱	"	ملک غلام حسین صاحب	"
۱۲	"	محمد اسحٰق صاحب عابد	اول
۱۳	"	محمد عیسےٰ خان صاحب	"
۱۴	"	محمد نقیب صاحب عارف	"
۱۵	"	جمعدار علی محمد صاحب	سوم
۱۶	"	سید عبدالرشید صاحب	اول
۱۷	"	جمعدار سردار خان صاحب	"
۱۸	"	صوبیدار محمد شریف صاحب	"
۱۹	شیخوپورہ	فقیر محمد صاحب	"
۲۰	"	گلزار احمد صاحب	"
۲۱	شیخوپورہ	ٹھیکیدار محمد صادق صاحب	سوم
۲۲	"	شیخ گلزار احمد صاحب	اول
۲۳	"	"	"
۲۴	سکھر	قریشی عبدالرحمٰن صاحب	"
۲۵	"	صوفی محمد رفیع صاحب	"
۲۶	"	محمد حنیف الرحمٰن صاحب	سوم
۲۷	محمود آباد جہلم	غلام مصطفےٰ صاحب	اول
۲۸	"	مستری محمد شریف صاحب	"
۲۹	"	عبدالستار صاحب	"
۳۰	"	ملک محمد شریف صاحب	"
۳۱	"	محمد الدین صاحب پنشنر	"
۳۲	"	فضل احمد صاحب	"
۳۳	گوجرانوالہ	خورشید احمد صاحب	دوم
۳۴	"	محمد شفیع صاحب	اول
۳۵	"	ماسٹر یعقوب صاحب	"
۳۶	"	محمد اکبر صاحب	"
۳۷	"	اقبال محمد صاحب	"
۳۷ الف	"	محمد بشیر صاحب چغتائی	"
۳۸	کراچی	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب	"
۳۹	"	سردار احمد صاحب	"
۳۹ الف	"	حبیب بخش صاحب	"

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	درجہ
۴۰	کراچی	چوہدری احمد مختار صاحب	اول
۴۱	"	بشیر احمد صاحب	"
۴۲	"	صوفی عبدالرحمن صاحب	دوم
۴۳	"	رفیع الزمان صاحب	اول
۴۴	"	محمد عبداللہ صاحب جہر	"
۴۵	"	محمد شفیع صاحب	"
۴۶	"	ملک نصیر احمد صاحب	"
۴۷		حاجی عبدالحکیم صاحب	"
۴۸	"	صدرالدین صاحب	سوم
۴۸ الف	"	ظل الدین صاحب صدیقی	دوم
۴۹	"	چوہدری سلطان محمود صاحب	اول
۵۰	"	آفتاب احمد صاحب بسمل	"
۵۱	"	عبدالمجید صاحب طالب	"
۵۲	"	سید محمد یوسف شاہ صاحب	"
۵۳	"	چوہدری عزیز اللہ صاحب	"
۵۴	خانیوال	اللہ دتہ صاحب	سوم
۵۵	"	محمد عبداللہ صاحب	اول
۵۶	"	حکیم انوار حسین صاحب	"
۵۷	نارنگ منڈی	محمد ابراہیم صاحب	سوم
۵۸	"	مسعود الرحمن صاحب	"
۵۹	جہلم شہر	مولوی عبدالکریم صاحب	اول
۶۰	"	مولوی عبدالعزیز صاحب	"
۶۱	"	خداداد محمد ابراہیم صاحب	"
۶۲	"	حکیم محمد عبداللہ صاحب	"
۶۳	مستونگ	ملک برکت اللہ صاحب	"
۶۴	گولیکی ضلع گجرات	پیرزادہ فیض عالم صاحب	"
۶۵	"	پیر محمد اکبر صاحب	"
۶۶	"	ماسٹر اللہ دتہ صاحب	"
۶۷	"	پیرزادہ محمد اکبر شاہ	"

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	درجہ
۶۸	گولیکی ضلع گجرات	خوشی محمد صاحب	اول
۶۹	مسلم گنج لاہور	عبدالحکیم صاحب	"
۷۰	"	غلام محمد صاحب پرویز	"
۷۱	"	حیات محمد صاحب	"
۷۲	"	غلام رسول چوہدری	"
۷۳	"	ملک مظفر احمد صاحب	"
۷۴	سیالکوٹ شہر	محمد اقبال صاحب	"
۷۵	"	چوہدری اللہ دتہ صاحب	"
۷۶	راولپنڈی	قریشی نثار احمد صاحب	"
۷۷	"	ملک محمد شریف صاحب	"
۷۸	"	عبدالستار صاحب	"
۷۹	"	فتح محمد صاحب قریشی	"
۸۰	"	سید بشیر احمد صاحب	"
۸۱	"	حافظ مبین الحق صاحب	"
۸۲	"	قاضی نذیر احمد صاحب	"
۸۳	"	فضل احمد صاحب	"
۸۴	"	بشیر احمد صاحب	"
۸۵	"	ماسٹر عبدالرحمن صاحب	"
۸۶	"	چوہدری عبداللہ صاحب	"
۸۷	جڑانوالہ	عطا محمد صاحب	"
۸۸	چک ۹۹ ش	شیر محمد صاحب	"
۸۹	"	غلام رسول صاحب	"
۹۰	آنبہ کرم پور	حکیم عبدالرحمن صاحب	"
۹۱	"	عبدالحق صاحب	"
۹۲	"	محمد موسے صاحب	"
۹۳	"	سید لال شاہ صاحب	"
۹۴	ننکانہ صاحب	چوہدری برکت علی صاحب	"
۹۵	"	ڈاکٹر حاجی عبدالرحمن صاحب	"
۹۶	"	غلام جیلانی صاحب	"

۹۹	کریم نگر فارم	منشی سلطان علی صاحب	اول
۱۰۰	منٹگمری	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب	"
۱۰۱	"	عبدالحق صاحب	سوم
۱۰۲	"	علی محمد صاحب	اوّل
۱۰۳	"	محمد اسحٰق صاحب	"
۱۰۴	دارالیمن ربوہ	محمد حسین صاحب	"
۱۰۵	"	فیروز الدین صاحب	"
۱۰۶	"	عبدالرحمٰن صاحب	"
۱۰۷	"	ماسٹر شیر علی صاحب	"
۱۰۸	"	محمد اسمٰعیل صاحب	"
۱۰۹	"	محمد شفیع صاحب	"
۱۱۰	"	بشیر احمد صاحب	"
۱۱۱	دوالمیال	عبدالغنی صاحب	دوم
۱۱۲	"	منشی مولا بخش صاحب	اول
۱۱۳	"	علی حیدر صاحب	"
۱۱۴	"	قاضی عبدالرحمٰن صاحب	"
۱۱۵	پشاور	میاں عبدالرشید صاحب	"
۱۱۶	"	مرزا بشیر احمد صاحب	"
۱۱۷	"	خلیل الرحمٰن صاحب	"
۱۱۸	"	خواجہ محمد شریف صاحب	"
۱۱۹	"	چوہدری رکن الدین صاحب	"
۱۲۰	"	مرزا نصیر احمد صاحب	"
۱۲۱	"	مولا بخش صاحب	"
۱۲۲	"	مرزا عبدالمجید صاحب	"
۱۲۳	"	عبدالکریم صاحب	"
۱۲۴	"	محمد الطاف صاحب	"
۱۲۵	گھوگھیاٹ	قاضی کمال الدین صاحب	"
۱۲۶	"	بشیر احمد صاحب	"
۱۲۷	گھسیٹ پور	مولوی خدا بخش صاحب	سوم
۱۲۸	"	محمد شفیع صاحب	اوّل
۱۲۹	گھسیٹ پورہ	ماسٹر عبدالحمید صاحب	سوم
۱۳۰	"	عبدالرحیم صاحب	"
۱۳۱	"	محمد خورشید احمد صاحب	اول
۱۳۲	"	رحمت اللہ صاحب	"
۱۳۳	دارالصدر جنوبی	محمد اسمٰعیل صاحب معتبر	"
۱۳۴	دارالبرکات	امام علی صاحب	"
۱۳۵	"	محمد صادق صاحب	"
۱۳۶	"	غلام حیدر صاحب	دوم
۱۳۷	"	ضیاء الدین صاحب	اول
۱۳۸	"	نصر اللہ خان صاحب	"
۱۳۹	"	محمد حسین صاحب	دوم
۱۴۰	دارالنصر شرقی	سردار احمد صاحب	اول
۱۴۱	"	محمد علی صاحب	"
۱۴۲	"	بشیر احمد صاحب	"
۱۴۳	"	عبدالرحمٰن صاحب شاکر	"
۱۴۴	دارالرحمت غربی	حاجی محمد فاضل صاحب	اول
۱۴۵	"	ثناء اللہ صاحب زرگر	"
۱۴۶	"	حکیم فضل الٰہی صاحب	"
۱۴۷	"	محمد تقی صاحب	"
۱۴۸	"	حکیم عبدالرحمٰن صاحب	"
۱۴۹	"	محمد اقبال صاحب	"
۱۵۰	"	ڈاکٹر فرزند علی صاحب	"
۱۵۲	دارالرحمت غربی	کیپٹن محمد سعید صاحب	"
۱۵۳	"	محمود احمد صاحب	"
۱۵۴	"	صوفی بشارت الرحمٰن صاحب	"
۱۵۵	"	" عطا محمد صاحب قریشی	"
۱۵۶	دارالصدر شرقی	حاکم علی صاحب	"
۱۵۷	"	محمد الدین صاحب	دوم
۱۵۸	"	مرزا فتح الدین صاحب	اول
۱۵۹	"	نور احمد صاحب	"

۱۶۰ دار الصدر شرقی خواجہ عبید اللہ صاحب اول
۱۶۱ " صوفی رمضان علی صاحب "
۱۶۲ دار النصر غربی حکیم نذیر احمد صاحب "
۱۶۳ " مستری غلام قادر صاحب دوم
۱۶۴ دار الرحمت شرقی عبد المومن صاحب کاٹھ گڑھی اول (عبد المجید خان صاحب اول)
۱۶۵ " بٹالوی عطاء الرحمن صاحب "
۱۶۶ " " ماسٹر عبد الکریم صاحب "
۱۶۷ " " منشی عبد الرحیم صاحب شرما "
۱۶۸ " " قریشی محمد عبید اللہ صاحب "
۱۶۹ " " محمد شفیع صاحب "
۱۷۰ " " قریشی عطاء اللہ صاحب "
۱۷۱ " شرقی مرزا برکت علی صاحب "
۱۷۲ الف گولبازار محمد شفیع صاحب قریشی دوم
۱۷۲ دار الصدر غربی محمد ابراہیم صاحب ناصر اول
۱۷۳ " چوہدری اللہ بخش صاحب "
۱۷۴ " محفوظ الرحمن صاحب "
۱۷۵ " طہٰ احمد صاحب باجوہ "
۱۷۶ " ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب "
۱۷۷ احمد نگر محمد حسین صاحب بٹ دوم
۱۷۸ " فرمان علی صاحب اول
۱۷۹ " عبد الرحمن صاحب اتالیق "
۱۸۰ سمبڑیال محمد امین صاحب "
۱۸۱ " سراج الدین صاحب "
۱۸۲ لائل پور چوہدری ظفر اللہ صاحب "
۱۸۳ " سید عطا حسین شاہ صاحب "
۱۸۴ " چوہدری غلام جیلانی صاحب "
۱۸۵ " شیخ عبد العزیز صاحب "
۱۸۶ " ڈاکٹر محمد امین الدین صاحب "
۱۸۷ " صوفی طالب حسین صاحب "

۱۸۸ لائل پور شیخ عبد القیوم صاحب اول
۱۸۹ " چوہدری فضل کریم صاحب "
۱۹۰ " " سید شریف صاحب "
۱۹۱ " محمد عیسےٰ خان صاحب "
۱۹۲ " عبد الرحمن صاحب "
۱۹۲ الف " دوست محمد صاحب "
۱۹۳ سول لائن لائلپور سربلند صاحب "
۱۹۴ " حکیم جان محمد صاحب دوم
۱۹۵ " چوہدری عنایت اللہ صاحب "
۱۹۶ " ڈاکٹر عبد الواحد خان صاحب اول
۱۹۸ گنری چوہدری فضل دین صاحب "
۱۹۹ نکڑی ایریا دیہہ عبد الغنی صاحب "
۲۰۰ " محمد علی خان صاحب "
۲۰۱ " بشارت احمد صاحب "
۲۰۲ " سید احمد صاحب عالمگیر "
۲۰۳ " مرزا محمد یعقوب صاحب "
۲۰۴ " سید عبد المنان صاحب "
۲۰۵ " محمود مقان صاحب "
۲۰۶ " محمد شریف صاحب "
۲۰۸ جھنگ صدر سردار محمد صاحب سوم
۲۰۹ " غلام محمد صاحب اول
۲۱۰ " محمد بخش صاحب "
۲۱۱ " سراج الدین صاحب "
۲۱۲ " محمد صدیق صاحب خادم "
۲۱۳ " علی محمد صاحب "
۲۱۴ حیدرآباد بابو عبد الغفار صاحب سوم
۲۱۵ " عبد الباسط صاحب صدیقی "
۲۱۶ " مرزا اعظم صاحب دوم
۲۱۷ " بشیر احمد شاہ صاحب اول

معیار دوم

۱۔ کنری چوہدری غلام مرتضےٰ صاحب اول
۲۔ " عبد العزیز صاحب "
۳ " اکبر علی صاحب "
۴ " اللہ بخش صاحب "
۵ " حاجی محمد انور صاحب دوم
۶ " چوہدری محمد علی صاحب اول
۷ " سید بشیر حسین شاہ صاحب "
۸ " ماسٹر فضل کریم صاحب "
۹ " مولوی رحمت اللہ صاحب "
۱۰ احمد نگر میاں ناظر الدین صاحب سوم
۱۱ " محمد ظہور خان صاحب "
۱۲ " مستری رحمت علی صاحب دوم
۱۳ " محمد ابراہیم صاحب نمبردار سوم
۱۴ " میاں علم الدین صاحب سوم
۱۵ " مہر اسمٰعیل صاحب "
۱۶ " اسرار خان صاحب "
۱۷ دو المیال ملک احمد خان راخد صاحب اول
۱۸ " حاجی عبد اللہ خان صاحب دوم
۱۹ " ملک مہر محمد صاحب سوم
۲۰ " صوبیدار محمد خان صاحب دوم
۲۱ " ملک عباس خان صاحب سوم
۲۲ " مستری غلام محمد صاحب اول
۲۳ " کیپٹن شیر زمان صاحب دوم
۲۴ " امیر علی صاحب "
۲۵ " عبد الرحمن صاحب سوم
۲۶ " احمد خان صاحب دکاندار "

اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان وعدہ اور اس کا مہتم بالشان ظہور

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں :-

'' قریباً اٹھارہ برس سے ایک یہ پیشگوئی ہے الحمدللہ الذی جعل لکم الصھر والنسب ترجمہ : وہ خدا سچا خدا ہے جس نے تمہارا دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سید تھے کیا اور خود تمہاری نسب کو شریف بنایا جو فارسی خاندان اور سادات سے معجون مرکب ہے۔ اس پیشگوئی کو دوسرے الہامات میں اور بھی تصریح سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ اس شہر کا نام بھی لیا گیا تھا جو دھلی ہے . . . اور جیسا کہ لکھا تھا ایسا ہی ظہور میں آیا کیونکہ بغیر تعلقات قرابت اور رشتہ کے دھلی میں ایک شریف اور مشہور خاندان سیادت میں میری شادی ہوگئی اور یہ خاندان خواجہ میر درد کی لڑکی کی اولاد میں سے ہے جو مشاہیر اکابر سادات دھلی میں سے ہے ...یہ خاندان اپنی ذاتی خوبیوں اور نجابتوں کی وجہ سے اور نیز خواجہ میر درد کی دختر زادگان ہونے کے باعث سے ایسی عظمت کی نگاہ سے دھلی میں دیکھا جاتا تھا کہ گویا دھلی سے مراد انہی عزیزوں کا وجود تھا۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہربانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاول کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے ''

(تریاق القلوب)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا۔

جلد ۵ ستمبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۹

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **انصار اللہ** ربوہ

ستمبر ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- چھ روپے ؛ فی پرچہ :- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

نظام کی اطاعت کا قرآنی حکم اور اس کی بنیادی اہمیت	ایڈیٹر	۳
بیعت کی اصل حقیقت اور اطاعت کی اہمیت	حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۶
فَدَتْ نَفْسِیْ نَبِیًّا ذَا الْمَقَامِ (عربی نظم)	" " "	۲۱
عارف آن کو گویدش لاثانی است (فارسی نظم)	" " "	۲۲
اطاعت اور فرمانبرداری کی روح	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۲۳
شانِ مصلح موعود	حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل	۲۸

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم ٭ پرنٹر: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ "مصباح"

دارالصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۹

۱۵ر ستمبر ۱۹۶۴ء

پاکیزگیٔ اعمال اور جماعتی اتحاد کو ترقی دینے کا گُر

نظام کی اطاعت کا قرآنی حکم اور اُس کی بنیادی اہمیت

اللہ تعالیٰ جب دُنیا میں اپنا کوئی مامور مبعوث فرماتا ہے تو وہ مامور پراگندہ و منتشر انسانیت میں اتحاد و ائتلاف کی ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد قائم کرتا ہے۔ جو لوگ حق کو پہچان کر اُس کی آواز پر لبیک کہتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں انہیں وہ اپنی خدا داد قوّتِ قدسی اور باطنی جذب و کشش کی مدد سے پاک و صاف بنا کر ایک ناقابلِ تسخیر وحدت میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ آپس کی دشمنیاں اور عداوتیں بھلا کر باہم دگر ایک ہو جاتے ہیں۔

مامور من اللہ کا اِس طرح پراگندہ و منتشر انسانیت کو متحد کر دکھانا معجزہ سے کم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ اُس سے اِس لئے ظہور میں آتا ہے کہ اُس کی ذات ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایک طرف وحیٔ الٰہی کا مرکز ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ایک نہایت ہی مربوط نظام کا مرکز ہوتا ہے۔ اُس کی اوّل الذکر حیثیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق پر دلالت کرتی ہے اور مؤخر الذکر حیثیت کا تعلق براہِ راست اُس کے اپنے متبعین کے ساتھ ہوتا ہے پہلی حیثیت کے اعتبار سے وہ خدا داد قوّتِ قدسی کے ذریعہ اپنے متبعین کو پاکیزگیٔ اعمال کے وصف سے متصف کرتا ہے اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے وہ انہیں اتحاد کی دولت سے مالا مال کر دکھاتا ہے۔ پھر وہ ان کی اِس طور پر

تربیت و راہنمائی کرتا ہے کہ وہ پاکیزگی اعمال اور جماعتی اتحاد میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کی باہمی قوت اور اثر اندازی کی اہلیت میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں ترقی و مضبوطی کا انحصار ایک خاص خُلق پر ہوتا ہے۔ مامورمن اللہ اپنے متبعین کو پاک و صاف بنانے اور انہیں متحد کرنے کے بعد یہ خُلق بھی ان میں پیدا کر دکھاتا ہے اور اسی کی بدولت وہ دنیا میں ترقی کرتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ اس بنیادی خُلق کی اہمیت کو ہی واضح کرنا فی الوقت ہمارے مدنظر ہے کیونکہ وہ خُلق ایسا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر نہ تو کسی مامور من اللہ کے متبعین کے اندر پاکیزگیٔ اعمال میں دوام کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی جماعتی اتحاد کسی حال میں برقرار رہ سکتا ہے۔

سو وہ بنیادی خُلق جس پر پاکیزگیٔ اعمال اور جماعتی اتحاد کا انحصار ہوتا ہے **اطاعت** ہے۔ اطاعت کو لازم پکڑے بغیر نہ پاکیزگیٔ اعمال میں دوام کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی جماعتی اتحاد دوامی طور پر قائم و برقرار رہ سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پر بہت زور دیا ہے اور اسے لازم پکڑنے کی مومنوں کو حکم کے رنگ میں تاکید فرمائی ہے۔ اب جہاں تک اطاعت کا تعلق ہے اس میں اللہ، رسول، اور نظام تینوں کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ	اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو اور
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ	رسول کی اور اولی الامر (یعنی نظام کو چلانے والے
مِنْکُمْ۔ (النساء آیت ۶۰)	ذمہ دار اصحاب) کی اطاعت کرو۔

اس تعلق میں یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصل اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ رسول کی اطاعت اس لئے فرض ہے کہ وہ اللہ ہی کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ بدیں وجہ اس کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت شمار ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج	جو رسول کی اطاعت کرے (تو سمجھو کہ) اس
(النساء آیت ۸۱)	نے اللہ ہی کی اطاعت کی

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ رسول، جیسا کہ ہم سطور بالا میں واضح کر آئے ہیں، منصبِ رسالت پر فائز ہونے کی وجہ سے دو حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے اور ان ہر دو حیثیتوں میں مومنوں پر رسول کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اوّل تو رسول وحیٔ الٰہی

کا مورد ہوتا ہے دوسرے تنفیذِ وحیٔ الٰہی کا بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے رسول کی ذات آسمانی ہدایت کا بھی مرکز ہوتی ہے اور تنفیذِ وحی کے اعتبار سے اپنے متبعین کے لئے نظام کا مرکز بھی اُسی کی ذات ہوتی ہے۔ وحیٔ الٰہی کا مورد ہونے کی وجہ سے اُس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کہلاتی ہے اور دوسری طرف تنفیذِ وحی کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت نظام کی اطاعت کے بھی مترادف ہوتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت میں بہر حال نظام کی اطاعت شامل ہے اور جہاں بھی خدا نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہ حکم نظام کی اطاعت پر بھی حاوی ہے سو جب ہم رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ نظام کی اطاعت بھی بجا لا رہے ہوتے ہیں یہی حال خود رسول کے قائم کردہ یا رسول کے بعد خدا کے منشاء کے مطابق قائم ہونے والے نظام کی اطاعت کا ہے یعنی جب ہم نظام کی اطاعت کرتے ہیں تو ہم در اصل رسول ہی کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو نظام کی اطاعت در اصل رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت فی الاصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح جو شخص رسول کے قائم کردہ یا رسول کے بعد قائم ہونے والے نظام کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ در اصل رسول کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے اور جو رسول کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ در اصل اللہ کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے۔

اب چونکہ رسول کی اطاعت میں نظام کی اطاعت شامل ہے یا بالفاظِ دیگر نظام کی اطاعت در اصل رسول ہی کی اطاعت ہے اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی آیت ۶۰ میں جو اُوپر درج کی جا چکی ہے اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے پہلے اَطِیْعُوْا کا لفظ نہیں دُہرایا بلکہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کو اَلرَّسُوْلَ کے ساتھ شامل کر کے حکم یہ دیا کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی رسول اور نظامِ جماعت کو چلانے والے ذمہ دار اصحاب دونوں کی اطاعت کرو۔ یہ اسلوبِ بیان اِسی لئے اختیار کیا تاکہ ظاہر ہو کہ نظام کی اطاعت در اصل رسول ہی کی اطاعت ہے نہ کہ کسی غیر کی۔ البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اطاعتِ رسول میں نظام کی اطاعت از خود شامل ہے تو پھر وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کہہ کر نظام کی اطاعت کا علیحدہ حکم کیوں دیا؟ سو یہ علیحدہ حکم بھی ایک بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ رسول بہر حال انسان ہوتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ ہمیش زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کی رحلت کے بعد خلافت کے ذریعہ ایک نظام کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اُس وقت تنفیذِ وحیٔ الٰہی کا فریضہ اُس نظام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اِس طرح اُس نظام کی حیثیت رسول کی قائم مقامی میں خود رسول ہی کی طرح ایک مرکز کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اُس وقت اللہ، رسول اور نظام تینوں کی اطاعت علیحدہ علیحدہ فرض ہو جاتی ہے اور وہ بھی اِس صورت میں کہ نظام کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کا اور رسول کی اطاعت

کو اللہ کی اطاعت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اندریں صورت تینوں کی اطاعت کا علیحدہ علیحدہ ذکر بھی ضروری تھا۔ پس اللہ، رسول، اور نظام تینوں کی اطاعت فرض ہے اور اس سہ گونہ اطاعت پر ہی پاکیزگیٔ اعمالی اور باہمی اتحاد کا دار و مدار ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت (جس میں نظام کی اطاعت لازمی طور پر شامل ہے) کے نتیجہ میں جہاں تک اعمال کی پاکیزگی حاصل ہونے کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے روحانی درجات کے حصول کو اس کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ	اور جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کی
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ	اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں۔
حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ٥ (النساء آیت)	اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول اور نظام کی پوری پوری اطاعت کے نتیجہ میں صرف پاکیزگیٔ اعمال ہی میسر نہیں آتی بلکہ اعلیٰ ترین روحانی مدارج کا حصول بھی اس اطاعت پر ہی موقوف ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ اور رسول اور اُن کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کو لازم پکڑا اور اس پر مداومت اختیار کی وہ گویا اپنی مراد کو پہنچ گیا اور یوں سمجھو کہ اس نے بڑی سے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا وہ
فَوْزًا عَظِيْمًا ٥	بے شک بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول اور انکے قائم کردہ نظام کی اطاعت سے باہر ہو کر نیک اعمال بجا لائے گا یعنی خدا اور رسول اور ان کے قائم کردہ نظام کی پرواہ کئے بغیر محض اپنی خواہشات کی پیروی کو لازم پکڑے گا اس کے اعمال خواہ پہاڑوں کے برابر بھی کیوں نہ ہوں سب اکارت جائیں گے اور اُسے کوئی روحانی درجہ ملنا تو رہا درکنار وہ سراسر خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ اسی لئے اُس نے مومنوں کو تاکیدی حکم دیا کہ:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ	اے ایماندارو! اللہ اور اس کے رسول کی
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا	اطاعت کرو اور (اطاعت سے روگردانی کرکے)

حقیقت اور ابدی صداقت ہے کہ جس کے لئے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر ہم قرآنی ہدایات کی روشنی میں دیکھیں تو اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے نتیجہ میں اتحاد کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا دو اور دو چار کی طرح عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جب بھی کوئی جماعت اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کو لازم پکڑے گی تو پھر اس کے لئے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ وہ خدا رسول کے احکامات و فرمودات سے ذرہ بھر بھی سرتابی کر سکے۔ ان احکامات میں باہم متحد رہنے اور تفرقہ سے بچنے کا تاکیدی حکم بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج (آلِ عمران آیت ۱۰۴)	اور تم سب کے سب اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو اور اللہ کا احسان جو اُس نے تم پر کیا ہے اُس کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اُسکے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

باہم متحد رہنے کا تاکیدی حکم دینے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خاص خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ اس اطاعت کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی جھگڑا نہ کرو بلکہ باہم متحد رہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ، رسول اور نظام تینوں کی اطاعت سے باہر ہو جاؤ گے اور تمہاری طاقت زائل ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال آیت ۴۷)	اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہا کرو اور آپس میں اختلاف نہ کیا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو دل چھوڑ بیٹھو گے اور تمہاری طاقت جاتی رہے گی۔

ان سب آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت وہ بنیادی تعلق ہے جس کے نتیجہ میں ایک خدائی جماعت کے افراد پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں روز بروز ترقی کر کے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر حق و صداقت کو دنیا میں پورے طور پر غالب کر کے اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نظام کی اطاعت پر بے انتہا زور دیا ہے، اطاعت کو لازم پکڑنے والوں کے لئے فوز و فلاح اور حصولِ جنت کی ضمانت دی ہے اور اطاعت سے روگردانی اختیار کرنے والوں کو حبطِ اعمال اور عذابِ جہنم کی وعید سے ڈرایا ہے۔

اَعْمَالَکُمْ (محمدؐ آیت ۳۴)　　　اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

اعمال اکارت جانے کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت سے باہر ہونے والوں اور بغاوت کا طریق اختیار کرنے والوں کی عاقبت کبھی محمود نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے خبردار فرمایا کہ :-

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (النساء آیت ۱۵)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکل جائیگا اُسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ایک لمبے عرصہ تک رہتا چلا جائے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مقدر ہے۔

برخلاف اس کے جو لوگ اللہ، رسول اور ان کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کو لازم پکڑنے والے ہیں اور خفیف سے خفیف امر میں نافرمانی کے قریب بھی نہیں پھٹکتے انہیں اللہ تعالیٰ صاف اور واضح الفاظ میں جنّت کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (النساء آیت ۱۴)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے انہیں وہ اُن باغوں میں جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی داخل کریگا اور وہ ان میں رہتے چلے جائیں گے۔

قرآن مجید کی یہ سب آیات جو ہم نے اُوپر درج کی ہیں اس امر پر شاہدِ ناطق ہیں کہ پاکیزگیٔ اعمال یعنی تقویٰ و طہارت کا حصول اللہ اور اُس کے رسول اور نظام کی کما حقہٗ اطاعت پر منحصر ہے۔ اطاعت ہی وہ بنیادی خُلق ہے جس کے نتیجہ میں انسان جنّت میں داخل ہونے کے قابل بنتا ہے اور اس سے روگردانی اُسے دوزخ میں پہنچانے کا موجب بنتی ہے۔

قرآن مجید کی رُو سے یہ امر واضح ہو جانے کے بعد کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے نتیجہ میں پاکیزگیٔ اعمال میسر آتی ہے اب ہم اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ اطاعت کے نتیجہ میں قومی اتحاد کو کیوں کر فروغ حاصل ہوتا ہے اور کس طرح اتحاد مستحکم سے مستحکم تر ہو کر قوم کو ترقی کی شاہراہ پر آگے ہی آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اوّل تو جب اطاعت کو لازم پکڑنے سے پوری کی پوری جماعت ایک ہی ہاتھ پر اُٹھنے اور ایک ہی ہاتھ پر بیٹھنے کی عادی ہو جائے تو اس کے اتحاد کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ یہ ایک ایسی واضح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایسی پُر حکمت اور بے مثال و لازوال تعلیم لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اپنی عظیم الشان قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے صحابہؓ کو پاکیزگیٔ اعمال سے ایسا متصف کیا اور پھر انہیں اتحاد کی دولت سے ایسا مالا مال فرمایا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ان اوصاف کو ترقی دینے اور ان میں دوام کی کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے قرآنی تعلیم کے عین مطابق اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے جذبہ کو ان میں ایسا اُجاگر کیا اور اُسے اس طور پہ پروان چڑھایا کہ اسکی بدولت ان میں اعمال کی پاکیزگی راسخ سے راسخ تر اور ان کا باہمی اتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ صحابہؓ کے جذبۂ اطاعت کا حال پڑھ کر یورپ کے مستشرق آج بھی حیران ہوتے اور اپنی حیرت کا برملا اظہار کئے بغیر نہیں رہتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے جذبۂ اطاعت اور اس جذبہ کے انتہائی بلند معیار اور پھر اس کے نہایت ہی شیریں اثمار پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں :-

"لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی) دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں۔ ان کی اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دوسرے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ وہ تلوار جو اُن کو اُٹھانی پڑی وہ صرف اپنی حفاظت کے لئے تھی ورنہ اگر وہ تلوار نہ بھی اُٹھاتے تو یقیناً وہ زبان ہی سے دنیا کو فتح کر لیتے۔ ....

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ بڑے اہل الرائے تھے۔ خدا نے اُن کی بناوٹ ایسی ہی رکھی تھی۔ وہ اصولِ سیاست سے بھی خوب واقف تھے کیونکہ آخر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے اور ان میں سلطنت آئی تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کے ساتھ سلطنت کے بارِ گراں کو سنبھالا ہے اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان کا یہ حال تھا کہ جہاں آپؐ نے کچھ فرمایا اپنی تمام آراء اور دانشوں کو اس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی کو واجب العمل قرار دیا۔ ان کا اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے اور آپؐ کے لبِ مبارک کو متبرک سمجھتے تھے۔ اگر ان میں یہ اطاعت، یہ تسلیم کا مادہ نہ ہوتا بلکہ ہر ایک اپنی رائے کو مقدم سمجھتا اور پھوٹ پڑ جاتی تو وہ اس قدر

مراتبِ عالیہ کو نہ پاتے۔" (الحکم نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

صحابہؓ کو محبت و فدائیت اور تسلیم و رضا کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کرنے کی توفیق اسی لئے ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پاکیزگیٔ اعمال کی صفت سے متصف کرنے اور ان میں کمال درجہ اتحاد پیدا کر دکھانے کے علاوہ ان میں اطاعت کی ایسی رُوح پھونکی تھی کہ وہ یہ تصور میں ہی نہیں لا سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیں اور وہ لبیک نہ کہیں۔ وہ منتظر رہتے تھے کہ حضورؐ کے لب ہائے مبارک جنبش میں آئیں اور وہ فوراً حضورؐ کے ارشاد پر عمل کر دکھائیں۔ حضورؐ نے نظام کی اطاعت سے متعلق قرآنی تعلیم کو اُن کے ذہنوں میں ایسا راسخ کیا تھا کہ اُن کی طرف سے کسی قسم کی نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ حضورؐ اُن کے جذبۂ اطاعت کو اوجِ کمال پہ پہنچا ہوا دیکھ کر بھی اُنہیں بار بار یہی تلقین فرماتے تھے کہ وہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ جانتے تھے کہ میری وفات کے بعد تنفیذِ وحیٔ الٰہی کی ذمہ داری خلافت اور اس کے ذیلی نظام کی طرف منتقل ہونے والی ہے۔ اُس وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ نظام کی اطاعت بھی ان پر اسی طرح فرض ہو گی۔ حضورؐ کو فکر تھا کہ کہیں یہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ماسوا نظام کی اطاعت سے غافل نہ ہو جائیں حالانکہ نظام کی اطاعت کے بغیر اللہ اور رسول کی اطاعت کا حق پورے طور پر ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اِسی لئے حضورؐ اولوالامر کی اطاعت پر خاص زور دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا :-

مَنْ اَطَاعَ اَمیری فقد اطاعنی
ومن عصیٰ امیری فقد عصانی۔
(بخاری باب الاحکام)

جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے خود میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اُس نے خود میری نافرمانی کی۔

اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر نظام کا احترام نہ کرنے اور نافرمانی کا طریق اختیار کرنے کے بُرے انجام سے اِن الفاظ میں خبردار فرمایا :-

من خرج عن الطاعة وفارق
الجماعة فمات مات میتة
الجاهلیة -
(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

یعنی جو شخص امیر کی اطاعت سے خروج کرتا ہے اور جماعت کے اتحاد سے علیحدگی اختیار کر کے تفرقہ کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ اگر بغیر توبہ کے اسی حالت میں مر جائے تو اس کی موت غیر اسلامی موت ہو گی۔

مامور کی وفات کے بعد وہ برگزیدہ ہستیاں جنہیں اللہ تعالیٰ وعدۂ استخلاف کے ماتحت منصبِ خلافت پر فائز کرتا ہے خدائی تائید و نصرت شاملِ حال ہونے کے باعث انہیں عصمتِ صغریٰ حاصل

ہوتی ہے۔ وہ کوئی ایسا غلط قدم نہیں اُٹھاتے جو جماعت کی تباہی پر منتج ہو۔ البتہ دنیوی بادشاہ یا دیگر صاحبانِ اقتدار کے بارہ میں اِس امر کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی غلط روش کے باعث رعایا کو کسی ناقابلِ برداشت مصیبت میں مبتلا کر دیں۔ اسلام ایسے دنیوی بادشاہوں اور دیگر فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کا حکم دیتا ہے تاکہ تفرقہ کی بنیاد نہ پڑے اور اتحاد کو کسی بہت سے بھی خطرہ لاحق نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی دنیوی حکمرانوں کے ضمن میں فرمایا:-

ستکرون بعدی اثرۃ و اموراً
تنکرونھا - قالوا فما تامرنا
یارسول اللہ - قال ادّوا الیھم
حقّھم وسلوا اللہ حقّکم۔
(بخاری کتاب الفتن)

یعنی اے مسلمانو! میرے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ تم پر ایسے ایسے لوگ امیر بنیں گے جو تمہارے حقوق غصب کریں گے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جو بہت ناپسندیدہ ہونگی اور تمہیں اوپری لگیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے امیروں کے حقوق انہیں ادا کرو اور اپنے حقوق خدا سے مانگو۔

اِس سے ظاہر ہے کہ جب دنیوی حکمرانوں کی اطاعت اِس درجہ فرض ہے تو پھر دینی اور جماعتی امور میں خلافت کے آسمانی نظام کی اطاعت کا معیار کتنا بلند ہونا چاہیئے، اِس سے سرتابی کا تصور بھی خطرناک معصیت کے مترادف ہے جبھی تو خدا تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا ہے۔ العیاذ باللہ۔

نظام کی اطاعت اور التزامِ جماعت سے متعلق قرآنی تعلیم کو بار بار تلقین کے ذریعہ صحابہؓ کے ذہنوں میں بٹھانے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اطاعت اور تسلیم و رضا کا ایسا اعلےٰ نمونہ دکھایا کہ تاریخ عالم میں جس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔

اِس آخری زمانہ میں جبکہ گمراہی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اُمّتِ مُسلمہ میں اتحاد کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور من اللہ اور مسیح موعود کی حیثیت سے دنیا میں مبعوث ہو کر پراگندہ و منتشر انسانیت میں اتحاد و ائتلاف کی ایک نئی بنیاد قائم فرمائی۔ آپ نے اپنی خداداد قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے متبعین کو پاکیزگیٔ اعمال کی صفت سے متصف کر کے انہیں ناقابلِ تسخیر اتحاد کی دولت سے مالا مال کر دکھایا اور ان میں اطاعت کی ایسی رُوح پھونکی کہ جس کی مدد سے وہ پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ایک بنیان مرصوص کی صورت اختیار کر لی۔ دنیا یہ معجزہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور آج کے دن تک حیران ہے۔ آپؑ نے نظام کی اطاعت اور التزامِ جماعت کی

یہ رُوح کس طرح پھونکی اور اس میں آپ کو عظیم الشان کامیابی کیونکر نصیب ہوئی؟ اس کی تفصیل آپ کے پُر معارف ملفوظات میں محفوظ ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حضورؑ کے اِن پُر معارف ملفوظات کے بعض اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ حضورؑ نے مختلف مواقع پر یہ امر واضح کرتے ہوئے کہ نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے بغیر اتحاد قائم نہیں رہ سکتا فرمایا:-

(۱) "یہ سچی بات ہے کہ کوئی قوم، قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملّت اور یگانگت کی رُوح نہیں پھونکی جا سکتی جب تک کہ وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے اور اگر اختلافِ رائے اور پھوٹ رہی تو پھر سمجھ لو کہ یہ ادبار اور تنزل کے نشانات ہیں مسلمانوں کے ضعف اور تنزل کے منجملہ دیگر اسباب کے باہم اختلاف اور اندرونی تنازعات بھی ہیں۔ اگر اختلافِ رائے کو چھوڑ دیں اور ایک کی اطاعت کریں جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے پھر جس کام کو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اس میں یہی تو سِرّ ہے کہ اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اطاعت نہ کی جائے۔" (الحکم نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۱ء)

(۲) "کوئی قوم اور کوئی جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اُس میں اپنے **امام کی اطاعت اور اتباع** کے واسطے خاص قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔"
(الحکم ۳۱ر جولائی سنہ ۱۹۰۶ء)

(۳) "مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہ دیکھیں گے پس نیک نیّتی کے ساتھ اور **پوری اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ میں** خدا اور اُس کے رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ بہتری اسی میں ہے۔"
(الحکم ۱۲ر مئی سنہ ۱۸۹۹ء)

خدا، رسول اور نظام کی اطاعت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اطاعت کس معیار کی ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں آپؑ نے واضح فرمایا کہ سچی اطاعت یہ ہے کہ انسان ہوائے نفس کو ذبح کر کے ہر حکم بجا لائے اور ایسے انشراح، خوشی اور بشاشت کے ساتھ بجا لائے کہ جس سے دل میں ایک نور اور رُوح میں ایک لذت کی کیفیت پیدا ہو کر اس قابل بنا دے کہ انسان پاکیزگی اعمال میں ترقی کرتا چلا جائے اور ساتھ ہی جماعتی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا موجب بنے۔ اس ضمن میں آپؑ نے اپنے اصحاب کو اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کا رنگ اپنے

اندر پیدا کرنے کی نصیحت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اِس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو۔ اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے، بدوں اِس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔ اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بُت بن سکتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھے اُن میں ایک کشش اور قوت تھی جو بے اختیار دلوں کو کھینچ لیتی تھی۔ اور پھر آپؐ کی جماعت نے اطاعت الرسول کا وہ نمونہ دکھایا اور ان کی استقامت ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی کہ جو کوئی ان کو دیکھتا وہ بے اختیار ہو کر ان کی طرف چلا آتا تھا۔

غرض صحابہؓ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت اب بھی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اِس جماعت کو جو مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے تیار ہو رہی ہے اُس جماعت کے ساتھ شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔ اور چونکہ جماعت کی ترقی ایسے ہی لوگوں کے نمونہ سے ہوتی ہے اس لئے تم جو مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہؓ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو، باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی ہو۔ غرض ہر رنگ میں، ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہؓ کی تھی۔" (الحکم نمبرہ سنہ ۱۹۰۱ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اثر وجذب میں ڈوبی ہوئی اِن نصائح ہی کا یہ اثر تھا کہ آپؑ کے صحابہ نے خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کو ایسا لازم پکڑا اور اس کے زیر اثر پاکیزگی اعمال اور اتحاد میں ایسی ترقی کی اور فدائیت کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی یاد از سرِ نو تازہ ہو گئی۔ اپنے اطاعت گزار و وفا شعار اصحاب کے اِس نمونہ سے خوش ہو کر آپؑ نے فرمایا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے وہ صدق و وفا کا نمونہ دکھلایا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ..... یہی صدق اور وفا تھی جس نے ان کو آخر کار بامراد کیا۔ اِسی طرح میں اب دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کو بھی اُس کی

قدر اور مرتبے کے موافق اطاعت کا ایک خاص جوش بخشا ہے اور وہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھاتے ہیں۔" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب تنفیذِ وحیٔ الٰہی کی ذمہ داری آپؑ کے خلفاء اور اُن کی وساطت سے اُن کے قائم کردہ نظام اور اس نظام کو چلانے والے ذمہ دار کارکنان کی طرف منتقل ہوئی تو آپؑ کی قائم کردہ جماعت کے اطاعت گزار و وفا شعار افراد نے اپنی اطاعت کے اس معیار میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آنے دیا اور صدق و وفا کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اُٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کا خصوصی امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ ایک مامور من اللہ کی قائم کردہ جماعت ہے۔ اُس ماموز من اللہ نے اِس کے افراد کو پاکیزگیٔ اعمال کے وصف سے متصف کر کے ان کے درمیان اتحاد و ائتلاف کی ایک نئی بنیاد قائم کی ہے اور پھر اس پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد و ائتلاف کو ترقی دینے اور اس میں دوام پیدا کرنے کی غرض سے اُن میں خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کی ایسی روح پھونکی ہے جس کی فی زمانہ کوئی اور مثال موجود نہیں ہے۔

ہمیں احمدی ہونے کی حیثیت میں اس آسمانی جماعت میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ خدا، رسول، امام الزمان، خلیفۂ وقت، اُس کے قائم کردہ نظام اور اُس نظام کو چلانے والے ذمہ وار کارکنان کی اطاعت ہمارا امتیازی نشان ہے۔ اطاعت کا یہ بے مثل جذبہ ہی ہماری ترقی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ جس قدر عزم اور تعہد کے ساتھ ہم نظام کا احترام کرتے ہوئے اطاعت کو لازم پکڑیں گے اور صدق و وفا کا اعلیٰ نمونہ قائم کریں گے اُسی قدر ہمارے اندر پاکیزگیٔ اعمال کی صفت ترقی کرے گی اور اسی نسبت سے ہمارا اتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ آج سب سے زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اپنے جذبۂ اطاعت پر کوئی حرف نہ آنے دیں تا مخالفین کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے جذبہ کو قوی سے قوی تر بنانا ہمارا اوّلین فرض اور سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ہوائے نفس کو ذبح کر کے خود پسندی اور خود رائی اور تکبّر و نخوت اور عُجب و پندار کے بتوں کو جو غیر محسوس طور پر دلوں میں جگہ بنا لیتے ہیں پاش پاش کر ڈالیں اور اُنہیں کبھی اور کسی حال میں بھی اپنے دلوں میں راہ نہ پانے دیں۔ اگر خدا نخواستہ ہم نے اس طرف سے غفلت برتی تو قرآنی تعلیم کے بموجب ہمارے نیک اعمال، ہماری لمبی لمبی نمازیں، رقت آمیز دعائیں اور وظیفے، تعلق باللہ اور محبتِ رسول کے بلند بانگ دعوے سب اکارت جائیں گے اور کوئی عجب نہیں کہ ہماری یہ غفلت نافرمانی میں تبدیل ہو کر ہمیں خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنا دے اور ہم ہاتھ ملتے ہی

رہ جائیں۔

ہمیں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہماری ترقی اور کامیابی میں نظام کے احترام اور اُسکی کماحقہٗ اطاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اِسی لئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اوّل دن سے ہی جماعت کو نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کی تلقین فرماتے چلے آرہے ہیں حضور ایدہ اللہ کی بیش قیمت نصائح بھی آبِ زر سے لکھنے اور ہر آن ذہنوں میں مستحضر رکھنے کے قابل ہیں۔ ان کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر ہم حضور کی اِن نصائح میں سے بعض نصائح مرتب کر کے اِس شمارہ میں ہی الگ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ احباب کو چاہیئے کہ اِن نصائح کا بغور اور بار بار مطالعہ کریں اور اِس امر کا جائزہ لیتے رہیں کہ کہیں ہمارا عمل اِن نصائح کے خلاف تو نہیں ہے۔ امید ہے کہ احباب اِن نصائح کا بہت توجہ، انہماک اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کریں گے اور پھر ان سے صحیح رنگ میں استفادہ کرتے ہوئے نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کر دکھائیں گے کہ جس سے جماعتِ احمدیہ کا خصوصی امتیاز اور بھی زیادہ اُجاگر ہو کر دُنیا کے سامنے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے جماعتی نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے خصوصی امتیاز کو نہ صرف برقرار رکھنے بلکہ اسے نمایاں سے نمایاں تر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے نتیجہ میں پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے چلے جائیں۔ اور پھر ہمارا یہ اتحاد کُل دنیا پر نیک اثر ڈالے اور دنیا ہمارے نمونہ سے متاثر ہو کر اس طرح اسلام کی آغوش میں کھنچی چلی آئے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ اے ارحم الراحمین خدا! اے ذوالجود والعطاء تو اپنے فضل سے ایسا ہی کر۔ اٰمین ثمّ اٰمین ÷

صحابہؓ کے نمونے کو اپنے سامنے رکھو!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"صحابہؓ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انہوں نے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دنیا پر مقدّم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالےٰ نے ان سے کئے تھے پورے ہو گئے۔" (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں نہیں بیچتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں

مجھے اُن لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے

میرے ساتھ وہی ہیں جو رسول کریمؐ کے پاک نمونے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں دیتے ہیں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد کی دولت سے مالا مال کرنے کی غرض سے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے اپنی خداداد قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے متبعین کو پاک صاف اور مطہر بنا کر نیز انہیں بنیان مرصوص کی شکل میں باہم متحد کر کے یہ غرض بتمام و کمال پوری کر دکھائی۔ پھر آپؑ نے پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد کو ترقی دینے اور اس میں دوام کی کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے ان کے اندر اطاعت کی ایسی روح پھونکی جو بلاشبہ معجزہ کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ آپؑ نے انہیں اللہ، رسول اور نظام کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار بنانے کے لئے انہیں ایسی بیش قیمت نصائح فرمائیں جن کا لفظ لفظ اثر و جذب میں ڈوبا ہوا ہے۔ حضورؑ کی یہ نصائح ہی تھیں جو ان کی کایا پلٹنے کا موجب بنیں۔ ایسی ہی انقلاب انگیز نصائح میں سے بعض نصائح ذیل میں شائع کی جا رہی ہیں تا کہ احباب پر بیعت کی اصل حقیقت اور اطاعت کی بنیادی اہمیت واضح ہو۔ (ادارہ)

بیعت کی حقیقت کو نہ سمجھنے والوں کے لئے خوف کا مقام

"براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شفاعت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں ان کو غرق کروں گا۔ خدا نے نوح کے زمانہ میں ظالموں کو قریبًا

ایک ہزار سال تک مہلت دی تھی اور اب بھی خیر القرون کی تین صدیوں کو علیحدہ رکھ کر ہزار برس ہی ہو جاتا ہے۔ اس حساب سے اب یہ زمانہ اُس وقت پر آ پہنچا ہے جبکہ نوح کی قوم عذاب سے ہلاک کی گئی تھی اور خدا تعالےٰ نے مجھے فرمایا اِصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی میری آنکھوں کے روبرو اور میرے حکم سے کشتی بنا، وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ نہ تجھ سے بلکہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، یہ خدا کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ یہی بیعت کی کشتی ہے جو انسانوں کی جان اور ایمان بچانے کے لئے ہے۔ لیکن بیعت سے مراد وہ بیعت نہیں جو صرف زبان سے ہوتی ہے اور دل اس سے غافل بلکہ روگرداں ہے۔ بیعت کے معنے بیچ دینے کے ہیں۔ پس جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں بیچتا نہیں مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں۔ بلکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مُردار کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں۔ مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۶-۸۷)

بیعت کے بعد امام سے اعراض سخت بدذاتی ہے

"بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے اور بیع اُس باہمی رضامندی کے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے۔ سو بیعت سے یہ غرض ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو معہ اس کے تمام لوازم کے ایک راہبر کے ہاتھ میں اِس غرض سے بیچے کہ تا اُس کے عوض میں وہ معارفِ حقّہ اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالےٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے راہبر کی غلامی میں دیکر وہ علوم اور معارف اور برکات اس کے عوض میں لے جن سے ایمان قوی ہو اور

معرفت بڑھے اور خدا تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا ہو اور اس طرح دنیوی جہنّم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے مخلصی نصیب ہو اور دنیوی نابینائی سے شفا پا کر آخرت کی نابینائی سے بھی امن حاصل ہو سو اگر اس بعیت کے ثمرہ دینے کا کوئی مرد ہو تو سخت بدذاتی ہوگی کہ کوئی شخص دانستہ اس سے اعراض کرے۔"

(ضرورۃ الامام صـ۲۷)

جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں!

"میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں، جو اُس کو نہیں پہچانتے جس کو میں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھول اور بے راہیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے۔ درحقیقت وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور جو میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے۔ وہ خطا پر ہے کہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور اُن کو روحانیت کے طور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں۔ ظاہری رؤیت تو حیوانات میں بھی موجود ہے۔ مگر انسان اُس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جبکہ باطنی رؤیت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے اور پھر نیکی کی طرف جُھک جائے۔

سو تم اپنی آنکھوں کے لئے نہ صرف چار پایوں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بُت باہر پھینکو کہ دنیا دین کے مخالف ہے۔ جلد مروگے اور دیکھوگے کہ نجات انہی کو ہے کہ جو دنیا کے جذبات سے بیزار اور بُری اور صاف دل تھے۔ میں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور غیروں میں فرق ہی کیا ہے لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توجہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سے مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن اگر خدا چاہے۔ اور میں تو ایسے لوگوں سے اس دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔ اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اس کے جلال اور عزت سے نہیں کانپتے۔ اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف مُنہ سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا اگر بھوکا صرف زبان پر روٹی کا نام لائے تو کیا فائدہ۔ ان طریقوں سے نہ وہ

نجات پائے گا اور نہ وہ سیر ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا، کیا اس علیم و حکیم کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی؟

پس اے نادانو خوب سمجھو، اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں۔ اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ اور مجھے اُن لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے، اور عاجزوں کو دھکے دیتے، اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں، اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں، اور شرم سے بات کرتے ہیں، اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے ہیں، اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں، اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے، اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں، اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اس جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دُور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر یک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے۔ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتا ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جھکے، اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سو

افسوس ہزار افسوس کہ اِن باتوں کا کچھ بھی اثر مَیں اُن میں نہیں دیکھتا مگر دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اِس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے، اور تمام شرارتیں اور کینے اُن کے دلوں سے اُٹھا دے، اور باہمی سچی محبت عطا کر دے۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول ہو گی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں مَیں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے، اور اس کی جگہ کوئی اَور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔"		(اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء مشمولہ شہادۃ القرآن)

خود رَوی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لو

"جو شخص میری اس وصیت کو نہیں مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور درحقیقت ایک پاک انقلاب اس کی ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہو جائے اور پلیدی اور حرامکاری کا تمام چولہ اپنے بدن پر سے پھینک دے اور نوعِ انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہو جائے اور اپنی تمام خود روی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لے، مَیں اِس شخص کو اُس کُتے سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہاں مُردار پھینکا جاتا ہے اور جہاں سڑے گلے مُردوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔ کیا مَیں اِس بات کا محتاج ہوں کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہوں اور اِس طرح پر دیکھنے کیلئے ایک جماعت ہو۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دیں اور ایک بھی میرے ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اَور قوم پیدا کرے گا جو صدق اور وفا میں ان سے بہتر ہو گی۔ یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو نیک دل لوگ میری طرف دَوڑتے ہیں۔ کوئی نہیں جو آسمانی کشش کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۶)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَدَتْ نَفْسِیْ نَبِیًّا ذَا الْمَقَامِ

(میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحبِ مقامِ محمود ہے)

وَرَدْنَا الْمَاءَ صَفْوًا غَیْرَ کَدْرٍ　　وَیَشْرَبُ غَیْرُنَا وَشَلَ الْاَجَامِ

ہم ایسے پانی پر وارد ہوئے جو مصفّٰی اور غیر مکدّر ہے　　اور ہمارے مخالف تھوڑا سا جنگلوں کا پانی پی رہے ہیں

اَتَانِی الصَّالِحُوْنَ فَبَایَعُوْنِیْ　　وَخَافُوْا رَبَّھُمْ یَوْمَ الْقِیَامِ

نیک لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے میری بیعت کی　　اور خدا تعالیٰ اور جزا سزا کے دن سے ڈرے

وَاَمَّا الطَّالِحُوْنَ فَاَکْفَرُوْنِیْ　　وَلَعَنُوْنِیْ وَمَا فَھِمُوْا کَلَامِیْ

جو تباہ کار تھے انہوں نے مجھے کافر ٹھہرایا۔　　اور مجھ پر لعنتیں کیں اور میرے کلام کو نہ سمجھا۔

وَاَفْتَوْا بِالْھَوٰی مِنْ غَیْرِ عِلْمٍ　　وَقَالُوْا کَافِرٌ لِلْکُفْرِ کَامِیْ

اور ہوا و ہوس کی پیروی میں بغیر بصیرت کے فتویٰ دیا　　اور کہا کہ کافر ہے اور کفر کے لئے گواہی کو چھپانے والا ہے۔

وَصَالُوْا کَالْاَفَاعِیْ اَوْ ذِئَابٍ　　وَاِنَّ اللّٰہَ لِلصِّدِّیْقِ حَامِیْ

اور انہوں نے سانپوں اور بھیڑیوں کی طرح حملہ کیا۔　　اور یقیناً اللہ تعالیٰ راستباز کی حمایت کرنے والا ہے۔

لَقَدْ کَذَبُوْا وَخَلَّاقِیْ یَرَاھُمْ　　وَلِلشَّیْطَانِ صَارُوْا کَالْغُلَامِ

انہوں نے جھوٹ بولا اور میرا خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔　　اور وہ لوگ شیطان کے لئے غلام کی مانند ہو گئے۔

فَلَا وَاللّٰہِ لَسْتُ کَکَافِرِیْنَا　　فَدَتْ نَفْسِیْ نَبِیًّا ذَا الْمَقَامِ

پس یہ بات نہیں اور بخدا میں کافر نہیں۔　　میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحبِ مقامِ محمود ہے

وَاَصْبَانِی النَّبِیُّ بِحُسْنِ وَجْہٍ　　اَرٰی قَلْبِیْ لَہٗ کَالْمُسْتَھَامِ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسین چہرے سے میرا دل موہ لیا ہے　　میں اپنے دل کو آپؐ کی محبت میں سراسیمہ پاتا ہوں۔

(نور الحق)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عارف آں کو گویدش لاثانی است

(عارف وہ ہے جو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ لاثانی ہے۔)

گر بگوئی غیر را رحماں خدا
اگر تُو کسی اور کو خدائے رحمان کہدے
تُف زند بر رُوئے تو ارض و سما
تو تیرے مُنہ پر زمین و آسمان تھوکیں۔

ور تراشی بہرِ آں یکتا پسر
اگر اس یکتا کے لئے تُو کوئی بیٹا تجویز کرے
بر تو بارد لعنتے زیر و زبر
تو نیچے اور اُوپر سے تجھ پر لعنتیں برسنے لگیں

با زبانِ حال گوید ایں جہاں
یہ جہان زبانِ حال سے کہہ رہا ہے
کاں خدا فرد است و قیّوم و یگاں
کہ وہ خدا یکتا، قیّوم اور واحد ہے

نے پدر دارد نہ پسر زندو نہ زن
نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی
نے مبدّل شد ز ایّامِ کہن
اور نہ ازل سے اس میں کوئی تغیر آیا

یک دمے گر رشحِ فیضش کم شود
اگر ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے فیض کی بارش کم ہو جائے
ایں ہمہ خلق و جہاں برہم شود
تو یہ سب مخلوقات اور جہان درہم برہم ہو جائیں

یک نظر قانونِ قدرت را ببیں
قانونِ قدرت پہ ایک نظر ڈال!
تا شناسی شانِ ربّ العالمیں
تاکہ تُو ربّ العالمین کی شان کو پہچانے۔

کاخِ دُنیا را چہ دید استی بِنا
کیا تُو نے دنیا کے محل کی بنیاد مضبوط دیکھی ہے؟
کز پئے آں مے گزاری صدق را
جو اُس کی خاطر تُو سچائی کو چھوڑتا ہے۔

عابد آں باشد کہ پیشش فانی است
عابد وہ ہے جو خدا کے سامنے فانی ہے۔
عارف آں کو گویدش لاثانی است
عارف وہ ہے جو کہتا ہے کہ خدا لاثانی ہے۔

(ضیاء الحق)

اپنے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کی رُوح پیدا کرو

جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا اُس کا ایمان خطرہ میں ہے

اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے تو عین ممکن ہے کہ بے دینوں اور کافروں کی موت مرے

اطاعت کی اہمیّت کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہم تصریحات

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے احبابِ جماعت میں پاکیزگیٔ اعمال کے وصف کو ترقی دینے اور بحیثیتِ جماعت ان کے باہمی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی غرض سے نظام کے احترام اور اطاعت کی اہمیّت کو اس قدر شدّومد کے ساتھ واضح فرمایا ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ آپ نے ایک طرف امام اور امام کے قائم کردہ نظام کے احترام اور اس کی عظیم الشان برکات پر اور دوسری طرف اطاعت سے گریز کی وجوہات اور اس کے خطرناک نتائج پر بار بار اور بہ تکرار ایسے پُر اثر انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اِس قدر جامعیت کے ساتھ اِن سب امور کو ذہن نشین کرایا ہے کہ اتنی وضاحت کے بعد یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ ایک ایسا شخص جو ایمان کی قدر و قیمت پہچانتا ہو وہ نظام کے احترام سے کبھی غفلت برتنے کا مرتکب ہو سکے۔

ذیل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے پُر معارف خطبات اور تفسیرِ کبیر کے بعض ایسے اقتباسات یکجائی صورت میں ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں جن میں حضور نے اطاعت کی بنیادی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ حضور کے ان ارشادات کو ہمیشہ زیرِ مطالعہ رکھیں تا اطاعت کی رُوح ان میں ہمیشہ ترقی کرتی چلی جائے اور وہ ہمیشہ ہی اِس کی عظیم الشان برکات سے متمتع ہوتے ہوئے جماعتی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے

کا موجب بنتے چلے جائیں۔　　(ادارہ)

دین کا خلاصہ ہے، اطاعت! اطاعت! اطاعت!

"دنیا میں ہر کام کے لئے کچھ رستے ہوتے ہیں اور ان رستوں کے بغیر کسی جماعت کا ترقی کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ قومی ترقی کے رستوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو قومی کارکن اور جماعتی خادم ہوں ان کے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پایا جائے۔ جب تک اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پوری طرح نہ پایا جائے جماعتی کام کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ جماعتوں کے سِرے ہمیشہ مضبوط ہاتھوں میں نہیں ہو سکتے۔ کبھی یہ ایسے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو مضبوط ہوتے ہیں اور کبھی ایسے ہاتھوں میں جو کمزور اور نرم ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ رشتہ مضبوط دل والے آدمی کے ہاتھ میں ہو اطاعت سے گریز کرنے والے یا تو اپنا رویہ بدل لیتے ہیں یا علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر جب یہ رشتہ کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں ہو جو کمزور دل ہو تو اُس وقت ایسے سرکش جماعتوں کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں خواہ اُن کی نیتیں کیسی ہی نیک اور اعلیٰ کیوں نہ ہوں۔ پس جماعتی ترقی کے لحاظ سے اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ کارکنوں میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ۔ یعنی جو شخص میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا میری اطاعت کرتا ہے اور جو میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ مگر انسانی کمزوریوں میں جہاں اور نقائص ہوتے ہیں مثلاً جھوٹ، عیب، سُستی، کسل وغیرہ یا طنز و طعن کی بات کرنا، وہاں بعض لوگوں میں یہ نقص بھی ہوتا ہے کہ وہ اطاعت سے گریز کرتے ہیں اور جب بھی انہیں کوئی حکم ایسا دیا جاتا ہے جو اُن کی پسند کے خلاف ہوتا ہے تو وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اِس قسم کے لوگوں سے قوم کو قطعی طور پر پاک کرنا تو ناممکن ہوتا ہے مگر اس کی برداشت کر لینا بھی ناممکن ہے۔ بے شک ایک انسان کی عادت ہی ایسی ہو سکتی ہے اور وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ افسر کے احکام کو نہ مانے اور جب وہ کوئی حکم دے تو اس پر حملہ کرنے اور کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر جہاں وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے وہاں سلسلہ بھی مجبور ہے کہ اگر ایسا انسان اپنی اصلاح نہ کرے تو اُسے جماعتی کاموں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی طبیعت ہی ایسی ہے اور وہ مجبور ہے مگر جماعت بھی مجبور ہے کہ اگر وہ اپنی طبیعت کی اصلاح نہ کرے تو اُسے جماعتی کاموں سے علیحدہ کر دے۔

عدم اطاعت کی کئی وجوہ ہوتی ہیں۔ ایسا شخص کبھی تو ایسے خاندان سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے کہ جس کی لوگ عزت کرتے ہیں اور اس وجہ سے اُس کا دماغ خراب ہو چکا ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کسی کو مجھے حکم دینے کا حق نہیں۔ کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی بیماری کے نتیجہ میں اُس کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ کبھی اس کے اندر غرور اور کبر کا مادہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اتنا بڑا عالم اور عقلمند انسان ہوں کہ کسی کو مجھے کوئی حکم دینے کا حق ہی نہیں۔ پھر بعض لوگ ایسی دماغی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جو کام بھی اُن کے سپرد کیا جائے وہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کام کی باگ ڈور کلیۃً میرے ہاتھ میں نہ دی جائے اور تمام اختیارات مجھے حاصل نہ ہوں کام ٹھیک طرح چل ہی نہیں سکتا۔ ہندوستان کے لوگوں میں بالخصوص یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ جو کام بھی اُنکے سپرد ہو وہ چاہتے ہیں کہ تمام کے تمام اختیارات اُن کے ہاتھ میں ہوں۔ سندھ کی زمینوں کے بارہ میں مَیں نے اس کا خوب تجربہ کیا ہے۔ وہاں جس شخص کو مقامی ایجنٹ بنایا جائے وہ یہی کہتا ہے کہ اختیارات میرے ہاتھ میں نہیں۔ پھر کام کس طرح ٹھیک طور پر چل سکتا ہے۔ اور اُس کی مراد اِس سے یہ ہوتی ہے کہ مرکز نے جو اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں وہ بھی جب تک ایجنٹ کے ہاتھ میں نہ دے دیئے جائیں کام ٹھیک طرح چل نہیں سکتا۔ اور مینیجر یہ کہتے ہیں کہ جب تک اختیارات ایجنٹ کے ہاتھ میں ہیں کام ٹھیک نہیں ہو سکتا اختیارات ہمارے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ مینیجروں کے بعد منشی ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اختیارات تو مینیجروں کے ہاتھ میں ہیں کام کیسے چلے، تمام خرابی اِسی لئے ہے کہ اختیارات مینیجروں کے سپرد ہیں۔ اور ہاری کہتے ہیں کہ ہمیں آزادی کے ساتھ کام کرنے دیں پھر دیکھیں کیسا اچھا کام ہوتا ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ سب کے دماغ پریشان ہیں، نہ ایجنٹ کا دماغ ٹھیک ہے، نہ مینیجر کا، نہ منشی کا ٹھیک ہے اور نہ ہاری کا۔ ہندوستان میں یہ عام مرض ہے کہ جو بھی کسی کام پر مقرر کیا جائے وہ کہتا ہے کہ سارے اختیارات مجھے مل جائیں تب کام ٹھیک طور پر چل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ حالانکہ نظام کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اختیارات تقسیم ہو جائیں مگر ہر شخص چاہتا یہ ہے کہ تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں۔ پھر اِس کے اُلٹ ایک اَور بات بھی ہے۔ جس طرح ہر ماتحت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تمام اختیارات مجھے مل جائیں اُسی طرح ہر افسر یہ کوشش کرتا ہے کہ تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے۔ جس طرح ہر ماتحت اپنے اُوپر والے کے اختیارات چھیننا چاہتا ہے اُسی طرح ہر اُوپر والے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سب اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک عرصہ تک اصلاح کی صورت رہنے کے بعد پھر یہ مرض سلسلہ کے بعض کارکنوں میں پیدا ہونے لگا ہے۔ آج سے ۱۵-۲۰ سال پہلے ایسی خرابی پیدا ہوئی تھی مگر وہ دبانے سے دب گئی لیکن اب پھر کچھ نوجوان ایسے ہیں جو حکم نہیں مانتے اور سرکشی کرتے ہیں۔ جس طرح جب کسی جانور کو چھیڑا جائے تو وہ دولتی

مارتا ہے اسی طرح ان کی حالت ہے۔ جب انہیں کوئی حکم دیا جائے تو وہ دولتی مارنے اور کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کلام غیر شریفانہ اور ناشائستہ ہوتا ہے۔ انہیں میں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اطاعت و فرمانبرداری کی عادت ڈالیں۔ اور میں افسروں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی سیدھا راستہ اختیار کیا کریں۔ وہ صاف کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم دینے کا اختیار ہے اور میں یہ حکم دیتا ہوں اگر مانتے ہو تو مانو ورنہ انکار کر دو۔ اور پھر ایسے موقع پر بزدلی نہ دکھانی چاہیئے اور ایسے لوگوں کے متعلق فوراً فیصلہ کر دینا چاہیئے۔ خط و کتابت پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ جواب دہ ہیں اپنے افسروں کے سامنے اپنے ماتحتوں کے سامنے نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ میرے سامنے ذمہ وار ہے، ناظر صدر انجمن احمدیہ کے سامنے ذمہ دار ہیں، ان کے ماتحت مجالس یا افسران کے سامنے ذمہ دار ہیں اپنے ماتحتوں کے سامنے نہیں۔ پس ایسی صورت میں کسی افسر کو خط و کتابت پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، وہ صاف کہہ دے کہ یہ میرا اختیار ہے اور میں یہ حکم دیتا ہوں، اور اس کی تعمیل ضروری ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ماتحت اس حکم کے خلاف اپیل کر سکتا ہے مگر حکم ملتے وقت اس کا فرض ہے کہ اس کی تعمیل کرے۔ اس کے بعد اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس حکم کا دینا افسر کے اختیار میں نہ تھا تو وہ اس کی اپیل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انکار کرتا ہے تو فوراً اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے، لٹکانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی بزدلی کی بات ہوتی ہے کہ ماتحت کی بات سُن کر فیصلہ نہ کیا جائے اور بحث اور دلائل میں پڑا جائے۔ اس کے بعد وہ کارکن یا تو حکم کی تعمیل کرے گا اور کام کرے گا اور یا پھر کام چھوڑ دیگا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حکم مان لے مگر افسروں کے پاس اپیل کرے۔ اگر اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہو تو پھر افسر کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے .....

میں پہلے بھی توجہ دلا چکا ہوں کہ سلسلہ مقدم ہے سب انسانوں پر۔ سلسلہ کے مقابلہ میں کسی انسان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو، حتیّٰ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا بھی مجرم ہو تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ کوئی انسان بھی سلسلہ سے بالا نہیں ہو سکتا ..... اسلام اور احمدیت کے لئے اگر ہمیں اپنی اولادوں کو بھی قتل کرنا پڑے تو ہم اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں گے لیکن سلسلہ کو قتل نہ ہونے دیں گے پس تم اپنے اندر سلسلہ کی صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا فضل تم پر نازل ہو، اگر تم چاہتے ہو کہ بے دینوں کی موت نہ مرو اور ایسے مقام پر کھڑے نہ ہو کہ موت سے پہلے اللہ تعالیٰ تم کو مرتدین میں داخل کر دے تو اپنے اندر صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ احمدیت یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے احمدیت ایک ایسی دھار ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔ یہ تلوار کی دھار ہے اور جو بھی اس کے سامنے کھڑا ہو گا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ جس سلسلہ کو قائم کرنا چاہے اس کی راہ میں جو بھی

کھڑا ہو وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی انسان کی پرواہ نہیں کی جائے گی خواہ وہ کوئی ہو، خواہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا کیوں نہ ہو، خواہ وہ میرا بیٹا کیوں نہ ہو۔ سلسلہ مقدم اور غالب ہے ہر انسان پر۔ پس میں نے پھر ایک دفعہ کھول کر اس بات کو بیان کر دیا ہے تا کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ غفلت ہو گئی اور خیال نہ رہا۔ خوب یاد رکھو کہ اطاعت، اطاعت، اطاعت خلاصہ ہے دین کا۔ جو شخص افسر کی اطاعت نہیں کرتا وہ سمجھ لے کہ اس کی نمازیں اور اس کے روزے اور اس کا ایمان اُسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گا۔ وہ کفر کی سرحد پر کھڑا ہے اور ایک دھکے سے کافروں میں جا گرے گا اور اس کی نمازیں اور اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ اور اس کے صدقات اس کے کسی کام نہ آ سکیں گے۔ جو شخص نمازیں پڑھتا ہے، چندے دیتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، صدقات کرتا ہے اور دوسری نیکیاں بجا لاتا ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ وہ اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا تو وہ ایسے مقام پر کھڑا ہے جہاں ابلیس تھا۔ ابلیس بھی اپنے آپ کو موحد سمجھتا تھا مگر چونکہ اس نے نشوز اختیار کیا اور نافرمانی کا مادہ اس کے اندر تھا اس لئے ایک دن وہ کچھ اور تھا اور دوسرے دن کچھ اور ہو گیا ...... وہ انسان جو اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا اور سلسلہ کے کام میں تعاون نہیں کرتا وہ اس خطرہ میں ہے کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بے دینوں اور کافروں کی موت مرے۔

پس میں آج پھر یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کی رُوح پیدا کرو۔ جب تک یہ رُوح زندہ رہے گی احمدیت زندہ رہے گی لیکن جب یہ رُوح مٹ گئی اور نشوز اور سرکشی کی عادت پیدا ہو گئی وہ دن اگر تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی سلسلہ کے خاتمہ کا دن ہو گا تو تم اس کا گلا گھونٹنے والے ہو گے لیکن اگر وہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلسلہ کے خاتمہ کا نہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تمہارا گلا گھونٹ دیں گے۔"

(الفضل ۵ ار جون ۱۹۴۴ء)

اطاعت کو لازم پکڑے بغیر کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا

"حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو افراد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور دوسرے ایسے احکام جو تمام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جیسے جہاد یا مشورہ کے لئے قوم کا جمع ہونا یا کوئی ایسا حکم جو ساری جماعت کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہو۔ جو کام ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں افراد سے نہیں ان میں سب کو ایسا پرویا ہوا ہونا چاہیئے جیسے تسبیح کے دانے ایک تاگے میں

پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی کو ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اگر کوئی ضروری کام کے لئے جانا چاہے تو امام کی اجازت سے جائے۔ اسی حقیقت کو تصویری زبان میں ظاہر کرنے کے لئے لوگ جب تسبیح کے دانے پروتے ہیں تو تاگے کے دونوں سرے اکٹھے کر کے ایک لمبا دانہ پرو دیتے ہیں اور اُسے امام کہتے ہیں۔ درحقیقت اس سے قومی تنظیم کی اہمیت کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ جس طرح تسبیح کے دانوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے اسی طرح تمہیں بھی ہمیشہ ایک امام کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ ورنہ تمہاری تسبیح وہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکے گی جو اجتماعی تسبیح پیدا کیا کرتی ہے۔ لیکن بہت کم ہیں جو اس گُر کو سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا جو ایسے امور میں جو ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اپنی رائے اور منشاء کے ماتحت کام کرے اور امام کی کوئی پرواہ نہ کرے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم جزو اوّل تفسیر سورۃ نور صفحہ ۴۰۰)

اطاعتِ رسول کیلئے ضروری ہے کہ نظام کی بھی اطاعت کی جائے

"جمعہ جو نماز کا بہترین حصہ ہے اسی صورت میں احسن طریق پر ادا ہو سکتا ہے جب مسلمانوں میں خلافت کا نظام موجود ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے اندر چونکہ ایک نظام ہے اس لئے میرے خطبات ہمیشہ اہم وقتی ضروریات کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کئی غیر احمدی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

درحقیقت لیڈر کا کام لوگوں کی رہنمائی کرنا ہوتا ہے مگر یہ رہنمائی وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس دنیا کے اکثر حصّوں سے خبریں آتی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ حالات کیا صورت اختیار کر رہے ہیں۔ صرف اخبارات سے اِس قسم کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اخبارات میں بہت کچھ جھوٹی خبریں درج ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اُن میں واقعات کو پورے طور پر بیان کرنے کا التزام نہیں ہوتا لیکن ہمارے مبلغ چونکہ دنیا کے اکثر حصّوں میں موجود ہیں اور پھر جماعت کے افراد بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں، اِس لئے ان کے ذریعہ مجھے ہمیشہ سچّی خبریں ملتی رہتی ہیں اور مَیں اُن سے فائدہ اٹھا کر جماعت کی صحیح رہنمائی کرتا رہتا ہوں۔ پس درحقیقت اقامۃ الصلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی۔ اِسی طرح اطاعتِ رسول بھی جس کا اِس آیت میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے ایک رشتہ میں پرو دیا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور

آج کل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں، پھر صحابہؓ اور آج کل کے مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں ایک نظام کا تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے صحابہؓ اُسی وقت اس پر عمل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ اطاعت کی روح آجکل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھینگے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعتِ رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعتِ رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو، یا روزے رکھو، یا حج کرو، یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعتِ رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں، اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں، اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

غرض یہ تین باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہے گی، اور تمہارے دل سے اطاعتِ رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔ ہماری جماعت کو چونکہ ایک نظام کے ماتحت رہنے کی عادت ہے اور اس کے افراد اطاعت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اس لئے اگر ہماری جماعت کے افراد کو آج اُٹھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھ دیا جائے تو وہ اسی طرح اطاعت کرنے لگ جائیں گے جس طرح صحابہؓ اطاعت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے تم اُس زمانہ میں لے جاؤ تو وہ تمہیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دے گا اور وہ کہے گا ذرا ٹھہر جائیں مجھے فلاں حکم کی سمجھ نہیں آئی۔ بلکہ جس طرح ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے کہدیا "خو! محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا" کیونکہ قدوری میں لکھا ہے کہ حرکتِ کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اِسی طرح وہ بعض باتوں کا انکار کرنے لگ جائے گا۔ لیکن اگر ایک احمدی کو لے جاؤ تو اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ وہ کسی غیر مانوس جگہ میں آ گیا ہے۔ بلکہ جس طرح مشین کا پُرزہ فوراً اپنی جگہ پر لگ جاتا ہے اسی طرح وہ وہاں فِٹ آ جائے گا اور جاتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بن جائے گا اور آپؐ کے ہر حکم کی بلا چون و چرا اطاعت کرنے لگ جائے گا اور ائمہ اربعہ اس کے لئے کبھی ٹھوکر کا موجب نہیں بنیں گے کیونکہ وہ سمجھتا ہوگا کہ اصل حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ائمہ اربعہ تو محض آپؐ کے غلام بلکہ شاگردوں کے بھی شاگرد ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد ۶ جزو اول تفسیر سورۃ نور صفحہ ۳۷۴)

امام کا مقام یہ ہے کہ وہ حکم دے اور افرادِ جماعت کا مقام یہ ہے کہ وہ اطاعت کریں

"جو جماعتیں منظم ہوتی ہیں ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور کچھ شرائط کی پابندی کرنی ان کیلئے لازمی ہوتی ہے جن کے بغیر اُن کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل سکتے۔ اور سلسلہ کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ ان شرائط اور ذمہ داریوں میں سے ایک اہم شرط اور ذمہ داری یہ ہے کہ جب وہ امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر چکے ہیں تو پھر انہیں امام کے مُنہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہیئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اٹھانے کے بعد اپنا قدم اُٹھانا چاہیئے اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصّہ نہیں لینا چاہیئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آکر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہتی۔ اگر ایک شخص اپنے طور پر دوسری قوموں سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور ایسا فتنہ یا جوش پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہو تو اس کے متعلق یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اُس نے امام اور خلیفہ کے منصب کو چھین لیا اور خود امام اور خلیفہ بن بیٹھا اور وہ فیصلہ جس کا اجرا خلیفہ اور امام کے ہاتھوں ہونا چاہیئے تھا خود ہی صادر کر دیا۔ اگر ہر شخص کو یہ اجازت ہو تو تم ہی بتاؤ پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جماعت کے نظام کی مثال اُس ٹین کی سی ہوگی جو کُتے کی دُم سے باندھ دیا جاتا ہے اور وہ جدھر جاتا ہے ساتھ ساتھ ٹین بھی حرکت کرتا جاتا ہے۔ امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے باوجود بیعت کر لینے کے ابھی تک بیعت کا مفہوم نہیں سمجھا۔

مَیں سمجھتا ہوں اس کی بہت بڑی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے۔ وہ خلافت اور اس کی اہمیت پر تقریریں کرنے سے ساکت رہتے ہیں اور ان کے لیکچر ہمیشہ اَور اَور مضامین پر ہوتے ہیں۔ اس امر کے متعلق بہت ہی کم دلائل قرآن مجید یا احادیث یا عقل سے دیئے جائیں گے کہ خلافت سے وابستگی کتنی اہم چیز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں شاید لوگ اِن مسائل کو جانتے ہی ہیں اس لئے اِن مسائل پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ یہی وہ خیال تھا جس نے پہلے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ گزشتہ علماء نے خیال کر لیا کہ توحید پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے، بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو توحید کو نہ مانے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توحید ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح کرنے کی کیا حاجت ہے، یہ تو ایک صاف اور واضح مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسالت پر ایمان بھی جاتا رہا۔ انہوں نے خیال کر لیا نظام کی ضرورت پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے سب کو معلوم ہی ہے کہ نظام میں سب برکت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا

نظام بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ نماز اور روزہ کی تاکید کرنے کی بار بار کیا ضرورت ہے سب لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نمازوں میں بھی سُستی آگئی اور روزے بھی ہاتھ سے جاتے رہے۔ اِسی طرح انہوں نے خیال کرلیا کہ حج کا مسئلہ بھی ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی ناواقف ہو اور نتیجہ یہ ہوا کہ حج کے مسائل بھی لوگوں کے ذہن سے اُتر گئے اور استطاعت کے باوجود انہوں نے حج کرنا چھوڑ دیا۔ تو جب کسی قوم کے علماء یہ خیال کرلیتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل لوگ جانتے ہی ہیں اس قوم میں آہستہ آہستہ ان مسائل سے ناواقفیت پیدا ہونی شروع ہوجاتی ہے اور آخر اُس نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس مَیں سمجھتا ہوں ایک حد تک اس کی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے۔

لیکن ایک حد تک اِس کی ذمہ داری جماعت کے افراد پر بھی ہے کیونکہ اُن کے سامنے یہ مسائل بالکل تازہ ہیں اور وہ خلافت کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ کئے جاچکے ہیں اور گو آج اِس پر بحثیں نہیں ہوتیں مگر آج سے بیس سال پہلے اِس پر خوب بحثیں ہوچکی ہیں اور خود جماعت کے افراد اس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر آج وہ ان مسائل کو کیوں بھول گئے۔ مَیں نے اس امر کی طرف توجہ ان واقعات کی وجہ سے دلائی تھی جو قادیان میں حال ہی میں ظاہر ہوئے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ فتنہ و فساد کی نیت سے کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست فوراً اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ دشمن کی تو غرض ہی یہ تھی کہ وہ کوئی فتنہ و فساد پیدا کرے اور انہیں زیر الزام لائے۔ ان کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جس کا دشمن اس کے لئے گڑھا کھودتا ہے اور اس پر گھانس پھونس ڈال دیتا ہے اور وہ اپنی بے وقوفی سے گھانس پر پاؤں رکھتا اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ بلکہ مَیں کہتا ہوں خیالی مثال کی کیا ضرورت ہے شیر کے شکاریوں کی مثال لے لو جو پہلے زمانہ میں شیر کا شکار اِس طرح کرتے تھے کہ گھاس کے نیچے بانس کی کھپچیوں کے اُوپر خاص طور پر سریش تیار کرکے چپکا دیتے اور گھاس پر بکرا باندھ دیتے۔ شیر خیال کرتا کہ بکرا میرا شکار ہے اور وہ اس پر حملہ کردیتا لیکن جب بکرے کے پاس پہنچتا تو کھپچیوں میں لپٹ جاتا۔ اِسی طرح دشمن بعض دفعہ ایسی حرکات کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے مخالف کو بلاتا ہے کہ آؤ اور مجھ پر حملہ کرو۔ عقلمند آدمی موقع کو خوب سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حملے کا کونسا موقع ہے لیکن نادان آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتا، وہ حملہ کردیتا اور کھپچیوں میں پھنس جاتا ہے۔ پھر شور مچاتا ہے کہ آؤ آؤ اور مجھے اِس مصیبت سے بچاؤ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی آواز سُن کر دو چار آدمی اَور دشمن پر حملہ کردیتے ہیں اور وہ بھی انہی کھپچیوں میں پھنس جاتے ہیں اور اسی طرح یہ معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔ انگریزوں میں ایک کہانی مشہور ہے جو اسی قسم کے فتنوں پر چسپاں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی بطخ تھی جب وہ کسی شخص پر ناراض ہوتا تو کسی طرح اس کا ہاتھ بطخ کو لگوادیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس بطخ سے اس کا

ہاتھ چمٹ جاتا اور وہ چھوٹ نہ سکتا۔ یہ دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار اُسے چھڑانے کے لئے آتے اور جو بھی بطیخ پر ہاتھ ڈالتا اس کے ساتھ چمٹ جاتا۔ یہی حال ایسی لڑائی کا ہوتا ہے جب ایک شخص لڑائی میں شامل ہوتا اور دشمن کی گرفت میں آجاتا ہے تو شکوہ کرتا اور شور مچانے لگ جاتا ہے کہ میں جماعت کا ممبر ہوں میری مدد کیوں نہیں کی جاتی، میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس شخص کو جواب تو یہ ملنا چاہیئے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کیا کی جائے، تم نے نظام کو توڑا اور سلسلہ کی ہتک کی، لڑائی کرنا امام کا کام تھا، تمہارا کام نہیں تھا۔ لیکن اس کی آواز سن کر کئی رحم دل یا یوں کہو کہ کمزور دل کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ آؤ اس کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ اُس کی مدد کے لئے اُس کے پیچھے جاتے ہیں اور وہی لڑائی جو پہلے ایک شخص کی تھی بیس آدمیوں کی لڑائی بن جاتی ہے اور پھر ایک کی بجائے بیس آوازیں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں کہ آنا آنا، بچانا بچانا۔ اس پر وہ لوگ بھی جو پہلے اس خیال سے خاموش ہوتے ہیں کہ یہ انفرادی فعل ہے اس میں ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اب ایک کا سوال نہیں بیس کا سوال ہے اور وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب لڑائی میں چالیس آدمی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ چالیس اپنے ساتھ اَوروں کو ملاتے اور ساٹھ بن جاتے ہیں، ساٹھ ایک سو بیس کی کشش کا موجب بنتے ہیں اور ایک سو بیس کے شور مچانے پر دو سو چالیس کی تعداد ہو جاتی ہے ــ یہ دو سو چالیس پھر چار سو اسّی ہو جاتے ہیں جو بڑھ کر نو سو ساٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ساری جماعت ایک معمولی وجہ سے ایسی لڑائی میں شامل ہو جاتی ہے جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور دشمن دل میں ہنستا ہے کہ جو میری غرض تھی وہ پوری ہو گئی۔ ...... بعض دفعہ دشمن اس قسم کی چالاکی بھی کرتا ہے، سمجھنے والے تو بچ جاتے ہیں لیکن جو اندھا دھند کام کرنے والے ہوں وہ پھنس جاتے اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اسلام نے حکم دیا ہے کہ الامامُ جُنَّۃٌ یُقتَلُ مِن وَرائِہٖ یعنی امام کو ہم نے تمہارے لئے ڈھال کے طور پر بنایا ہے۔ اگر اُس کے پیچھے ہو کر لڑو گے تو زخموں سے بچ جاؤ گے۔ لیکن اگر آگے ہو کر حملہ کرو گے تو مارے جاؤ گے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کیا حالات ہیں، کس وقت اعلانِ جنگ ہونا چاہیئے اور کس وقت دشمن کے فریب سے بچنا چاہیئے۔ ...... جو کچھ میں سمجھتا ہوں اور جس کو میں جانتا ہوں کہ میں سچ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو اُس وقت بے شک لڑو لیکن جب تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں، لاٹھی اور سوٹے سے ہی نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ

مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے .... تم اپنے جذبات کو روکنے کی عادت ڈالو اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھو۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ہم انتہائی کوشش کر کے دشمن کو جب اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ مجرم ثابت ہونے والا ہوتا ہے اور اُسکی سوگالیاں پکڑ لیتے ہیں تو جھٹ تم میں سے ایک شخص کوئی سخت لفظ کہہ دیتا ہے اور خواہ وہ گالی نہ ہو محض ایک سخت لفظ ہو حکومت اُن کی سَو گالیوں کو پرے پھینک کر کہہ دیتی ہے کہ آپ کے آدمی نے بھی یہ گالی دی ہے۔ پس تمہارے اُس ایک آدمی کی غلطی کی وجہ سے حکام ایک عرصہ تک یہی دُہراتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے آدمی نے بھی یہی بات کہی تھی اور اِس طرح ہماری ساری سکیم تم میں سے ایک شخص جوش میں آکر تباہ کر دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اب ضرب لگانے کا وقت ہے ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنی بے وقوفی سے اس ضرب کو اپنے اُوپر لے لیتا اور بنی بنائی سکیم کو بگاڑ دیتا ہے۔

پس مَیں پھر جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری یہ باتیں سمجھنی مشکل نہیں تم میں سے جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ باتیں مشکل ہیں اور جلد سمجھ میں نہیں آسکتیں وہ کوئی آٹھ دس سال کا بچہ میرے سامنے لے آئے مَیں اُسے یہ تمام باتیں سمجھا کر بتا دیتا ہوں۔ پھر اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ سمجھو تو سوائے اس کے اَور کیا معنے ہوں گے کہ تم چاہتے ہی نہیں کہ سمجھو اور میری باتوں پر عمل کرو۔ مَیں سوئے ہوئے کو تو جگا سکتا ہوں مگر جو جاگ رہا ہو اور یونہی آنکھیں بند کر کے پڑا ہوا ہو اُسے کس طرح جگا سکتا ہوں۔ اِس کے متعلق تو میرے پاس سوائے اِس کے اَور کوئی چارہ نہیں کہ مَیں خدا سے ہی کہوں کہ خدایا مجھے اِس نادان دوست سے بچا کر یہ میرے کام میں روک بنا ہوا ہے۔"　　(الفضل ۵ رجون ۱۹۳۷ء)

خلفاء کی اطاعت اُسی طرح فرض ہے جس طرح انبیاء کی اطاعت فرض ہے

"خلافت ایک ایسی چیز ہے جس سے جُدائی کسی عزّت کا مستحق انسان کو نہیں بنا سکتی۔ اِسی مسجد میں مَیں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا آپ فرماتے تم کو معلوم ہے پہلے خلیفہ کا دشمن کون تھا؟ پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے کہ قرآن پڑھو تمہیں معلوم ہو گا کہ اس کا دشمن ابلیس تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا مَیں بھی خلیفہ ہوں اور جو میرا دشمن ہے وہ بھی ابلیس ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلیفہ مامور نہیں ہوتا۔ گو یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ مامور نہ ہو۔ حضرت آدمؑ

مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے، حضرت داؤدؑ مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے، اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ پھر تمام انبیاء مامور بھی ہوتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ خلیفہ بھی۔ جس طرح ہر انسان ایک طور پر خلیفہ ہے اسی طرح انبیاء بھی خلیفہ ہوتے ہیں مگر ایک وہ خلفاء ہوتے ہیں جو کبھی مامور نہیں ہوتے گو اطاعت کے لحاظ سے ان میں اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہے۔ ہاں ان دونوں اطاعتوں میں ایک امتیاز اور فرق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری اِس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ وحیٔ الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے۔ مگر خلیفہ کی اطاعت اِس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ وحیٔ الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ تنفیذِ وحیٔ الٰہی اور تمام نظام کا مرکز ہے۔ اِسی لئے واقف اور اہلِ علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کو عصمتِ کبریٰ حاصل ہوتی ہے اور خلفاء کو عصمتِ صغریٰ۔ اِسی مسجد میں اسی منبر پر جمعہ کے ہی دن حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مَیں نے سُنا آپ فرماتے تھے کہ تم میرے کسی ذاتی فعل میں عیب نکال کر اس اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتے جو خدا نے تم پر عائد کی ہے۔ کیونکہ جس کام کے لئے مَیں کھڑا ہوا ہوں وہ اَور ہے اور وہ نظام کا احیاء ہے اسی لئے میری فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہے۔ تو انبیاء کے متعلق جہاں الٰہی سنّت یہ ہے کہ سوائے بشری کمزوریوں کے جن میں توحید اور رسالت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ دخل نہیں دیتا اور اس لئے بھی کہ وہ امت کی تربیت کے لئے ضروری ہوتی ہیں (جیسے سجدۂ سہو کہ وہ بھول کے نتیجہ میں ہوتا ہے مگر اس کی ایک غرض اُمّت کو سہو کے احکام کی عملی تعلیم دینا تھی) ان کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں وہاں خلفاء کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ ان کے وہ تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے جو نظامِ سلسلہ کی ترقی کے لئے اُن سے سرزد ہوں گے اور کبھی بھی وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کریں گے اور اگر کریں تو اُس پر قائم نہیں رہیں گے جو جماعت میں خرابی پیدا کرنے والی اور اسلام کی فتح کو اس کی شکست سے بدل دینے والی ہو۔ وہ جو کام بھی نظام کی مضبوطی اور اسلام کے کمال کے لئے کریں گے خدا تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوگی اور اگر وہ کبھی غلطی بھی کریں تو خدا اس کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہوگا۔ گویا نظام کے متعلق خلفاء کے اعمال کے ذمہ دار خلفاء نہیں بلکہ خدا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفاء خود قائم کیا کرتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو اُن ہی کی زبان سے یا عمل سے خدا تعالیٰ اس غلطی کی اصلاح کرا دے گا یا اگر اُن کی زبان یا عمل سے غلطی کی اصلاح نہ کرائے تو اُس غلطی کے بدنتائج کو بدل ڈالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہے کہ خلفاء بھی کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جس کے نتائج بظاہر مسلمانوں کے لئے مضر

ہوں اور جس کی وجہ سے بظاہر جماعت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ بجائے ترقی کرنے کے تنزل کی طرف جائے گی تو اللہ تعالیٰ نہایت مخفی سامانوں کے ذریعہ اس غلطی کے نتائج کو بدل دے گا اور جماعت بجائے تنزل کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے گی اور وہ مخفی حکمت بھی پوری ہو جائے گی جس کے لئے خلیفہ کے دل میں ذہول پیدا کیا گیا تھا۔ مگر انبیاء کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں یعنی عصمت کبریٰ بھی اور عصمت صغریٰ بھی۔ وہ تنفیذ و نظام کا بھی مرکز ہوتے ہیں اور وحی و پاکیزگی اعمال کا مرکز بھی ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر خلیفہ کے متعلق ضروری ہے کہ وہ پاکیزگی اعمال کا مرکز نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پاکیزگی اعمال سے تعلق رکھنے والے بعض افعال میں وہ دوسرے اولیاء سے کم ہو۔

پس جہاں ایسے خلفاء ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اعمال کا مرکز ہوں اور نظام سلسلہ کا مرکز بھی۔ ہاں ایسے خلفاء بھی ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اور ولایت میں دوسروں سے کم ہوں لیکن نظامی قابلیتوں کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں مگر ہر حال میں ہر شخص کے لئے ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

چونکہ نظام کا ایک حد تک جماعتی سیاست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے خلفاء کے متعلق غالب پہلو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ نظامی پہلو کو برتر رکھنے والے ہوں گو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دین کے استحکام اور اس کے صحیح مفہوم کے قیام کو بھی وہ مدنظر رکھیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خلافت کا ذکر کیا (نور ع ۷) وہاں بتایا کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم خدا ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور اسے دنیا پر غالب کرے گا۔ پس جو دین خلفاء پیش کریں وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے مگر یہ حفاظت صغریٰ ہوتی ہے۔ جزئیات میں وہ غلطی کر سکتے ہیں اور خلفاء کا آپس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے مگر وہ نہایت ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں جیسے بعض مسائل کے متعلق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں اختلاف رہا بلکہ آج تک بھی امت محمدیہ ان مسائل کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار نہیں کر سکی۔ مگر یہ اختلاف صرف جزئیات میں ہی ہوگا اصولی امور میں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس ان میں ایسا اتحاد ہوگا کہ وہ دنیا کے ہادی و راہ نما اور اُسے روشنی پہنچانے والے ہوں گے۔ پس یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص باوجود بیعت نہ کرنے کے اسی مقام پر رہ سکتا ہے جس مقام پر بیعت کرنے والا ہے درحقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص یہ سمجھا ہی نہیں کہ بیعت اور نظام کیا چیز ہے ''

(الفضل ۱۷ر فروری ۱۹۳۵ء)

قوانین کے پورے طور پر فرمانبردار بنو اور اطاعت کی عادت ڈالو!

"اس وقت ہماری جماعت جس حالت میں سے گزر رہی ہے اس میں اسے پابندیوں کی سخت ضرورت ہے۔ پس مَیں اپنی جماعت کو یہی نصیحت کروں گا کہ اگر تم ترقی اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو بیعت کے ماتحت رہ کر ہی حاصل کر سکتے ہو۔ جب تک پابندیوں کے لئے تیار نہ ہو گے اور جب تک احکام کے جُوئے کے نیچے گردن نہ رکھ دو گے کچھ ترقی نہ کر سکو گے۔ بے شک جُوا پہلے پہل بوجھل لگتا ہے مگر جب عادت ہو جائے تو پھر اس کا احساس بھی نہیں رہتا ..... چاہیئے کہ ہماری جماعت کے افراد خواہ وہ قادیان میں رہتے ہوں یا باہر اپنے آپ کو ہر بات میں ہدایات اور قوانین کا پابند بنائیں اور اس کی ایسی عادت ڈالیں کہ ان کو قوانین معلوم ہی نہ ہوں۔ دیکھو بچے ننگے پاؤں پھرتے ہیں مگر بڑے ہو کر نہیں چاہتے کہ جُوتی نہ پہنیں۔ بچے پڑھتے نہیں مگر بڑے ہو کر پڑھتے ہیں کیونکہ اسی میں فائدہ سمجھتے ہیں۔ تمہاری یہی حالت ہے۔ اور اب اگر ہدایات کی پابندی کی عادت ڈالو گے تو پھر ان کی پابندی کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ عادت تو بُری بھی جس کو پڑ جاتی ہے وہ کرتا رہتا ہے پھر اگر نیکی کی عادت ڈالو گے تو وہ کیوں اچھی نہ لگے گی۔ پس پُورے طور پر قوانین کے فرمانبردار بن جاؤ اور اطاعت کی عادت ڈالو ورنہ یاد رکھو قطعاً ترقی نہ حاصل ہو گی۔ قوانین کی پابندی چھوڑ کر نہ پہلے کسی قوم نے ترقی کی ہے نہ اب کر سکتی ہے۔ اپنے اپنے زمانہ کی پابندیوں کو مدِ نظر رکھنے کی وجہ سے پہلے لوگوں نے ترقی کی اُسی طرح تم کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اُن رستوں پر چلائے جو کامیابی کے رستے ہیں اور کامیابی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔"

(الفضل ۱۰ اگست ۱۹۲۳ء)

اطاعت سے غفلت برتنے اور پرواہ نہ کرنے کا نقصان

"مَیں نے بارہا اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الامامُ جُنّۃٌ یقتل من ورائہٖ۔ امام کے بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت اس کے پیچھے لڑتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ جماعت کے لوگ خود لڑائی چھیڑ دیں۔ اعلانِ جنگ امام کا کام ہے اور وہ جس امر کے متعلق اعلان کرے جماعت اُس طرف متوجہ ہو۔

مگر کئی دوست نہیں سمجھتے اور جھٹ ہر امر پر اظہارِ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات دشمن اس سے چڑ کر شدت سے گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے اور پھر ساری جماعت اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔ ایک عام آدمی جس کو خدا تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہوتا، نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سلسلہ کی ضرورتیں کیا ہیں، نہ اس کو کسی سکیم کا پتہ ہوتا ہے، نہ دشمن کی چالوں کو سمجھتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ طاقت کہاں کہاں خرچ کرنی ہے، نہ جماعت کی ضرورتیں اور ترقی کی سکیمیں اس کے ذہن میں ہوتی ہیں، نہ اس کو علم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اس امر کے متعلق کیا تجویزیں ہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی رپورٹیں نہیں پہنچتیں، اور نہ حالات کا اس کو علم ہوتا ہے، وہ اپنی حماقت سے ایک چنگاری چھوڑ دیتا ہے یا دشمن کی لگائی ہوئی آگ کو اپنی پھونکوں سے روشن کر دیتا ہے اور پھر ساری جماعت کو اُسے بجھانا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو اپنی سکیمیں پیچھے ڈالنی پڑتی ہیں اور جماعت کی ساری طاقت اس شخص کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھانے میں صرف ہو جاتی ہے۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے امور میں قطعی طور پر امام کی اتباع کی جائے۔ اب کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بیعت میں اقرار کریں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف اپنی جھوٹی عزت کا خیال کرتے ہوئے اور امام کے احکام کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کریں کہ اگر امام گالی کا جواب نہیں دیتا تو اس کی بے غیرتی ہے۔ حالانکہ امام خوب سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ خاموش رہنا مناسب ہے یا جواب دینا۔ اور وہی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ ہر گالی جواب کے قابل نہیں ہوتی۔ بچپن میں لوگ ہمیں میاں صاحب اور قادیان کے محاورہ کے مطابق میاں جی بھی کہا کرتے تھے۔ پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں میں میاں جی مُلّا کو بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی اُردو ریڈروں میں لکھا ہوا ہے کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں۔ استاد کو بھی میاں جی کہتے ہیں۔ بعض طالب علموں نے جو استادوں کے خلاف ہوتے ہیں انہوں نے ان کے متعلق بعض فقرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جیسے "میاں جی سلام تہاڈی گھوڑی نوں لگام"۔ اسی طرح مجھے بھی بعض لڑکے چھیڑا کرتے۔ عمر کے لحاظ سے بعض دفعہ مجھے اس پر غصہ بھی آتا لیکن خاموش رہتا۔ ایک دفعہ میں گزر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے دیکھ کر یہ فقرہ کہا۔ اس پر مجھے اشتعال آیا لیکن معاً خیال آیا کہ یہ بچے ہیں میرے اشتعال سے ان کو کیا فائدہ۔ اگر میں نے اشتعال دکھایا تو یہی فقرہ دوہرایا جائے گا اور بچے یاد رکھیں گے اور ایسا کہہ کر بھاگ جایا کریں گے پس میں نے اپنے نفس کو روکا حتی کہ ایک دو دن کے بعد وہ بھول گئے۔ پس ہر گالی قابلِ جواب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین کہ ان مشرکوں کی طرف سے گالیاں دی جائیں گی ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور تبلیغ کی طرف لگے رہنا تا ایسا نہ ہو کہ اصل مقصود بھول جائے اور ایسے کام کی طرف لگ جاؤ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایک عظیم الشان اخلاقی فلسفہ ہے جو قرآن نے پیش

کیا کہ واعرض عن المشرکین۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مخالف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کوئی اہمیت ذاتی یا پوزیشن رکھتے ہیں ان کو صداقت کی جاذبیت دیکھ کر غصہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سخت کلامی کرتے ہیں۔ اور ایک اوباش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سخت الفاظ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تو عزت کوئی نہیں اس کی ایک گالی کے جواب میں اگر تم بھی گالی دو گے تو اس کے جواب میں وہ پانچ دے گا اور تمہاری دس گالیوں کے مقابلہ میں پچاس دے گا۔ پھر مقابلہ کیا رہا۔ وہ معزز شخص جس کے پیچھے ایک قوم ہوتی ہے اگر اس کو اس کی سخت کلامی کا جواب دیا جائے تو مفید ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھی اس کو ملزم کہیں گے اور اس کو کہیں گے کہ غلطی تمہاری تھی کیوں تم نے ابتدا کی اور وہ اپنی پردہ دری کے خوف سے چُپ ہو جائے گا۔ مگر اوباش کو کون بتلائے اور اُسے کون سمجھائے، وہ بتلانے والے کو بھی دس بیس سُنا دے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کو جواب نہ دینا ہم خود جواب دیں گے کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کے مقابلہ کے لئے کافی ہیں۔ جو حقارت اور تذلیل کے ذریعہ مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں نہ ہمت ہے نہ طاقت، نہ ہی دنیوی ڈھنگ آتے ہیں، ان لوگوں کی اپنی کوئی عزت نہیں، وہ اس سے بڑھ کر گالیاں دیں گے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں دشمن بدگوئی میں بڑھتا چلا جائے گا۔ ایسے انسان کی زبان کو لگام نہ عزت دے سکتی ہے نہ رتبہ نہ شرافت کیونکہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہوتیں۔ اگر یہ چیزیں اسے حاصل ہوں تو جواب کی اہمیت اس کی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میری بھی عزت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے بعض دشمنوں میں سے ایسے ہی بعض لوگوں کو جواب دیا جو مثلاً پادری تھے اور اپنی قوم میں معزز تھے جبکہ وہ اسلام کے متعلق بدگوئی میں انتہا درجہ پر پہنچ گئے تا ان کو احساس ہو اور ان کی پوزیشن ان پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے پاس ایک جماعت متفرق لوگوں کی گئی جنہوں نے ان کو کہا کہ اگر تم سختی نہ کرتے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تم کو ایسی باتیں نہ سُننی پڑتیں، جس سے ان کو شرم محسوس ہوئی اور وہ رُک گئے یہی کہ بعض نے علی الاعلان کہنا شروع کیا کہ کسی مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بدگوئی بہت حد تک رُک گئی۔ لیکن اگر آپ بعض اوباش عیسائیوں کے خلاف لکھتے تو کسی شریف نے ان کو روکنا نہیں تھا نہ خود اُن کو اپنی عزت کا پاس ہوتا اور اس طرح وہ گالیوں میں بڑھ جاتے۔ ایسے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی گالیاں سُن کر اُن کو دعا دو۔

خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انا کفینٰک المستھزئین کہ جو تمسخر کرتے ہیں ان میں علم اور عقل نہیں ہوتی ان کے جواب کی تم میں ہمت نہیں ہم ان کو خود جواب دیں گے۔ پس ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بے فائدہ ہے۔

اب قادیان کے ہندوؤں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ قوم میں معزز نہیں وہ اگر گالیاں دیں تو واعرض عن المشرکین کے مطابق ایسے مشرکین سے اعراض کرنا چاہیئے۔ ایسے شخصوں کا مقابلہ کرنے والا درحقیقت پاگل ہے اور وہ خود زیادہ گالیاں دلاتا ہے بلکہ سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ آپ گالیاں دلاتا اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تم ان کے بڑے لوگوں کو گالیاں مت دو کہ پھر یہ بغیر علم کے تمہارے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے کیونکہ دشمنی کے ساتھ بعض دفعہ عقل بھی ماری جاتی ہے اور حملہ کرتے وقت صرف یہی احساس دل میں ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان کی خاطر اگر اپنا نقصان بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے مکان کو آگ لگا دیتے ہیں تاکہ دوسرے کو مقدمہ میں پھنسا دیں۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو مار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے مار دیا۔ پس پاگلوں کو چھیڑنا خود پاگل پن ہے۔

ہماری جماعت کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک امام کے تابع کیا ہے اور امام خوب سمجھتا ہے کہ کہاں جواب دینا مناسب ہے اور کہاں نہیں۔ ہر جگہ جواب دینے کی مثال کُتّے کی سی ہوتی ہے جو بغیر امتیاز کے بھونکتا ہے۔ ایک شریف انسان بھی جواب دیتا ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کو جواب دیا جائے اور کیا جواب دیا جائے۔ پس یہ امام کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کونسے دشمن اسلام کے ایسے ہیں جن کو جواب دیا جائے اور کونسے دشمن ایسے ہیں جن کے اعتراضات سُننے کے باوجود خاموشی اختیار کی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایسے گالیاں دینے والے لوگ موجود تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو کبھی جواب نہیں دیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جواب دیا اور "قادیان کے آریہ اور ہم" کتاب لکھی تو دیکھو اُن میں سے کون باقی رہا۔ سب طاعون سے فنا ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا۔

اس سے تم لوگ سمجھ سکتے ہو کہ اگر تمہارا جواب خدا کے حکم سے ہو تو اس کے نتیجہ میں بھی وہ بات پیدا ہو جائے لیکن جب پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہُوا کہ تمہارا جواب خدا کے حکم کے خلاف ہے ورنہ چاہیئے تھا کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کرتے اور اس کا جواب دیتے۔ آسمان و زمین میں ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ وہ باتیں پُوری ہو جاتیں۔ اگر تم ان کو ذلیل و بے شرم کہتے تو خدا کے فرشتے بھی ان الفاظ کو دہراتے اور ان کے دوست بھی ان کو ایسا ہی کہتے لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہُوا تمہارے سخت الفاظ محض الفاظ ہی ہیں ان میں حقائق نہیں۔

اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حقائق پیش کئے۔ دشمنوں نے آپؐ کو ابتر کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی اپنے دشمنوں کو ابتر کہا۔ ان کی اولادیں موجود تھیں لیکن خدا نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بعضوں کی اولاد کو لڑائیوں میں ختم کر دیا اور بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بن گئے اور اُن لوگوں کی اولاد نہ رہی۔ پنجابی میں "اوتر" بھی ابتر کو ہی کہتے ہیں۔ پنجابی عورتیں بھی یہ گالیاں دیتی ہیں کہ تم اوتر ہو جاؤ۔ لیکن وہ محض گالی ہوتی ہے ان عورتوں کی اس گالی سے کسی کے بچے نہیں مرتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے دشمنوں کو ابتر کہا تو ان کی اولادیں واقعہ میں فنا ہو گئیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ابتر کہنا گالی نہ تھی بلکہ واقعہ تھا جو پورا ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض سخت اقوال سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم سے وہ الفاظ کہے اور زمین و آسمان ان کے ساتھ ہو گئے۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے بعض لوگ جب جواب دینے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور دشمن اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر گالیاں دیتا ہے تو بے غیرت بن کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ ان کو چاہیئے تھا کہ یا تو دشمن کا مُنہ بند کرتے یا گالی کا جواب دینے میں ابتداء نہ کرتے۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اخلاق دوسروں سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ پیغامِ حق پہنچانا، اخلاقِ فاضلہ پیدا کرکے دین و دنیا کی بہتری کی تجاویز سوچنا، نیکی اور علم کو وسعت دینا اور دنیا کی تکالیف دُور کرنا ان کا مقصود ہو تا کہ جو خدا کا مقصد سلسلہ احمدیہ کے قیام سے ہے وہ پورا ہو۔

یہ سنّت ہے کہ جب خدا کا کام بندہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو خدا اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی اس جگہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آپؓ کو گالیاں دینے لگا۔ آپؓ خاموش رہے۔ جب اس نے زیادہ سختی کی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو جواب دیا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک آپ خاموش رہے خدا کے فرشتے اسے جواب دیتے رہے لیکن جب آپ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چلے گئے۔ پس جس کام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہوا ہوتا ہے اگر بندہ اس میں دخل دے تو خدا اُسے چھوڑ دیتا ہے لیکن اگر بندہ صبر کرے اور یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا بدلہ لے لیگا تو خدا اس کا بدلہ لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں جاکر بھی دشمن نے گالیاں دیں اور تنگ کیا، نہ صرف ایک دن، نہ صرف ایک ماہ، نہ صرف ایک سال بلکہ اس وقت تک مخالفین آپ کو گالیاں دے رہے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے مطابق کہ حضرت اسمٰعیلؑ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد تھے اُن کے خلاف اُن کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اُٹھی رہے گی، آپؐ کو لوگ ہمیشہ گالیاں

دیتے رہتے ہیں لیکن خدا نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اور اس سے بہتر علاج ہی اس کا کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کر دے لیکن اسلام میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔ مجھے ایک دفعہ ایک یہودی نے چٹھی لکھی کہ میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشمنی ہو بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سُنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہو جاتا تھا لیکن آپ کے مبلغوں سے اسلام کی خوبیاں سُن کر اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج لوں۔ بھلا ہماری گالیوں سے سلسلہ کی کیا خدمت ہو سکتی ہے۔ اگر ہم دعا کریں کہ اے خدا تیرا وعدہ انا کفیناک المستھزئین سچا ہے تو آپ اس کا علاج کر۔ اور اس وعدہ پر اعتماد رکھ کے چُپ رہیں تو خدا خود ہی انتظام کرے گا اور اگر تم نے خود اس میں دخل دینا شروع کر دیا تو تم بیعت میں رخنہ ڈالنے والے، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو پسِ پُشت ڈالنے والے، اور سلسلہ کو بدنام کرنیوالے ہو گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام کی اطاعت کرو اور امام کے پیچھے ہو کر لڑو۔ پس لڑائی کا اعلان کرنا امام کا کام ہے۔ تمہاری غرض محض اس کی اطاعت ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس تعلیم کو خود ہی رد کرنیوالے ٹھہرو گے۔ دنیا میں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے عظیم الشان لڑائیاں ہو جاتی ہیں جیسے آسٹریا کے شہزادہ کے قتل سے عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں دو کروڑ سے زیادہ انسان قتل ہوئے۔

پس امام جب چاہے اعلانِ جنگ کرے جب چاہے چُپ رہے لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے پیچھے رہیں خود بخود کوئی حرکت نہ کریں۔ پس میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہو گی۔ میں مصلحت کو سمجھتا ہوں۔ ہر بات کی دلیل بیان کرنا امام کے لئے ضروری نہیں۔ جرنیل اور کمانڈر کے ہاتھ میں سارا راز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح حملہ کیا جائے۔ اگر وہ راز کھول دے تو دشمن اس کا توڑ سوچ لے اور ساری سکیم باطل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص سچے طور پر بیعت کرتا ہے اور اتباع کا اقرار کرتا ہے تو اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے اعتراض نہیں کرنا چاہیئے ورنہ بیعت چھوڑ دے کیونکہ وہ منافق ہے پس گالیوں کا جواب نہیں دینا چاہیئے ورنہ آہستہ آہستہ بڑی لڑائی شروع ہو جائیگی اور پھر امام بھی مجبور ہو گا کہ اس میں شامل ہو اور اپنی طاقت ایسی جگہ خرچ کرے جہاں وہ مناسب نہیں سمجھتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست اِن باتوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

کوئی مومن اس قدر بے وقوف نہیں ہوتا کہ اس کے غصے سے ساری جماعت کو نقصان پہنچے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور امام کے حکم کے منتظر رہیں۔ قرآن کریم میں جب لڑائی کا حکم آیا تو بعض لوگوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا لو نعلم قتالاً لا تبعناکم کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے

مگر یہ تو خودکشی ہے۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو لڑائی کے لئے زیادہ شور مچاتے تھے۔ پس زیادہ شور مچانا بسا اوقات نفاق کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جماعت کو لڑائی میں ڈال کر آپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہنے والے بعض دفعہ زیادہ مومن اور بہادر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش طبیعت تھے لیکن لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ پر موجود رہتے تھے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیونکہ لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہی ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوتے تھے کیونکہ دشمن کا سارا زور وہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ یوں تو یہ بڈھا بہت نرم دل ہے لیکن لڑائی میں سب سے آگے رہتا ہے۔ پس خاموشی سے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا بلکہ ممکن ہے وہ جو زیادہ خاموش رہنے والا ہے خدا کے نزدیک زیادہ مخلص ہو اور جو زیادہ شور مچانے والا ہے وہ منافق ہو اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔" (الفضل ۱۳ مئی ۱۹۳۷ء)

اطاعت کا اعلیٰ نمونہ ہی مومنوں کو کامیاب کرتا ہے

"میں نے متواتر جماعت کو بتایا ہے کہ خلافت کی بنیاد محض اور محض اس بات پر ہے کہ الامامُ جُنَّةٌ یقاتل من ورائه یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔ مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بھلا دیں، اس کی قیود کو ڈھیلا کر دیں، اور اس کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیں تو جس غرض کے لئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہو جائیگی۔ میں جانتا ہوں کہ انسانی فطرت کی کمزوریاں کبھی کبھی اسے اپنے جوش اور غصہ میں اپنے فرائض سے غافل کر دیتی ہیں۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی انسان ایسا اشتعال میں آجاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں مگر بہرحال یہ حالت اسکی کمزوری کی ہوتی ہے نیکی کی نہیں۔ اور مومن کا کام یہ ہے کہ کمزوری کی حالت کو مستقل نہ ہونے دے اور جہاں تک ہو سکے اسے عارضی بنائے بلکہ بالکل دور کر دے۔ اگر ایک امام اور خلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے، اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے، اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کے لئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس نکتہ کو واضح کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي

ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ یعنی جو خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ہمارا وعدہ یہ ہے کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم۔ یعنی ان کے طریق کو جو ہم اُن کیلئے خود چُنیں گے دنیا میں قائم کریں گے۔ دین کے معنے صرف مذہب کے ہی نہیں، گو مذہب بھی اس میں شامل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے، خلفاء کے ذریعہ سُنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں، ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں۔ خلفاء دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور مغلق امور کو کھولکر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتاتے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ نے اِس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہوگا ہم اسے مضبوط کریں گے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خلفاء کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے۔ جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے ہم اسے ہی کامیاب بنائینگے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہوگی اُسے ناکام کریں گے۔ پس اگر کوئی مبائع اور مومن کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسے ناکام کریں گے۔ اب اس پر غور کرو۔ ایک شخص یا دس بیس یا ہزار دو ہزار یا دس بیس ہزار لوگ خلیفہ سے کوئی الگ پالیسی رکھتے ہیں یا اپنی اپنی الگ پالیسیاں رکھتے ہیں تو خدا تعالےٰ نے تو جیسا کہ وہ فرما چکا ہے صرف خلیفہ کی پالیسی کو ہی کامیاب کرنا ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اگر جماعت ایک لاکھ کی ہے تو اس میں سے اتنے ہزار کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اگر ایک ہزار کی کوششیں اللہ تعالیٰ ردّ کر رہا ہے تو گویا ۹۹ ہزار، یا اگر دس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو نوّے ہزار، اگر بیس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو اسّی ہزار، اگر پچاس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو صرف پچاس ہزار لوگوں کی کوششیں کامیابی کے رستہ پر ہو رہی ہوں گی۔ اور اس طرح سے جس نسبت کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف سے فتوحات آتی ہیں وہ اسی نسبت سے کم ہوتی جائیں گی۔ ایک لاکھ سپاہیوں کو جو کامیابی ہونی تھی اتنی نہیں ہوگی، اور جتنی کوششیں ردّ ہو رہی ہوں گی اتنی کامیاب کوششوں میں کمی ہو جائے گی، اور اس طرح ایسے لوگ دین کی مدد کرنے والے نہیں ہونگے بلکہ اس میں رخنہ ڈالنے والے اور اسے ضعیف اور کمزور کرنے والے ہوں گے۔

یہ تمام نقائص پیدا ہی تب ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ کے کلام پر یقین نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئے گی، بلکہ ہم نے تو خود کام کرنا ہے، یا خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلنے سے کامیابی نہیں ہوگی، بلکہ کامیابی اس طریق پر چلنے سے ہوگی جو ہم نے سوچا ہے۔ جس شخص نے جماعتوں کو ساتھ لیکر چلنا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ سُستیوں کو دُور کر کے لوگوں کے اندر اخلاص، تقویٰ اور امنگ پیدا کرے لیکن اگر کچھ آدمی ایسے ہوں کہ جتنی امنگیں اور امیدیں اور جوش خلیفہ پیدا کرے اس کا ایک حصہ وہ ضائع کر دیں تو ایسے لوگ بجائے اسلام کی ترقی کا موجب ہونے کے اسکے تنزل کا

موجب ہوں گے۔ .....

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو کلّی طور پر خدا کی تدبیر کے ماتحت کر دیں۔ مگر وہ مُردہ نہیں ہوتے، اُن کے اندر جوش اور اخلاص ہوتا ہے، وہ قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں، مگر قربانی کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے اِذن ہو اور جس رنگ میں ہو وہ اسی وقت اور اسی رنگ میں قربانی کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی فوقیت اور عظمت کی بڑی علامت فرمانبرداری اور اطاعت کا ایسا نمونہ ہی ہوتا ہے جو دوسری قوموں میں نظر نہیں آتا۔ جو چیز دوسروں کی نگاہ میں ذلت ہو وہ اُن کی نگاہ میں عزت ہوتی ہے اور جو دوسروں کو عزت نظر آئے وہ اسے ذلت سمجھتے ہیں۔ لوگ عزت اس میں سمجھتے ہیں کہ اپنے نفس کا غصہ نکال لیں۔ اور مومن اس میں کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو نفس کا غصہ بے شک نہ نکلے۔ جب کوئی شخص ایسا ہو جائے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے جو اُس کی مدد کرتے ہیں اور یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ تم سوچو تو سہی کیا ہماری اتنی طاقت ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر سکیں۔ ہمیں تو جو کامیابی ہوگی فرشتوں کے ذریعہ سے ہوگی اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مومن اپنے نفسوں پر قابو رکھیں اور دل میں اس کے لئے بالکل تیار رہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی اپنے نفسوں کو قربان کر دیں گے۔ مگر اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھیں اور کوئی بات ایسی نہ کریں جو خلافِ شریعت اور خلافِ آداب ہو۔ شریعت وہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہے اور آداب وہ ہیں جو خلفاء کی زبان سے نکلیں۔ پس ضروری ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو شریعت کا احترام قائم کریں اور دوسری طرف خلفاء کا ادب و احترام قائم کریں اور یہی چیز ہے جو مومنوں کو کامیاب کرتی ہے۔

..... بے شک مَیں نبی نہیں ہوں لیکن مَیں نبوّت کے قدموں پر اور اُس کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہر ہو جاتا ہے، جو میرا جُوا اپنی گردن سے اُتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو اُن کا جُوا اُتارتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا جُوا اُتارتا ہے۔ مَیں بے شک انسان ہوں مگر مَیں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے ..... یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو دیکھتے ہوئے مَیں انسانوں پر انحصار نہیں کر سکتا اور تم بھی یہ نصرت اس طرح حاصل کر سکتے ہو کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ اور ایسا کرنے میں صرف خلیفہ کی اطاعت کا

ثواب نہیں بلکہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب تمہیں ملے گا۔ اور اگر تم کامل طور پر اطاعت کرو تو مشکلات کے بادل اُڑ جائیں گے، تمہارے دشمن زیر ہو جائیں گے، اور فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت و سطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو۔ جب تم سے مشورہ مانگا جائے مشورہ دو ورنہ چُپ رہو۔ ادب کا مقام یہی ہے لیکن اگر تم مشورہ دینے کے لئے بیتاب ہو تو بغیر پوچھے بھی دیدو مگر عمل وہی کرو جس کی تم کو ہدایت دی جائے ہاں صحیح اطلاعات دینا ہر مومن کا فرض ہے اور اس کے لئے پوچھنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ باقی رہا عمل اس کے بارہ میں تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ خلیفہ کے ہاتھ اور اس کے ہتھیار بن جاؤ، تب ہی برکت حاصل کرسکوگے اور تب ہی کامیابی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی توفیق بخشے۔"

(الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

نظامِ سلسلہ کا احترام نہ کرنیوالوں کو علیحدہ کرنا ضروری ہوتا ہے

"جماعت کے معنے یہ ہیں کہ ہم لوگ متفق ہو کر ایک اقرار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نظامِ سلسلہ کی مضبوطی کے لئے مل کر کوشش کرتے رہیں گے۔ لیکن وہ جو نظامِ سلسلہ کو توڑتا ہے ہم ہر وقت اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ جب اسے نظام کا احترام نہیں تو ایسے شخص کی جماعت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا جائے ..... مَیں ہمیشہ عفو سے کام لیا کرتا ہوں مگر ایسے موقع پر عفو کرنا سلسلہ سے دشمنی کرنا ہوتا ہے۔" (الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء)

نظامِ سلسلہ کے احترام کا ایک اہم تقاضہ!

"مَیں یہ دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں اس بات کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ جس بات کا ایک دفعہ اعلان ہو اُسے اچھی طرح یاد رکھا جائے۔ نظامِ سلسلہ، نظامِ سلسلہ جس کا ذکر کرتے ہوئے ہماری زبانیں خشک ہوتی ہیں اسی بات کا نام ہے کہ تمام جماعت ایک قانون کی پابند ہو اور وہ ہر حرکت و سکون کو مقررہ نظام کے ماتحت رکھے۔

آوارہ گرد لوگوں اور ایک جماعت میں فرق یہی ہوتا ہے کہ آوارہ گردوں کا کوئی نظام نہیں ہوتا اور ان میں سے ہر شخص اپنی مرضی اور منشاء کے ماتحت کام کرتا ہے مگر جماعت اپنے لئے بعض قوانین مقرر کرکے اُنکے

ماتحت کام کیا کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس بات کی پابند قرار دیتی ہے کہ وہ قائم کردہ نظام سے باہر نہیں نکلے گی۔ اس اصل کے ماتحت تمام لوگ اتحاد اور یکجہتی سے کام کیا کرتے ہیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک بہت سے دوست ایسے ہیں جو نہ تو نظامِ جماعت کو قائم رکھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی اگر کوئی اعلان ہو تو اُسے یاد رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اعلان سُن کر یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ اعلان ہمارے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہے ...... مَیں دوستوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی اعلان ہوتا ہے تو اس سے تمام لوگ مراد ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بعض لوگوں کا استثناء کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ فلاں فلاں اشخاص مستثنیٰ ہیں۔ اور اگر کسی کو مستثنیٰ نہ کیا جائے تو سب کو اس اعلان کی قدر کرنی چاہیئے اور اپنے نظام کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔" (الفضل ۱۴؍ جنوری ۱۹۳۲ء)

صحابہؓ کا ثبات اور استقلال علی الطاعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی۔ اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے۔ لکھا ہے کہ جب شراب کا حکم نافذ ہُوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی اور کہتے ہیں اس قدر شراب بہی کہ نالیاں بہہ نکلیں۔ اور پھر کسی سے ایسا فعلِ شنیع سرزد نہ ہُوا اور وہ شراب کے پکّے دشمن ہو گئے۔ دیکھو یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری، محبّت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی بار پتھراؤ کرنا چاہتی تھی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حواری تو ایسے کمزور اور ضعیف الاعتقاد تھے کہ خود عیسائیوں کو تسلیم کرنا پڑا ہے ...... مگر صحابہؓ ایسے ارادت مند اور جاں نثار تھے کہ خود خدا تعالےٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں جانیں تک دینے میں دریغ نہیں کیا۔"
(الحکم ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۲ء)

آنحضرت ؐ کی صحابہ رضؓ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معیار

انہوں نے ھر ایک عزت آپ کی اطاعت میں ھی دیکھی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام فرماتے ھیں :-

(۱) ''صحابہ کرام کے حالات کو دیکھ کر اور سن کر تعجب آتا ھے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی نہ عزت اور نہ آبرو ۔ سب دنیوی فخر و ناز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خاک میں ملا دیا ۔ ھر ایک ذلت آپکی نافرمانبرداری میں اور ھر ایک عزت آپکی اطاعت میں ھی دیکھی ۔ بھیڑ بکری کی طرح آپ کے لئے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ذبح ھو گئے ۔ کوئی قوم کوئی مذھب دنیا میں ھے جو سچی قربانی کی مثال صحابہ سے بڑھکر دکھا سکے ؟ جان دے کر اخلاص دکھانا اسی کو کہتے ھیں ۔ ان کے نفس بالکل کدورت دنیا سے پاک ھو چکے تھے ۔ جیسے کوئی گھر سے نکل کر ڈیوڑھی پر کھڑا ھو کر سفر کے لئے تیار ھوتا ھے ویسے ھی وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے واسطے تیار تھے،،

(الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

(۲) ''مخالف ھنسی کرتے تھے کہ باھر آزادی سے نکل نہیں سکتے اور بادشاھی کے دعوے کرتے ھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گم ھو کر وہ پایا جو صدیوں سے ان کے حصہ میں نہ آیا تھا ۔ وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور ان ھی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے ۔ ان لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفار کہتے تھے ۔ جب تک اسلام اس حالت میں رھا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رھا،،

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گول بازار ربوہ میں طبع ھوا

جلد ۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۱۰

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنا # انصار اللہ # ربوہ

اکتوبر سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:۔ چھ روپے ٭ فی پرچہ:۔ ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

رسید مژدہ کہ ایام نوبہار آمد	ایڈیٹر	۳
راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرنے کی تلقین	حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۹
عَلَيَّ لِرَبِّيْ نِعْمَةٌ بَعْدَ نِعْمَةٍ (عربی نظم)	" " "	۱۴
من ہمانم من ہمانم، من ہماں (فارسی نظم)	" " "	۱۵
دعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک ضروری شرط	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۶
انصار اللہ کی ذمہ داریاں	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد	۲۱
امن اور سچی خوشحالی کے قیام کے اصل ذرائع	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب	۲۸
ایک عظیم الشان آسمانی تحریک	مکرم سید منیر احمد صاحب باہری	۴۲
مجلس انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کا پروگرام	مکرم قائد صاحب عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ	۴۵

ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دارالصدر جنوبی ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۱۰

۱۵؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء

رسید مژدہ کہ ایّام نو بہار آمد

سالانہ اجتماع کے مبارک ایّام اب بالکل قریب ہیں!

انصار اللہ کا اجتماع ہر سال دُعاؤں، ذکرِ الٰہی اور انابت الی اللہ کے رُوح پرور ماحول میں منعقد ہوتا ہے۔ اس کی بدولت ذہنوں کو ایک نئی جلاء، ایمانوں کو ایک نئی پختگی اور روحوں کو ایک نئی بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ خدمتِ دین کے عزائم راسخ سے راسخ تر ہو کر عمل کی بے پناہ قوتوں کو اُبھارنے کا موجب بنتے ہیں۔ یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس سے کسی کو بھی مجالِ انکار نہیں۔ لذّت آشنا دل جو سال بہ سال اس میں شامل ہو کر اس کی عظیم الشان برکات سے مستفیض ہوتے چلے آ رہے ہیں اس کی انقلاب انگیز تاثیرات سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جو بھی اس میں ایک دفعہ شامل ہوا پھر وہ سال بہ سال اس میں ضرور شامل ہونے کا عزم لے کر ہی واپس لوٹا اور فی الحقیقت آئندہ اجتماعوں میں شامل ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکا۔ اسی لئے اجتماع میں شامل ہونے اور اس کی عظیم الشان برکات سے بہرہ ور ہونے والوں کی تعداد میں بفضل اللہ تعالیٰ سال بہ سال اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کی رونق بہ توفیق و تائیدِ ایزدی مسلسل بڑھتی ہی چلی آ رہی ہے۔ اللّٰھمّ زِد فزِد۔

سچ یہ ہے اور اس میں ذرا کلام نہیں کہ اجتماع کی تیاری اور اس کے قرب کے ایام آمدِ بہار کے پُر کیف ایّام سے کسی طرح کم نہیں ہوتے اور خاص اجتماع کے ایّام تو وہ مبارک ایّام ہوتے ہیں کہ جن میں روحانی بہار

اپنے پورے عروج کو پہنچنے کے باعث روحانی مسرّتوں اور شادمانیوں کو ہر طرف بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ اُس وقت ان روحانی مسرّتوں اور شادمانیوں کے درمیان ہم اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید سے معمور فضا میں سانس لے رہے ہوتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قدرتِ خداوندی کے علوی و سماوی عجائبات ایک ایک کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے کھُل رہے ہیں اور ہم سمندِ شوق پر سوار ہو کر ایک بلندی سے دوسری بلندی کی طرف بڑھ ہی نہیں رہے بلکہ بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں نفسِ امّارہ کا تو ذکر ہی کیا یہ محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ ہم فی الوقت نفسِ لوّامہ کی حدود سے گزر کر نفسِ مطمئنّہ کی حدود میں داخل ہونے کی سعادت سے بہرہ یاب ہیں جہاں ہر طرف نُور ہی نُور ہے اور ناقابلِ بیان سرور ہی سرور۔

اے روحانیت کے شیدائیو، محبتِ الٰہی کے متوالو، اور اے نفسِ مطمئنّہ کے حصول کی خواہش میں تڑپنے والو! وہی ایّامِ بہار جن کے انتظار میں تم سارا سال گِن گِن کر دن گزارتے ہو اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ اب پھر قریب آ گئے ہیں، قریب ہی نہیں آ گئے بلکہ دروازہ پر ہیں۔ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو اس لئے کہ اجتماع انصار اللہ کے انعقاد کا مژدۂ جانفزا تم سُن چکے ہو اور تمہارے حق میں مرکز کی طرف سے یہ ندائے دلربا بلند ہو چکی ہے ع ــــ رسید مژدہ کہ ایّامِ نو بہار آمد۔

چند ہفتوں کی بات ہے کہ انصار اللہ کا سالانہ اجتماع ربوہ کی مقدس سرزمین میں پھر انعقاد پذیر ہو کر تمہارے دامن ہائے مراد کو پُر کر دینے والا ہے۔ تمہیں اس کے طفیل مسلسل تین دن اور تین رات ایسی بابرکت مجالس میں شمولیت کا انمول موقع میسّر آئے گا کہ جن مجالس کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے حلقہ میں لے کر خیر و برکت سے بھر دیتے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ابرِ بہار کی طرح چھا جاتی ہے، آسمان سے سکینت نازل ہو ہو کر جن میں شریک ہونے والوں کو بشاشت و طمانیت سے مالا مال کر دیتی ہے، اور جن کا ذکر ملائے اعلیٰ میں خود خدا تعالیٰ اظہارِ خوشنودی کے طور پر اپنے فرشتوں سے کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهٗ۔

(صحیح مسلم)

یعنی جب کسی قوم کے افراد باہم مل کر ذکرِ الٰہی کی نیّت سے بیٹھتے ہیں تو فرشتے آسمان سے نازل ہو کر ان کے گرداگرد آ جاتے ہیں، اللہ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے کرتا ہے۔

اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سچ ہے اور یقیناً سچ ہے (کیونکہ یہ اُس مقدس ترین اور بزرگ ترین وجود کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جو "گفتۂ او گفتۂ اللہ بود" کا مصداق ہے اور جس کے حق میں خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی) تو یقیناً ہمارا سالانہ اجتماع جو امسال ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ / نومبر کو ربوہ کی مقدس سرزمین میں منعقد ہو رہا ہے اجتماعی ذکرِ الٰہی کی ایسی ہی بابرکت مجالس میں سے ایک ہے - کیوں نہ ایسا ہو جبکہ اس میں دن اور رات اِس کثرت سے ذکرِ الٰہی کا وِرد ہوتا ہے اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دعائیں دلوں کی گہرائیوں سے نکل کر اِس کثرت سے آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں کہ دل سکینت و اطمینان سے معمور ہو کر فرطِ انبساط سے جھوم اُٹھتے ہیں اور بلاشُبہ یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم ایک نئے آسمان کے نیچے نئی زمین پر زندگی بسر کر رہے ہیں - اجتماع کی یہی وہ آسمانی برکات ہیں کہ گزشتہ سال جن سے مالا مال ہو کر ایک دوست نے اپنے قلبی جذبات و تاثرات کا اِن الفاظ میں اظہار کیا :-

" امسال بھی ہمارا سالانہ اجتماع اللہ تعالیٰ کے فضل سے روحانی فیوض سے مالا مال کرنے کا موجب بنا - اس میں تطہیرِ قلوب کے بہترین لمحات میسّر آئے - اس عاجز کی طبیعت اجتماع کے تین دنوں میں ایک عجیب قسم کا سکون اور راحت محسوس کرتی رہی ہے - جس طرح جلسۂ سالانہ کا شدید انتظار رہتا ہے اسی طرح اب انصار اللہ کے اجتماع کے لئے بھی کافی عرصہ پہلے سے دل بے قرار رہتا ہے کہ کب یہ بابرکت ایّام آئیں اور اجتماع میں شمولیت کی سعادت حاصل کروں - مَیں اِس سعادت کے حصول سے اپنے آپ کو محروم رکھ ہی نہیں سکتا - جن احباب کو شمولیت کی ہنوز سعادت حاصل نہیں ہوئی وہ اگلے سال اجتماع میں تشریف لا کر خود مشاہدہ کر لیں - اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس میں شمولیت کی غیر معمولی توفیق سے نوازے ؟"

(ماہنامہ "انصار اللہ" دسمبر ۱۹۶۳ء)

اور ایک اَور دوست نے تو یہاں تک لکھا :-

"کئی برس گزرے مجھے پہلی بار اجتماع میں شامل ہونے کا موقع ملا تھا - اس کا یہ اثر ہؤا کہ اب اجتماع میں ہر سال شامل ہونا فرض خیال کرتا ہوں - چنانچہ کبھی غفلت نہیں کی حتّٰی کہ عدمِ شمولیت موت کے مترادف نظر آتی ہے ؟"　(ایضاً)

اے نصرتِ دین کا دعویٰ کرنے اور اس بنا پر انصار اللہ کہلانے والو! روحانی نعماء اور سکینتِ قلب کی دولت سے مالامال کر دینے والا مقدس و بابرکت اجتماع جس میں عدم شمولیت لذت آشنا دلوں کے لئے موت کے مترادف ہے اب پھر منعقد ہو رہا ہے۔ اس کے مبارک ایام میں دن اور رات جاری رہنے والے ذکرِ الٰہی کا انمول موقع ایک دفعہ پھر تمہارے لئے عام ہونے والا ہے۔ آؤ اور دیوانہ وار آؤ اور اپنی روحانی حیات کا ثبوت دو، ایسا تابندہ و درخشندہ ثبوت جو ایک دُنیا کی آنکھیں خیرہ کر دے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم دیوانہ وار اور بے اختیار کھنچے چلے آنے کے تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دکھاؤ۔

وہ خوش نصیب انصار جو ایک دفعہ اس میں شامل ہونے کے بعد سال بہ سال اس میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے چلے آ رہے ہیں وہ تو آئیں گے ہی، بصد شوق آئیں گے اور جوق در جوق آئیں گے۔ اُن کے دُنیوی اشغال اجتماعی ذکرِ الٰہی کے اِس انمول موقع سے فیضیاب ہونے کی راہ میں روک نہیں بن سکتے۔ اُن کی عدمِ شمولیت یا اُن کی طرف سے کسی قسم کی غفلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس وقت خاص طور پر ہمارے مخاطب وہ انصار ہیں جو گزشتہ دس سال میں ایک دفعہ بھی اجتماع کی سعادت سے بہرہ مند نہیں ہوئے، وہ جُوئے شیریں کے کنارے بیٹھ کر بھی ابھی تک تشنہ ہی ہیں۔ اُن کے کام و دہن ہنوز اس کے شیریں و خوشگوار پانی کی حلاوت اور کیف آور تراوت سے شادکام نہیں ہیں۔ ہم ایسے ہی تشنہ لبوں اور جان بُوجھ کر محروم رہنے والے بھائیوں کو ایک نئی بہار کی آمد کا مژدہ سُناتے ہوئے یاد دلاتے ہیں کہ ؎

ملّتِ احمدؐ کی مالک نے جو ڈالی تھی بِنا
آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار
گلشنِ احمد بنا ہے مسکنِ بادِ صبا
جس کی تحریکوں سے سُنتا ہے بشر گفتارِ یار

آؤ اور یہاں آکر اپنی محرومی کو دُور کرو۔ گلشنِ احمد کی طرف کھنچے چلے آؤ، وہی گلشنِ احمد جو بادِ صبا کا مسکن ہے اور جس کی تحریکوں سے ہم گفتارِ یار سُننے کی غیر معمولی سعادت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھو اور اسے کبھی نہ بھولو کہ انصار اللہ کا اجتماع بھی اسی گلشنِ احمد کے خوشنما غنچوں میں سے ایک غنچہ ہے۔ پھر طور اس غنچہ تک

پہنچنے کے عزم میں کاروبارِ تجارت اور دیگر دنیوی اشغال کو سدِّ راہ نہ بننے دو۔ ہر سال شمولیت سے بہرہ ور ہونے والے بھائیوں کی تقلید میں تم بھی آؤ اور اپنی طویل محرومی کی تلافی کرو اور ایسی تلافی کرو کہ پھر کبھی محروموں میں شامل ہونے والے قرار نہ پا سکو۔

یقین جانو انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کی شکل میں ایک نئی بہار خوشی کے نغمے الاپتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ آؤ اور اُسے خوش آمدید کہو اور اس کی حیات بخش تاثیرات سے بہرہ ور ہوکر ایک نئی حیات سے اپنے آپ کو بہرہ ور کرو۔ خوش نصیب ہیں وہ بھائی جو اس نئی بہار سے لطف اندوز ہونے کے لئے گلشنِ احمد کے اس باغیچہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کے خوش رنگ پھولوں کی مشامِ جانفزا سے اپنے دل و دماغ کو معطر کر کے روحانی کیف و سرور سے سرشار ہونے کی غیر معمولی سعادت سے حصہ پاتے ہیں۔ ہم اپنے ان خوش نصیب بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم خود ہی جوق در جوق نہ آؤ بلکہ اپنے اُن بھائیوں کو بھی جوق در جوق اپنے ہمراہ لاؤ جو ابھی تک اس اجتماع کی عظیم الشان برکات سے محروم ہیں۔ جہاں تمہاری تحریک اور ترغیب و تحریص کے نتیجہ میں ایسے نئے آنے والے بھائیوں کی تشریف آوری تمہارے لئے بے حساب اجر و ثواب اور ان کے لئے بے انداز خیر و برکت کا موجب ہوگی وہاں ہمارے لئے بے انتہا خوشی پر منتج ہوئے بغیر نہ رہیگی۔ انہیں بھی اجتماعی ذکرِ الٰہی کی عظیم الشان برکات سے شاد کام دیکھ کر بلاشبہ ہم خوشی سے پھُولے نہ سمائیں گے اور ہماری خوشی کا ٹھکانا نہ رہے گا۔

بالآخر ہم اپنے بے حد کرم کرنے والے اور بار بار رحم کرنے والے خدائے ذوالمنن سے التجا کرتے ہیں کہ اے غفّار و ستّار اور ہمارے پروردگار تُو ہمارے اُن ہزاروں بھائیوں کو جو ہر سال اپنے مرکز میں آکر اجتماع کی عظیم الشان برکات اور اَن گنت روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں توفیق عطا فرما کہ وہ خود بھی تشریف لائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اُن بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ لائیں جو ابھی تک اس میں شمولیت سے محروم ہیں۔ جہاں تُو ہمارے اوّل الذکر بھائیوں کو تحریک کرنے اور ترغیب دلانے کی توفیق عطا فرما وہاں ہمارے مؤخر الذکر بھائیوں کے دلوں پر اپنے فرشتے نازل کر جو اپنی نیک تاثیرات سے اِس مائدۂ آسمانی کی طرف اُن کے قلوب کو اِس شان سے پھیریں کہ ان کو بن آئے نہ بنے۔ وہ اتنی کثیر تعداد میں آئیں کہ نئے آنیوالے

بھائیوں کی تعداد سے متعلق ہمارے وسیع سے وسیع اندازے اور ہماری بڑی سے بڑی توقعات بھی ناکافی ثابت ہوئے بغیر نہ رہیں۔ تُو ہی مقلب القلوب ہے اور تیرے ہی فضل کے بغیر کسی کو نیکی کی توفیق نہیں مل سکتی۔ تُو ہی اُن پر اپنا فضل نازل فرما اور اس فضل کے نتیجہ میں انہیں اجتماع میں شمولیت اور اس کی عظیم الشان برکتوں سے مستفیض ہونے کی توفیق سے نواز۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر، تا اجتماع پر باہر سے آنے والوں اور اس سے فیضیاب ہونے والوں کے تمام سابقہ ریکارڈ مات ہو جائیں۔ انت الرّحیم والرّحمٰن انت الموفّق والمستعان +

زندوں کی صُحبت تلاش کرو اور ان کے پاس آکر بیٹھو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے .... کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا حکم دے کر زندوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور ہم جو کسی دوست کو یہاں رہنے کے واسطے کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اس کی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے کہتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایمان درست نہیں ہوتا جب تک انسان صاحبِ ایمان کی صحبت میں نہ رہے .....

پس تم کو چاہیئے کہ تم زندوں کی صحبت تلاش کرو اور بار بار ان کے پاس آکر بیٹھو۔ ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ میں تاثیر نہیں ہوتی سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوئی۔ جو سلسلہ منہاجِ نبوت پر قائم ہوگا اُس میں بھی تدریجی ترقی کا قانون کام کرتا ہوگا۔ پس چاہیئے کہ صحابہؓ کی طرح اپنے کام کاج چھوڑ کر یہاں آکر بار بار اور عرصہ تک صحبت میں رہو تاکہ تم دیکھو جو صحابہؓ نے دیکھا اور وہ پاؤ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا۔"

(الحکم ۲۴/۲/ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء)

(کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

راتوں کو اٹھ اٹھ کر نہایت تضرّع کے ساتھ خدا کے حضور اپنی مشکلات کو پیش کرو

دُعا کو اس حد تک پہنچاؤ کہ ایک موت کی سی صورت واقع ہو جائے

جو شخص دُعا سے لاپرواہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اُس کی پرواہ نہیں کرتا

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ایک زبردست معجزہ ہے کہ آپ نے دعا کی اہمیت کو پُورے طور پر واضح کر کے مادیت اور دہریت کے اِس دَور میں دُعا پر زندہ یقین اور زندہ ایمان پیدا کر دکھایا۔ آپ نے قبولیتِ دُعا کے ہزارہا نشانات دکھا کر دلوں کی گہرائیوں میں یہ بات اتار دی کہ دعا زبردست طاقت ہے، جو اِس طاقت سے فائدہ نہیں اُٹھاتا وہ محرومِ ازلی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ وہ خدا کا منکر ہو کر سرے سے دہریہ بن جائے۔ ذیل میں حضور علیہ السلام کے وہ پُر معارف ملفوظات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں جن میں حضور نے دُعا کی اہمیت کو بڑے ہی دلنشین انداز میں واضح فرما کر اِس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ دعا کیا ہے اور یہ کہ دُعا کس طرح کرنی چاہیئے کہ وہ قبولیت کے درجہ تک جا پہنچے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"بہت سے لوگ دُعا کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ دُعا یہی نہیں کہ معمولی طور پر نماز پڑھ کر ہاتھ اُٹھا کر بیٹھ گئے اور جو کچھ آیا منہ سے کہہ دیا۔ اِس دعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ دُعا نری ایک منتر کی طرح ہوتی ہے، نہ اس میں دل شریک ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر کوئی ایمان ہوتا ہے۔ یاد رکھو دعا ایک موت ہے اور جیسے موت کے وقت اضطراب اور بیقراری ہوتی ہے اسی طرح پر دعا کے لئے بھی ویسا ہی اضطراب اور جوش ہونا ضروری ہے۔ اِس لئے دعا کے واسطے پورا پورا اضطراب اور گدازش جب تک نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ پس چاہیئے کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر نہایت تضرّع اور زاری و ابتہال کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی مشکلات کو پیش

کرے اور اس دعا کو اس حد تک پہنچا وے کہ ایک موت کی سی صورت واقع ہو جاوے۔ اُس وقت دُعا قبولیت کے درجہ تک پہنچتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ سب سے اوّل اور ضروری دُعا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف کرنے کی دعا کرے۔ ساری دعاؤں کا اصل اور حقیقی جز وہی دعا ہے کیونکہ جب یہ دعا قبول ہو جاوے اور انسان ہر قسم کی گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک صاف ہو کر خدا تعالیٰ کی نظر میں مطہر ہو جاوے تو پھر دوسری دعائیں جو اس کی حاجاتِ ضروریہ کے متعلق ہوتی ہیں وہ اس کو مانگنی بھی نہیں پڑتیں وہ خود بخود قبول ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بڑی مشقت اور محنت طلب یہی دعا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں متقی اور راستباز ٹھہرایا جاوے۔ یعنی اوّل اوّل جو حجاب انسان کے دل پر ہوتے ہیں اُن کا دُور ہونا ضروری ہے۔ جب وہ دُور ہو گئے تو دوسرے حجابوں کو دُور کرنے کے واسطے اِس قدر محنت اور مشقت کرنی نہیں پڑے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل اس کے شامل حال ہو کر ہزاروں خرابیاں خود بخود دُور ہونے لگتی ہیں۔ اور جب اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود بخود اس کا متکفل اور متولی ہوتا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے اپنی کسی حاجت کو مانگے اللہ تعالیٰ خود اس کو پُورا کر دیتا ہے۔ یہ ایک باریک سِرّ ہے جو اُس وقت کھلتا ہے جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے۔ اس سے پہلے اس کی سمجھ میں آنا بھی مشکل ہوتا ہے لیکن یہ عظیم الشان مجاہدہ کا کام ہے کیونکہ دعا بھی ایک مجاہدہ کو چاہتی ہے۔ جو شخص دعا سے لاپرواہی کرتا ہے اور اس سے دُور رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اُس کی پرواہ نہیں کرتا اور اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ جلدی اور شتاب کاری یہاں کام نہیں دیتی۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جو چاہے عطا کرے اور جب چاہے عنایت فرمائے۔ سائل کا کام نہیں ہے کہ وہ فی الفور عطا نہ کئے جانے پر شکایت کرے اور بدظنی کرے بلکہ استقلال اور صبر سے مانگتا چلا جاوے

دنیا میں بھی دیکھو کہ جو فقیر اَڑ کر مانگتے ہیں خواہ ان کو کتنی ہی جھڑکیاں دو اور جتنا چاہو گھُرکو مگر وہ مانگتے چلے جاتے ہیں اور اپنے مقام سے نہیں ہٹتے۔ یہاں تک کہ کچھ نہ کچھ لے ہی مرتے ہیں اور بخیل سے بخیل آدمی بھی ان کو کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح پر انسان جب اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتا ہے اور بار بار مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو کریم رحیم ہے وہ کیوں نہ دے، دیتا ہے اور ضرور دیتا ہے مگر مانگنے والا بھی ہو۔ انسان اپنی شتاب کاری اور جلد بازی کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے ادعونی استجب لکم۔ پس تم اس سے مانگو اور پھر مانگو اور پھر

مانگو۔ جو مانگتے ہیں اُن کو دیا جاتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ دعا ہو نِری بک بک نہ ہو اور زبان کی لاف زنی اور چرب زبانی ہی نہ ہو۔ ایسے لوگ جنہوں نے دعا کے لئے استقامت اور استقلال سے کام نہیں لیا اور آداب دعا کو ملحوظ نہیں رکھا جب ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا تو آخر وہ دعا اور اُس کے اثر سے منکر ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ سے بھی منکر ہو بیٹھے کہ اگر خدا ہوتا تو ہماری دُعا کیوں نہ سُنتا۔ ان احمقوں کو اتنا معلوم نہیں کہ خدا تو ہے مگر تمہاری دعائیں بھی دعائیں ہوتیں۔ پنجابی زبان میں ایک ضرب المثل ہے جو دعا کے مضمون کو خوب ادا کرتی ہے اور وہ یہ ہے۔

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا

یعنی جو مانگنا چاہتا ہے اس کو ضروری ہے کہ ایک موت اپنے اُوپر وارد کرے اور مانگنے کا حق اسی کا ہے جو اوّل اس موت کو حاصل کرلے۔ حقیقت میں اسی موت کے نیچے دعا کی حقیقت ہے اصل بات یہ ہے کہ دعا کے اندر قبولیت کا اثر اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ انتہائی درجہ کے اضطرار تک پہنچ جاتی ہے جب انتہائی درجہ اضطرار کا پیدا ہو جاتا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی قبولیت کے آثار اور سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پہلے سامان آسمان پر کئے جاتے ہیں اس کے بعد وہ زمین پر اثر دکھاتے ہیں۔

یہ چھوٹی سی بات نہیں بلکہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس کو خدائی کا جلوہ دیکھنا ہو اُسے چاہیئے کہ دعا کرے۔ اِن آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتا بلکہ دعا کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ کیونکہ اگر دعا کے قبول کرنے والے کا پتہ نہ لگے تو جیسے لکڑی کو گھُن لگ کر وہ نکمّی ہو جاتی ہے ویسے ہی انسان پکار پکار کر تھک کر آخر دہریہ ہو جاتا ہے۔ ایسی دعا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ ثابت ہو جاوے کہ اُس کی ہستی برحق ہے۔ جب اس کو یہ پتہ لگ جاوے گا تو اُس وقت وہ اصل میں صاف ہو گا۔ یہ بات اگرچہ بہت مشکل نظر آتی ہے لیکن اصل میں مشکل بھی نہیں ہے بشرطیکہ تدابیر اور دعا دونوں سے کام لیوے جیسے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے معنوں میں بتلایا گیا ہے۔ نماز پُوری پڑھو، صدقہ اور خیرات دو تو پوری نیّت سے دو کہ خدا راضی ہو جاوے اور توفیق طلب کرتے رہو کہ ریا کاری عُجب وغیرہ زہریلے اثر جس سے ثواب اور اجر باطل ہوتا ہے دُور ہو جاویں اور دل اخلاص سے بھر جاوے۔ خدا پر بدظنّی نہ کرو وہ تمہارے لئے ان کاموں کو آسان کر سکتا ہے۔ وہ رحیم کریم ہے۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ اگر پیچھے لگے رہو گے تو اُسے رحم آ ہی جائے گا۔

بہت لوگ ہیں کہ سیدھی نیّت سے طلب نہیں کرتے، تھوڑا طلب کر کے تھک جاتے ہیں۔ دیکھو

اگر ایک زمین میں چالیس ہاتھ کھودنے سے پانی نکلتا ہے تو تین چار ہاتھ کھود کر جو شکایت کرے کہ پانی نہیں نکلا اسے تم کیا کہو گے؟ اس قسم کے بدقسمت انسان ہوتے ہیں کہ دو چار دن دعا کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ کیوں نہ لگا۔ اور اس طرح ایک دنیا گمراہ ہو گئی ہے۔ وظیفے اور مجاہدے کرتے رہے مگر جس حد تک کھودنے سے پانی نکلتا تھا اُس حد تک نہ کھودا یعنی نہ پہنچے تو خدا کی ذات سے منکر ہو گئے اور آخر کار خلقت کا رجوع اپنی طرف دیکھ کر ٹھگ بن گئے۔ اِس کا باعث یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی طرف جس رفتار سے چلنا چاہیئے تھا اُس رفتار سے نہ چلے اور اُس کے عطا کردہ دوسرے قویٰ اور اعضاء سے کام نہ لیا اور طوطے کی طرح وظیفوں پر زور لگاتے رہے اور آخر کار دہریہ ہو گئے۔

گر نباشد بدوست راہ بُردن ÷ شرطِ عشق است در طلب مُردن

اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی راہ پر چلا جاوے یہاں تک کہ مر جاوے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ کے یہی معنے ہیں۔ وہ موت جب آتی ہے تو ساتھ ہی یقین بھی آجاتا ہے۔ موت اور یقین ایک ہی بات ہے۔

غرضکہ اِس کمزوری اور کسل نے لوگوں کو خدا یابی سے محروم کر دیا ہے کہ پورا حق تلاش کا ادا نہ کیا۔ راستہ میں جھلکا مل گیا اسی پر راضی ہو گئے اور دکاندار بن گئے۔

اطاعت، عبادت، خدمت میں اگر صبر سے کام لو تو خدا کبھی ضائع نہ کرے گا۔ اسلام میں ہزاروں ہوئے ہیں کہ لوگوں نے صرف ان کے نُور سے اُن کو شناخت کیا ہے۔ اُن کو مکّاروں کی طرح بھگوے کپڑے یا لمبے چوغے اور خاص خاص متمیّز کرنے والے لباس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خدا کے راستبازوں نے ایسی وردیاں پہنی ہیں۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خاص ایسا لباس نہ تھا جس سے آپ لوگوں میں متمیّز ہو سکتے۔ بلکہ ایک دفعہ ایک شخص نے ابوبکرؓ کو پیغمبر جان کر اُن سے مصافحہ کیا اور تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ آخر ابوبکرؓ اُٹھ کر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھلنے لگ گئے اور اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں میں تو خادم ہوں۔ جب انسان خدا کی بندگی کرتا ہے تو اُسے رنگدار کپڑے پہننے، ایک خاص وضع بنانے اور مالا وغیرہ لٹکا کر چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے لوگ دُنیا کے کُتّے ہوتے ہیں۔ خدا کے طالبوں کو اتنی ہوش کہاں کہ وہ خاص اہتمام پوشاک اور وردی کا کریں۔ وہ تو خلقت کی نظروں سے پوشیدہ رہنا چاہتے ہیں۔ بعض بعض کو خدا تعالیٰ اپنی مصلحت سے باہر کھینچ لاتا ہے کہ اپنی الوہیت کا ثبوت دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز خواہش نہ تھی کہ لوگ آپؐ کو پیغمبر کہیں اور آپؐ کی اطاعت کریں اور اسی لئے ایک غار میں جو قبر سے زیادہ تنگ تھی جا کر آپؐ عبادت

رکیا کرتے تھے اور آپ کا ہرگز ارادہ نہ تھا کہ اس سے باہر آویں۔ آخر خدا نے اپنی مصلحت سے آپ کو خود باہر نکالا اور آپ کے ذریعہ سے دنیا پر اپنے نور کو ظاہر کیا۔ انبیاء تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں، ان کا کوئی مرشد وغیرہ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا سے بالکل فانی ہوتے ہیں، وہ ہرگز اپنا اظہار نہیں چاہتے مگر خدا ان کو زبردستی باہر لاتا ہے۔ انسان کیا وہ تو فرشتوں سے بھی اخفاء چاہتے ہیں۔ انکی فطرت ہی اس قسم کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں لیکن جن کو دنیا کا خیال ہوتا ہے اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو اچھا جانیں وہ خدا کے نزدیک مُردار ہوتے ہیں اور ہزاروں قسم کے تصنّعات سے ان کو کام لینا پڑتا ہے۔ وہ شیطان ہوتے ہیں اُن سے دُور رہنا چاہیئے۔ وہ لوگ جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے وہ اَور ہیں نہ کہ یہ۔

پس یاد رکھو کہ زبان سے خدا کبھی راضی نہیں ہوتا اور بغیر ایک موت کے کوئی اس کے نزدیک زندہ نہیں ہوتا۔ جس قدر اہل اللہ ہوتے ہیں سب ایک موت قبول کرتے ہیں اور جب خدا ان کو قبول کرتا ہے تو زمین پر بھی ان کی قبولیت ہوتی ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ خاص فرشتوں کو اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں بندے سے میں محبّت کرتا ہوں اور وہ سب اس سے محبّت کرنے لگ جاتے ہیں حتّٰی کہ اس کی محبّت زمین کے پاک دلوں میں ڈالی جاتی ہے اور وہ اسے قبول کرتے ہیں۔ جب تک کوئی اُن لوگوں میں سے نہیں بنتا تب تک وہ پیتل اور تانبا ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی قدر کی جائے۔

(ملفوظات جلد ششم صـ ۴۰۶-۴۱۲)

دُعائے کامل کے لوازمات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"دعائے کامل کے لوازمات یہ ہیں کہ اس میں رقّت ہو، اضطراب اور گداز ش ہو۔ جو دعا عاجزی، اضطراب، اور شکستہ دلی سے بھری ہوئی ہو وہ خدا تعالیٰ کے فضل کو کھینچ لاتی ہے اور قبول ہو کر اصل مقصد تک پہنچاتی ہے۔"

(ملفوظات جلد ششم صـ ۹۲)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عَلَيَّ لِرَبِّي نِعْمَةٌ بَعْدَ نِعْمَةٍ

(مجھ پر میرے خدا کی نعمت پر نعمت ہے)

أَيَا لَاعِنِيْ مَا كُنْتَ بِدْعًا مِّنَ الْهَوٰى ... لِكُلٍّ مِّنَ الْعُلَمَاءِ رَأْيٌ وَّمَذْهَبٌ

اے مجھ پر لعنت کرنے والے تو اپنی ہوا و ہوس میں نیا نہیں۔ ہر ایک عالم اپنی رائے اور اپنا اپنا مذہب رکھتا ہے۔

عَلَيَّ لِرَبِّيْ نِعْمَةٌ بَعْدَ نِعْمَةٍ ... فَلَا زِلْتُ فِيْ نَعْمَائِهٖ أَتَقَلَّبُ

مجھ کو میرا خدا ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت سے نوازتا ہے اسی لئے میں اس کی نعمتوں سے مسلسل بہرہ اندوز ہو رہا ہوں۔

وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ شَمْسٌ مُّنِيْرَةٌ ... وَبَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدْرٌ وَّكَوْكَبٌ

یقیناً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) چمکنے والے سورج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چاند اور ستارے ہیں۔

جَرَتْ عَادَةُ اللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ رَبُّنَا ... يُرِيْ وَجْهَ نُوْرٍ بَعْدَ نُوْرٍ يَّذْهَبُ

اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے اُس کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ وہ ایک نور کے بعد دوسرے نور کے چہرہ کو ظاہر کرتا ہے۔

كَذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا نَرٰى قَانُوْنَهٗ ... نُجُوْمُ السَّمَا تَبْدُوْ إِذَا الشَّمْسُ تَغْرُبُ

اسی طرح دنیا میں ہم اس کے قانون کو جاری و ساری پاتے ہیں جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو آسمان کے تارے ظاہر ہوتے ہیں۔

خَفِ اللّٰهَ يَا مَنْ بَارَزَ اللّٰهَ مِنْ هَوًى ... وَإِنَّ الْفَتٰى عِنْدَ التَّجَاسُرِ يَرْهَبُ

اے وہ جو کہ اپنی ہوس سے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اُس سے ڈر یقیناً جوانمرد بھی اپنے سے بڑھ کر دلیر کی دلیری سے خوفزدہ ہو جاتا ہے

وَلَا تَطْلُبَنْ رَيْحَانَ دُنْيَاكَ خِسَّةً ... وَشَوْكُ الْفَيَافِيْ مِنْهُ أَشْهٰى وَأَطْيَبُ

اپنی کمینگی سے دنیا کی خوشبو مت طلب کر۔ جنگلوں کے کانٹے اس سے بہت بہتر اور بہت عمدہ ہیں۔

(کرامات الصادقین)

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

من ہمانم، من ہمانم، من ہماں

(میں وہی ہوں، میں وہی ہوں، میں وہی ہوں)

ہمچنیں عشقم بروئے مصطفےٰ ؐ
ایسا ہی عشق مجھے مصطفےٰ ؐ کی ذات سے ہے

دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفےٰ ؐ
میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفےٰ کی طرف اُڑ کر جاتا ہے

تا مرا دادند از حسنش خبر
جب سے مجھے اُس کے حُسن کی خبر دی گئی ہے۔

شد دلم از عشقِ او زیر و زبر
میرا دل اس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ مے بینم رخِ آں دلبرے
میں وہ ہوں جو اُس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں

جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
اگر کوئی اُسے دل دے تو میں اسکے مقابلہ پر جان نثار کردوں

ساقیِ من ہست آں جاں پرورے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے۔

ہر زماں مستم کند از ساغرے
جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے۔

محو روئے او شد است ایں روئے من
یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا ہے

بوئے او آید ز بام و کوئے من
اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آرہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں
از بسکہ میں اس کے عشق میں فنا شدہ ہوں۔

من ہمانم۔ من ہمانم۔ من ہماں
میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ او یابد غذا
میری رُوح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے

از گریبانم عیاں شد آں ذکا!
اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے۔

احمدؐ اندر جانِ احمد شد پدید
اسم من گردید اسمِ آں وحید

احمد کی جان کے اندر احمدؐ ظاہر ہوگیا اس لئے میرا وہی نام ہوگیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے۔

(سراج منیر)

دُعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک ضروری شرط

مضطر ہو کر خدا سے مانگو تو وہ ضرور تمہیں دے گا'

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

مَیں نے احباب کو متواتر دعاؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور اب جو بعض دوستوں کی طرف سے رقعے اور خطوط ملتے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے ایک حصہ میں موجودہ زمانہ کے فتن کے لئے دُعا کی تحریک پائی جاتی ہے۔ مگر ایک حصہ کی دعا کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ مَردوں اور عورتوں اور بچوں سب کی ذہنیت کو دعا کے لئے بدلا جائے۔ اور یہ ذہنیت اس رنگ میں بدلی جاتی ہے کہ سب سے پہلے دعا پر یقین اور ایمان پیدا ہو۔ جو شخص بغیر یقین کے دُعا مانگتا ہے اس کی دعا خدا تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں ہُوا کرتی۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی ایسے شخص کی دعا قبول ہو جائے، صرف نمونہ کے طور پر اور اس کے دل میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ لیکن قانون کے طور پر اُسی شخص کی دعا قبول ہوتی ہے جس کے دل میں یقین ہوتا ہے کہ خدا میری سُنے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ کہ مضطر کی دعا کون سُنتا ہے؟ پھر فرماتا ہے اللہ ہی سُنتا ہے۔ مضطر کے معنے عربی زبان میں یہ ہوتے ہیں کہ کسی کو چاروں طرف سے دھکے دے کر کسی طرف لے جائیں۔ جو چاروں طرف سے رستہ بند پا کر کسی ایک طرف کو جاتا ہے اس کو مضطر کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہر طرف آگ دیکھتا ہے، اپنے دائیں دیکھتا ہے تو اُسے آگ نظر آتی ہے، اپنے بائیں دیکھتا ہے تو اُسے آگ نظر آتی ہے، اپنے پیچھے دیکھتا ہے تو اُسے آگ نظر آتی ہے، اپنے نیچے دیکھتا ہے تو اُسے آگ نظر آتی ہے، اپنے اُوپر دیکھتا ہے تو اُسے آگ نظر آتی ہے، صرف ایک جہت اس کے سامنے خدا تعالیٰ والی باقی رہ جاتی ہے اور اُسی پر اُس کی نظر پڑتی ہے۔ اور سب جگہ اُسے آگ ہی آگ دکھائی دیتی ہے مگر صرف ایک طرف سے اُسے امن نظر آتا ہے۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مضطر کے معنوں میں یقین پایا جانا ضروری ہے۔ مضطر کے صرف یہی معنے نہیں ہیں کہ اس کے دل میں گھبراہٹ ہو کیونکہ گھبراہٹ میں بعض دفعہ ایک شخص بے تحاشا کسی طرف چل پڑتا ہے بغیر اس یقین کے کہ جس طرف وہ جا رہا ہے وہاں اُسے امن بھی حاصل ہو گا یا نہیں۔ بلکہ بعض لوگ گھبراہٹ میں ایسی طرف چلے جاتے ہیں جہاں

خود خطرہ موجود ہوتا ہے اور وہ اس سے نہیں بچ سکتے۔ پس محض اضطراب کا دل میں پیدا ہونا اضطرار پر دلالت نہیں کرتا، اضطرار پر وہ حالت دلالت کیا کرتی ہے جب چاروں طرف کوئی پناہ کی جگہ انسان کو نظر نہ آتی ہو اور ایک طرف نظر آتی ہو۔ گویا اضطرار کی نہ صرف یہ علامت ہے کہ چاروں طرف آگ نظر آتی ہو بلکہ یہ بھی علامت ہے کہ ایک طرف امن نظر آتا ہو اور انسان کہہ سکتا ہو کہ وہاں آگ نہیں ہے۔ تو وہی دعا خدا تعالےٰ کے حضور قبول کی جاتی ہے جس کے کرتے وقت بندہ اِس رنگ میں اُس کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے میرے لئے اَور کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔

یہی وہ مضطر کی حالت ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں ادا فرمایا ہے کہ لا ملجأ ولا منجأ منك الّا اليك۔ اے خدا لاملجأ ولا منجأ منك تیرے عذاب اور تیری طرف سے آنے والے ابتلاؤں سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں، کوئی نجات کی جگہ نہیں، سوائے اس کے کہ میں سب طرف سے مایوس ہو کر اور آنکھیں بند کر کے تیری طرف آجاؤں۔ تو لا ملجأ ولا منجأ والی جو حالت ہے یہی اضطرار کی کیفیت ہے۔ اور جب خدا نے قرآن میں کہا کہ امّن یجیب المضطرّ اذا دعاہُ بتاؤ مضطر کی کون سنتا ہے تو مضطر کے معنے یہی ہوئے کہ ایسے شخص کی دعا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ملجأ و ماویٰ نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ملجأ و ماویٰ قرار نہیں دیتا۔ اور اس آیت میں کہ امّن یجیب المضطرّ اذا دعاہ درحقیقت اِسی کیفیتِ اضطرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اضطرار دنیا میں کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اِسی لئے یہاں المضطر کا لفظ رکھا گیا ہے جس کے معنے تمام قسم کے مضطر کے ہیں۔ بعض بندے دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو مضطر ہوتے ہیں۔ اور گو حقیقتاً اللہ ہی ہر مضطر کا علاج ہے مگر اس کے دیئے ہوئے انعام کے ماتحت کوئی بندہ بھی ان کے اضطرار کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ ایک آدمی سخت غریب ہوتا ہے، اس کے کپڑے پھٹ جاتے ہیں، اور اُسے نظر نہیں آتا کہ وہ نئے کپڑے کہاں سے بنوائے۔ ایک امیر آدمی جو بعض دفعہ ہندو ہوتا ہے، بعض دفعہ سکھ ہوتا ہے، بعض دفعہ پارسی ہوتا ہے، بعض دفعہ جینی یا بُت پرست ہوتا ہے اُسے دیکھتا ہے اور کہتا ہے تمہارے کپڑے پھٹ گئے ہیں آؤ میں تمہیں نیا جوڑا بنوا دوں۔ اب گو ہمارے یقین کے مطابق خدا نے اُس امیر آدمی کے دل میں یہ تحریک پیدا کی ہوگی کہ وہ اسے کپڑے بنوا دے۔ مگر جو کامل الایمان نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میرے اضطرار کی حالت میں فلاں آدمی کام آیا ہے۔ مگر وہی آدمی جس نے اُسے کپڑوں کا جوڑا بنا کر دیا تھا جب یہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے لئے کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے، پانی تک اسے ہضم نہیں ہوتا، تمام جسم کی صحت کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور چل پھر بھی نہیں سکتا تو ایسی حالت میں وہ امیر آدمی اس کی مدد نہیں کر سکتا بلکہ اگر کوئی طبیب اچھا لائق

اور رحم دل ہوتا ہے اور وہ اُسے اِس حالت میں دیکھتا ہے تو کہتا ہے تمہیں علاج پر روپیہ خرچ کرنے کی توفیق نہیں مَیں تمہیں مفت دوائی دینے کے لئے تیار ہوں، تم میرے پاس رہو اور اپنے مرض کا علاج کراؤ۔
اب اِس اضطرار کی حالت میں امیر اس کے کام نہیں آیا بلکہ طبیب اس کے کام آیا۔ جب وہ کپڑوں کے لئے مضطر تھا تو امیر آدمی اُس کے کام آیا مگر جب وہ علاج کے لئے مضطر ہوا تو ایک طبیب اس کے کام آگیا۔
پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُس پر کوئی مقدمہ بن جاتا ہے، وہ بے گناہ ہوتا ہے، اس کا دشمن زبردست ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے ناراض ہو کر اُسے کسی مقدمہ میں ماخوذ کرا کے عدالت تک پہنچاتا ہے۔ اب اُسے نہ وکیل کرنے کی توفیق ہے نہ خود اسے مقدمہ لڑنے کی قابلیت ہے اور وہ حیران ہوتا ہے کہ کیا کرے۔ آخر کوئی رحم دل وکیل اُسے مل جاتا ہے اور وہ کہتا ہے مَیں بغیر فیس کے تمہاری وکالت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اب ایسے موقع پر نہ امیر اُس کے کام آسکا نہ طبیب اس کی مشکل کو دُور کر سکا صرف وکیل اُس کے کام آیا۔
—— اسی طرح ایک اَور وقت میں یہ مضطر ہوتا ہے، بوجھ اُٹھائے جا رہا ہوتا ہے کہ تھک کر چُور ہو جاتا ہے اور بوجھ اس سے گر جاتا ہے۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اس بوجھ کو پھر اُٹھا سکے۔ اب ایسے وقت میں نہ امیر اُس کے کام آسکتا ہے، نہ طبیب اس کے کام آسکتا ہے، نہ وکیل اس کے کام آسکتا ہے البتہ کوئی مضبوط زمیندار چلتے ہوئے اُسے دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے تو یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ بوجھ مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا۔ چنانچہ وہ زمیندار اس کا بوجھ اُٹھا لیتا ہے۔ اب یہ مضطر تو تھا مگر اس حالت میں نہ امیر اُس کے کام آسکا نہ طبیب اس کے کام آسکا، نہ وکیل اس کے کام آسکا بلکہ اس کا ایک زمیندار بھائی اس کے کام آگیا۔ تو ایک ہی انسان کے مختلف اضطراروں میں مختلف لوگ اس کے کام آسکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ مطلق مضطر جس کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس قسم کا مضطر ہو، خواہ وہ بھوکا ہو، ننگا ہو، پیاسا ہو، بیمار ہو، بوجھ اٹھائے لئے جا رہا ہو، کسی قسم کا اضطرار ہو اس کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔
ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے پھٹے پرانے کپڑے ہوں تو کوئی امیر اُس کے کام آجائے مگر طبیب اس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بیمار ہو تو طبیب اُس کے کام آجائے مگر وکیل اس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بے گناہ کسی مقدمہ میں مبتلا ہو تو وکیل اُس کے کام آجائے مگر بوجھ اُٹھانے کے وقت وکیل اُس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ بوجھ اُٹھانے کے وقت ایک زمیندار اُس کے کام آجائے لیکن امیر، طبیب اور وکیل اُس کے کام نہیں آسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ سارے کام کر سکتا ہے۔ باقی انسان جس قدر ہیں وہ کسی کسی ضرورت میں کام آسکتے ہیں۔ کوئی ایک قسم کے مضطر کے کام آسکتا ہے اور کوئی دوسری قسم کے مضطر

کے کام آسکتا ہے مگر ہر قسم کے مضطرین کی ضرورتیں پورا کرنے والی خدا ہی کی ذات ہوتی ہے۔ اور انسان کے اضطرار کی ہزاروں حالتیں ہوتی ہیں بھلا ان حالتوں میں کوئی بندہ کسی کے کب کام آسکتا ہے۔ ان حالتوں میں تو کوئی بادشاہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتا۔ فرض کرو ایک شخص سخت بیمار ہے۔ اب بادشاہ کا خزانہ اس کے کام نہیں آسکتا، بادشاہ کی فوجیں اس کے کام نہیں آسکتیں، بادشاہ کا قرب اس کے کام نہیں آسکتا۔ اس کے کام تو خدا تعالیٰ ہی آسکتا ہے جو ہر قسم کی بیماریوں کو دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یا ایک جنگل میں گزرنے والا شخص جس پر بھیڑیا یا شیر اچانک جھپٹ کر حملہ کر دیتا ہے وہ چاہے بادشاہ کا کتنا ہی منہ چڑھا ہو، یا بادشاہ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو بادشاہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا طبیب جو اس کا علاج کرتا تھا وہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا امیر جو نئے کپڑے سلا دیتا تھا وہ اس کے کیا کام آسکتا ہے۔ یا وکیل جس نے رحم کر کے اس کا مقدمہ لے لیا تھا اس کے کس کام آسکتا ہے۔ جنگل میں وہ تن تنہا جا رہا ہوتا ہے کہ شیر، چیتا یا بھیڑیا اس کے سامنے آجاتا ہے ایسی حالت میں وہاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو کام آتی ہے کوئی انسان کام نہیں آسکتا۔ تو جب تک انسان کے اندر یہ یقین پیدا نہ ہو کہ ہر قسم کے اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کام آتا ہے اس وقت تک وہ مضطر نہیں کہلا سکتا....

.... اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سب کچھ آتا ہے انسانی طاقت کچھ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یاد رکھو دعائیں جب تک مضطر ہو کر نہ کی جائیں یعنی اس یقین کے ساتھ کہ دنیا کی ہر ضرورت کو پورا کرنے والی ہستی صرف اور صرف خدا کی ذات ہے اس وقت تک قبول نہیں ہوتیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں مگر بہر حال وہ انسان کو کپڑا ہی دے سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں مگر بہر حال وہ دوسرے کو مکان ہی دے سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دیئے ہوئے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں مگر بہر حال وہ بیماروں کا علاج ہی کر سکتے ہیں۔ بے شک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گو خدا کے دیئے ہوئے علم سے دوسروں کی حفاظت کے لئے مقدمہ مفت لڑ سکتے ہیں مگر بہر حال وہ مقدمہ ہی بغیر فیس کے لینے کے لڑ سکتے ہیں۔ مگر کوئی انسان دنیا کا ایسا نظر نہیں آسکتا جس کے ہاتھ میں یہ ساری چیزیں ہوں۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ہاتھ میں دلوں کی تبدیلی ہو۔ یہ صرف خدا کی ہی ذات ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام چیزیں ہیں اور جو دلوں اور نہاں در نہاں جذبات کو بھی بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس جب تک مضطر ہو کر دعا نہ کی جائے اور جب تک چاروں طرف سے مایوس ہو کر اور خدا پر کامل ایمان رکھ کر دعا نہ کی جائے اس وقت تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ لیکن جب اس رنگ

میں دعا کی جائے تو وہ خدا کے عرش پر ضرور پہنچتی اور قبول ہو کر رہتی ہے۔
پس دعائیں کرو اور اس شرط کو جو دعاؤں کی قبولیت کے لئے خدا تعالیٰ نے ضروری قرار دی ہے مدّنظر رکھو۔ وقت نازک ہے اور ایک ایک دن قیمتی ہے" +
(الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۴۲ء)

فضل ہمیشہ خدا کی طرف سے آتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-
" فضل ہمیشہ خدا کی طرف سے آتا ہے۔ ہزار تدبیر کرو ہرگز کام نہ آوے گی جبتک آنسو نہ بہیں سانپ کی زہر کی طرح انسان میں زہر ہے اُس کا تریاق دعا ہے جس کے ذریعہ سے آسمان سے چشمہ جاری ہوتا ہے۔ جو دعا سے غافل ہے وہ مارا گیا۔ ایک دن اور رات جس کی دعا سے خالی ہے وہ شیطان سے قریب ہُوا۔ ہر روز دیکھنا چاہیئے کہ جو حق دعاؤں کا تھا وہ ادا کیا ہے کہ نہیں۔ نماز کی ظاہری صورت پر اکتفا کرنا نادانی ہے۔ اکثر لوگ رسمی نماز ادا کرتے ہیں اور بہت جلدی کرتے ہیں جیسے ایک ناواجب ٹیکس لگا ہُوا ہے جلدی گلے سے اُتر جاوے۔ بعض لوگ نماز تو جلدی پڑھ لیتے ہیں لیکن اس کے بعد دُعا اس قدر لمبی مانگتے ہیں کہ نماز کے وقت سے دُگنا تگنا وقت لے لیتے ہیں۔ حالانکہ نماز تو خود دُعا ہے۔ جس کو یہ نصیب نہیں ہے کہ نماز میں دعا کرے اس کی نماز ہی نہیں۔ چاہیئے کہ اپنی نماز کو دُعا سے مثل کھانے اور سرد پانی کے لذیذ اور مزیدار کر لو، ایسا نہ ہو کہ اس پر ویل ہو۔"
(ملفوظات جلد ششم ص۲۷)

انصار اللہ کی ذمہ داریاں

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ کا ہم پر بے حد احسان ہے کہ ہم نے محض اُس کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کی مہتم بالشان پیشگوئی کو پوری عظمت و شوکت کے ساتھ اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا اور وہ عہدِ سعادت مہد پایا جس میں آپ کی ذریتِ طیبہ میں سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایسا جلیل القدر انسان پیدا ہوا جو کئی باتوں میں آپ سے مشابہ ہے، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق آسمان سے اُترا اور اس نے زمین والوں کی رہنمائی کی، جو اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا، جو فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق و العلا کان اللہ نزل من السماء مردِ خدا، مسیحی صفت، ہدایت میں کمال پانے والا آپ کا جانشین اور یادگار ثابت ہوا۔ اس مقدس وجود نے اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا، اس طرح کہ دنیا کے کونے کونے سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہونے لگی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے والے آپ پر کثرت سے درود بھیجنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں کے مطابق کہ "نور آتا ہے نور" اور "کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا" وہ نور دنیا میں آیا اور گمراہی اور ضلالت کی تاریکیاں کافور ہو گئیں، ظلمت و ادبار کی گھٹائیں چھٹ گئیں اور دیکھنے والوں نے یوں محسوس کیا کہ گویا وہ کبھی تھیں ہی نہیں۔

ہم نے عمر بھر یہ دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ اولوالعزم خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مصیبتوں اور بلاؤں سے کبھی نہ گھبرائے، مشکلات سے کبھی نہ سہمے، اندرونی اور بیرونی فتنوں سے کبھی سراسیمہ نہ ہوئے اور داخلی اور خارجی ریشہ دوانیوں سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ آپ ہمیشہ ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑے رہے اور جو اس پر گرا وہ چکنا چور ہو گیا۔ خلافتِ ثانیہ کے ابتدائی دور میں پیغامیوں کا فتنہ کوئی کم خطرہ کا حامل نہ تھا۔ ان کے ساتھ اُس وقت جماعت کی اکثریت تھی، وہ اربابِ حل و عقد تھے، ان کی سابقہ خدمات تھیں، انہیں جماعت میں اثر و رسوخ اور ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود ان کے قدم اسلام کے اس بطلِ جلیل کے سامنے جم نہ سکے اور اُنہیں جلد ہی پسپا ہونا پڑا، اس طرح کہ ان کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو گئی اور وہ مرکزِ سلسلہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت ہی تھی جس نے اس موعود خلیفۃ المسیح

المصلح الموعود کی جوانی کی عمر میں ناتجربہ کاری کی حالت میں، بے بسی کے عالم میں غیب سے مدد کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام اِنِّیْ مَعَكَ وَمَعَ اَھْلِكَ کی صداقت کا ایک بار پھر ثبوت دیا۔

پیغامیوں کا فتنہ فرو ہوا تو مستریوں کے فتنے نے سر اُٹھایا اور خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے وہ کُچلا گیا تو احرار نے یورش کر دی۔ حکومتِ وقت نے بھی انہی کا ساتھ دیا مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے حضور ایدہ اللہ کی پیشگوئی کے عین مطابق احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ بلند بانگ دعاوی سمیت یوں غائب ہوئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد مصری صاحب کا فتنہ پیدا ہوا جن کے ساتھ بزعمِ خویش ان کا زہد و اتقاء اور علمِ دین بھی تھا مگر ہم نے یہ دیکھا کہ وہ بھی اِس مردِ آہنی کو اس کے موقف سے ہٹانے اور اس کے قدم متزلزل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔

۱۹۵۳ء کے قیامت خیز ہنگامے ہوئے تو حضرت المصلح الموعود کی پیشخبری کے عین مطابق مدد کے لئے خدا تعالیٰ دَوڑتا ہوا آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْكَ بَغْتَةً ایک بار پھر پوری ہوئی، الحمد للہ۔

الغرض یہ ظلمتیں، یہ تاریکیاں اور کالی گھٹائیں ایک کے بعد ایک اُٹھیں مگر خدا کے اس نور کے سامنے ٹھہر نہ سکیں۔ مصیبت پہ مصیبت آئی، فتنہ کے بعد فتنہ پیدا ہوا، ابتلاء کے بعد ابتلاء آیا مگر یوں نظروں سے اوجھل ہوتا چلا گیا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ اِس مردِ خدا کی تائید میں ہم نے آسمان سے فرشتوں کو اُترتے دیکھا، نہیں نہیں بلکہ بارہا خدا تعالیٰ کو خود مدد کے لئے نازل ہوتے دیکھا۔ ہم نے آپ کی صداقت اور حقانیت کا نشان کے بعد نشان دیکھا جو ہمارے ایمان اور یقین کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا گیا۔ ہم نے خدا کے فضل سے اِس بطلِ جلیل المصلح الموعود کو ہر آن زندہ خدا کے زندہ نشانوں سے پرکھا جن کی وجہ سے آپ کی صداقت پر یقین و ایمان اور آپ سے دلی وابستگی اور والہیت ہمیشہ بڑھتی چلی گئی۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ یہ ابتلاء، یہ مصیبتیں، یہ گھٹائیں اور یہ ظلمتیں جو یکے بعد دیگرے آئیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے اور جماعت احمدیہ کو کمزور کرنے کی بجائے اسے مضبوط سے مضبوط تر کرتی گئیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنے ساتھ بے شمار برکتیں لے کر آئیں۔ احرار کے فتنہ کے بعد تحریک جدید پیدا ہوئی جس سے آج چاردانگ عالم میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہو رہی ہے اور ہر ملک اور ہر نسل کے لوگ اوہامِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ سے رستگاری حاصل کر کے کثرت کے ساتھ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچ چکا ہے۔ اور مصری صاحب کے فتنہ کے بعد جماعت میں خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کی مجالس قائم ہوئیں جو خدا کے فضل سے نوجوانوں اور بزرگوں میں بے حد

اخلاص، خود اعتمادی اور خدمتِ دین کا بے پناہ جوش پیدا کرنے کا موجب ہوئیں۔

یہ باتیں عرض کرنے سے خاکسار کی غرض احباب کو اِس امر کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذاتِ ستودہ صفات کی عظمت و شوکت، بلند روحانی مقام، فیوضِ روحانی اور حضور ایدہ اللہ کے بیان فرمودہ معارف و حقائق، حضور کی تائید و نصرت میں خدائی نشانات ہمیں اپنے اہل وعیال اور اولاد کے سامنے کثرت سے اور التزام کے ساتھ بار بار بیان کرتے رہنا چاہئیں تا اُن کے دل میں بھی حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کی صداقت و حقانیت، یقین اور ایمان، سلسلہ کے ساتھ اخلاص اور حضور کے ساتھ عقیدت و والہیت اور شدید عشق اور فدائیت کے جذبات نہ صرف تازہ رہیں بلکہ ہمیشہ ترقی کرتے چلے جائیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی علالت کی وجہ سے ایک عرصہ سے انہیں حضور کی زیارت نصیب نہیں ہوئی مگر حضور کی عظمت و شوکت، حضور کے کارنامے، حضور کے جماعت احمدیہ پر احسانات اور حضور کی صداقت کے زندہ نشانات کا ذکر نئی پود کے سامنے اِس کثرت سے اور التزام کے ساتھ بار بار ہونا چاہیئے کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی چلتی پھرتی تصویر، حضور کے کارناموں کی شکل میں، حضور کی حقانیت و صداقت کے دلائل کی شکل میں اور خدا تعالیٰ کی تائیدِ غیبی کے نشانات کی شکل میں ہمیشہ ان کے سامنے رہے اور اس طرح حضور کا بلند روحانی مقام اُن کی نظروں سے کبھی اوجھل نہ ہونے پائے۔ اِس بارہ میں کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں محض اتنا اور عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اِس پہلو اور اِس فرض سے ہماری ذراسی غفلت بھی نئی پود کی تربیت پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔ اس لئے خاکسار نے ان مختصر الفاظ میں احباب کو ایک عظیم ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

دوسری بات جو اِس سلسلہ میں احباب کی خدمت میں خاکسار عرض کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سپہ سالار ایک عرصہ تک نظروں سے اوجھل رہے تو دشمن بعض اوقات بھیس بدل کر اندر گھس آتا ہے اور صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ الٰہی سلسلوں اور خدائی جماعتوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے وہ بعض اوقات اخلاص کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے تا وہ پہچانا نہ جاسکے، وہ سلسلہ کے کارکنوں اور عہدیداروں وغیرہ پر نکتہ چینی، عیب جوئی اور اعتراضات کے ذریعہ مومنوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرکے ان کے اخلاص اور ایمان کو کمزور کرنے، اُن کی عقیدت کو گھٹانے اور اُن میں بددلی پیدا کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ پس مومن کو ایسے حالات میں نہایت چوکس اور ہوشیار رہنا چاہیئے اور ہر وقت یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ اس قسم کا کوئی فتنہ انگیز اُن کے گردوپیش تو موجود نہیں جو بظاہر تو بے حد عبادت گزار، مخلص اور جماعت کا خیر خواہ نظر آئے مگر اصل میں وہ اِس قسم کی باتیں کرکے

جماعت کو اخلاص سے محروم کرنے اور اس کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہا ہو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۹۵۵ء میں اس سلسلہ میں جماعت کے نام ایک پیغام میں فرمایا تھا:۔

"احباب کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی ذمہ دار افسر اِدھر اُدھر ہوتا ہے تو شریر لوگ فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ ہماری جماعت بھی ایسے شریروں سے خالی نہیں۔ بعض لوگ اپنے لئے درجہ چاہتے ہیں۔ ایسا کوئی شخص بھی پیدا ہو یا کوئی بھی آواز اُٹھائے خواہ کسی گاؤں میں یا شہر میں یا علاقہ میں تو اُس کی بات کو کبھی برداشت نہ کریں۔ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ یہ معمولی بات ہے۔ فساد کوئی بھی معمولی نہیں ہوتا۔ حدیثیں اِس پر شاہد ہیں۔ جب کوئی شخص اختلافی آواز اُٹھائے فوراً لاحول اور استغفار پڑھیں اور آپ خواہ عمر میں سب سے چھوٹے ہوں اور درجہ میں سب سے چھوٹے ہوں اور خواہ آپ کے بزرگ اس فتنہ انداز کی بات کی تائید کر رہے ہوں فوراً مجلس میں کھڑے ہو جائیں اور لاحول پڑھ کر کہہ دیں کہ ہم نے احمدیت کو خدا کے لئے اختیار کیا تھا، ہمارا آسمانی باپ خدا ہے اور ہمارے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جماعت میں فتنہ پھیلانے والی بات اگر ہمارے عزیز ترین وجود سے بھی ظاہر ہوئی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔"

(الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۵۵ء)

اور چند دن کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک مضمون رقم فرمودہ ۳؍اپریل ۱۹۵۵ء میں تاکیداً فرمایا:۔

"اِس موقع پر مَیں احباب کی خدمت میں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ تاریخ اور ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے پتہ چلتا ہے ایسے موقعوں پر جبکہ امام کسی دُور دراز کے سفر پر ہو۔ بیرون از جماعت مخالفین اور اندرونِ جماعت منافقین امام کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مختلف قسم کے اندرونی اور بیرونی فتنے برپا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر تبوک کے موقع پر ہوا۔ اس لئے احبابِ جماعت کو عموماً اور امراء جماعت اور صدر صاحبان کو خصوصاً اِس امکانی خطرہ کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے اور اپنے مخصوص اتحاد اور قربانی اور چوکسی اور احساسِ ذمہ داری اور بیدار مغزی سے ثابت کر دینا چاہیئے کہ کوئی اندرونی یا بیرونی خطرہ انہیں خدا کے فضل سے غفلت کی حالت میں نہیں پا سکتا اور

نہ ان کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش پیدا کر سکتا ہے۔"

(مندرجہ الفضل ۵ اپریل ۱۹۵۵ء)

پس ہمیں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے یہ ارشادات ہمیشہ سامنے رکھنے چاہئیں اور ان کی تعمیل میں جہاں کہیں کسی کو اس قسم کی باتیں کرتے دیکھیں فوراً اس سے بیزاری کا اظہار کر کے استغفار اور لاحول پڑھتے ہوئے وہاں سے اُٹھ جانا چاہیئے تا اُسے پتہ چل جائے کہ مخلصین جماعت اس قسم کی انتشار انگیز باتیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ ارشادات ہمیں بار بار اپنے اہل و عیال اور اولاد کے بھی ذہن نشین کرتے رہنا چاہئیں تا وہ بھی ہمیشہ چوکس اور ہوشیار رہیں اور کوئی شخص ان کے ایمان کو کمزور کرنے کا باعث نہ بن سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے فتنہ انگیزوں سے ہمیشہ بچائے رکھے۔ آمین۔

تیسری بات جو انصار اللہ کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں خاکسار عرض کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے نظم و ضبط، ڈسپلن اور تنظیم پر بہت زور دیا ہے۔ نماز ہی کو لیں اس میں بہرحال امام کی اتباع ضروری قرار دی گئی ہے۔ امام کھڑا ہو تو کھڑے ہو جاؤ، امام رکوع میں جائے تو رکوع میں چلے جاؤ، امام اپنے مولا کے حضور سجدے میں گرے تو اس کے ساتھ ہی سجدے میں گر جاؤ اور امام سلام پھیر دے تو سلام پھیر دو یہاں تک کہ نماز کے کسی رکن کو امام سے پہلے ادا کرنا بھی جائز نہیں۔ امام سجدے سے سر اُٹھا لے تو سر اٹھاؤ۔ امام سجدہ سے اُٹھ کر پوری طرح کھڑا ہوئے تو کھڑے ہو۔ یہی نہیں بلکہ اگر امام غلطی کر جائے اور مقتدیوں کو ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہو کہ امام نے غلطی کی ہے تو بھی اُن کا فرض یہی ہے کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہی غلطی کر جائیں مگر نظم و ضبط کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ جب امام کوئی غلطی کر بیٹھے تو مقتدیوں کیلئے نیکی یہی ہے کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہی غلطی کر جائیں۔ اسی میں خدا برکت دے گا، اسی میں خدا کی رضا ہو گی اور اس غلطی کے باوجود خدا تعالیٰ اُن سے خوش ہو کر انہیں نیکی کا اجر دے گا۔ اس کے بالمقابل امام کی خلاف ورزی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو گی۔ پس اسلامیں جو ایک منظم جماعت کے افراد ہیں نماز سے سمعاً وطاعةً کا ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے کہ ایک اشارے پر اُٹھو اور ایک اشارے پر چلو ہمیں اسے ہر آن ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ذکر میں جو کسی کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَأْتِيْهِمْ

مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ o لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ o (الانبیاء ع)

"لوگوں سے حساب لینے کا وقت قریب پہنچ چکا ہے مگر وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اعراض کرتے جا رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کبھی کوئی نئی یاددہانی نہیں آتی مگر وہ اُسے سُنتے بھی جاتے ہیں اور اس سے ہنسی مذاق بھی کرتے جاتے ہیں۔ ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا چپکے چپکے مشورہ کرتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ دیکھتے نہیں یہ شخص تم جیسا ہی ایک بشر ہے پھر کیا تم ان کی فریبانہ باتوں میں آتے ہو حالانکہ تم خود سمجھتے ہو۔" (تفسیر صغیر صفحہ ۶۵۲-۶۵۳)

اس آیت شریفہ میں اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سے آخری زمانہ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دَور کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جبکہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بظاہر الٰہی سلسلہ میں داخل ہوں گے مگر دین کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ لیں گے۔ وہ کچھ آزاد طبع واقع ہوئے ہوں گے اور جب کبھی انہیں کسی نیک کام میں اطاعت اور نظام کے احترام کے لئے کہا جائے گا وہ اپنے ہمنواؤں اور ہم مشرب لوگوں میں خفیہ خفیہ وسوسہ اندازی اور پھر ان سے مشورے کریں گے اور کہیں گے کہ جمہوریت کے اس دَور اور آزادیٔ رائے کے اس زمانہ میں ہم اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر کیسے رکھ لیں اور اس کی اندھا دھند تقلید کیسے کرتے چلے جائیں۔ یہ لوگ روحانی نظام میں پوری طرح منسلک ہو کر اپنی انفرادیت کو ختم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور اس سلسلہ میں وہ خدا تعالیٰ کے احکامات کو بھی نظر انداز کر جائیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کی سمجھ اور عقل کو کیا ہو گیا ہے اور وہ اِس بات کو کیوں بھول رہے ہیں کہ انہیں عنقریب خدا کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس قسم کے آزاد منش لوگوں کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے جو جماعت کے اندر شامل ہو کر نکتہ چینی، عیب گیری، الزام تراشی اور نظامِ سلسلہ پر اعتراضات کر کے کمزور ایمان والوں کو سلسلہ سے بددل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس نیکی کے کام میں یہ کہنا کہ میں فلاں عہدیدار کی بات کیوں مانوں اسلامی طریق نہیں ہے۔ یہ امر مومنوں کی شان سے بعید ہے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا جماعت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ

حضور ایدہ اللہ نے خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی راہنمائی کے تحت جماعت کو ہار کے موتیوں کی طرح ایک نظام میں منسلک کر دیا ہے۔ حضور کا قائم فرمودہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا نظام ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جانی ضروری ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت میں امراء اور صدروں کا قیام فرمایا ہے جو صدر انجمن احمدیہ کی زیر نگرانی و ہدایت کام کرتے ہیں۔ ان کی مدد کے لئے کئی ایک سیکرٹری ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی ہدایت کی تعمیل ہم سب کے لئے ازبس ضروری ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔

مَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِىْ فَقَدْ اَطَاعَنِىْ وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِىْ فَقَدْ عَصَانِىْ -

جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے گویا میری ہی اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے اُس امیر کی نہیں بلکہ میری نافرمانی کی۔

یہی اصل ہے جس پر اسلامی نظام قائم ہے۔ پس جس نے امیر المومنین کے مقرر کردہ امیر اور صدر کی اطاعت کی اور اس کی ہدایات پر عمل کیا اُس نے گویا امیر المومنین ہی کی اطاعت کی۔ اور جس نے امیر المومنین کے مقرر کردہ کسی امیر اور منظور کردہ کسی عہدیدار کی نافرمانی کی اُس نے امیر المومنین کی نافرمانی کی۔

پس ہمیں نہ صرف خود اپنے ذہنوں میں یہ امر ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیئے اور نظام سلسلہ کی اطاعت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرنا چاہیئے بلکہ اپنے اہل و عیال اور اولاد پر بھی نظام سلسلہ کی اطاعت کی اہمیت واضح کرتے رہنا چاہیئے تا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے قائم فرمودہ نظام کی برکات سے جماعت ہمیشہ متمتع ہوتی رہے۔ روحانی سلسلوں کے نظام ہمیشہ اطاعت کے مقتضی ہوتے ہیں جس کے بغیر ان کا اتحاد و اتفاق اور ان کے کام میں یکجہتی برقرار نہیں رہ سکتی اور جماعتی اتحاد و اتفاق اور کام میں یکجہتی کی جتنی اسوقت ضرورت ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی کیونکہ اب جماعت عالمگیر حیثیت اختیار کر چکی ہے اور مختلف اقوام اسکے جھنڈے کے نیچے آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان گراں بہا نعمتوں کی قدر پہچاننے اور حضور کے جملہ ارشادات کی تعمیل کی توفیق عطا فرمائے تا جماعت حضور کے وجودِ باجود کی برکت سے ہمیشہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی چلی جائے۔ آمین +

امن اور سچّی خوشحالی کے قیام کے اصل ذرائع

(قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں)

—— مکرّم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے ——

قیامِ امن سے مراد ایسی حالت ہے جو ہر قسم کی تباہی اور فساد سے مبرّا ہو۔ امن کے مقابل پر لفظِ فساد ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایک عالمگیر فساد کی حالت برپا ہے۔ انسان کے لئے ظاہری اور باطنی امن عنقا ہو چکا ہے۔ امن کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً قلبی امن، خاندانی امن، مُلکی امن، تمدّنی امن، اقتصادی امن اور بین الاقوامی امن۔ موجودہ دنیا کی وہی حالت ہے جسے قرآن کریم میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ الآیۃ۔ یعنی اُن اقوام اور ملل میں بھی فساد رونما ہو گیا ہے جو آسمانی پانی سے محروم ہیں اور اپنی خشک عقلوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہیں اور اُن اقوام میں بھی فساد رونما ہو گیا ہے جو آسمانی پانی کی حامل ہونیکی دعویدار ہیں چنانچہ اسوقت بھی، فساد رونما ہونا اور امن کا فقدان ہر لحاظ سے ہے۔ دل اطمینان سے خالی ہیں، معاشرتی اور خاندانی تعلقات میں سخت گڑبڑ ہے، ایک قوم کے مختلف عناصر ایک دوسرے کے درپئے آزار ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے قوم کے مختلف عناصر کا باہمی تفاوت انتہائی صورت اختیار کر چکا ہے اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ قومیں قوموں کی دشمن ہیں، انسان انسان کو کیڑے کی طرح کھاجانا چاہتا ہے۔

اِس ماحول میں یکایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امن کا شہزادہ کھڑا کیا گیا جس نے یکایک دنیا کو اِن الفاظ میں مخاطب کیا ؎

دَوڑ کر میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حصار

اِس شہزادۂ امن یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی نوعِ انسان کو یہی بتایا کہ ہر قسم کے فتنہ و فساد سے دنیا کی نجات اِسی امر میں مضمر ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی غلامی میں داخل ہو جائیں

آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ یہی وہ طریق ہے جس سے فتنہ و فساد کے ہولناک اور مہیب بادل چھٹ سکتے ہیں اور دنیا امن اور راحت کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ چنانچہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا:۔

كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم۔ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ۔ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ۔

یعنی ہر قسم کی برکت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ پس بڑا ہی مبارک ہے یہ استاد جس نے دنیا کو امن اور عافیت کے حصول کا طریقہ سکھایا۔ اسی طرح سے بڑا ہی مبارک ہے یہ شاگرد (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس نے اپنے استاد سے یہ طریقہ سیکھا (اور اسے اکنافِ عالم تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا) اور ہر قسم کی خیر و برکت قرآن کریم میں موجود ہے۔ پس آؤ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ اس میں قیامِ امن کے لئے کیا تعلیم دی گئی ہے۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں امن کے فقدان اور فساد کے رُونما ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بنی نوعِ انسان نے اپنے خالق اور مالک سے رُوگردانی اختیار کر لی ہے۔

نظامِ کائنات میں کیوں فساد پیدا نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ اس کائنات کے تمام اجزاء ایک آمر کے حکم کے تابع ہیں اور طوعاً یا کرہاً ذرہ بھر بھی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔

یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور معبود یا آمر یا متصرف ہوتے تو ان دونوں میں فساد رُونما ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا حکم ماننے یا نہ ماننے کی آزادی تو اسلئے دی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے ایمان کا راستہ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال، رحمتوں اور انعامات کا مورد بن جائے۔ کائنات کے دوسرے عناصر یا اجزاء خدا تعالیٰ کے متعلقہ احکامات کو جبری طور پر بجالا رہے ہیں اور اس کی وجہ سے اگرچہ ان میں فساد رُونما نہیں ہوتا لیکن وہ انعامات کے مستحق بھی نہیں بنتے۔ لیکن افسوس کہ بنی نوعِ انسان نے خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لئے گمراہی اور نافرمانی کا راستہ تجویز کر لیا اور ہر قسم کے فتنہ و فساد سے دوچار ہو گئے۔ اب اس کا علاج یہی ہے کہ بنی نوعِ انسان اپنے خالق و مالک کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور کم از کم اُس اخلاقی ضابطہ کو مضبوطی سے پکڑ لیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے

تمام مذاہب میں مشترک طور پر نازل کیا ہے اور جس کی برتری اور فضیلت کا اقرار اُن لوگوں کو بھی ہے جو بظاہر کسی ضابطۂ آسمانی کے پیروکار نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں بلکہ اگر وہ اپنے اپنے مذہب کے ضابطۂ اخلاق پر بھی عمل کریں تو بہت سارے فتنوں اور فسادات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ○ (المائدہ آیت ۴۸)

یعنی اہلِ انجیل کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں اُتارا ہے اس کے مطابق (اپنے طریق کار کا) فیصلہ کریں اور جو لوگ اُن (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے وہی پکے باغی ہیں۔

یہ اخلاقی ضوابط قریباً قریباً سب مذاہب میں مشترک نہیں اور مذہب کے مخالفین بھی اُن کی برتری اور فوقیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ انسان اِن اخلاقی ضوابط کو اپنے دل سے تسلیم کرلے اور اُن پر عمل پیرا ہو۔ یہ اخلاقی ضوابط جس طرح افراد کے لئے ہیں اُسی طرح اقوام کے لئے بھی ہیں۔ اگر اقوام اُن پر عمل نہیں کریں گی تو دنیا میں بین الاقوامی فساد اور بدامنی رُونما ہو جائے گی۔

اب بیشتر اِس کے کہ اِن اخلاقی ضوابط میں سے بعض کا تذکرہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کس طرح یہ فردی، خاندانی، قومی، مُلکی اور بین الاقوامی امن کی ضمانت دیتے ہیں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلام نے اِس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ اِن ضوابط کی دنیا میں اشاعت کرنا اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اُن کو نافذ کرنا اور ایسے عناصر کا مقابلہ کرنا جو اِن ضوابط کے مٹانے کے درپے ہوں ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں تک خاندانی اور قومی امن کا تعلق ہے قرآن کریم میں والدین کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اِس رنگ میں تربیت کریں کہ اِن اخلاقی ضوابط کی جڑیں معاشرہ میں مضبوطی سے قائم ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰۤئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم آیت ۷)

یعنی اے مومنو! اپنے اہل کو بھی اور اپنی جانوں کو بھی اِس دنیا کی اور آخرت کی دوزخ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس دوزخ پر ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو کسی کی منت سماجت سننے والے نہیں بلکہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں بڑے

سخت ہیں۔ انسانوں کی شامتِ اعمال کے طبعی نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ جو سزا اُن کو نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ اُنہیں کہا جاتا ہے اُسے کر گزرتے ہیں۔

اس آیت میں والدین کو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر اپنی محبت اور شفقت کے ساتھ اپنی اولاد پر دہ موقع اور محل کی رعایت سے تھوڑی سی سختی بھی کریں تو وہ اپنی اولاد کو بڑی آسانی سے آنے والے فتن اور جہنّم سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بے جا نرمی ہی کرتے چلے جائیں گے تو اُن کی اولادیں بگڑ جائیں گی اور ملائکہ غلاظ و شداد سے اُنہیں واسطہ پڑے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی سزا کو نافذ کرنے میں بڑے سخت ہوں گے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ۔ اس حدیث میں علاوہ ماں باپ کی عزت کی تاکید کرنے کے یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر مائیں اپنی اولاد کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک اور امن اور راحت والی جنتی زندگی کا وارث کرنا چاہتی ہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جنت اُن کے اپنے ہی قدموں کے نیچے مخفی ہے یعنی اُن کی اچھی تربیت سے ہی اُن کی اولاد کو جنت مل سکتی ہے۔

مزید برآں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:۔

اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ یعنی یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اپنے حلقۂ اثر کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا کہ کیا اُس نے اِس اللہ تعالیٰ کے احکام کی اشاعت کی تھی یا کہ نہیں۔

خاندانی سطح سے بالا قومی اور معاشرتی سطح کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم جاری فرمایا ہے کہ دنیا میں فتنہ و فساد کے استیصال اور امن اور چَین کے قیام کے لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے احکام کے مطابق سوسائٹی میں عدل اور انصاف کو قائم کرے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا یعنی اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو۔

اور ظالم کی مدد کی تشریح آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ اُس کو ظلم سے روکا جائے اور اُس کو پابند کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اخلاقی ضوابط پر عمل پیرا ہو۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

مَنْ یَّرٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص یہ دیکھے کہ کوئی فرد یا گروہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضوابط کو توڑ رہا ہے اور بدامنی اور فساد پھیلا رہا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے اُسے صاحبِ اختیار بنایا ہے تو اپنے خدا داد اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے وہ اُس کی اصلاح کر دے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے ہی غلط کار فرد یا گروہ کو نصیحت کر دے یا افسرانِ بالا کے پاس جا کر رپورٹ کر دے اور اگر اپنے اخلاقی جرأت کے فقدان کی وجہ سے کوئی شخص ایسا بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم اتنا تو چاہیئے کہ اُس ناپسندیدہ امر کو دل میں ہی بُرا منائے اور اُس سے نفرت کرے تاکم از کم اُس کا اپنا قلب اُس بیماری سے محفوظ رہے۔ اِسی طرح دردِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اپنے ملائکہ کے تصرّف سے اُس بدامنی اور فساد کی اصلاح کر دے۔ لیکن یہ تیسرا امر کمزور ایمان پر دال ہے اگرچہ بعض اوقات اِس مخفی قلبی دعا کے بھی عجیب اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اِسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی قرآن کریم نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ تمام اقوامِ عالم کے لئے ایک اخلاقی ضابطہ کی پابندی کرنا ضروری ہے اور جس طرح قوم اور مُلک کے اندر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ معاشرے کی بنیادیں ہر قسم کے عدل اور انصاف پر استوار کی جائیں اُسی طرح بین الاقوامی امن کے لئے بھی ضروری ہے کہ اقوام کو طوعاً یا کرہاً اِن ضوابط کا پابند کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:-

وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا
فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى
الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي
تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ
اللَّهِ ج فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ط
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ
فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

یعنی اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں میں صلح کرا دو۔ پھر اگر صلح ہو جانے کے بعد اُن میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب مل کر اُس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لَوٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لَوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان دونوں لڑنے والوں کے درمیان صلح کرا دو اور انصاف کے اصولوں کو مدّنظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومنوں کا باہمی رشتہ صرف بھائی بھائی کا ہے۔ پس تم اپنے

تُرْحَمُوْنَ ٥ دو بھائیوں کے درمیان جو آپس میں لڑتے ہوں
(الحجرات آیت ۹-۱۰) صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو
تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اِن آیاتِ کریمہ میں اگرچہ مومنوں کے دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر اصولی طور پر آیت ہماری قوموں کے لئے رہنمائی رکھتی ہے۔ اِس آیت میں کامیاب مجلس اقوام یا لیگ آف نیشنز کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں اِس مضمون پر مفصل بحث کی ہے۔ گزشتہ لیگ آف نیشنز نے اِس آیت کے بیان کردہ اصولوں پر عمل نہ کر کے ناکامی کا منہ دیکھا، موجودہ مجلس اقوامِ متحدہ نے بھی اگر اِن اصولوں پر عمل نہ کیا تو وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اِس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ افراد کی طرح اقوام کے لئے بھی از بس ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ اخلاقی اقدار کی طرف رجوع کریں ورنہ دنیا میں کبھی امن کا قیام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر افراد کا جھوٹ بولنا اور باہمی وعدہ خلافی کرنا معاشرے کے امن کو تباہ کرتا ہے تو اِسی طرح قوموں پر بھی یہی اصول چسپاں ہوگا۔ اگر وہ باہمی جنبہ داری سے کام لیں گی، عدل اور انصاف پر اپنی گروہ بندی کے تعلقات کو ترجیح دیں گی تو دنیا کا امن برباد ہو جائے گا۔

پھر اِس آیت میں یہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی قوم سراسر ہٹ دھرمی اور ظلم سے کام لیتے ہوئے مسلّمہ اخلاقی ضوابط کو توڑے تو باقی اقوام کا فرض ہے کہ وہ اُس قوم کی طاقت اور سطوت کے خیال سے لاپرواہ ہو کر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے عدل و انصاف اور عالمگیر امن کے قیام کی خاطر ظالم گروہ کے خلاف کھڑی ہو جائیں اور اُس سے جنگ کریں یہاں تک کہ وہ ظالم اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ضوابط کی طرف لوٹ آئیں۔

پھر اِس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جنگ میں فتح کی صورت میں فاتح اقوام کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جنگ محض عدل اور انصاف اور قیامِ امن کے لئے لڑی گئی تھی اور ان اصولوں کی فتح ہی اُن کا سب سے بڑا انعام ہے نہ یہ کہ وہ ایک قومِ مفتوح کی مغلوبیت سے فائدہ اٹھا کر اپنا اپنا اُلّو سیدھا کرنا شروع کر دیں اور ناجائز منافع اپنے لئے حاصل کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گی تو دنیا میں ایک نئی جنگ کی بنیاد رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے بعد ایسا ہی ہوا۔ جرمن قوم کو بُری طرح سے کچل دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنوں کے سینہ میں انتقام کی آگ سلگنے لگی اور کچھ عرصہ کے بعد جب اُنہیں موقع میسر

آیا انہوں نے دنیا کو ایک نئی جنگ کی آگ میں دھکیل دیا۔

اِن آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اقوامِ عالم کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں۔ اُن کے تمام بین الاقوامی کردار کا مقصد وحید یہ ہونا چاہیئے کہ اقوام باہم صلح اور آشتی سے رہیں نہ یہ کہ ایک دوسرے کو مٹانے یا مغلوب کرنے کے درپے ہوں۔ آخر میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ دنیا میں وہی اخلاقی ضوابط کامیاب ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مذاہب کی تعلیموں سے اخذ کئے جائیں۔ وہ جو انسانی ذہنوں کی پیداوار ہیں اُن میں ضرور جنبہ داری پائی جائے گی اور دنیا میں حقیقی طور پر امن کا قیام نہ ہو سکے گا۔ اگر غرباء کوئی ضابطہ بنائیں گے تو اس میں امراء کے ساتھ بے انصافی ہوگی اور اگر امراء کوئی لائحہ عمل تجویز کریں گے تو غرباء کو دبانے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ امیروں اور غریبوں دونوں کا خالق و مالک ہے۔ ایسا ضابطہ جو دونوں طبقات کے ساتھ انصاف کرے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آ سکتا ہے۔ یہی راستہ بنی نوعِ انسان کے لئے امن اور چین کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے سلسلہ میں صراطِ مستقیم ثابت ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:-

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ۔ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ (النحل آیت ۱۰)

یعنی سیدھے راستہ کو بیان کرنا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے اور دنیا میں نافذ شدہ بعض راستے بالکل ٹیڑھے اور امن اور چین کی منزل سے دُور لے جانے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ جبراً اپنی مشیّت کو نافذ کرتا تو باقی کائنات کے عناصر کی طرح تمہیں بھی صراطِ مستقیم کا پابند کر دیتا لیکن اس جبری ہدایت کی وجہ سے تم قابلِ ستائش اور موردِ انعام نہ بن سکتے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے ذہنی اور روحانی، دنیوی اور اُخروی لامتناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے اسلئے اُسے اپنے ارادہ میں آزادی بخشی ہے اور انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کی تلاش کرے۔ سورۂ فاتحہ میں ہمیں یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی اے خدا! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا! اس دعا کے جواب میں سورۂ بقرہ کے شروع میں ہی یہ فرمایا گیا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ یعنی وہ صراطِ مستقیم جو تم نے مانگا تھا وہ یہی کتاب ہے جس میں کسی قسم کی ہلاکت، تباہی اور شک کا دخل نہیں اور جو فتنہ و فساد اور بدامنی سے پہلو بچانے کی خواہش

رکھنے والوں کے لئے ایک عظیم الشان ہدایت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دنیا میں قیام امن اب قرآن کریم کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے ہی وابستہ ہے۔ یہ قرآن ہی ہے جو ان شاء اللہ العزیز فتنہ اور فساد اور ظلم کے علمبردار عناصر کے لئے عصائے موسیٰ ثابت ہوگا اور مُردہ قوموں اور مُردہ رُوحوں کو اس کے ایک ایک لفظ سے نئی زندگی میسر آئے گی ؎

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اِک لفظ مسیحا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا　　(مسیح موعود علیہ السلام)

اب ہم اُن اصولوں اور ضوابطِ اخلاق میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں جن کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے دنیا میں فتنہ و فساد اور بدامنی کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر ہے کہ اسلام نے بڑے شدومد کے ساتھ انسان کے عالمگیر نظریۂ اخوت کو پیش کیا ہے۔ دنیا کے خالق ومالک خدائے واحد پر ایمان لانے کا یہ ایک لازمی نتیجہ ہے کہ اُس کی سب مخلوق ایک رشتۂ اخوت میں پروئی جائے کیونکہ سب کا آسمانی باپ ایک ہی ہے جس نے اُن سب کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ... وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور اللہ ہی ہر چیز کو پیدا کرکے اُسے ترقی کی منازل طے کراتا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے درمیان کھڑے ہوکر یہ دوٹوک اعلان فرمایا کہ کسی عرب کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عرب پر فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○
(الحجرات آیت ۱۴)

یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں اسلئے تقسیم کردیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور یہ صرف امتیاز کیلئے ہے نہ کہ تفاخر اور تکبر کا ذریعہ بنانے کیلئے۔ تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

گزشتہ جنگِ عظیم سے پیشتر جرمنی میں ہر ہٹلر نے جرمن قوم کی نسلی برتری کا نظریہ پیش کیا تھا اور یہ کہ دنیا کی ترقی کا مفاد اسی بات میں ہے کہ اعلیٰ اور برتر نسل باقی سب کو مغلوب کر کے اپنے پیچھے جبراً لگائے اور ان کو ترقی کی منزلوں کی طرف کھینچ کر لے جائے جس طرح کہ ایک طاقتور انجن گاڑی کے ڈبوں کو کھینچتا ہوا پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے اس نظریہ نے امنِ عالم کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دنیا کی اکثر اور بیشتر اقوام کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ اسلام کسی نسلی برتری کا قائل نہیں۔ اسلام کے خدا کی نگاہ میں کسی فرد یا قوم کو کسی دوسرے فرد یا قوم پر تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے فضیلت نہیں۔

جماعتِ احمدیہ کے افراد کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص ذات پات کے لحاظ سے کسی کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے تو وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے تکبّر کے مہلک مرض میں مبتلا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ اللہ تعالیٰ کے سب مقدس انبیاء کو اپنے فعل سے جھٹلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ بھڑکے اور اُسے دنیا میں ذلیل و خوار کر دے۔ اگر اسلام اور احمدیت کی تعلیم برحق ہے اور یقیناً برحق ہے تو پھر یہ امر بھی درست ہے کہ ایسا شخص نہایت ہی کمینہ اور ذلیل انسان ہے جو سوسائٹی کے امن کو برباد کرنے والا طاعونی کیڑا ہے۔ یہ ذات پات کی تمیز ہی ہے جس نے سینکڑوں سالوں تک کروڑہا انسانوں کو ذلت و خواری کی آگ میں جلایا اور برسرِ اقتدار طبقے سے انسانیت سوز مظالم کروائے۔ یہ رنگ و نسل پر بیجا تفاخر ہی ہے جو موجودہ دنیا کی سب سے بڑی قوم یعنی امریکن قوم کے امن کو تباہ کر رہا ہے اور جس کی وجہ سے آئے دن نئے سے نئے انسانیت سوز واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ امر ابتدائے آفرینش سے دنیا کے امن کو برباد کر رہا ہے۔ اسلام نے حقیقی مساواتِ اسلامی کو قائم کیا۔ ایک غلام زادے کو اُس لشکر کا کمانڈر بنایا جس میں قوم کے چوٹی کے سپہ سالار بطور سپاہی کے تھے۔ پھر اسلام کی اسی تعلیم نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کی زبان سے بلالؓ حبشی کو سیّدنا بلالؓ کہلوایا۔ یعنی ہمارا آقا بلالؓ۔ معاشرے کا اندرونی امن بھی اِسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ انسانی حقوق کے لحاظ سے سب افراد میں مساوات قائم ہو اور کوئی اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہ سمجھے اور نہ ہی کوئی شخص احساسِ کمتری کا شکار ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس اصول پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

اسلام کا ایک دوسرا بڑا اصول جس پر معاشرے کے اندرونی امن اور پھر بین الاقوامی امن کا دارومدار ہے عدل کا قیام ہے۔ دراصل یہ اصول متذکرہ بالا پہلے اصول یعنی عالمگیر اخوتِ اسلامی کا لازمی نتیجہ ہے اور اُسی سے مستنبط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآئِ ذِی الۡقُرۡبٰی ..... الآیۃ

(۲) اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ

بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ۔
(۳) وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔

یعنی اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم دوسروں سے برابری کا سلوک کرو یعنی وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ اُسی حالت میں تم سے کیا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ حکم دیتا ہے کہ دوسروں کو ان کے حقوق سے بڑھ کر دو یعنی احسان اور مروّت سے کام لو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ حکم دیتا ہے کہ یہ احسان تم سے اُسی قسم کے طبعی جوش سے سرزد ہونا چاہیئے جو ایک انسان کے دل میں قریب ترین خونی رشتہ داروں کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ قومی انتخابات کے موقع پر یا کسی کو کوئی منصب تفویض کرنے کے موقع پر اگر تم دنیا سے فتنہ و فساد اور بدامنی کو دُور کرنا چاہتے ہو تو صرف تقویٰ اور کام کی اہلیت کو مدّنظر رکھا کرو اور جب تم کسی منصب پر فائز ہو جاؤ اور کسی بھی رنگ کی زمامِ حکومت تمہارے ہاتھ میں دی جائے تو عدل اور انصاف سے کام لو۔ دنیا کو خوشحال بنانے کے لئے یہ کیا ہی اچھی نصیحت ہے جس کا اللہ تعالےٰ تمہیں وعظ کرتا ہے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل اور انصاف سے کام نہ لو۔ عدل سے کام لو۔ یہ امر تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔

اسی عدل کی تعلیم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سنہری الفاظ میں بیان کیا ہے کہ :-

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ	یعنی خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام نے اس امر پر بہت زور دیا ہے کہ انسان کو اپنے بنی نوع پر نہ صرف عدل کا بلکہ احسان کا دیرہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اس سے سوسائٹی کی بہت ساری بدامنیاں رُک جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو محض بھوک اور ننگ کی وجہ سے لُوٹ مار اور قتل و غارت کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں دنیا میں بہت سے خونی انقلابات اسی وجہ سے رُونما ہوئے۔ اگر اُمراء اور برسرِاقتدار لوگ غریب عوام کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھتے تو اُن کا کبھی بھی وہ بُرا انجام نہ ہوتا جو کہ ہُوا۔ چنانچہ روس میں ایک استبدادی نظام کے ردّعمل کے طور پر ہی کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا جو کہ دنیا کے لئے اب ایک مستقل فتنہ کی صورت اختیار کر گیا ہے اور جس کی وجہ سے دنیا کا امن دائمی طور پر معرضِ خطر میں ہے۔ اِنہی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا :-

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا	یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (مال وجان) اوقات

بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ
اَحْسِنُوْا - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ٥
(البقرہ ع ۲۴)

اور قوتیں) خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں
(اپنے آپکو) ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان
سے کام لو۔ یقیناً اللہ تعالےٰ احسان کرنیوالوں
سے محبت کرتا ہے۔

بعض مغربی اقوام نے استعماری پالیسی اختیار کر کے دنیا کے امن کو برباد کیا اور کمزور اقوام کو اپنے حلقۂ غلامی میں جکڑ لیا۔ اُن کا ظاہری بہانہ یہ تھا کہ ہم اُن کو تہذیب و تمدن سکھانے جا رہے ہیں، اُن کی زبوں حالی سے ہمارے دل خون ہو رہے ہیں اور ہم اُن کے ملکوں میں صرف اُن کی غمخواری کرنے کے لئے گئے ہیں حالانکہ درحقیقت ان ممالک کی زرخیز زمینیں اور سونے کی کانیں اور دیگر دوسری قسم کے لالچ اِن مغربی اقوام کو وہاں لے گئے تھے۔ چنانچہ براعظم افریقہ میں، خصوصاً جنوبی افریقہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اور آجکل سفید نسل کے مستعمرین نے وہاں کے اصل سیاہ فام باشندوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے سخت بدامنی کا ماحول قائم کیا ہوا ہے۔ اِسی قسم کے مستعمرین کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا تھا کہ :-

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ - وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ - (الحجر ع ۶)

اِس آیت کے بہت سے مفہوموں میں سے ایک مفہوم یہ ہے کہ اے مخاطب! ہم نے اُن (میں سے کئی گروہوں) کو جن منافع سے نوازا ہے تو اُن کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھ اور ان کی غمخواری کا بہانہ کرتے ہوئے اُن (کی تباہی) پر غم نہ کھا (اگر تو واقعی دنیا میں قیام امن کا علمبردار ہے تو) اُن لوگوں پر اپنا شفقت کا بازو جھکائے رکھ جو دنیا میں مخلصانہ طور پر امن قائم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ یعنی اُن سے پورا پورا تعاون کر اور ان کی ہر رنگ میں مدد کر۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ :-

وَلَا تَمُدَّنَّ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى - وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا - لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا - نَحْنُ نَرْزُقُكَ - وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى - (طٰہٰ ع ۸)

یعنی (اے مخاطب! اگر تو دنیا میں واقعی امن اور خوشحالی کا منہ دیکھنا چاہتا ہے تو) ہم نے

جو کچھ اُن میں سے بعض لوگوں کو دنیوی زندگی کی زیبائش کے سامان دے رکھے ہیں تو اُن کی طرف اپنی دونوں آنکھوں کی نظر کو پھیلا پھیلا کر مت دیکھ (کیونکہ یہ سامان اُن کو اسلئے دیا گیا ہے) کہ ہم اُن کے ذریعہ سے اُن کی آزمائش کریں اور (جائز طریقوں سے) تیرے رب کا دیا ہوا رزق (ہی) اچھا اور باقی رہنے والا ہے۔ اور (اگر تو اپنی مشکلات کا حل چاہتا ہے) تو اپنے متعلقین کو نماز (یعنی اپنے خدا، اپنے حقیقی مشکلکشا سے سچا تعلق پیدا کرنے) کی تاکید کرتا رہ اور تو خود بھی اس پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم تجھے رزق دے رہے ہیں اور انجام تقویٰ ہی کا بہتر ہوتا ہے۔

اب دیکھ لیجئے کہ اگر بنی نوع انسان اس تعلیم پر کاربند ہو جائیں تو کس طرح دنیا جنت نظیر بن سکتی ہے، معاشرے کی تمام اندرونی بد امنیاں بھی دور ہو جاتی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بھی امن قائم ہو جاتا ہے۔

موجودہ دنیا کی عالمگیر بد امنی اور فتنہ و فساد کی ایک بڑی وجہ یہ امر ہے کہ اقوام عالم مندرجہ بالا اصول سے بالکل اُلٹ راستہ اختیار کر رہی ہیں اور تباہی کے گڑھے کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں۔ اُن کے اس انجام کی پیشگوئی قرآن کریم میں اِن الفاظ میں کی گئی ہے کہ :-

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ۔ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ۔ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ۔ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ۔ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ (التطفیف)

یعنی اُن لوگوں کے لئے جو دوسروں کو سودا (یا حقوق) دیتے وقت کم کر کے دیتے ہیں ایک بہت بڑی تباہی مقدر ہے۔ وہ لوگ جو دوسروں سے کوئی چیز (یا حقوق) ماپ تول کر لیتے ہیں تو خوب پورا کر کے لیتے ہیں اور جب کوئی چیز ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یقین نہیں کرتے کہ وہ ایک عظیم الشان وقت میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ دیکھنے کے لئے اُٹھائے جائیں گے، جس وقت تمام لوگ سب جہانوں کے رب کا فیصلہ سننے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ اِن (مغربی اقوام) کا ہرگز وہ انجام نہیں ہو سکتا (جو وہ سمجھتے ہیں) یقیناً اِن بدکاروں کی سزا کا حکم یعنی اُن کا عذاب بڑا سخت اور دائمی ہوگا۔ اور تجھے کیا پتہ کہ وہ سخت اور دائمی عذاب کتنا شدید ہوگا۔ وہ (خدا تعالیٰ کا) ایک ایسا حکم ہے جو (ازل سے) لکھا ہوا ہے۔ اُس دن (خدا تعالیٰ کے احکام کو) جھٹلانے والوں کیلئے عذاب (ہی عذاب) ہوگا

یہ پیشگوئی اسوقت دنیا میں ظہور پذیر ہو رہی ہے اور اس کا انجام بھی دنیا کے اُفق پر نمودار ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے بداثرات سے بچائے۔ آمین !

تیسرے نمبر پر اسلام نے دنیا میں فتنہ و فساد اور بدامنی کا ذمہ دار مادہ پرستی، حُبّ لذّاتِ دنیا اور حرص و آز کو قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (سورۃ التکاثر پارہ ۳۰)

یعنی (مادّیت، دنیوی لذّات اور دنیا پرستی میں) ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش نے تمہیں (اپنی حقیقی خوشحالی کے راستہ سے) غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم (اپنی انسانی، اخلاقی اور روحانی اقدار کے لحاظ سے) قبروں میں جا پڑے ہو یعنی بالکل ہی مُردہ ہو گئے ہو (خوب یاد رکھو کہ) عنقریب تم (قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کو) جان لوگے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تمہارا انجام ہرگز اس طرح نہیں جس طرح تم سمجھتے ہو۔ اور عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری اندرونی حالت حقیقتاً وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان کی ہے اصل حقیقت تمہارے خیالات کے مطابق ہرگز نہیں ہے۔ کاش تم اس اصل حقیقت کو علم یقین کی مدد سے یعنی اپنی موجودہ حالت پر علمی استدلال کرتے ہوئے جان سکتے ہو (تب اُن کو معلوم ہو جاتا کہ) تم ضرور بالضرور (اسی دنیا میں) جہنم کو دیکھ لوگے اور پھر ایک وقت آئیگا کہ تم واقعی اس جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھوگے اور تمہیں اس پر علمی استدلال کی بجائے آنکھوں دیکھا یقین حاصل ہو جائیگا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم سے اُس دن (جبکہ تم اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے پیش کئے جاؤگے) ایک خاص نعمت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم) کے متعلق سوال کیا جائے گا (کہ کیوں تم نے اُسے قبول نہ کیا اور اُس کا شکریہ ادا نہ کیا)

اب دیکھ لیجئے کہ موجودہ دُنیا کی مادہ پرستی، حرص و آز اور لذّاتِ دنیوی کے تتبّع نے کس طرح اُنکے سامنے ایک ہولناک انجام ایک ہوّے کی صورت میں کھڑا کر دیا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ :-

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف آیت ۵۴-۵۵)

یعنی مجرم اُس آگ (یعنی ہولناک انجام) کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اسمیں گرنے والے ہیں اور وہ اُس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے اور (انہی تباہیوں اور گمراہیوں کے تدارک کے لئے) ہم نے اِس

قرآن میں یقیناً ہر ضروری بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ اور (ایسا کیوں نہ کرتے کہ) انسان سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا (اور جھگڑالو) ہے یعنی آسانی سے حق کو قبول نہیں کرتا۔

دنیوی لذّات میں سے ہی ایک جنسی بے راہ روی ہے جس نے دنیا میں شدید بدامنی اور عظیم الشان طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ آجکل کے اخبارات کی فائلیں اِس بات پر گواہ ہیں۔ گذشتہ دنوں امریکہ کے ڈاکٹر بلی گراہم کی بیوی نے ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ اگر امریکہ کی بداعمالی و بدکاری یعنی جنسی بے راہ روی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے امریکہ کو تباہ نہ کیا تو قیامت کے دن اُسے سدوم اور عمورہ یعنی لوطؑ کی بستیوں سے معذرت کرنی پڑے گی۔

یہ سب کچھ پردے کی تعلیم کو پسِ پُشت ڈالنے کا نتیجہ ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ پاکستان میں بھی بعض لوگ دنیا کی موجودہ ہولناک اخلاقی حالت سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور بے پردگی کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں کبھی یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ پردے میں چہرہ شامل نہیں حالانکہ اسلام کی تعلیم وہی ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے عمل کیا اور صحیح بخاری سے صاف ثابت ہے کہ صحابیات و ازواجِ مطہرّات پردہ کے احکام کے نزول سے پہلے چہرہ ننگا رکھا کرتی تھیں اور اِن احکام کے نزول کے بعد چہرہ ڈھانکا کرتی تھیں (صحیح بخاری۔ حدیث اِفک)

اگر ہمارے ملک میں بے پردگی کا یہی رجحان جاری رہا تو ہم سے بھی قدرت اسی رنگ میں انتقام لے گی جس طرح وہ مغربی ممالک سے لے رہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دنیا میں ہر قسم کے امن کا قیام اِسی بات پر منحصر ہے کہ انسان فردی، قومی اور بین الاقوامی تمام سطحوں پر ضابطۂ اخلاق کی پیروی کرے اور اُن عناصر کے خلاف جہاد کرے جو اخلاقی اور روحانی قدروں کو کچلنے کے درپے ہیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ دنیا میں قیامِ امن اب صرف اور صرف اشاعتِ تعلیمِ اسلام پر ہی منحصر ہے اور اِسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کو کھڑا کیا ہے اور اُسے بشارت دی ہے کہ اُسکی مخلصانہ کوششیں، جانی اور مالی قربانیاں یقیناً مشکلات اور ابتلاء پیدا کئے جائیں گے مگر آخرکار ظلمتوں کے بادل پھٹ جائیں گے اور زمین اپنے ربّ کے نُور سے چمک اُٹھے گی۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ (الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عالمگیر امن اور سچّی خوشحالی کے قیام کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ مخلصانہ کوششیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری کوششوں کو اپنے فضل سے بارآور کرے! آمین۔

وآخر کلمنا حمدٌ وشکرٌ ؛ لربٍّ محسنٍ ذی الامتنان

ایک عظیم الشان آسمانی تحریک — وقفِ جدید

پس منظر، اغراض و مقاصد اور خوشکن نتائج

(مکرم سید منیر احمد صاحب باہری۔ ربوہ)

وقفِ جدید کا پس منظر

احمدیت خدائے مقتدر کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ اس کا بڑھنا پھولنا اور پھلنا ایک یقینی اور قطعی امر ہے۔ جب ہم احمدیت کی ستر سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں اور باوجود انواع و اقسام کی مخالفتوں، مشکلات اور ناموافق حالات کے اس کی روز افزوں ترقی کا نظارہ کرتے ہیں تو ہمارا یہ اعتقادی یقین تجربہ و مشاہدہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس شجرۂ مبارکہ کے درخشندہ مستقبل کی جھلک ہم فرداً فرداً کے دھندلکے میں دیکھنے لگتے ہیں۔

بایں ہمہ اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ستر سال ایک خاصی لمبی مدت ہے۔ اِس عرصہ میں مسیح پاکؑ کے انفاسِ قدسیہ سے تربیت یافتہ مقدس گروہ کا بیشتر حصہ ہمیں داغِ مفارقت دے چکا ہے اور احمدیت کی تکمیلِ ترقی میں مزید تعویق ہمیں اس کے بہت سے فوائد و ثمرات سے محروم کر سکتی ہے! چنانچہ ہر وہ احمدی جو اپنے سینہ میں اِس گراں قیمت مقصد کے حصول کی تڑپ رکھتا ہے اور اس کی نگاہ ماضی کے احوال سے آشنا اور اس کا شعور حال کے واردات کی صحیح جانچ پرکھ کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لئے یہ طوالتِ زمانہ اور یہ تاخیرِ ماہ و سال باعثِ فکر و تشویش ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے نام ایک تحریری پیغام میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اِس حقیقت سے یوں نقاب کشائی فرمائی:۔

"اپنے فرائض کو سمجھو اور اپنی زندگی پر غور کرتے رہو کہ وہ نہایت محدود ہے لیکن جو کام آپ لوگوں کے سپرد کیا گیا ہے ہزاروں سال کا ہے لیکن اگر اسے ستر اسی سال میں ختم نہ کیا گیا تو اس کا پورا ہونا یا تو ناممکن ہو جائے گا یا جتنی بھی فتح حاصل کی گئی ہے بیکار اور ضائع

ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس دن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔"

یہی وہ جذبہ و اضطراب تھا جو پروردگارِ عالم کے حضور "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" کا سوال بن کے پیش ہوا۔ یعنی اے میرے قادر و توانا آقا! تیرے وعدے سچے ہیں اور تجھے سب طاقت حاصل ہے۔ مگر ہمیں اپنے مقصد کے جلد حصول کی راہ نظر نہیں آرہی! ہم آج بھی اپنے تئیں بے سروسامان پاتے ہیں۔ آج بھی دنیا ہمیں بے حقیقت جان کر نظر انداز کر رہی ہے! تو ہی دستگیری فرما اور ہماری کامیابی نزدیک کر دے، ایسے آثار و سامان پیدا فرما کہ جن کے پردہ میں ہم اپنا مقصود دیکھ لیں اور قلب مطمئن ہو!

اللہ تعالےٰ نے اس مثیلِ ابراہیمؑ کو بھی وہی نسخہ طمانیت قلب اور نظارہ مقصود کا بتا دیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا تھا "خُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا"۔ یعنی ایک جماعت ایسے مومنین کی اپنے گرد جمع کر جو ارتقاء روحانی کی اہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ پھر اپنی صحبت و قربت سے یوں ان پر رنگ چڑھا جس طرح مرغی انڈوں کو سیتی اور ان میں سے اپنے ہم رنگ چوزے نکالتی ہے تب ان خوش بخت پرندوں کو جو تیرے رنگ میں رنگین ہو کر تعلق باللہ کی نعمت سے فیضیاب ہوں اطراف و اکناف میں ایک ایسی تنظیم کے ماتحت پھیلا دے کہ وہ تیری ہر آواز پر لبیک کہنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور انکی مساعی کی مکمل اطلاع تیرے تک پہنچتی رہے۔ خالق و مخلوق کی محبت میں سرشار یہ جمالی صفت درویش قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں اس کثرت سے پھیل جائیں کہ گویا سارے ملک پر ایک جال ڈال دیا گیا ہے جس کی رسیوں کے سرے تیرے ہاتھ میں ہوں! تب وہ کام جو اس ستر سالہ جلالی دورِ تبلیغ میں انجام نہیں پا سکا بسہولت تمام ہو گا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مشفق و مہربان آقا سے یہ اشارہ پا کر جولائی ۱۹۵۷ء میں عید الاضحیہ کے موقع پر ایک تحریک کا آغاز ان الفاظ میں فرمایا:۔

"دراصل قربانیوں کی عید ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اور اس کے دین کے لئے جنگلوں میں جائیں اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کریں اور لوگوں سے اس کے رسولؐ کا کلمہ پڑھوائیں جیسا کہ ہمارے صوفیاء کرام کرتے چلے آئے ہیں اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہماری قربانی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے مشابہ ہو گی ۔۔۔۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ نوجوان ایسے ہوں جن کے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ اور حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ کے نقشِ قدم پر چلیں تو جس طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریکِ جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں وہ اپنی زندگیاں براہِ راست میرے سامنے وقف کریں تاکہ میں ان سے ایسے طریق پر

کام لوں کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کام کر سکیں وہ مجھ سے ہدایتیں لیتے جائیں اور اس ملک میں کام کرتے جائیں۔ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے ویران نہیں ہے لیکن روحانیت کے لحاظ سے بہت ویران ہو چکا ہے اور آج بھی اس میں چشتیوں کی ضرورت ہے، سہروردیوں کی ضرورت ہے اور نقشبندیوں کی ضرورت ہے۔ اگر یہ لوگ آگے نہ آئے اور حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ اور حضرت فرید الدین شکر گنجؒ جیسے لوگ پیدا نہ ہوئے تو یہ ملک روحانیت کے لحاظ سے اور بھی ویران ہو جائے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ ویران ہو جائے گا جتنا مکہ مکرمہ کسی زمانہ میں آبادی کے لحاظ سے ویران تھا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان ہمت کریں اور اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف کریں۔ وہ صدر انجمن یا تحریک جدید کے ملازم نہ ہوں بلکہ اپنے گزارہ کے لئے وہ طریق اختیار کریں جو میں انہیں بتاؤں گا۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ دنیا میں نئی آبادیاں قائم کریں اور طریق آبادی کا یہ ہوگا کہ وہ حقیقی طور پر نہیں ہاں معنوی طور پر ربوہ اور قادیان کی محبت اپنے دلوں سے نکال دیں اور باہر جا کر نئے ربوے اور نئے قادیان بسائیں۔ ابھی اس ملک کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں میلوں میل تک کوئی بڑا قصبہ نہیں۔ وہ جا کر کسی ایسی جگہ بیٹھ جائیں اور حسبِ ہدایت وہاں تبلیغ بھی کریں اور لوگوں کو تعلیم بھی دیں، لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث پڑھائیں اور اپنے شاگرد تیار کریں جو آگے اور جگہوں پر پھیل جائیں۔ اس طرح سارے ملک میں وہ زمانہ دوبارہ آجائے گا جو پرانے صوفیاء کے زمانہ میں تھا۔" (الفضل یکم اگست ۱۹۵۷ء)

(باقی دارد)

خاک کو کیمیا کر دینے والی اکسیر

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"دُعا وہ اکسیر ہے جو ایک مُشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔" (لیکچر سیالکوٹ صـ۱۶)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دسویں سالانہ اجتماع کا پروگرام

۱۳ نومبر ۱۹۶۴ء بروز جمعۃ المبارک

اجلاس اوّل

۳-۰۰ تا ۳-۸	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ مسعود احمد صاحب ناظم انصار اللہ ضلع سرگودھا
۳-۸ تا ۳-۲۵	دُعا عہد و افتتاح	
۳-۲۵ تا ۳-۲۷	تقسیم علم انعامی	محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب
۳-۲۷ تا ۳-۳۵	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۳-۳۵ تا ۳-۵۰	درس قرآن مجید	” مولانا ابو العطاء صاحب
۳-۵۰ تا ۴-۵	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف
۴-۵ تا ۴-۲۰	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	” چوہدری محمد شریف صاحب
۴-۲۰ تا ۴-۳۰	نظم	” محمد احمد صاحب انور
۴-۳۰ تا ۴-۴۵	ماہنامہ ”انصار اللہ“ کے متعلق تحریک	” چوہدری انور حسین صاحب شیخوپورہ
۴-۴۵ تا ۵-۴۵	تفریحی کھیلیں	
۵-۴۵ تا ۷-۳۰	وقفہ برائے نماز مغرب و عشاء و طعام	

اجلاس دوم

۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم محمد احمد صاحب انور
۷-۴۰ تا ۷-۵۰	نظم	” چوہدری عبد العزیز صاحب
۷-۵۰ تا ۸-۴۰	سالانہ رپورٹ	قائدین مرکزیہ
۸-۴۰ تا ۹-۴۰	مجلس شوریٰ	
۹-۴۰ تا ۹-۵۵	قبولیت دعا کی دو ذاتی مثالیں	مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر

”شب بخیر“

۱۴ نومبر ۱۹۶۴ء بروز ہفتہ

اجلاس سوم

۵-۰۰ تا ۵-۳۵	نماز فجر	
۵-۳۵ تا ۵-۵۰	درس قرآن مجید	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۵-۵۰ تا ۷-۰۰	ذکر حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس چہارم

۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ محمد رمضان صاحب
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	نظم	" محمد احمد صاحب انور
۹-۲۰ تا ۹-۳۵	درس قرآن مجید	محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب
۹-۳۵ تا ۹-۴۷	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ
۹-۴۷ تا ۱۰-۰۰	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	" صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم - اے
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۱۰	سیرت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضؓ	" مولوی غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۱۰ تا ۱۰-۲۵	ذکر حبیب علیہ السلام	محترم حکیم دین محمد صاحب
۱۰-۲۵ تا ۱۰-۴۰	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی صحت کے لئے دعا کی تحریک	" صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب
۱۰-۴۰ تا ۱۰-۵۰	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۱۰-۵۰ تا ۱۱-۵۰	انعامی تقریری مقابلہ	

عنوانات

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے احسانات جماعت احمدیہ پر
(۲) باہمی محبت و اخوت کی اہمیت
(۳) نظام سلسلہ کے احترام کی اہمیت
(۴) جماعت احمدیہ کی ترقی کا راز
(۵) تربیت اولاد کی اہمیت

نوٹ :- مقابلہ میں شریک ہونے والے احباب کی تعداد کو مدنظر رکھ کر ہر مقرر کو وقت دیا جائے گا۔

۱۱-۵۰ تا ۱۲-۱۰	سوال و جواب نوٹ :- ایسے سوالات دریافت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جن کا تعلق اختلافی فقہ سے ہو یا جن کا تعلق فرقہ دارانہ مسائل یا سیاسیات سے ہو -	محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مولانا جلال الدین صاحب شمس مولانا ابو العطاء صاحب اور قاضی محمد نذیر صاحب جواب دیں گے ۔
۱۲-۱۰ تا ۱۲-۲۵	صحت کو قائم رکھنے کے اصول	میجر ڈاکٹر شاہنواز صاحب
۱۲-۲۵ تا ۱۲-۳۵	نظم	مکرم محمد احمد صاحب انور

۱۲-۳۵ تا ۲-۳۰	وقفہ برائے نماز ظہر و عصر و طعام	

اجلاس پنجم

۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	نظم	" چوہدری شبیر احمد صاحب
۲-۵۰ تا ۳-۵	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔	" مولوی عبدالمالک خان صاحب
۳-۵ تا ۳-۲۰	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔	" چوہدری غلام احمد خان صاحب
۳-۲۰ تا ۳-۲۷	نظم	مکرم محمد احمد صاحب انور
۳-۲۷ تا ۳-۴۲	احمدیت سے ہم نے کیا پایا	" شیخ محمد احمد صاحب مظہر لائل پور ۔
۳-۴۲ تا ۳-۵۷	تقویٰ کے حصول کے طریق	" شیخ محمد حنیف صاحب کوئٹہ
۳-۵۷ تا ۴-۵	نظم	" چودھری عبدالعزیز صاحب
۴-۵ تا ۴-۲۰	سچی معرفت کیا ہے	محترم میر محمد بخش صاحب گوجرانوالہ
۴-۲۰ تا ۴-۳۵	صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلیں ۔	مکرم چوہدری انور حسین صاحب شیخوپورہ
۴-۳۵ تا ۴-۵۰	ایمان کی دولت کی حفاظت کیجئے	محترم مرزا عبدالحق صاحب سرگودہا
۴-۵۰ تا ۵-۰۰	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۵-۰۰ تا ۵-۴۵	تفریحی کھیلیں	

اجلاس ششم

۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم محمد شفیع خان صاحب نجیب آبادی
۷-۴۰ تا ۷-۵۰	نظم	مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب
۷-۵۰ تا ۸-۵	تقسیم انعامات	صدر محترم
۸-۵ تا ۸-۲۰	"تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو تا قبولیت دعا کا سرور حاصل ہو" (المسیح الموعودؑ)	مکرم چوہدری محمد شریف صاحب منٹگمری
۸-۲۰ تا ۹-۳۰	شوریٰ	
۹-۳۰ تا ۹-۴۵	درس قرآن مجید	مکرم مولوی ظہور حسین صاحب

شب بخیر

۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء بروز اتوار

اجلاس ہفتم

۴-۳۰ تا ۵-۰۰	نماز تہجد	

۵-۰۰ تا ۵-۳۵	نماز فجر	
۵-۳۵ تا ۶-۰۰	درس قرآن مجید	مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
۶-۰۰ تا ۷-۰۰	ذکر حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس ہشتم

۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ شفیق احمد صاحب
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	نظم	" چوہدری شبیر احمد صاحب
۹-۲۰ تا ۹-۳۵	درس قرآن مجید	" مولوی محمد صادق صاحب
۹-۳۵ تا ۹-۵۰	حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارفع مقام اور افضلیت	محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس
۹-۵۰ تا ۱۰-۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام	مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر لائل پور
۱۰-۵ تا ۱۰-۱۵	حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ اور قدرت ثانیہ کا ظہور	" شیخ عبد القادر صاحب مربی سلسلہ
۱۰-۱۵ تا ۱۰-۳۰	پیشگوئی مصلح موعود	" مولانا غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۳۰ تا ۱۰-۴۵	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے کارنامے (ا) بلحاظ امام جماعت۔	" مولانا ابو العطاء صاحب
۱۰-۴۵ تا ۱۱-۰۰	(ب) بلحاظ اشاعت دین۔	" شیخ مبارک احمد صاحب
۱۱-۰۰ تا ۱۱-۱۵	(ج) بلحاظ افاضۂ فیوض روحانی	محترم مرزا عبد الحق صاحب سرگودھا۔
۱۱-۱۵ تا ۱۱-۳۰	(د) بلحاظ افاضۂ علوم روحانی	مکرم مولوی عبد المالک خاں صاحب۔
۱۱-۳۰ تا ۱۱-۵۰	خلافت ثانیہ کے موجودہ دور میں ہماری ذمہ داریاں	" مسعود احمد خاں صاحب دہلوی
۱۱-۵۰ تا ۱۲-۵۰	خطاب	صدر محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب
۱۲-۵۰ تا ۱۲-۵۵	عہد و دعا	

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نوٹ :- یہ تربیتی اجتماع پرائیویٹ ہے اور ایک پرائیویٹ احاطہ میں منعقد ہو رہا ہے۔

والسلام

خاکسار محبوب عالم خالد (ایم - اے)
قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ - ربوہ

ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۴ء

نتیجہ امتحان انصاراللہ سہ ماہی سوم

۱۱/۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۶۳ء کو اراکین انصار اللہ سے برکات الدعا. نکاح کے متعلق آیات قرآنی حفظ، ترجمہ اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پانچ دلائل کا امتحان لیا تھا۔ اس امتحان میں مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر ربوہ اوّل اور ملک نصیر احمد صاحب کراچی دوم رہے۔ اللہ تعالےٰ مبارک کرے ؛

- معیار اوّل -

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن	نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۱	سول لائن لاہور	مکرم ڈاکٹر عبدالواحد خان صاحب		۱۴	پشاور	مکرم عبدالغفور صاحب	اوّل
		سیمنٹ بلڈنگ	دوم	۱۵	"	" میاں عبدالرشید صاحب	"
۲	" "	" چوہدری عنایت اللہ صاحب حصاری	اوّل	۱۶	"	" مرزا عبدالمجید صاحب	"
۳	" "	" " مبارک احمد صاحب نور	دوم	۱۷	"	" نثار احمد صاحب فاروقی	"
۴	" .	" سربلند صاحب پنشنر	اوّل	۱۸	"	" محمد الطاف صاحب	"
۵	" "	" حکیم جان محمد صاحب جیونت بلڈنگ	سوم	۱۹	"	" عبدالکریم صاحب	دوم
۶	کرشن نگر	" عبدالجلیل صاحب عشرت		۲۰	حلقہ گولبازار	" قریشی ناصر احمد صاحب	"
		بی اے آنرز	اوّل	۲۱	" "	" " فضل حق صاحب	اوّل
۷	"	" ملک محمد خان صاحب مری روڈ	"	۲۲	" "	" محمد اسحٰق صاحب ارشد	دوم
۸	"	" عبداللطیف صاحب ستکوہی	"	۲۳	" "	" خان محمد گوندل صاحب	"
۹	سنت نگر	" محمد ابراہیم صاحب محکمہ بجلی	دوم	۲۴	" "	" قریشی محمد اکمل صاحب	اوّل
۱۰	پشاور	" خواجہ محمد شریف صاحب	اوّل	۲۵	دارالصدر شرقی	" مختار احمد صاحب ہاشمی	"
۱۱	"	" چوہدری رکن الدین صاحب	"	۲۶	"	" کرم دین صاحب ڈرائیور	دوم
۱۲	"	" خلیل الرحمٰن صاحب	"	۲۷	"	" خواجہ عبیداللہ صاحب	اوّل
۱۳	"	" مرزا نصیر احمد صاحب	دوم	۲۸	"	" صوفی رمضان علی صاحب	"

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۲۹	دارالصدر شرقی	مکرم حاکم علی صاحب	دوم
۳۰	″ ″	″ ماسٹر حمید احمد صاحب سیالکوٹی	اول
۳۱	″ ″	″ عبدالرحمن صاحب شاکر	″
۳۲	دارالرحمت غربی	″ حاجی محمد فاضل صاحب صحابی	″
۳۳	″	″ کیپٹن محمد سعید صاحب	″
۳۴	″	″ بابو محمد عبداللہ صاحب	″
۳۵	″	″ ڈاکٹر فرزند علی صاحب	″
۳۶	″	″ مولوی محمد تقی صاحب	″
۳۷	″	″ خان میراں خان صاحب	دوم
۳۸	″	″ حکیم عبدالرحمن شاہ صاحب	″
۳۹	″	″ ناصر احمد صدیقی صاحب (خادم)	اول
۴۰	″	″ صوفی عطا محمد صاحب	دوم
۴۱	″	″ منیر الحق صاحب شاہد (خادم)	سوم
۴۲	″	″ عبدالرفیق صاحب آصف ″	″
۴۳	دارالرحمت شرقی	″ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ایم ایس سی	اول
۴۴		″ عبدالرحیم خان صاحب	″
۴۵	دارالیمن شرقی	″ ماسٹر شیر علی صاحب	″
۴۶	″	″ محمد اسمٰعیل صاحب ٹیچر	″
۴۷	″ غربی الف	″ شیخ رشید احمد صاحب	″
۴۸	محلہ دارالصدر غربی ب	″ مولوی محفوظ الرحمن صاحب	اول
۴۹	″	″ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ	″
۵۰	″	″ ڈاکٹر غلام محمد صاحب	″
۵۱	″	″ قریشی محمد یوسف صاحب	″
۵۲	″	″ حاجی ارشید احمد صاحب	″
۵۳	دارالصدر غربی	مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب	[illegible]
۵۴	″	″ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب	اول
۵۵	″	″ ″ اللہ بخش صاحب	دوم
۵۶	دارالیمن	″ عبدالرحمن صاحب پوسٹل کلرک	اول
۵۷	″	″ محمد حسین صاحب دوکاندار	″
۵۸	″	″ محمد اسمٰعیل صاحب	″
۵۹	″ غربی الف	″ منشی مرزا احمد صاحب کاتب	″
۶۰	کوٹھہ	″ محمد اقبال صاحب	″
۶۱	″	″ مرزا احمد صادق صاحب	اول
۶۲	″	″ سید عبدالرشید صاحب	″
۶۳	″	″ محمد احمد صاحب فاضل	″
۶۴	″	″ جمعدار سردار خان صاحب	″
۶۵	″	″ محمد عبدالحق صاحب جنجوعہ	″
۶۶		″ محمد نصیب صاحب عارف	″
۶۷	″	″ جمعدار علی محمد صاحب	″
۶۸	″	″ نواب دین صاحب	″
۶۹	″	″ محمد اسحٰق صاحب عابد	″
۷۰	″	″ غلام مصطفیٰ صاحب	″
۷۱	″	″ شیخ بشیر احمد صاحب سکھری	″
۷۲	″	″ جلال الدین صاحب احمدی	″
۷۳	″	″ محمد عبداللہ صاحب ڈار	″
۷۴	″	″ احمد الدین صاحب بٹ	دوم
۷۵	″	″ محمد عیسیٰ جان صاحب	اول
۷۶	″	″ میاں عبدالقیوم صاحب	″

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۷۷	جہلم	مکرم عبد الکریم صاحب	اول
۷۸	"	" غلام احمد صاحب نیا محلہ جہلم	"
۷۹	"	" حوالدار مرزا احمد ابراہیم صاحب	"
۸۰	"	" حکیم محمد عبد اللہ صاحب	دوم
۸۱	دار النصر غربی	" غلام قادر صاحب کاریگر کریال	"
۸۲	"	" حکیم نذیر احمد صاحب	"
۸۳	گولیکی ضلع گجرات	" خوشی محمد صاحب	اول
۸۴		" پیرزادہ محمد اکبر صاحب سقراط	"
۸۵	"	" ماسٹر اللہ دتہ صاحب	دوم
۸۶	"	" پیرزادہ فیض عالم صاحب	اول
۸۷	مرالہ گجرات	" شاہ محمد صاحب پریذیڈنٹ	دوم
۸۸	منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات	" چوہدری نذیر احمد صاحب	"
۸۹	چوہڑکانہ منڈی	" شیخ محمد علی صاحب انبالوی	اول
۹۰	اسلامیہ پارک لاہور	" عبد الستار صاحب	"
۹۱	سکھر	" محمد رفیع صاحب صدیقی	اول
۹۲	"	" قریشی عبد الرحمن صاحب	دوم
۹۳	"	" محمد حفیظ الرحمن صاحب	"
۹۴	کریم نگر فارم	" منشی سلطان احمد صاحب	اول
۹۵	مسن پاڑہ	" منشی محکم دین صاحب	"
۹۶	شیخوپورہ	" گلزار محمد صاحب	"
۹۷	"	" جان عالم بیگ صاحب	"

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۹۸	دار الرحمت وسطی	مکرم مرزا برکت علی صاحب	اول
۹۹	حلقہ مبارک سیالکوٹ	" محمد اقبال صاحب	"
۱۰۰	سیالکوٹ	نام نہ پڑھا جا سکا	"
۱۰۱	کینال کالونی لائل پور	" ایم عیسیٰ خان صاحب	دوم
۱۰۲	"	" عطا حسین صاحب شاد	اول
۱۰۳	ڈی ٹائپ کالونی لائل پور	" مرزا ار محمد صاحب کلیم	"
۱۰۴	سنت پورہ "	" محمد امین صاحب	دوم
۱۰۵	"	" صورت محمد صاحب شمس	"
۱۰۶	"	" صوفی محمد طالب صاحب	اول
۱۰۷	"	" ظفر اللہ خان صاحب	"
۱۰۸	"	" غلام جیلانی خان صاحب	"
۱۰۹	"	" فضل کریم صاحب	دوم
۱۱۰	"	" عبد الرحمن صاحب	اول
۱۱۱	"	" حاتم علی صاحب	"
۱۱۲	جھنگ صدر	" قاضی محمد حسین صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی	"
۱۱۳	"	" سراج دین صاحب فضل سٹریٹ	"
۱۱۴	"	" ماسٹر علی محمد صاحب	"
۱۱۵	کراچی	" چوہدری احمد مختار صاحب	"
۱۱۶	مارٹن روڈ کراچی	" آفتاب احمد صاحب بسمل	"
۱۱۷	"	" سید محمد یوسف صاحب	"

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۱۱۸	مارٹن روڈ کراچی	مکرم محمد ابراہیم صاحب	دوم
۱۱۹	"	" چوہدری عزیز اللہ صاحب	اول
۱۲۰	"	" ملک حبیب احمد صاحب	دوم
۱۲۱	"	" لطف الرحمن صاحب	اول
۱۲۲	"	" عبدالمجید صاحب	دوم
۱۲۳	ناظم آباد کراچی	" محمد شفیع خان صاحب نجیب آبادی	اول
۱۲۴	"	" حاجی عبدالکریم صاحب	"
۱۲۵	"	" چوہدری سلطان محمود صاحب	"
۱۲۶	"	" سید محمد عالم شاہ صاحب	دوم
۱۲۷	"	" ملک نصیر احمد صاحب Second	اول
۱۲۸	لیاقت آباد کراچی	" عبدالسلام صاحب	دوم
۱۲۹	"	" چوہدری افضل حق صاحب	"
۱۳۰	"	" فضل الرحمن صاحب	اول
۱۳۱	"	" غلام رسول صاحب	"
۱۳۲	رام سوامی	" محمد عبداللہ مہر صاحب	"
۱۳۳	"	" صوفی عبدالرحمن صاحب	"
۱۳۴	"	" رفیع الزمان صاحب	"
۱۳۵	عزیز آباد کراچی	" چوہدری نذیر احمد صاحب	"
۱۳۶	"	" " احمد جان صاحب	"
۱۳۷	رام سوامی کراچی	" میاں محمد یوسف صاحب	"

ـ معیار دوم ـ

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	ڈویژن
۱	گول بازار ربوہ	مکرم عبدالقادر صاحب	دوم
۲	"	" عبدالرحمن صاحب	"
۳	"	" قریشی محمود احمد صاحب	سوم
۴	"	" نذیر احمد صاحب	دوم
۵	"	" علی گوہر صاحب	سوم
۶	"	" غلام محمد صاحب	"
۷	"	" فضل دین صاحب	دوم
۸	"	" خدا بخش صاحب	"
۹	"	" برکت علی صاحب	اول
۱۰	گولیکی ضلع گجرات	" پیر فیض عالم صاحب	سوم

ـ تصحیح ـ

ماہ اگست کے شمارہ میں سہ ماہی دوم کا نتیجہ شائع کیا گیا تھا مگر جب اس میں نصاب درج کیا گیا تو بجائے ترجمہ نصف دوم پارہ پانچ، نماز جنازہ کا طریق اور دعائیں اور وفات مسیح کے پانچ دلائل قرآن مجید سے درج کرنے کے کتاب "ضرورۃ الامام" چھپ گیا تھا۔ احباب تصحیح فرمالیں ؛

(قائد تعلیم)

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

نماز یہ ھے کہ روح گداز ہو کر خدا کی آستانہ پر گر پڑے

جس گھر میں اس قسم کی نماز ہوگی وہ گھر کبھی تباہ نہ ہوگا

—:o:—

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں :-

''ایک ضروری بات یہ ھے کہ تقوی میں ترقی کرو۔ ترقی انسان خود نہیں کر سکتا جب تک ایک جماعت اور ایک اس کا امام نہ ھو ۔ اگر انسان میں یہ قوت ھوتی کہ وہ خود ترقی کر سکتا تو پھر انبیاء کی ضرورت نہ تھی ۔ تقوی کے لئے ایک ایسے انسان کے پیدا ھونے کی ضرورت ھے جو صاحب کشش ھو اور بذریعہ دعا کے وہ نفسوں کو پاک کرے ۔ دیکھو اس قدر حکماء گزرے ھیں۔ کیا کسی نے صالحین کی جماعت بھی بنائی ؟ ھرگز نہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ صاحب کشش نہ تھے ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے بنادی ۔ بات یہ ھے کہ جسے خدا تعالی بھیجتا ھے اس کے اندر ایک تریاقی مادہ رکھا ھؤا ھوتا ھے ۔ پس جو شخص محبت اور اطاعت میں اس کے ساتھ ترقی کرتا ھے تو اس کے تریاقی مادہ کی وجہ سے اس گناہ کی زھر دور ھوتی ھے اور فیض کے ترشحات اس پر بھی گرنے لگتے ھیں ۔ اس کی نماز معمولی نماز نہیں ھوتی ۔ یاد رکھو کہ اگر موجودہ ٹکروں والی نماز ھزار برس بھی پڑھی جاوے تو ھرگز فائدہ نہ ھوگا ۔ نماز ایسی شے ھے کہ اس کے ذریعہ سے آسمان انسان پر جھک پڑتا ھے ۔ نماز کا حق ادا کرنے والا یہ خیال کرتا ھے کہ میں مرگیا اور اس کی روح گداز ھو کر خدا کے آستانہ پر گر پڑی ھے ۔ اگر طبیعت میں قبض اور بدمزگی ھو تو اس کے لئے بھی دعا ھی کرنی چاھیئے کہ الہی تو ھی اسے دور کر اور لذت اور نور نازل فرما ۔ جس گھر میں اس قسم کی نماز ھوگی وہ گھر کبھی تباہ نہ ھو گا ،،

(ملفوظات جلد ششم)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔

جلد ۵ نومبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۱۱

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

نومبر ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ؛ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

روحانی حیات کی ایک بیّن علامت	ایڈیٹر	۳
ذکرِ الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا انجام	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۱
رَفِيقِ جُرُوحِي يَا كَرِيمِي وَجَنَّتِي (عربی نظم)	" " "	۱۶
رہ طلب کن بگریہ و زاری (فارسی نظم)	" " "	۱۷
اجتماعوں کو بابرکت بنانے کا اسلامی طریق	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۸
تقویٰ کی باریک راہیں	حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ	۲۲
"آسمان سے بہت دودھ اُترا ہے محفوظ رکھو"	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد	۳۲
ایک عظیم الشان آسمانی تحریک (قسط دوم)	مکرم سید منیر احمد صاحب باہری	۳۴
افریقہ اور یورپ امریکہ میں ایک نئے انقلاب کے آثار	ایڈیٹر	۴۲
بچوں کے صفحات:-		
ہمارا پیارا مرکز — قادیان	ماخوذ	۴۶
ہمارا چاند (نظم)	درِّثمین	۴۷
ضمیمہ نتیجہ امتحان سہ ماہی سوم	مکرم قائد صاحب تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ	۴۸

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۱۱

۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء

رُوحانی حیات کی ایک بیّن علامت

ذِکرِ الٰہی اور اس کی بنیادی اہمیت

دنیا میں زندگی کا مدار سانس پر ہے۔ اگر سانس چل رہا ہے تو آدمی زندہ ہے اور اگر سانس رُک گیا تو زندگی ختم۔ لیکن روحانی حیات اور روحانی ممات کا عالم ہی جُدا ہے۔ اس کا مدار سانس کی آمدو شُد پر نہیں ایک اور ہی چیز پر ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی۔ انسان لاکھ سانس لے رہا ہو تندرست و توانا اور صحت و قوّت میں یگانہ ہو اگر خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو روحانی لحاظ سے مُردہ ہی شمار ہوگا۔ برخلاف اس کے ایک ایسا شخص جو بظاہر ناتواں نظر آتا ہو لیکن زبان اس کی ذکرِ الٰہی سے تر اور دل خوفِ الٰہی سے معمور ہو تو یہ اس بات کی بیّن علامت ہوگی کہ وہ اپنی نحافت و ناتوانی کے باوجود روحانی طور پر زندہ ہے اور اس بات کا سزاوار ہے کہ مداومت کی شرط کے ساتھ حیاتِ ابدی کا وارث بنے۔ اسی لئے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ — جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اُس کی مثال زندہ

لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ　کی سی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس کی مثال
(بخاری و مسلم)　ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک مُردہ ہوتا ہے۔

جب روحانی حیات کا مدار ہی ذکرِ الٰہی پر ہے تو ظاہر ہے کہ ایک مؤمن کا تو کوئی سانس بھی ذکرِ الٰہی سے خالی نہیں ہونا چاہیئے۔ کجا یہ کہ وہ لہو و لعب کی طرف راغب ہو یا ہمہ وقت دنیا کے جھمیلوں میں ہی پھنسا رہے۔ ذکرِ الٰہی کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر ہی یہ مثل مشہور ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر۔ یہ مثل ایک عظیم الشان صداقت پر مبنی ہے۔ اگر انسان اس کی اہمیت کو سمجھ لے تو یہ امکان ہی نہیں رہتا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ ٹھہرایا ہے۔ جب ہم آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپؐ کا ایک ایک لمحہ ذکرِ الٰہی سے معمور نظر آتا ہے۔ آپؐ کی کوئی حرکت اور کوئی سکون بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جو دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے خالی ہو۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کتبِ احادیث میں ایسی دعائیں بکثرت مذکور ہیں جو ہر ہر حرکت و سکون کے وقت آپؐ مانگا کرتے تھے۔ اِن دعاؤں پر یکجائی نظر ڈالنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کوئی کام بھی خواہ وہ کتنا ہی خفیف سے خفیف کیوں نہ ہو آپؐ دعا اور ذکرِ الٰہی کے بغیر شروع نہ فرماتے تھے۔ صبح نیند سے بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک کے درمیانی عرصہ میں جملہ معمولاتِ زندگی کے لئے کتبِ احادیث میں دعائیں موجود ہیں۔ نیند سے جاگنے کی دعا، بیت الخلاء جانے کی دعا، بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا، صبح کے وقت مسجد میں جانے کی دعا، مسجد سے نکلنے کی دعا، گھر سے باہر جانے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، کھانا شروع کرنے کی دعا، کھانا کھانے کے بعد کی دعا، نیا کپڑا پہننے کی دعا، بازار میں داخل ہونے کی دعا، بازار سے لوٹنے کی دعا، سفر پر روانہ ہونے کی دعا، کسی بستی میں داخل ہونے کی دعا، بستی میں سے نکلنے کی دعا، بلندی پر چڑھنے کی دعا، بلندی سے اُترنے کی دعا، بیمار پرسی کی دعا، میت پر پڑھنے کی دعا، قبروں پر پڑھنے کی دعا، نکاح کے مبارک ہونے کی دعا، بیوی کے ساتھ خلوت کے وقت کی دعا، بے قراری اور گھبراہٹ کی دعا، آئینہ دیکھنے کی دعا، نیا چاند نظر آنے کی دعا، روزہ کھولنے کی دعا، لیلۃ القدر کی دعا، بارش مانگنے کی دعا، زیادہ بارش روکنے کی دعا، بجلی کی کڑک پڑنے پر دعا، آندھی کے شر سے بچنے کی دعا، نیا پھل کھانے کی دعا،

کسی کو الوداع کرنے کی دعا، ناپسندیدہ امر دیکھنے پر دعا، قبولیت صدقات کے لئے دعا، تلافی نقصان کی دعا، غصہ اور طیش کے شر سے بچنے کی دعا، بامراد ہونے اور کامیابی کے سامان پیدا ہونے کی دعا، رضا بالقضاء کی دعا۔ قرضہ کی زیادتی سے پناہ کی دعا، گناہوں کی معافی اور بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کی دعا۔ الغرض وہ کونسی حرکت وسکون ہے جس کے لئے احادیث میں دعا موجود نہیں۔ دعاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو کتب احادیث میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کی مختلف کڑیاں ہمیں ملتی چلی جاتی ہیں، اور ہم حیران ہوئے بغیر نہیں رہتے کہ آپؐ نے اپنی لا انتہا معمور الاوقات زندگی کو ہمہ گیر مصروفیات کے باوجود کس طرح ذکر الٰہی سے معمور کر رکھا تھا۔ ذکر الٰہی کی یہ کثرت اور اس میں شغف و انہماک کی یہ کیفیت ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام آیت ۱۶۳) یعنی میری نمازیں اور میری قربانیاں اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا اور درجہ بدرجہ انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس کثرت سے دعائیں مانگتے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے کہ گویا ذکر الٰہی ان کی روح کی غذا ہے اور وہ اس کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتے۔ عبادات، دعاؤں، اور ذکر الٰہی میں ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ ان کا دھیان ہر وقت خدا کی طرف ہوتا اور دل مسجد میں اٹکا رہتا۔ دو صحابی آپس میں باتیں کرتے جا رہے ہوتے اور راہ میں کوئی درخت آجاتا اور انہیں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اس کی اوٹ میں سے گزرنا پڑتا تو چند سیکنڈ کی اس عارضی جدائی کو بھی وہ آپس میں ایک دوسرے پر سلامتی بھیجنے کا ذریعہ بنا لیتے اور وہ اس طرح کہ جونہی درخت کی اوٹ سے نکل کر پھر ملتے تو سلسلۂ کلام دوبارہ جاری کرنے سے قبل السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہہ کر ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دعا مانگتے۔ انفرادی ذکر الٰہی میں گہرے شغف کے علاوہ وہ اجتماعی ذکر الٰہی کے بھی اتنے حریص واقع ہوئے تھے کہ اس کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ پنجگانہ باجماعت نمازوں میں خاص التزام کے ساتھ حاضر ہونا تو ان کا معمول تھا ہی اس میں کسی قسم کے تخلف کا تو سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد و موعظت اور اجتماعی ذکر الٰہی کے لئے انہیں جب بھی بلاتے تھے تو وہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال آیت ۲۵) کے قرآنی حکم کے ماتحت پروانوں کی طرح دیوانہ وار کھنچے چلے آتے تھے۔ پھر نہ صرف

یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بلائی ہوئی مجالس ارشاد میں والہانہ شرکت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے بلکہ فارغ اوقات میں از خود بھی باہم مل کر ذکرِ الٰہی کی مجلسیں منعقد کرکے تسبیح و تحمید کرنے میں ایک خاص لذت محسوس کیا کرتے تھے۔ ذکرِ الٰہی کی ایسی ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا ذکر کتب احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم باہم مل کر اِس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی راہ دکھائی اور ہم پر احسان کیا۔ یہ سُنکر حضورؐ بہت خوش ہوتے اور انہیں مخاطب کرکے فرمایا:۔

اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَةً لَکُمْ وَلٰکِنْ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰهَ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰئِکَةَ۔ (صحیح مسلم)

سُنو میں نے تم سے جھوٹ کی تہمت کے سبب حلف نہیں لیا۔ میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے اپنے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عبادات اور ذکرِ الٰہی میں شغف اپنے اپنے رنگ میں اوجِ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور وہ زمین پر رہنے کے باوجود عالمِ بالا کی مخلوق نظر آتے تھے۔ وہ تھے تو انسان ہی لیکن فرشتہ صفت انسان۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (المجادلہ آیت ۲۳) کی سندِ قبولیت سے نوازا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس آخری زمانہ میں خدائی بشارتوں کے ماتحت احیاءِ اسلام کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث ہی اس لئے فرمایا تھا کہ للّٰہیت کا وہی دَور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کی برکت سے دنیا پر آیا تھا اِس آخری زمانہ میں آپؑ کے روحانی فرزند اور نائب کے ذریعہ ایک دفعہ پھر لوٹ آئے اور اِس شان سے لوٹ آئے کہ اسلام کی اصل تصویر اور اس کا حقیقی عملی نمونہ دنیا کے سامنے آجائے اور دنیا والے اُن لوگوں کی پیشانیوں میں جنہیں خدا اِس غرض کے لئے چُنے اثرِ سجود کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کے قائل ہوجائیں اور اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔

جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اُس وقت مسلمان جہاں اور بہت سی بُرائیوں اور بے عملیوں کا شکار ہونے کے باعث قعرِ مذلت میں گر چکے تھے وہاں ایک بہت بڑی بُرائی یہ بھی اُن میں گھر کر چکی تھی کہ وہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو کر اس کے ذکر کو یکسر بھلا بیٹھے تھے ان میں سے وہ لوگ جو اِس طرف کچھ میلان رکھتے بھی تھے انہیں خود ساختہ پیروں نے اپنے جنگل میں پھنسایا ہوا تھا اور اُنہیں مشرکانہ وظائف و اوراد اور نذر و نیاز کا پابند بنا کر اُس حقیقی ذکرِ الٰہی سے محروم کر چھوڑا تھا جس کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے پیش فرمایا تھا۔ اسی لئے ان کی عبادتیں بے برکت اور ان کے وظائف و اوراد کا کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوتا تھا۔

حقیقی عبادت اور ذکرِ الٰہی سے غفلت اور بے نصیبی کی اصل وجہ یہ تھی کہ دعا کی قبولیت پر سے ایمان اُٹھ گیا تھا۔ وہ مُنہ سے تو خدا کو قادرِ مطلق کہتے تھے لیکن دل سے اُسے قادرِ مطلق تسلیم نہیں کرتے تھے، وہ مُنہ سے تو خدا کو رحمٰن و رحیم کہتے تھے لیکن دل سے اُسے ایسی صفات کا حامل نہیں سمجھتے تھے، وہ قرآن مجید میں زبان سے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (بقرہ آیت ۱۸۷) اور اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن آیت ۶۱) تو پڑھتے تھے اور بار بار پڑھتے تھے لیکن اس بات پر ایمان نہیں رکھتے تھے کہ فی الواقعہ خدا دعائیں سُنتا اور اُنہیں قبول کرتا ہے، اسی طرح وہ تلاوتِ قرآن مجید کے وقت زبان سے اِس قرآنی حکم کو تو دُہراتے تھے کہ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ (النساء آیت ۱۰۴) لیکن دل ان کے ذکر اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ دراصل اُن کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی یا بٹھا دی گئی تھی کہ تقدیر کا لکھا اَن مِٹ ہے، جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، اِس لئے دعا مانگنا بے فائدہ اور عبث ہے، ہم لاکھ روئیں چیخیں اور چلائیں اور لاکھ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (بقرہ آیت ۱۲۸) کا وِرد کریں خدا کرے گا وہی جو اُس نے ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ دعا پر سے ایمان اُٹھ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذکرِ الٰہی کی طرف بھی رغبت باقی نہ رہی اور رفتہ رفتہ وہ خدا کی یاد سے بالکل ہی غافل ہو گئے۔ جب وہ خدا سے بے پرواہ ہو گئے تو نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ (الحشر آیت ۲۰) کے مطابق خدا بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیئے تھا کہ وہ دن بدن قعرِ مذلت میں گرتے چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احیاءِ اسلام کے ضمن میں جہاں اور عظیم الشان

کارنامے سرانجام دیئے وہاں ایک عظیم الشان کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ مسئلہ تقدیر کو واضح کرکے قرآن مجید کی رو سے دعا کی اہمیت اور اس کے فلسفہ کو اس قدر مہتم بالشان طریق پر واضح فرمایا اور خدائی تائید کے ماتحت قبولیتِ دعا کے تازہ بتازہ زندہ نشان دکھا کر اس کی ہمہ گیر تاثیرات کا ایسا مشاہدہ کرایا کہ یہ حقیقت دلوں میں میخ کی طرح گڑ گئی کہ دعا ایک زندہ حقیقت اور زبردست طاقت ہے جو عنداللہ قبول ہو کر ناممکن کو ممکن کر دکھا سکتی ہے۔ آپؑ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا کہ ہر مشکل دعا سے آسان ہو سکتی ہے ـــــ یہ محض اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک ایسا دعویٰ تھا جس کے آپؑ نے ایک نہیں ہزاروں ثبوت مہیا کئے، عقلی و نقلی ہی نہیں بلکہ زندہ اور عملی ثبوت، حتّٰی کہ ایک وہ وقت بھی آیا اور کیا ہی خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے وہ وقت پایا کہ جب خدا نے بذریعہ الہام آپؑ کو ایک بشارت دی اور آپؑ نے افادۂ عام کے لئے بذریعہ اعلان وہ مژدۂ جانفزا سنایا تا سب خدا کی قدرتوں پر ایمان لا کر اپنے دامن ہائے مراد کو جس قدر بھی بھر سکیں بھر لیں۔ مژدۂ جانفزا یہ تھا ؎

چل رہی ہے نسیم رحمت کی ⁂ جو دعا کیجئے قبول ہے آج

الغرض معرفت و بصیرت اور زندہ نشانوں کے پیہم مشاہدہ کی رُو سے دعاؤں کی قبولیت پر زندہ یقین پیدا ہونے کی دیر تھی کہ آپؑ کی اتّباع میں آپؑ کے خوش نصیب اصحاب کے دن اور رات اور ان کا ایک ایک لمحہ دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں بسر ہونے لگا اور خود ان کے اپنے وجود دل میں قبولیتِ دعا کے نشانات اس کثرت سے ظاہر ہونے لگے کہ آپ کی اتّباع اور فیض صحبت کی برکت سے ان کے اپنے وجود بھی خدا نما بن گئے۔ آپ نے قرآنی دعائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی مسنون دعائیں بکثرت کرنے کی اہمیت دلوں میں راسخ کرنے کے علاوہ ایک اور انقلاب انگیز نصیحت یہ فرمائی کہ ہر شخص ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ جو خیر و برکت کا بھرپور خزینہ ہیں خود اپنی زبان میں بھی اپنے مولیٰ کے حضور دعا کیا کرے تاکہ اپنے دلی جذبات اور تمنائیں پیش کر کے ذاتی رنگ میں اس کی رحمت کو جوش میں لائے اور اس طرح بھی (اس) کے فضل اور اس کی تائید و نصرت کا مورد بنے۔ پھر آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے عین مطابق چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں دعائیں اور ذکرِ الٰہی کرنے کی پُر زور تلقین فرمائی تاکہ کوئی لمحہ بھی ایسا نہ ہو جو دعا اور ذکر اللہ سے خالی ہو۔ آپ نے بہت زیادہ تاکید کے رنگ میں فرمایا :-

"پھر میں کہتا ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی دعا ہے جس پر مسلمانوں کو ناز اور فخر کرنا چاہیئے

دوسرے مذاہب کے آگے تو دعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور وہ دعا کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے ان تمام پتھروں کو جو اُن کی دعا کے راستے میں پڑے ہوں اور جو اُن کی دعا کی روک بنے ہوئے ہوں دور کر دیں۔ جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو رُک جاتا ہے اسی طرح دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دعا کی راہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور وہ کیا ہیں؟ وہ ان کی اپنی بدکاریاں اور بداعتقادیاں ہیں لیکن تم لوگوں کو ان کی مثل نہ ہونا چاہیئے۔ اور تمہارا کوئی کاروبار دعا کے سوا نہ ہوا کرے۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے دعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو۔"

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۴ء)

پھر یہی نہیں کہ آپ نے ہر فرد جماعت کو اس کی انفرادی حیثیت میں دعا اور ذکر الٰہی کا عادی بنا دیا بلکہ اس ذکر الٰہی کو زیادہ مؤثر اور زیادہ بابرکت بنانے کے لئے انہیں اجتماعی ذکر الٰہی کی بھی ترغیب دلائی۔ چنانچہ آپ اپنے اصحاب کو بار بار مرکز میں آنے اور وہاں کچھ دن رہکر آپ کی صحبت سے فیض اٹھانے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس سے آپ کی غرض یہی تھی کہ وہ آئیں، بکثرت آئیں، بار بار آئیں، اور سب کے ساتھ مل کر اجتماعی دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اجتماعی ذکر الٰہی کو وسعت دینے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اُس کے منشاء کے مطابق جلسہ سالانہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو اپنے دنیوی کاموں کا حرج کر کے بھی سال بسال پورے تعہد کے ساتھ مرکز میں آنے اور اس الٰہی جلسہ میں شامل ہو کر نہایت وسیع پیمانے پر اجتماعی ذکر الٰہی کی عظیم الشان برکتوں سے مالا مال ہونے کی پُرزور تلقین فرمائی۔ دعاؤں اور ذکر الٰہی کے تعلق میں آپ کی بیش بہا نصائح، عملی اقدامات اور قبولیت دعا کے مہتم بالشان نشانات کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف جماعت احمدیہ کے افراد کا امتیازی نشان بن گیا۔ جماعت احمدیہ کا یہ امتیازی نشان نہ صرف آج کے دن تک قائم ہے بلکہ انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی بتوفیق و تائید الٰہی قائم و دائم رہے گا۔ اسی میں ہماری تمام تر ترقیات کا راز مضمر ہے

یہی وہ روحانی حیات ہے یعنی دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں مالا مال فرمایا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پہلے ہم سانس لینے، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے کے باوجود مُردہ کی طرح تھے آپ نے ہمیں دعاؤں اور ذکر الٰہی کے وصف سے متصف کر کے روحانی حیات سے ہمکنار کر دکھایا اور پھر اپنی قوت قدسی کی مدد سے اس قابل بنایا کہ ہم بفضل اللہ تعالیٰ حیات ابدی کے وارث بن سکیں اپنے

اس امتیازی نشان کو برقرار رکھنا اور نسلاً بعد نسلٍ برقرار رکھتے چلے جانا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ یہی وہ امتیازی نشان ہے جس کی وجہ سے ہم دلی یقین اور بصیرت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے، ہمارا رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) زندہ رسول ہے، ہماری کتاب یعنی فرقانِ حمید زندہ کتاب ہے اور ان سب کے طفیل ہم خود زندہ ہیں۔

پھر ہمیں یہ امر بھی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارا سالانہ اجتماع یعنی اجتماع انصار اللہ مرکزیہ بھی اسی لئے منعقد ہوتا ہے کہ ہم جوق در جوق اپنے مرکز میں جمع ہو کر اجتماعی ذکرِ الٰہی کے اس انمول موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس طرح دنیا کو اپنی روحانی حیات کا ثبوت دیں اور اپنے امتیازی نشان کو ایسا روشن تر اور راسخ سے راسخ تر کریں کہ نہ صرف ہماری زندگیوں میں یہ تابندہ و درخشندہ بنا رہے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی تابندگی اور درخشندگی میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اجتماع بے شک تین دن ہی جاری رہتا ہے اور ان تین دنوں میں ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ایک ایسی ناقابلِ بیان کیفیت میں سے گزر رہے ہوتے ہیں کہ گویا ہم ایک نئے آسمان کے نیچے نئی زمین پر زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ہم سال کے باقی ایام میں بھی روزمرہ کے معمولات کے دوران یعنی چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی کثرت کو لازم پکڑ کر اجتماع کی برکات کے سلسلہ کو دراز سے دراز تر کر سکتے ہیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ دست درکار و دل بایار ہمارا شعار ہو، یہاں تک کہ زمین پر خدا کے دوسرے بندے اور آسمان پر اس کے مقدس فرشتے یہ گواہی دے اُٹھیں کہ فی الحقیقت یہ وہی ہیں جن کی تعریف میں خدائے ذوالعرش نے اپنے کلام پاک میں کہا ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران آیت ۱۹۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سالانہ اجتماع کی برکتوں کو اپنے اندر دائمی طور پر جاری رکھنے اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کے امتیازی نشان کو اپنے عمل کے ذریعہ روشن سے روشن تر کرتے اور نسلاً بعد نسلٍ کرتے چلے جانے کی توفیق عطا فرمائے تا ہماری روحانی حیات کو دیکھ کر دنیا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ فی الواقعہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے، اسلام کا رسولؐ زندہ رسول ہے اور اسلام کی کتاب زندہ کتاب ہے۔ ایسے زندہ خدا اور ایسے زندہ رسولؐ پر ایمان لائے بغیر اور ایسی زندہ کتاب پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی روحانی حیات سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اور حیاتِ ابدی کا وارث نہیں بن سکتا۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین یا ارحم الراحمین +

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے

خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے

نماز سنوار سنوار کر پڑھو اور مسنون دُعاؤں کے بعد اپنی زبان میں بھی دُعائیں کرو!

ذیل میں امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ پُر معارف ملفوظات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں جن میں حضور نے ذکرِ الٰہی کی اہمیت پر روشنی ڈال کر احباب کو کثرت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

(۱) "نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز معاف فرما دی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں، مویشی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے۔ تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اُسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا، کبھی اُس کی عظمت اور احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اُس کے آگے سجدہ میں گر جانا اور اُس سے اپنی حاجات کا مانگنا۔ یہی نماز ہے کہ ایک سائل کی طرح کبھی اُس مسئول کی تعریف کرنا کہ تُو ایسا ہے تُو ایسا ہے، اُس کی عظمت اور جلال کا اظہار کرکے اُس کی رحمت کو جنبش دلانا اور پھر اُس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔ انسان ہر وقت محتاج ہے کہ اُس سے اُس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اُس کے فضل کا اُسی سے خواستگار ہو کیونکہ اُسی کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جاسکتا ہے۔ (مانگنا یہی ہے کہ) اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا

پر کاربند ہو کر بجھے راضی کرلیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت اُسی کے خوف اور اُسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔

پس جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنی چاہتا ہے اُس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا؟ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سو رہنا۔ یہ تو دین ہرگز نہیں، یہ سیرتِ کفار ہے بلکہ جو دم غافل وہ دم کافر والی بات بالکل درست اور صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون۔ یعنی اے میرے بندو! تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اِس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیئے اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اُسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔" (الحکم ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

(۲) "اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سُست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اُس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سُننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم نے ایک مجذوم، کافر، دجّال وغیرہ کی بیعت کر لی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ تم اُن کے لئے دُعا کرو کہ خدا تعالیٰ اُن کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو امید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے تم بھی اُن سے مُنہ پھیر لو۔ ہمارے

غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدّنظر رکھنا، اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوقِ الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو، بچو۔" (الحکم ۲۴؍ اپریل ۱۹۰۳ء)

(۳) "نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے، استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم و ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور اسی لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اطمینان و سکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے وِرد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں بنا دی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اِن وظائف اور اوراد میں دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ میں نے مولوی صاحب سے سُنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اس لئے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔"

(الحکم ۳۱؍ مئی ۱۹۰۳ء)

(۴) "اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اُسے دل کی تسکین، آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرضِ زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام

کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ (ایک) عرض کرتا ہے، التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور گزارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نماز کا یہی حال ہے۔ خدا کے آگے سر بسجود رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے۔ پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دیکر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔ وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہیں جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق جواب دیئے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اس کی حالت سنور جاویگی۔ موجودہ زمانہ میں جو ان کو اپنے خونی مہدی اور مسیح کی آمد کی امید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی ان کو سلطنت لے دیگا اور کفار تباہ ہوں گے، یہ ان کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتداء میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدمؑ کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لئے کچھ آثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ ان کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیئے تھا کہ ظاہری طاقت ان میں جمع ہونے لگتی، ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے، فتوحات کا سلسلہ ان کے واسطے کھولا جاتا۔ مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے۔ ہتھیار ان کے ایجاد کردہ نہیں، ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے،

ہمت و مردانگی ہے تو اَوروں میں، یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج - دن بدن ذلّت اور ادبار اِن کے گرد ہے، جہاں دیکھو جس میدان میں سنو انہیں کو شکست ہے --- بھلا یہی آثار ہوا کرتے ہیں اقبال کے ؟ ہرگز نہیں - یہ بھولے ہوئے ہیں - زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے - ابھی تو اِن کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بے دینی اور لا مذہبی کا رنگ ایسا ہے کہ قابلِ عذاب اور موردِ قہر ہیں - پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے ؟ ہرگز نہیں - ان کی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بنا دیں اور دعائیں لگ جاویں - اِن کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے - اور دعا ہی سے اِن کی فتح ہے نہ قوتِ بازو سے - یہ اس لئے ہے کہ جس طرح ابتداء تھی انتہاء بھی اُسی طرح ہو - آدمِ اوّل کو فتح دعا ہی سے ہوئی تھی - رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا.... .... الخ اور آدمِ ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا ہے اسی طرح دعا ہی کے ذریعہ سے فتح ہوگی " (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

خاتمہ بالخیر چاہیئے!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو کسی نے نوح علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ تو قریب ایک ہزار سال کے دنیا میں رہ کے آئے ہیں بتلائیے کیا کچھ دیکھا - نوحؑ نے جواب دیا کہ یہ حال معلوم ہوا ہے جیسے ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے چلے گئے - تو عمر کا کیا ہے لمبی ہوئی تو کیا تھوڑی ہوئی تو کیا خاتمہ بالخیر چاہیئے " (ملفوظات جلد چہارم ص۱۷)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَفَرِّجْ كُرُوْبِي يَا كَرِيْمِي وَنَجِّنِي

(اے میرے کریم میرے دُکھ دُور کر اور مجھے نجات دے)

إِلٰهِي بِوَجْهِكَ أَدْرِكِ الْعَبْدَ رَحْمَةً
الٰہی اپنی ذات کے طفیل اس بندے کو اپنی رحمت کے دامن میں لے لے

تَعَالَ إِلَى عَبْدٍ ذَلِيْلٍ مُكَفَّرِ
اپنے ذلیل بندے کی طرف جو تکفیر کیا گیا آ جا۔

وَمِنْ قَبْلِ هٰذَا كُنْتَ تَسْمَعُ دَعْوَتِي
اس سے پیشتر تُو میری دعائیں سُنتا تھا۔

وَقَدْ كُنْتَ فِي الْمِضْمَارِ تُرْسِي وَمَأْزَرِي
اور تُو ہی میدانوں میں میری ڈھال اور پناہ رہا ہے۔

إِلٰهِي أَغِثْنِي يَا إِلٰهِي أَمِدَّنِي
الٰہی! میری فریاد رسی کر الٰہی! میری مدد کر۔

وَبَشِّرْ بِمَقْصُوْدِي حَنَانًا وَّخَبِّرِ
اور اپنی مہربانی سے مجھ کو مقصود کی بشارت دے اور آگاہ کر۔

أَنِرْنِي بِنُوْرِكَ يَا مَلَاذِي وَمَلْجَئِي
اے میرے ملجا و ماویٰ مجھے اپنے نُور سے منوّر کر!

نَعُوْذُ بِوَجْهِكَ مِنْ ظَلَامٍ مُدَعْثَرِ
ہم سخت تاریکی سے تیری ذات کی پناہ مانگتے ہیں۔

وَكُنْ رَبِّ حَنَّانًا كَمَا كُنْتَ دَائِمًا
اے خدا تُو ایسا مہربان ہو جیسے تُو پہلے تھا۔

وَإِنْ كُنْتُ قَدْ غَادَرْتُ عَهْدًا فَذَكِّرِ
اگر میں عہد سے بے وفائی کر چکا ہوں تو یاد دلا دے۔

وَإِنَّكَ مَوْلًى رَاحِمٌ ذُوْ كَرَامَةٍ
اے میرے مولیٰ تُو ہی مہربان صاحبِ کرم ہے۔

فَبَعِّدْ عَنِ الْغِلْمَانِ يَوْمَ التَّشَوُّرِ
اپنے غلاموں سے خواری کے دن کو ٹال دے۔

وَفَرِّجْ كُرُوْبِي يَا كَرِيْمِي وَنَجِّنِي
اے میرے کریم میرے دُکھ دُور کر اور نجات دے۔

وَمَزِّقْ خَصِيْمِي يَا إِلٰهِي وَعَفِّرِ
اور پارہ پارہ کر میرے دشمنوں کو اور فنا کر دے۔

(سِرّ الخلافہ)

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رہ طلب کن بگریہ و زاری

(رو رو کر رستہ ڈھونڈ!)

رہ طلب کن بگریہ و زاری — تا بجوشد ترحم باری

رو رو کر رستہ ڈھونڈ! — تاکہ خدا کا رحم جوش میں آئے

یک شب از صدق نعرہ ہا بردار — پیش آں عالمِ حقیقتِ کار

ایک رات صدق سے چیخیں مار۔ — اُس واقفِ حال کے سامنے

از ادب نے براہِ استکبار — زو مدد خواہ اندریں اسرار

تکبر سے نہیں بلکہ ادب کے ساتھ — ان اسرار کے لئے اُس سے مدد مانگ

تر کن از اشکِ خویش بسترِ خویش — باز لب را کشائے با دلِ ریش

اپنے آنسوؤں کے ساتھ اپنے بستر کو تر کر — پھر زخمی دل کے ساتھ یوں عرض کر

ما خطا کار و کارِ ماست خطا — شد تبہ کارِ ما ز عجلتِ ما

ہم خطا کار ہیں اور ہمارا کام بھی سراسر غلط ہے — اور ہمارا سب کاروبار جلد بازی کی وجہ سے خراب ہو گیا

گر زِ تست اینکہ سوئے تو خواند — ور ز تو بہتر کدام کس داند

اگر یہ شخص جو ہمیں تیری طرف بلاتا ہے — تیری طرف سے ہے اور کون تجھ سے بہتر حقیقتِ حال کو جانتا ہے

گنہِ ما بہ بخش و چشم کشا! — تا نمیریم از خلاف و ابا

تو تو ہمارے گناہ بخش اور ہماری آنکھیں کھول — تاکہ ہم مخالفت اور انکار کی حالت میں نہ مر جائیں۔

(نزول المسیح)

اجتماعوں کو بابرکت بنانے کا اسلامی طریق

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر میں سورۃ الشعراء کی آیت اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا (آیت ۲۲۸) کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی ذکر الٰہی کی اہمیت پر نہایت لطیف پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں اجتماعوں کو بابرکت بنانے کے اسلامی طریق کو بھی واضح فرمایا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"اس آیت میں بھی اور قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کو لازمی قرار دیا ہے...... لیکن یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے ہاں جن باتوں کو نیک عمل کہتے ہیں یا انگریزی میں جنہیں گڈ ایکشنز (Good actions) کہتے ہیں قرآن کریم انہیں عمل صالح قرار نہیں دیتا۔ سارے قرآن میں شاذ و نادر کے طور پر شاید ہی کسی ایک مقام پر نیک عمل کے لئے خیر کا لفظ استعمال ہؤا ہو تو ہؤا ہو ورنہ قرآن کریم ہمیشہ عمل صالح کا لفظ استعمال کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک نیکی وہی ہے جو مطابق حالات ہو۔ اگر حالات کے مطابق کوئی عمل نہ ہو تو وہ عمل صالح نہیں کہلائے گا۔ مثلاً اگر لوگوں سے دریافت کیا جائے کہ نیک عمل کون سے ہیں تو وہ کہیں گے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اور جہاد وغیرہ حالانکہ قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض نمازیں بُری ہوتی ہیں، اسی طرح روزے اور بعض صدقہ و خیرات انسان کو ثواب پہنچانے کی بجائے اسے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنا دیتے ہیں۔ پس معلوم ہؤا کہ خالی نماز نیک عمل نہیں۔ اگر خالی نماز نیک عمل ہوتا تو وَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ کیوں آتا اور کیوں اللہ تعالیٰ فرماتا کہ بعض نمازیں پڑھنے والے جو ریاء کیلئے پڑھتے ہیں، جو اس لئے پڑھتے ہیں کہ لوگ کہیں یہ بڑے بزرگ ہیں، یہ بڑے زاہد اور عابد ہیں، اُن پر ہماری لعنت ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض روزے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا انسان کو مورد بنا دیتے ہیں۔ مثلاً انسان عید کے دن روزہ رکھے تو وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شیطان بن جائے گا۔ یا حج ہے۔ اگر انسان ایسی حالت میں کرے جب اس میں حج کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، یا زکوٰۃ ایسی حالت میں دے جبکہ زکوٰۃ اُس پر فرض نہ ہو تو یہ اعمال صالح نہیں کہلا سکتے۔ عمل صالح وہی عمل ہے جو مطابق حالات اور موقع

کے مناسب ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا ذکر کیا ہے لوگ غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نماز نجات دلائے گی یا روزہ نجات دلائے گا یا حج نجات دلائے گا یا زکوٰۃ نجات دلائے گی۔ حالانکہ نماز وہ نجات دلاسکتی ہے جو نماز پڑھنے کے موقع پر پڑھی جائے۔ اگر کسی وقت کفار سے جہاد ہو رہا ہو، لڑائی لڑی جارہی ہو، مسلمان مارے جارہے ہوں، کفار بڑھتے چلے آرہے ہوں اور کوئی شخص مصلّیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگ جائے تو ہم کہیں گے اُس کی نماز کوئی نماز نہیں۔ اس وقت جہاد کا کام کرنے کا وقت تھا مصلّے پر بیٹھ کر تسبیح پھیرنے کا وقت نہیں تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز کے وقت نماز نہ پڑھے اور کہے کہ میں جہاد کے لئے چلا ہوں تو ہم کہیں گے کہ وہ نماز سے بچنے کا بہانہ تلاش کر رہا ہے۔ غرض اپنی ذات میں نہ نماز نجات دلاسکتی ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ جہاد بلکہ جو نیک کام بھی موقع اور محل کے مطابق ہو وہی انسان کے کام آتا ہے۔

مومنوں کی دوسری خصوصیت اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وہ اللہ تعالیٰ کا بڑی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو صرف اُس وقت ذکر کی طرف توجہ قائم رکھ سکتی ہیں جب وہ اکیلے ذکر میں مشغول ہوں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں کو ذکر کرتا دیکھیں تب ان میں ذکر کرنے کا جوش پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے ذکر نمازوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ظہر اور عصر کی نمازیں اس طرح پڑھی جاتی ہیں کہ ہر شخص اپنا اپنا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ امام اپنے طور پر خاموشی سے ذکر کر رہا ہوتا ہے اور مقتدی خاموشی سے اپنے طور پر ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن مغرب، عشاء اور فجر کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ طریق مقرر کر دیا کہ جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۂ فاتحہ پڑھو۔ مگر جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ غرض نماز میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق رکھا ہے کہ بعض جگہ لوگوں کو کلیۃً امام کے تابع کر دیا ہے، امام کہتا ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ تو مقتدی بھی کہتا ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ، امام رکوع میں جاتا ہے تو مقتدی بھی رکوع میں چلا جاتا ہے، امام سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی بھی سجدہ میں جھک جاتا ہے۔ لیکن جو خاموشی کا حصہ ہوتا ہے اُس میں ہر شخص آزاد ہوتا ہے، مقتدی کوئی دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور امام کوئی دعا مانگ رہا ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں طبائع کا علاج کر دیا، ان کا بھی جو دوسروں کو ذکر میں مشغول دیکھ کر ذکر کرنے کی عادی ہوتی ہیں اور ان کا بھی جنہیں اُس وقت عبادت میں لذت آتی ہے جب وہ علیحدہ ہوں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مجلس میں دعا کرتے وقت رقت آتی ہی نہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جونہی وہ کسی کی چیخ سنتے ہیں ان کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ پہلے

انہیں جوش نہیں آتا لیکن دوسرے کی گریہ وزاری دیکھ کر انہیں بھی رونا آجاتا ہے۔
لیکن کامل مومن وہ ہوتا ہے کہ جب وہ علیحدہ بیٹھتا ہے تب بھی خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جب مجلس میں بیٹھتا ہے تب بھی اس کا ذکر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے انفرادی ذکر پر بھی بڑا زور دیا ہے اور اجتماعوں کے مواقع پر بھی ذکر الٰہی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمان حج کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الٰہی ہوتا ہے، عیدین کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الٰہی ہوتا ہے شادی اور بیاہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الٰہی ہوتا ہے، جنازہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ گویا ہر قسم کے اجتماعوں کو بابرکت بنانے کا نسخہ اسلام نے یہی بتایا ہے کہ ذکر الٰہی پر زور دیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں انفرادی ذکر کی اہمیت بھی اسلام نے بار بار بتائی ہے۔ یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، کھانے سے فارغ ہوتے وقت، سوتے وقت، جاگتے وقت، سفر پر جاتے وقت، سفر سے آتے وقت، غم کے وقت، خوشی کے وقت، مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے جاتے وقت، بلندی پر چڑھتے وقت اور بلندی سے اُترتے وقت، اسی طرح آئینہ دیکھتے وقت، کپڑے بدلتے وقت، نیا چاند دیکھتے وقت، یہاں تک کہ بیوی کے پاس جاتے وقت بھی دعاؤں اور ذکر الٰہی کی تاکید کی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو ورنہ تمہارا کام بے برکت ہو جائے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس[۳۳] دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس[۳۳] دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس[۳۴] دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو۔ مگر اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ مومن کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ صرف تینتیس یا چونتیس دفعہ تسبیح و تحمید کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بات بات پر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے رہتے ہیں۔ درحقیقت اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ دونوں باتیں ہی ضروری تھیں کیونکہ عشق میں انسان کی دونوں حالتیں ہوتی ہیں۔ عشق میں ایک حالت تو وہ ہوتی ہے جب انسان اور کاموں سے فارغ ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور عشق کی دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہ اور کاموں میں مشغول رہے اس کا دل اپنے محبوب کی طرف ہی رہتا ہے۔ پس عشق دونوں باتوں کا تقاضہ کرتا ہے۔ عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے لئے اور کاموں سے فارغ ہو جائے اور عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا ہر وقت ذکر کرتا رہے۔ پس چونکہ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اس لئے اسلام نے بعض جگہ تسبیح و تحمید کی ایک معیّن مقدار بھی مقرر کر دی اور پھر

یہ بھی کہہ دیا کہ مومن صرف اِس تعداد پر انحصار نہیں رکھتے بلکہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے تر رہتی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں مل کر ایک مومن کے عشق کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر اسے یہی خیال آتا رہے کہ مَیں فلاں وقت میں ذکر کروں گا آگے پیچھے نہیں کروں گا تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اپنے اوقات کو کلّی طور پر خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ مقررہ وقت آئے تو وہ ذکر کرے۔ حالانکہ مومن وہی ہے جو ہر حالت میں خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بزرگ کا یہ مقولہ سُنایا کرتے تھے کہ "دست در کار و دل بایار"۔ یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مشغول ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ مَیں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں تو انہوں نے کہا کہ "محبوب کا نام لیتا اور پھر گن گن کر"۔ تو اصل ذکر وہی ہے جو اَن گنت ہو۔ مگر ایک معیّن وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اُس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معیّن رنگ میں بھی ذکر الٰہی کیا جائے اور غیر معیّن طور پر بھی اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم ص۴۹۵ تا ص۴۹۹)

نہایت ضروری امر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے پُورے تذلّل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اسے سچّی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء ص۶۲)

تقویٰ کی باریک راہیں

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم سے)

ایک مسلمان کے لئے پہلا یا ابتدائی راستہ خدا تعالیٰ سے ملنے کا جو شریعت نے تجویز کیا ہے وہ تقویٰ ہے یعنی خدا کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے بچتے رہنا۔ اس سے اگلا اور اعلیٰ راستہ محسن بننے کا ہے۔ یعنی وہ طریقہ جس میں خدا کی محبت اور عشق کی وجہ سے مومن نیکیوں میں ترقی کرتا ہے۔

یہ تقویٰ کا لفظ ہماری جماعت کے بچہ بچہ کی زبان سے سنا جاتا ہے کیونکہ یہ جماعت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ واقعی یہ جنس گرانقدر دنیا میں آج کل اور کسی جگہ دستیاب نہیں ہو سکتی۔ مگر باوجود اس لفظ کے کثرتِ استعمال اور کثرتِ تذکیر کے پھر بھی جو حق اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا تھا وہ ادا نہیں ہوا۔ اور تقویٰ کی باریک راہوں کا تو کیا ذکر اس کی شاہراہ یا موٹی موٹی راہوں سے بھی بعض لوگ ناواقف نظر آتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ اجمال تو موجود ہے مگر تفصیل کا علم نصیب نہیں ہوا۔ کیوں نصیب نہیں ہوا؟ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت زیادہ نہیں ملی اور ان مقدس لوگوں کے طریق عمل کو غور سے نہیں دیکھا گیا اور احمدیت کے لئے صرف بیعت کے ایک خط یا قدرے لٹریچر کے مطالعہ کو مکتفی سمجھ لیا گیا یا زیادہ سے زیادہ جلسہ اور کانفرنس پر حاضر ہونا بالکل کافی خیال کر لیا گیا۔ برخلاف اس کے جس کسی کو یہ سعادتِ صحبت حاصل ہو گئی اس پر تو پھر خود بخود معرفت کے دروازے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کی موٹی راہوں کو طے کرنے کے بعد باریک راہوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو براہِ راست اپنی تربیت میں لے لیتا ہے اور ایک رَو معرفت اور علم لدنّی کی ہر ضروری امر کے متعلق ان کے دل و دماغ میں آسمان کی طرف سے جاری ہو جاتی ہے۔ اور جو امر خلافِ تقویٰ ہوتا ہے اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے اور جو موافقِ تقویٰ ہوتا ہے اس کی تحریص یا اجازت مل جاتی ہے۔ اس وقت بندہ کی حالت اس دنیا سے اتنی ارفع اور بلند ہو جاتی ہے کہ دنیا کی عقلوں میں جو اعمال یا خیالات معمولی اور بے ضرر ہوتے ہیں وہ ان میں خطرہ اور ہلاکت دیکھتا ہے۔ اس کی دو کی جگہ چار آنکھیں ہو جاتی ہیں اور ایسی نمائشی نیکی سے وہ اسی طرح بچتا ہے جس طرح عام لوگ گناہ سے پرہیز کرتے ہیں اور اس

وقت وہ شخص اس بابرکت وجود کی ظلیت میں داخل ہو جاتا ہے جس نے دعویٰ کیا تھا کہ ؎

من تربیت پذیر ز ربِّ مہیمن ام

مگر اس حالت یا اس سے بڑھ کر کیفیات سے پہلے بھی ایک مبتدی متقی انسان کی خود اپنی بصیرت بہت روشن ہونی شروع ہو جاتی ہے اور اس کا فہم خدا کی رضا مندی کی راہوں میں بہت تیز ہو جاتا ہے اور جو باتیں عُرفاً بے عیب اور مخلوقات میں علی الاعلان دائر و سائر نظر آتی ہیں وہ ان سے بچنے لگتا ہے صرف اس لئے کہ اُس کے اندر مصنوعی تقویٰ نہیں بلکہ حقیقی تقویٰ کی وہ روح موجود ہوتی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ یعنی اگر تم بکوشش تقویٰ کو اختیار کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری تعلیم کو براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیگا اور پھر تم گمراہ نہیں ہو سکو گے سو وہ حالت اس کو میسّر آجاتی ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو تفصیلی عقلی دلائل اور براہین کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کے بھی معلوم ہو جائیں۔ البتہ اتنا ضرور ہو جاتا ہے کہ متقی کو امرِ جائز اور امرِ ناجائز میں تمیز کرنے کی حِس ہو جاتی ہے اور وہ ایک اچھے کام کو ایک بُرے کام سے اسی طرح الگ کر دیتا ہے جس طرح ایک جوہری سچے موتیوں کو جھوٹے موتیوں سے۔ اور ایسا انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کو بظاہر عمدہ اعمال کے اندر اسی طرح سونگھ لیتا ہے جس طرح ہم مُردار کی بدبُو کو۔

اب میں اصلی مطلب کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ مثالوں سے تقویٰ کی بعض باریک باتوں کا ذکر کروں جن سے شائقین کو کچھ علم اس راہ کا ہو۔ حقیقۃً یہ باتیں بہت باریک نہیں مگر مبتدیوں کے سمجھنے کے لئے میں ان کو باریک ہی کہوں گا۔ کیونکہ موٹے گناہ تو عموماً قتل، چوری، زنا اور جھوٹ ہی سمجھے جاتے ہیں حالانکہ اُوپر چل کر خود انہی گناہوں کی اتنی قسمیں اور اتنی شاخیں ہو جاتی ہیں کہ عام آدمی ان کو تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی گناہ بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ باریک در باریک قسمیں انہی باتوں کی دنیا میں اس قدر رائج ہو گئی ہیں کہ سوسائٹی میں ان کو معیوب بات خیال ہی نہیں کیا جاتا بلکہ وہی شخص عقلمند، زیرک اور دُور اندیش مشہور ہو جاتا ہے جو ایسے باریک گناہ دل کھول کر کرتا ہے اور ایسے ایسے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہے کہ وہ ان پر زیادہ سے زیادہ کامیابی سے عمل کر سکے۔ قرآن مجید نے گناہوں کی ان باریک قسموں کی طرف کنایۃً ایک اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی نہ صرف ظاہری فحشاء سے بچو بلکہ ان بے حیائیوں سے بھی بچتے رہو جو باریک اور مخفی اور دل کے اندر کے خانوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ نہ صرف انسان کے آلاتِ تناسل ہی زنا کرتے ہیں بلکہ اس کی آنکھ بھی زنا کرتی ہے، اس کے کان بھی زنا کرتے ہیں، اس کے پیر

بھی زنا کرتے ہیں، اس کا دل بھی زنا کرتا ہے۔ غرض اس حدیث میں ایک مشہور اور موٹے گناہ کی شاخوں اور باریک راستوں کو بھی واضح کر کے بتایا گیا ہے۔

اسی طرح اور گناہوں کا حال ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی کے ہاں نقب لگا کر اس کا زیور نکال لینا چوری کہلاتا ہے اسی طرح ایک احمدی طالب علم کے نزدیک امتحان کے پرچہ میں نقل کر لینا بھی چوری ہے۔ اور جس طرح رسہ گلے میں ڈال کر پھانسی سے مرجانا خودکشی ہے اسی طرح ایک احمدی متقی بیمار کے نزدیک غذا کی ایسی بدپرہیزی کر لینا جس سے بیماری کے بڑھ جانے کا یقینی خطرہ ہے ایک قسم کی خودکشی ہے۔ اور جس طرح کسی انسان کا قتل کر دینا دنیاداروں کے نزدیک ایک خوفناک جرم ہے اسی طرح ایک احمدی خاوند کے نزدیک بے ضرورتِ شرعی برتھ کنٹرول پر عمل کرنا بھی اسی ضمن میں ایک گناہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر زنا کرنا ایک موٹے فہم کے مسلمان کے نزدیک الٰہی نافرمانی ہے تو ایک احمدی نوجوان کے نزدیک علاوہ حلال اور جائز طریقہ کے کسی اور طرح سے اپنی شہوات کو پورا کرنا بھی زنا کے حکم میں داخل ہے۔

پس تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کی وجہ سے چھوڑ دینا جو زیادہ باریک ہیں اور سرسری اور موٹی نظر والوں یا اہلِ ظاہر کو نظر نہیں آتے اور جن کی بابت دنیاوی عقل تو جواز کا فتویٰ دے سکتی ہے مگر متقی کا ضمیر ان کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ یاد رہے کہ یہ باتیں عام لوگوں کو صرف اتنا بتا دینے سے سمجھ میں نہیں آجاتیں کہ تم قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو اور جھوٹ نہ بولو بلکہ اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب کچھ باریک تفاصیل بھی ان کو سمجھائی جائیں۔ کیونکہ جس قدر علم انسان کے دماغ میں امثلہ اور تفاصیل سے داخل ہوتا ہے اتنا کبھی مجمل بیانات سے داخل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی بات کو کئی کئی پیرایوں میں اور نئے نئے سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مختلف شاخوں کو مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں چند نمونے متقیانہ افعال و اعمال کے بیان کرتا ہوں اور مزید تفاصیل خود ناظرین کے اپنے غور و فکر کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

پہلی مثال

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ایک دفعہ کشمیر تشریف لے گئے۔ ریچھ مارنے کا لائسنس لیا ہوا تھا۔ دورانِ سفر میں ایک ایسی جگہ فروکش ہوئے جہاں احمدیوں کی آبادی تھی۔ وہاں

حضور شکار کے لئے ایک پہاڑی جنگل میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے ہانکا شروع کیا۔ ایک مشک والا ہرن ہانکے سے نکلا اور بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ رائفل حضور کے کندھے کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور نالی شکار کی طرف۔ ہمراہی بے قرار تھے کہ ایسا عجیب نایاب شکار سامنے کھڑا ہوا ہے کیوں نہیں فائر کیا جاتا۔ حضور نے ایک دم رائفل نیچے کر لی۔ وہ ہرن بھاگ گیا۔ فرمایا کہ اس کا خاص لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس پر فائر کرنا جائز نہ تھا۔ گھر واپس ہوتے پر بعض لوگ جو ساتھ تھے کہتے لگے کیسا عمدہ شکار سامنے آیا تھا ہم تو کبھی ایسے عمدہ شکار کو نہیں چھوڑا کرتے اگر ایسی احتیاطیں کرنے لگیں تو بس شکار ہو چکا...... مگر ان بے چاروں کو معلوم نہ تھا کہ اگر ایسی احتیاطیں نہ کی جائیں تو بس تقویٰ ہو چکا۔

دوسری مثال

میرے ایک بزرگ ہیں اُن کے پاس رفتہ رفتہ ۹۰ کے قریب کھوٹے روپے جمع ہو گئے جن میں کچھ تو ایسے کھوٹے تھے جن کا ایک حصہ چاندی کی وجہ سے قابلِ فروخت تھا اور کچھ ایسے تھے جو محض مصنوعی اور ناکارہ تھے۔ انہوں نے ناکارہ تو سب تالاب میں پھینک دیئے اور جو دوسرے تھے وہ بکنے بھیج دیئے اور لے جانے والے سے کہہ دیا کہ انہیں کسی سُنار کے ہاتھ فروخت کر کے انہیں اپنے سامنے اُسی سے کٹوا دینا تاکہ پھر بطور سکہ کے نہ چلائے جا سکیں۔ سُنار نے یہ بات مان کر اُن کو خرید لیا اور مقررہ قیمت ادا کر دی۔ لیکن جب اُن کے ملازم نے کاٹنے کا مطالبہ کیا تو سُنار لڑنے لگا کہ جب میں نے مول لے لئے ہیں تو اَب تمہارا کیا کام ہے میں ان کو ثابت ہی بیچ لوں گا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ آخر واپس لے لئے گئے۔ اس پر سُنار نے کہا کہ اچھا میں اِس شرط پر کاٹوں گا کہ ان کی قیمت اتنی کم کر دو۔ یہ بات انہوں نے فوراً مان لی اور بہت تھوڑی رقم معاوضہ میں لے لی مگر ایک ایک روپیہ کٹوا کر چھوڑا۔ حالانکہ عام لوگ اوّل تو کھوٹا روپیہ خود ہی کوشش کر کے چلا دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی ہوشیار آدمی کی معرفت اُس کو بازار میں چلوا دیتے ہیں یا دلالوں کے ہاتھ کچھ کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں کہ آگے وہ اُسے چلا لیں۔ اور بعض ظالم تو جیب میں یا دکان میں ہر وقت ایسے کھوٹے روپے تیار رکھتے ہیں جب کوئی سادہ طبع دیہاتی سودا خریدتے آجاتا ہے تو اُس کا اچھا روپیہ لے کر چالاکی سے فوراً اپنا خراب روپیہ اُسے دیکر کہتے ہیں کہ بھائی صاحب یہ آپ کا روپیہ ٹھیک نہیں اسے بدل دیجئے۔ غرض یہ فرق ہے متقی اور غیر متقی میں۔ ایک اُن میں سے نعوذ باللہ خدا کو اندھا سمجھتا ہے اور دوسرا اُسے بینا یقین کرتا ہے۔ پس کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ خدا کو اندھا سمجھنے والا اُس کی ذات سے کوئی روحانی فیضان حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری مثال

ایک شخص کو ڈاک میں ایک خط ملا۔ اتفاقاً اس کے ٹکٹ پر مُہر لگانا یا تو ڈاکخانہ والا ہی بھول گیا یا لگائی تو کوئی نقش مُہر کا نمودار نہ ہوا۔ غرض ٹکٹ بالکل کورا رہا۔ اُس شخص کے لڑکے نے وہ ٹکٹ اُتار کر اُس سے کہا کہ اباجان دیکھئے یہ ٹکٹ پھر استعمال ہوسکتا ہے۔ اُس نے لڑکے سے ٹکٹ لیکر پھاڑ کر پھینک دیا کہ اب ہمارے لئے اِس ٹکٹ کا دوبارہ استعمال ناجائز ہے۔ کوئی غیر متقی ہوتا تو اُس ٹکٹ کا استعمال نہ صرف جائز سمجھتا بلکہ اپنی ایسی ہوشیاری کو فخریہ بیان کرتا۔

چوتھی مثال

متقی اور غیر متقی دونوں بازاروں میں اور عام گزرگاہوں اور مجمعوں میں عورتوں کی طرف سے اپنی نظر نیچی رکھتے ہیں۔ مگر جب کسی تنہا جگہ کوئی عورت مُنہ کھولے ہوئے گزرے جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو غیر متقی خدا کی حرمت سے غضِ بصر کرکے اُس عورت کی طرف ارادی نظر ڈال لیتا ہے مگر متقی ہر ایسے موقع پر زیادہ قوت کے ساتھ غضِ بصر پر عمل کرتا ہے کیونکہ اس کو وہ عورت اکیلی سامنے نظر نہیں آتی بلکہ اُس عورت کے پیچھے ایک اَور وجود بھی ساتھ آتا ہوا نظر آتا ہے جسے خدائے علیم و بصیر کہتے ہیں۔

پانچویں مثال

ایک احمدی دوست تھرڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ان کے ایک ملنے والے ریل میں مل گئے جو سیکنڈ کلاس میں تھے۔ انہوں نے اُن کو بُلا لیا اور ایک دو سٹیشن تک وہ ان کے ساتھ ہی سیکنڈ کلاس میں سوار چلے گئے پھر اپنے ڈبہ میں آ گئے۔ سفر ختم ہوا اور وہ صاحب ٹکٹ دے کر باہر چلے گئے۔ گھر آ کر اور حساب کرکے انہوں نے وہ رقم جو اُن دو سٹیشنوں کے درمیان سیکنڈ اور تھرڈ کے کرایہ کا فرق تھا ایجنٹ این۔ ڈبلیو۔ آر کے نام بھیجدی اور لکھ دیا کہ ایک ضرورت کی وجہ سے مَیں نے اپنے سفر میں دو سٹیشن تک سیکنڈ کلاس میں سفر کر لیا تھا یہ اس کا کرایہ ارسال ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ تھرڈ کلاس کے مسافر کا ۲۰ سیر سے زیادہ وزن ارادۃً بغیر تُلوائے اور کرایہ ادا کئے ریل میں لے جانا اور بغیر اجازت اسٹیشن ماسٹر کے یا پلیٹ فارم ٹکٹ خریدنے کے سوا اندر پہنچ جانا اور ہوشیاری کے ساتھ سٹیشن کی دوسری طرف سے باہر نکل جانا ایسے افعال ہیں جن سے ایک متقی شرماتا ہے۔

چھٹی مثال

ایک ماسٹر صاحب تھے، وہ باوجود اس سرکاری حکم کے کہ ٹیوشن بغیر اجازت ہیڈ ماسٹر کے نہ لی جایا کرے خود خفیہ خفیہ ایسی ٹیوشن لے لیا کرتے تھے۔ ایک شاعر جو کسی اور شاعر کا شعر اپنی غزل میں اپنا کر ملا لیتے تھے، یا ایک مصنف صاحب جو دوسرں کی تصنیف کو اپنے مضمون میں بلا تسلیم کرنے مصنف کے نام کے شامل کر لیا کرتے تھے، ایک بارسوخ طالب علم جو کسی امتحان کے پرچہ کا ناجائز طور پر چند روز پہلے پتہ لگا لیا کرتے تھے، ایک وکیل صاحب جو پورا محنتانہ لے کر بھی پیشی کے وقت غیر حاضر ہو جایا کرتے تھے، ایک ڈاکٹر صاحب جو خصوصاً نوجوان عورتوں کو طبی مشورہ کے وقت سینہ میں لگا کر اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھنا لازمی سمجھتے تھے، ایک صاحب جو بغیر جائز حق کے دوسروں کا مضمون پڑھ لیا کرتے تھے، ایک مُلّا جی جو لوگوں کے سامنے مسجد میں تو بہت سنوار سنوار کر نماز پڑھتے تھے مگر اکیلے میں وہ بات ان سے صادر نہ ہوتی تھی، ایک پیشہ ور (مثلاً درزی، سُنار، لوہار) جو وعدہ کر کے پھر اس وعدہ پر اپنا کام پورا کر کے نہیں دیتے تھے، ایک ملازم جو اپنی تنخواہ کے وقت تو پوری رقم کا مطالبہ کیا کرتے تھے مگر خود کام کرنے کے وقت باریک محاسبہ نہیں رکھتے تھے کہ آیا میں معاہدہ کے مطابق چل رہا ہوں یا کچھ غفلت کر رہا ہوں وغیرہ وغیرہ ـــــ ایسے سب لوگ دنیاداروں کی نظروں میں خواہ بڑے ہوشیار کہلائیں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ متقی ہونے کا امتیازی تمغہ نہیں پا سکتے۔ متقی وہی ہیں جو ایسے کام نہیں کرتے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔

ساتویں مثال

ایک شخص جو شہوانی خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور نامحرموں کے حُسن و شمائل میں اپنے دل کو مشغول کرتا ہے یا اپنے بکس میں حسین عورتوں کی تصاویر کو خزانۂ آرٹ کہہ کر مقفل کر کے رکھتا ہے یا ہمسایہ کے گراموفون میں کسی عورت کے گانے کی آواز کو مزے لے لے کر سُنتا ہے یا مرد اور حسین لڑکوں سے بلا ضرورت صاحب سلامت اس لئے رکھتا ہے کہ اُن کا قُرب اُسے کچھ لطف دیتا ہے، یہ اور ایسی ہزاروں باتیں تقویٰ کی جڑ کو کاٹ ڈالنے والی ہیں گو وہ آجکل کی تہذیب کا ایک جُزو اعظم بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک ایسا شخص جو جسمانی صفائی سے لاپرواہ ہے، اس کے جسم سے بدبو آتی ہے اور اس کے کپڑے گندے رہتے ہیں، ناپاک چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا، اپنے دانت صاف

نہیں رکھتا جس کی وجہ سے اُس کے مُنہ سے بد بُو آتی ہے، کچا لہسن یا پیاز یا مُولی یا ہینگ کھا کر مسجد میں آجاتا ہے اور نمازیوں کو ایذا دیتا ہے کوئی قابلِ تعریف متقی نہیں۔

آٹھویں مثال

وہ شخص جو اپنے جسم کو خدا کی امانت نہیں سمجھتا اور اپنی صحت اور قویٰ کو خدمتِ دین کے لئے درست رکھنے کی طرف سے لاپرواہی کرتا ہے، عادی بد پرہیز ہے، جائز اور حلال لذتوں میں منہمک رہتا ہے، وقت جیسے قیمتی متاع کو ضائع کرتا ہے، بہت ہنستا ہے، غربت۔ بیماری یا زمانہ کی شکایت کرتا رہتا ہے، یا اکثر رنجیدہ رہتا ہے، اور جماعت پر عموماً بدظن رہتا ہے، نہایت خشک مزاج ہے۔ معمولی تکالیف پر بے صبری ظاہر کرتا ہے، اور تھوڑی نعمت کو حقیر سمجھ کر اس کا شکر ادا نہیں کرتا وہ ابھی تقویٰ کی باریک راہوں سے دُور ہے چہ جائیکہ باریک تر اور باریک ترین راہوں کا واقف سمجھا جائے۔

نویں مثال

ایک شخص جو کسی بُری بات کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ لوگ اس بات کو بُرا سمجھتے ہیں وہ اس بات میں متقی نہیں ہے۔ بلکہ متقی وہ ہے جو ترکِ معاصی صرف خدا تعالےٰ کے خوف سے کرے یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے، وہ علیم بذات الصدور ہے، وہ سب سے زیادہ محبت اور عزت کے قابل ہے، اُس نے اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اگر مَیں یہ کام کروں گا تو اس ذات والا صفات سے میرا تعلق کم ہو جائے گا۔ اس یقین کی وجہ سے کسی گناہ کی بات سے پرہیز کرنے والا اصل متقی ہے۔ بدی کو بدی سمجھ کر ترک کرنا یا نیکی کو نیکی کی وجہ سے اختیار کرنا یہ دہریوں اور یورپین فلاسفروں کا کلیہ ہے جسے ایک مسلمان فلاسفر کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتا۔ مسلمان اگر بدی سے بچتا ہے تو صرف خدا کے خوف کی وجہ سے اور نیکی کرتا ہے تو صرف خدا کی محبت کے سبب سے نہ کہ دہریوں کی طرح اپنے دنیاوی فائدہ کے لئے یا اپنے نفس کو لطف اور لذت دینے کے لئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے کھانے پینے کی اشیاء کی طرح نیکی کے اندر بھی ایک بڑی لذت رکھی ہے۔

دسویں مثال

ایک لیکچرار لیکچر دے رہا ہے، اس نے اپنا مضمون خوب تیار کیا اور خوب اچھی طرح پُورا

سُنا دیا مگر خاتمہ پر حاضرین سے اس نے یہ کہا کہ "صاحبان وقت تنگ ہوگیا ہے، میری طبیعت اچھی نہیں اس لئے مَیں اِس مضمون کو پورا تیار نہیں کر سکا اور اب بھی اس کا بہت سا حصّہ باقی ہے (حالانکہ اس کے ذہن میں قطعاً کوئی حصّہ باقی نہیں ہے اور اس نے تیاری بھی پوری کر لی تھی) مجبوراً اپنا لیکچر ختم کرتا ہوں اور آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں"۔ یہ فقرہ ایک باریک بین متقی کبھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ تو ان الفاظ کو غلط اور ناجائز جان کر اِن سے اجتناب کرے گا۔

گیارھویں مثال

چونکہ بعض گناہ صرف دل سے تعلق رکھتے ہیں اِس لئے اپنے دل میں کسی کی نسبت مخفی حقارت، بدظنی، عداوت، یا نفرت رکھنا۔ جسمانی نقائص، ذات اور قوم کے سبب سے یا علم و عقل اور مال و دولت کی کمی کی وجہ سے کسی کو ادنیٰ اور ذلیل سمجھنا۔ کسی کا قصور معاف کرنے کے بعد بھی اس سے کدورت رکھنا بدخواہی، چغلی یا عیب چینی کرنا۔ گاہے بگاہے ریاکاری کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرتے رہنا۔ تمسخر یا دلآزاری یا طعن کی صورت میں کسی سے بظاہر اچھا کلام کرنا۔ ایسی مجلسوں میں دلچسپی محسوس کرنا جہاں خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے مخالف باتیں یا دین پر مخفی استہزاء ہوتا ہو۔ علم کو اپنی نفسانی بڑائی کا ذریعہ بنانا۔ دین کی آڑ لے کر ایسی حرکات کرنا جو مومن کے وقار کے شایاں نہ ہوں مثلاً نماز کے سامنے سے گزرنے والے کو بجائے ہاتھ کے اشارے سے روک دینے کے دو قدم آگے بڑھ کر اس زور اور اِس جوش سے چھاتی میں مکا مارنا کہ اُسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ نفس کے تمام سفلی جذبات اور کج اخلاقیوں پر نظر نہ رکھنا اور جس بات میں ذرا بھی شبہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اس کے ترک کرنے میں غفلت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں باریک بین متقیوں کی شان سے بعید ہیں۔

محسنِ حقیقی کو پسند آنے والی ادائیں

ممکن ہے کہ بعض لوگ اِن سطور کو پڑھ کر ہنس دیں کہ یہ تو معمولی اور عامیانہ باتیں ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی وہ ادائیں ہیں جن کو محسنِ اصلی پسند فرماتا ہے اور یہی وہ تقویٰ کی آن ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے انعام اُس قدردان حقیقی کی درگاہ سے عطا ہوتے ہیں اور یہی وہ کیفیت ہے جس کا نتیجہ کبھی بھی نقصان کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایسا انسان دین اور دنیا دونوں میں ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے کیونکہ تقویٰ کا نتیجہ نہ صرف آخرت میں مغفرت اور جنت ہے بلکہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ

نے متقی کو علم و معرفت، مصائب سے نجات اور غیبی رزق کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ اس نے خود ہی کہا ہے کہ مَن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ دیکھو میں ذرا سے باریک تقویٰ پر ایک عظیم الشان اجر ملنے کا نظارہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ بعض لوگوں کے اصرار پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے کسی اختلافی مسئلہ میں مباحثہ کا ارادہ کیا۔ لیکن بحث سے پہلے جب ان کے متعلقہ عقائد تفصیل سے سُنے تو فرمایا کہ مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابلِ اعتراض ہو اور خالصتاً للہ اِس بحث کو ترک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُسی رات خداوند کریم نے اپنے الہام میں اس ترکِ بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تیرا خدا تیرے اِس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

خلاصۂ کلام:-

خلاصۂ کلام یہ کہ ناظرین کے لئے یہ صرف چند نمونے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر ارادہ اور ہر عمل کے وقت تقویٰ اور غیر تقویٰ کی بحث آپڑتی ہے اور انسان کو اپنے ہر حرکت اور سکون پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ تب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی پر ایک تغیّر آجاتا ہے اور وہ ایک نئی زندگی اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور اس کا پرانا وجود مر کر ایک نیا وجود اس کی جگہ قائم ہو جاتا ہے اور یہی تقویٰ کا مقصد ہے۔

آخر میں میں ایک یہ بات بیان کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو ہمیں بظاہر نیک اور متقی نظر آتے ہیں اُن کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم تو ٹھگوں کی ہے جو حقیقتاً بد ہیں اور نیکی دکھا کر لوگوں کو دھوکا دینا اور ٹھگنا اُن کا پیشہ ہے۔

دوسری قسم اُن کی ہے جو دُنیا کو خوش رکھنے کے لئے معروف قسم کی نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کے نیک نہیں بلکہ دنیا کے نیک ہیں۔

تیسری قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جو واقعی دین کے لئے آئے اور نیک اور صالح ارادے رکھتے تھے مگر پھر روپیہ دیکھا، دنیا کے زرق برق سامانوں اور جاہ و تنعم کے مزے چکھے اور آخر کار پھسل گئے۔

چوتھے اور قابلِ ستائش اور قابلِ تقلید وہ سعید لوگ ہیں جو خدا کے لئے نیک بنے پھر انہوں نے خدا سے ہی مدد مانگی اور خدا تعالیٰ نے بھی محض اپنے فضل سے ان کی دستگیری کی اور اُن کو نہ چھوڑا جب تک کہ وہ اس دنیا سے گزر نہیں گئے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی دوستی کو لازم پکڑنا چاہیئے اور ایسا بننے کے لئے جتنی فرصت بھی ملے حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت اور قرب میں آکر رہنا چاہیئے تاکہ زندہ خدا کے زندہ نشانات سے کچھ حصہ ملے، ایمان مضبوط ہو، تاریکیوں کے پردے پھٹ جائیں، تقویٰ کی باریک راہیں سوجھنے لگیں اور انسان کا خاتمہ اُس کے مالک کی مرضی کے مطابق ہو۔ آمین +

تقویٰ کے معنے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"تقویٰ کے معنے ہیں بدی کی باریک راہوں سے پرہیز کرنا مگر یاد رکھو نیکی اتنی نہیں ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں نیک ہوں اس لئے کہ میں نے کسی کا مال نہیں لیا، نقب زنی نہیں کی، چوری نہیں کرتا، بدنظری اور زنا نہیں کرتا۔ ایسی نیکی عارف کے نزدیک ہنسی کے قابل ہے کیونکہ اگر وہ ان بدیوں کا ارتکاب کرے اور چوری یا ڈاکہ زنی کرے تو وہ سزا پائے گا۔ پس یہ کوئی نیکی نہیں کہ جو عارف کی نگاہ میں قابلِ قدر ہو۔ بلکہ اصلی اور حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوعِ انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لئے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد ششم ص ۴۲۱، ص ۴۲۲)

"آسمان سے بہت دُودھ اُترا ہے محفوظ رکھو"

الہام حضرت مسیح موعودؑ

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے قبل اسلام اس دنیا سے اُٹھ چکا تھا، لوگ خدا کو بھول چکے تھے اور دنیا قرآن کی حقیقت سے ناواقف ہو چکی تھی۔ مسلمان محض نام کے مسلمان تھے ورنہ اُن میں مذہب سے وہ لگاؤ، اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا وہ جذبہ و شوق اور دین کی خدمت کے لئے وہ جوش جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرّہ امتیاز تھا مفقود تھا۔ چنانچہ مولانا حالی نے مسدس حالی میں اُس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اور ملتِ اسلامیہ کو ایک باغ سے تشبیہہ دے کر مایوسی کے عالم میں فرمایا ؎

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سُو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے رُوکھ جس کے جلانے کے قابل
یہ آواز پیہم وہاں آ رہی ہے
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہے

اُس زمانہ میں مسلمان خدا کے نام لیوا تو تھے مگر وہ حی و قیوم خدا کو تن مُردہ سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایسا خدا جو نہ بول سکے اور نہ سُن سکے، جو نہ کچھ کر سکے اور نہ کسی کو کچھ دے سکے۔ اُس زمانہ میں مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ ارفع اور حضورؐ کی حقیقی عظمت و شوکت سے ناواقف تھے، اس طرح کہ آپؐ کی صداقت خود ان میں سے بہت سوں پر مشتبہ ہو رہی تھی اور وہ بکثرت حلقہ بگوشِ عیسائیت ہو رہے تھے۔ کجا وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں فلاحِ دارین یقین کرتے تھے اور کجا یہ زمانہ کہ مسلمان کہلانے والے قرآن مجید کو ناقابلِ عمل یقین کرنے لگے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ نے اسلام کو پھر سے دنیا میں قائم کر دیا اور ایک بار پھر زندہ خدا پر زندہ یقین پیدا کر دیا، اسلام کی حقانیت ثابت کر دی، دنیا کو حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت اور حضورؐ کے مقام ارفع سے روشناس کرا دیا اور قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب ثابت کر دیا اس طرح کہ قیامت تک کی مسلمانوں کی ہر قسم کی مشکلات کا حل اس میں موجود ہے۔ آپؑ نے خدا سے نور پایا اور اس کی روشنی میں دیکھا۔ آپؑ نے آسمانی معارف ملفوظات میں بیان فرمائے اور روحانی حقائق اپنی تصنیفات میں جمع فرما دیئے۔ اس طرح یہ آسمانی دودھ کے انمول خزانے ہم تک پہنچے جن سے روحانی مُردے زندہ ہوتے ہیں حضور علیہ السلام ان خزائن کے متعلق فرماتے ہیں:۔

أ۔ "جو مجھے دیا گیا وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارفِ الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔" (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۵۶۸)

ب۔ "مجھ کو خدا نے بہت سے معارف اور حقائق بخشے اور اس قدر میری کلام کو معرفت کے پاک اسرار سے بھر دیا کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی طرف سے پورا تائید یافتہ نہ ہو اس کو یہ نعمت نہیں دی جا سکتی۔" (انجام آتھم طبع دوم صفحہ ۴۹)

ج۔ "ایسا ہی یہ عاجز بھی ..... خالی نہیں آیا بلکہ مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے بہت سا آب حیات خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی دیا۔ بے شک جو شخص اس میں سے پیئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے کلام سے مُردے زندہ نہ ہوں اور اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔" (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۸۴)

د۔ "اعطانی علوماً و معارف تجب لاصلاح هذه الامّة ووهب لی من لدنه علماً حباً لاتمام الحجة علی الکفرة الفجرة واعطانی ثمراً غضا طریاً لتغذیة جیاع الملة وکاساً دهاقاً لعطش الهدایة والمعرفة۔" (انجام آتھم صفحہ ۲)

"اس نے مجھے علوم اور معارف دیئے ہیں جن کی اس امت کو ضرورت تھی اور اس نے مجھے کافروں فاجروں پر اتمام حجت کے لئے زندہ علم دیا ہے اور تازہ بتازہ پھل ملت کے بھوکوں کے لئے دیئے ہیں اور بھرے ہوئے پیالے ہدایت اور معرفت کے پیاسوں کے لئے عنایت کئے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل میں کہ:۔

"آسمان سے بہت دودھ اترا اسے محفوظ رکھو۔" (تذکرہ صفحہ ۶۱)

اس آسمانی دودھ کے زندگی بخش جام محفوظ رکھنے اور ان روحانی خزائن کی قدر پہچاننے اور ان سے مالا مال ہونے کی ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین +

ایک عظیم الشان آسمانی تحریک ــــ وقفِ جدید

پس منظر، اغراض و مقاصد اور خوشکن نتائج

(مکرم سید منیر احمد صاحب باہری - ربوہ)

(قسط دوم)

وقفِ جدید کے اغراض و مقاصد

امامِ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بہت سے فدائیوں نے اپنے تئیں وقف کے لئے پیش کر دیا تب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الفضل اعلان فرمایا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر اس وقف کی تفصیلات بیان ہونے کے بعد دوست درخواستیں بھجوائیں۔ چنانچہ ستائیس دسمبر ۱۹۵۷ء کو احباب سے خطاب فرماتے ہوئے حضور نے وقفِ جدید کی تفصیلات بیان فرمائیں اور پھر تین جنوری ۱۹۵۸ء کو خطبہ جمعہ میں وقفِ جدید کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان کیا تھا اور پھر جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی ۲۷ دسمبر کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ جماعت کے وہ دوست جنہیں سلسلہ کی تبلیغ سے لگاؤ ہو یا تعلیم و تدریس کا شوق رکھتے ہوں وہ جماعت کی ترقی کے لئے اپنے آپ کو نئے وقف کے ماتحت پیش کریں۔

..... پس میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے۔ اور چاروں طرف رشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ اور کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر

جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس نئی سکیم پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب بلکہ کراچی سے لیکر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دئے جائیں جو اس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ ان سے متأثر ہوں۔ وہ انہیں پڑھائیں بھی اور رشد و اصلاح کا کام بھی کریں اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے۔ کُنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہاجال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اس میں آجاتی ہیں ہم ابھی تک کُنڈیاں ڈالتے رہے ہیں ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ میں آتی رہی ہے لیکن اب مہاجال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے گی۔۔۔۔۔۔۔

پس میں جماعت کو توجّہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد اس وقف کی طرف توجّہ کرے اور اپنے آپکو ثواب کا مستحق بنائے۔ یہ مُفت کا ثواب ہے جو تمہیں مل رہا ہے اگر تم اسے نہیں لوگے تو تمہاری بجائے دوسروں کو دے دیا جائے گا؛ (الفضل ۱۱/۱/۵۸)

نیز فرمایا:۔

"یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں۔ کپڑے بیچنے پڑیں میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا۔ اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے خدا تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کر دیگا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اتار دیگا۔ پس میں اتمامِ حُجت کے لئے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں تاکہ مالی امداد کی طرف بھی لوگوں کو توجّہ ہو؛ (الفضل ۷/۱/۵۸)

پھر حضور نے اپنے پیغام مطبوعہ الفضل ۱۵۔جنوری ۱۹۵۸ء میں ارشاد فرمایا:۔

"جو وعدے وقفِ جدید کی امداد کے لئے آرہے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ شاید چھ روپے سالانہ چندہ انتہائی حد ہے مگر یہ بات غلط ہے اتنی بڑی سکیم کو چلانے کے لئے لاکھوں روپے کی ضرورت ہو گی۔۔۔۔ دوستوں کی اطلاع کے لئے میں یہ شائع کرتا ہوں کہ جس کی توفیق بارہ روپے سالانہ کی ہو وہ بارہ روپے سالانہ دے سکتا ہے۔ دوستوں کو ہدایت دینے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ میرا چندہ چھ سو شائع ہو چکا ہے اور چھ سو چھ سے سو گنے زیادہ ہے۔ پس جن کو توفیق تھی وہ بارہ روپے لکھوا سکتے تھے پچیس روپے لکھوا سکتے تھے پچاس روپے لکھوا سکتے تھے۔ میرا

ارادہ ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے توفیق دے تو بجائے چھ سو کے چھ ہزار یا اس سے بھی زیادہ دوں۔"

نیز فرمایا:۔

"مَیں نے جو شکل وقف کی جماعت کے سامنے پیش کی ہے اور جس کے ماتحت میرا ارادہ ہے کہ پشاور سے کراچی تک اصلاح و ارشاد کا جال بچھا دیا جائے اس کے لئے ابھی بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لئے کم از کم چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے۔ اگر چھ لاکھ روپیہ سالانہ آنے لگ جائے تو پھر پچاس ہزار روپیہ ماہوار بنتا ہے اور اگر ہم ایک واقفِ زندگی کا ماہوار خرچ پچاس روپیہ رکھیں تو ایک ہزار مراکز قائم کئے جا سکتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ جب روپیہ زیادہ آنا شروع ہو گیا اور نوجوان بھی زیادہ تعداد میں آ گئے اور انہوں نے ہمت کے ساتھ جماعت کو بڑھانے کی کوشش کی تو جماعت کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ سکیم کیسی مبارک اور پھیلنے والی ہے۔ اس سکیم میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے جہاں اپنے خاندان کی طرف سے چندہ لکھوایا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کراچی کے پاس ٹھٹھہ میں میری زمین ہے اس میں سے مَیں اس سکیم کے ماتحت دس ایکڑ زمین وقف کرتا ہوں۔ دس ایکڑ مَیں خود انشاء اللہ تعالیٰ ضلع تھرپارکر یا حیدر آباد کے ضلع میں وقف کرونگا اور ابھی تو بہت سے احمدی زمیندار ہیں جو اس غرض کے لئے زمین وقف کر سکتے ہیں۔ پھر ایک ایک دو دو ایکڑ دے کر کئی آدمی مل کر بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔" (الفضل ۱۶ 1/58)

وقفِ جدید کی اہمیت کا ایک اَور پہلو

وقفِ جدید کی اہمیت کے ایک اَور پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"جس درخت کا تنا مضبوط ہوتا ہے اس کی شاخیں بھی وسیع ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مثل کلمۃ طیّبۃ کشجرۃ طیّبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السمآء یعنی کلمہ طیبہ کی مثال ایک ایسے درخت کی سی ہے جس کا تنا مضبوط ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں۔ پس آپ لوگ پہلے پاکستان و ہندوستان کو احمدی بنائیں اور جب یہ لوگ احمدی ہو گئے تو خود بخود چندے بھی دیں گے اور غیر ملکوں میں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے آدمی بھجوانا شروع کر دیں گے۔ اور فرعها فی السمآء کے مطابق آپ لوگ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے اور آپ کی دعائیں کثرت سے قبول ہونے لگیں گی۔ ۔ ۔ ۔ اسی غرض کے لئے مَیں نے جماعت میں تحریکِ جدید کے علاوہ وقفِ جدید کی تحریک بھی جاری کی ہوئی ہے تاکہ سارے پاکستان

ہیں ایسے معلّمین کا جال بچھ جائے جو لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں اور انہیں اسلام اور احمدیت کی تعلیم سے روشناس کرائیں مگر یہ کام صحیح طور پر تبھی ہو سکتا ہے جب کم از کم ایک ہزار معلّم ہوں اور ان کے لئے اخراجات کا اندازہ بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ بارہ لاکھ روپیہ کی رقم مہیا کرنا جماعت کے لئے کوئی مشکل امر نہیں"۔

(الفضل ۱۷/۲/۶۰)

ہمارے پیارے امام نے پاکستان میں احمدیت کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے اور اسکی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور پاکستانی جماعت کی مرکزی حیثیت کو صورتِ دوام بخشنے کے لئے نہایت ہی مناسب وقت پر وقفِ جدید کی اہم تحریک جاری فرما کر احبابِ جماعت کے لئے ایک موقع پیدا کر دیا کہ وہ معمولی سی توجہ اور تھوڑی سی محنت کیساتھ ایک بھاری دینی خدمت سے سبکدوش ہو سکیں اور جہالت و بیماری کے خلاف ایک کامیاب مہم چلا کر اپنے ملک اور ہموطنوں کی گرانقدر خدمت کا اجر پاسکیں۔ وقفِ جدید میں شرکت تین طرح ہو سکتی ہے (بعض ایسے بھی خدا کے خوش بخت بندے ہیں جنہیں تینوں طرح شریک ہونیکی سعادت نصیب ہوتی ہے)۔

اوّل:- ایسے احباب جو تبلیغ و تعلیم کا شوق رکھتے ہوں اور خدمت و رفاہِ خلق کا جذبہ انہیں فطرتی ورثہ میں ملا ہو وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دیوانہ وار آگے آئیں اور وقف کے لئے اپنے آپ کو پیش کر کے اپنی استعدادوں کو اُجاگر کریں اور اپنے پاکیزہ شوق کی تسکین کا سامان کریں۔

دوم:- ایسے دوست جو اپنے حالات کی مجبوری کے سبب اپنی زندگی وقف نہیں کر سکتے اور بفضلہ تعالیٰ صاحبِ استطاعت ہیں وہ وقفِ جدید کے مراکز کے لئے زمین وقف کریں جو موجودہ حالات کے مطابق ساڑھے بارہ ایکڑ ہونی چاہیئے۔ اس طرح وہ رزقِ خداوندی میں سے اس کی رضا جوئی کا ایک مستقل نشان قائم کر دیں گے جو قیامت تک آنیوالی نسلوں کو دین کے لئے قربانی اور فدائیت کی ترغیب دلاتا رہے گا۔

سوم:- ایسے بھائی جو کسی وجہ سے ان دو شقوں میں حصّہ نہیں لے سکتے مایوس نہ ہوں ان کے لئے وقفِ جدید کا ایک تیسرا پہلو ہے جو نسبتاً بہت آسان ہے یعنی وہ شجرہ احمدیہ کی آبیاری کی اس نہایت ہی اہم سکیم کو چلانے کیلئے مقدور بھر مالی قربانی کر کے مجاہدین میں شامل ہو جائیں۔ گو چندہ کی کم از کم شرح چھ روپیہ سالانہ ہے لیکن جنہیں استطاعت اور توفیق ہو وہ سینکڑوں اور ہزاروں دیں اور اپنے حلقۂ اثر میں اسے اس قدر رائج کریں کہ بہت جلد ہم حضور کی خواہش کے مطابق بارہ لاکھ چندہ کر سکیں اور ایک ہزار معلّم رکھ سکیں۔ اس بات کی تلقین کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:-

"پس ہمّت سے آگے بڑھو زیادہ سے زیادہ چندے لکھواؤ۔ اور جو لوگ آنریری سیکرٹری کے طور پر کام کر سکتے ہوں وہ اپنے آپ کو آنریری سیکرٹری بنالیں اور شہر میں یا باہر جہاں کہیں جائیں وہاں احمدیوں سے مل کر یا غیر جو اثر قبول کریں ان سے مل کر زیادہ سے زیادہ چندہ

لینے کی کوشش کریں تاکہ ہمارا چندہ جلدی جلدی بارہ لاکھ تک پہنچ جائے"۔ (الفضل ۱/۱۶/۵۸)

چہارم :- حضور نے اپنے ایک زبانی ارشاد کے ذریعہ یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وقفِ جدید سے تعلق رکھنے والے کم از کم پانچ ہزار ایسے آنریری معلّمین کا سلسلہ بھی قائم کیا جائے جو اپنی اصلاح و ارشاد کی مساعی کی باقاعدہ رپورٹ وقفِ جدید کو بھجوائیں اور ضروری امور میں ہدایات حاصل کریں نیز اپنی زندگی میں ایک نمایاں روحانی انقلاب برپا کرنے اور سال بھر میں کم از کم ایک احمدی بنانے کا پختہ عہد کریں اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے نیک عزم اور استقلال کی برکت سے انکی کوششوں کو نوازے گا اور ہر سال ہزاروں اور لاکھوں سعید روحیں انکے ذریعہ ہدایت پائینگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اب اُترنے والی ہے

وقفِ جدید کی جلد کامیابی اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے متعلق حضور احبابِ جماعت کو ایک بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"چند دنوں کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترنے والی ہے۔ اب یہ ناممکن بات ہے کہ زیادہ عرصہ تک آسمان اپنی مدد کو روکے رکھے۔ کوئی ۲۵-۲۶ سال تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں کی گالیاں سُنیں ان سے پتھر کھائے اینٹیں کھائیں لیکن تبلیغ جاری رکھی اس کے بعد قریباً پچاس سال تک یہ کام ہم نے کیا یہ سارا زمانہ مل کر ۷۵ سال کا ہو جاتا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ ایسا تو نہیں کہ پچھتّر سال تک ایک قوم کو گالیاں دلوائے ماریں کھلائے پتھر مروائے اور پھر چُپ کر کے بیٹھا رہے اب مَیں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آسمان سے اُترے گی۔ ... ابھی ہمیں صرف اپنے ملک میں پھیلنے کی ضرورت ہے اور اتنی ترقی میں سمجھتا ہوں کہ اسی سال کے اندر اندر ہو جانی چاہیئے اور اس میں اب صرف چند سال باقی ہیں"۔ (الفضل ۱/۱۶/۵۸)

وقفِ جدید کے عملی کام کا آغاز

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے وقفِ جدید کا باقاعدہ اعلان کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے وقفِ جدید کے عملی کام کا آغاز فرما دیا اور ۹۔جنوری ۱۹۵۸ء کو حضور نے خاکسار کو انچارج وقفِ جدید مقرر فرماتے ہوئے باقاعدہ دفتر قائم کرنے کی ہدایت فرمائی اور مکرم فضل الرحمٰن صاحب نعیم کو میرے ساتھ بطور کلرک مقرر فرمایا۔ اس طرح ہم نے اسی روز سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست نگرانی میں کام شروع کر دیا۔ کام کو منظم کرنے کے لئے حضور نے مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی :-

(۱) مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر (صدر) (۲) مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
(۳) مکرم مولانا ابو العطاء صاحب (۴) مکرم مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب
(۵) مکرم مولانا عبد الرحمٰن صاحب انور (۶) مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب
(۷) سیّد عبد الحسیب احمد باہری (سیکرٹری)

۲۱۔جنوری کو یہ انجمن باقاعدہ رجسٹرڈ ہو چکی تھی اور بعد کے حالات نے بتا دیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت اپنے بندے کے شاملِ حال رہی اور کس طرح مخلصینِ جماعت نے اپنی جانیں اور اموال اپنے آقا کے حضور لا پیش کئے!

معلّمین کا پہلا قافلہ

حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت وقفِ جدید کے مالی حصّہ کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ ہی واقفین کے انٹرویو اور انتخاب کا کام شروع کر دیا گیا تھا۔ منتخب شدہ واقفین کی منظوری دیتے ہوئے حضور نے ابتداء میں دس معلّمین کے ذریعہ اصلاح و تعلیم کا کام شروع کرنے کی ہدایت فرمائی جس کی تعمیل میں معلّمین کے لئے ایک تربیتی کلاس کا انعقاد کیا گیا اور بہت جلد ان درویشوں کا ایک گروہ عملی جدّ و جہد کے آغاز کے واسطے تیار ہو گیا اور یکم فروری ۱۹۵۸ء کو دُعاؤں کے ساتھ مندرجہ ذیل معلّمین کا پہلا قافلہ سوئے منزل روانہ ہوا:۔

(۱) احسان الٰہی صاحب (۲) محمد یوسف صاحب (۳) رشید احمد صاحب طارق
(۴) رشید احمد صاحب طیّب (۵) منیر احمد صاحب محمود (۶) مبارک احمد صاحب

وقفِ جدید کے خوشکن نتائج

وقفِ جدید کے اجراء کے ٹھیک ایک مہینہ بعد اس قافلہ کی روانگی یقیناً کامیابی کی علامت اور روشن مستقبل کی دلیل تھی۔ چنانچہ ایک سال ابھی تمام نہ ہوا تھا کہ وقفِ جدید کے نوّے مراکز قائم ہو چکے تھے۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۸ء کے موقع پر حضور نے وقفِ جدید کی کامیابی اور اس کے خوشکن نتائج کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:۔

"اِس سال نوّے معلّم وقفِ جدید میں کام کر رہے ہیں اور ستّر ہزار روپیہ کے وعدے جماعت کی طرف سے آئے تھے جو قریباً پورے ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ صیغہ بڑی عمدگی سے اپنا کام کر رہا ہے۔ وقفِ جدید کی معرفت چار سو بیعت آئی ہے جبکہ ارشاد و اصلاح کی معرفت صرف چوّن افراد سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر جماعت اپنی آمد بڑھائے تو اس کے نتیجہ میں چندہ کی مقدار بھی بڑھ جائے جس سے ہم اپنے کام سہولت سے وسیع کر سکیں گے بلکہ بیماریوں کو دُور کرنے

ہیں بھی ہم ملک کی مدد کر سکیں گے۔ کیونکہ وقفِ جدید کے معلّم تعلیم کے ساتھ ساتھ علاج معالجہ بھی کرتے ہیں اور اس سے ملک سے بیماریوں کو دُور کرنے میں مدد مل رہی ہے۔"

(الفضل $\frac{1}{59}$ ۲۵)

وقفِ جدید کے سرمایہ میں ایک گرانقدر اضافہ

وقفِ جدید اپنی عمر کے دوسرے سال میں سے گزر رہا تھا کہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت سے محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کو وقفِ جدید میں مقرر فرما دیا اور تعلیم کے شعبہ کی نگرانی ان کے سپرد فرمائی۔ اس دن سے اصلاح و تعلیم کے کام کی علیحدہ نظامت قائم ہو گئی اور محترم صاحبزادہ صاحب نے ناظم تعلیم کی حیثیت سے دل و جان کے ساتھ وقفِ جدید کی کامیابی اور اس کے مقاصد کے حصول کے لئے کوشش فرمائی جس کے نتیجہ میں وقفِ جدید کے استحکام اور ترقی میں مزید اضافہ ہوا۔

چنانچہ دوسرے سال کے اختتام پر حضور نے وقفِ جدید کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

"پچھلے سال جماعت کی طرف سے صرف ستّر ہزار روپے کے وعدے ہوئے تھے اور اس سال بھی اتنے ہی وعدے ہوئے ہیں جن سے صرف نوّے معلّم رکھے جا سکے۔ اس سال پچھلے سال سے زیادہ اچھا کام ہوا ہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں بھی کام شروع ہو گیا ہے اور وہاں بھی ایک انسپکٹر اور چار معلم مقرر کئے جا چکے ہیں۔ پچھلے سال ان معلّمین کی تعلیم و تربیت اور خدمتِ خلق کا جذبہ دیکھ کر پانچ سو نوّے افراد نے بیعت کی تھی۔ اس سال چھ سو اٹھائیس افراد نے بیعت کی ہے پس میں احبابِ جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اِس تحریک کی اہمیّت کو سمجھیں اور اس کی طرف پوری توجّہ کریں اور اس کو کامیاب بنانے میں پورا زور لگائیں اور کوشش کریں کہ کوئی فردِ جماعت ایسا نہ رہے جو صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے اس چندہ میں حصّہ نہ لے۔"

(الفضل $\frac{2}{60}$ ۱۷)

وقفِ جدید کا تیسرا سال

یکم جنوری ۱۹۶۰ء سے وقفِ جدید کا تیسرا سال شروع ہوا احباب نے اُس سال بھی ستّر ہزار کے وعدے کئے۔ افسوس ہے کہ آمد میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہو سکنے کے باعث معلّمین کی تعداد زیادہ نہ بڑھائی جا سکی تاہم اس وقت ستاون باتنخواہ اور متعدد آنریری معلم کام کر رہے تھے ہیں۔ معلمین کی کارکردگی کو زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے

کے لئے لٹریچر اور ادویہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں اصل آمد میں ان کے لئے زیادہ گنجائش نہ ہونے کے پیشِ نظر ان دو مدات کے لئے علیحدہ طور پر جماعت کے مخیّر و مخلص احباب سے اپیل کی گئی چنانچہ ان دو مدات میں اس سال خاصی آمد ہوئی اور کچھ رقم اصل بجٹ میں سے اس کام کے لئے مخصوص کی گئی۔ اسی طرح سال بھر میں ہزاروں مریضوں کو مفت ادویہ مہیا کی گئیں اور مستحق لوگوں کی نقد امداد بھی کی گئی۔ اس کے علاوہ ایسے علاقوں میں جہاں وبائی امراض میں لوگ مبتلا تھے اطبّا کی جماعتیں منظم کر کے اپنی بساط کے مطابق مخلوقِ خدا کی خدمت کی کوشش کی گئی۔ اس بے لوث اور انتھک خدمت کا دیکھنے والوں کے دلوں پر خاص اثر ہے۔ اسی طرح اس ساری سرگزشت سے ظاہر ہے کہ جماعت کو وقفِ جدید کے لئے جس قدر قربانی کرنی چاہیئے تھی وہ ابھی نہیں کی گئی اور ہم ابھی اپنے امام کے مطالبہ کا دسواں حصّہ پورا کر سکے ہیں اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ضرورت ہے کہ فوری اور خصوصی توجہ کی جاوے۔ اس بارہ میں حضور کے ارشاد پر میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں:۔

"پہلے بھی میں آپ لوگوں کو برابر تحریک کرتا رہا ہوں کہ وقفِ جدید کو مضبوط بنانا ضروری ہے لیکن اب تو کام کی وسعت کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالوں میں ترقی دی ہے وہاں آپ کو سلسلہ کی ترقی کے لئے بھی دل کھول کر چندہ دینا چاہیئے تا اللہ تعالیٰ سارے پاکستان اور سارے ہندوستان میں اسلام اور احمدیت کو پھیلا دے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے کہ آپ وقت کی آواز کو سنیں اور کانوں میں روئی نہ ڈالے رکھیں ۔۔۔۔۔۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سچا ایمان بخشے اور آپ کو بڑھ چڑھ کر قربانیوں کی توفیق عطا کرے تا ہم میں سے بوڑھے سے بوڑھا شخص بھی اسلام اور احمدیت کی ترقی کو دیکھ سکے۔ اللّٰھمّ آمین۔ اللّٰھمّ آمین۔ اللّٰھمّ آمین۔" (الفضل ۱۲/۵۹ ۱۳۱)

خدا کو پانے کا گُر

"یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گُر ہے جو قبل از وقت چوکنا اور بیدار ہوتا ہے ایسا بیدار کہ گویا اس پر بجلی گرنے والی ہے اس پر بجلی ہرگز نہیں گرتی لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلّاتا ہے اُس پر گرے گی اور ہلاک کرے گی وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے۔"

(حضرت مسیح موعودؑ)

افریقہ اور یورپ و امریکہ میں ایک نئے انقلاب کے آثار

دُنیا میں غلبۂ اسلام کے دن اب قریب آرہے ہیں

بیسویں صدی اس لحاظ سے ہی ایک انقلاب انگیز صدی نہیں ہے کہ اس میں مغربی استعماریت کی صف لپیٹ رہی ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی یہ ایک انقلاب انگیز صدی ہے کہ اس میں مغربی استعماریت کے ساتھ ساتھ دنیا سے عیسائیت کی صف بھی لپٹنی شروع ہوگئی ہے۔ پھر دنیا سے عیسائیت کی صف ہی نہیں لپٹ رہی بلکہ آسمانی پیشگوئیوں کے عین مطابق اب اس کی بجائے اسلام کے غالب آنے اور پوری دنیا پہ محیط ہونے کے آثار دن بدن نمایاں سے نمایاں تر ہوتے جا رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے اواخر تک مغربی استعماریت اپنے پورے عروج پر تھی ایشیا اور افریقہ کے وسیع علاقوں پر مغرب کی عیسائی اقوام ٹڈی دل کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ اُن کے ہر آن ترقی پذیر غلبہ و استیلاء میں کسی قسم کے ضعف یا اضمحلال کے خفیف سے خفیف آثار بھی نظر نہ آتے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کا یہ غلبہ ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے مٹا نہیں سکتی۔ ان کے اس سیاسی غلبہ کی آڑ میں ان علاقوں میں عیسائیت بھی جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی اور آگے ہی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ بظاہر یہی نظر آرہا تھا کہ یہ آگ پورے مشرق کو روحانی لحاظ سے خاکستر کئے بغیر نہ رہے گی۔ چنانچہ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبہ و استیلاء میں روز افزوں ترقی کی رفتار کو دیکھ کر عیسائی پادری اور منّاد یہ پیشگوئیاں کر رہے تھے کہ بیسویں صدی شروع ہونے کی دیر ہے کہ عیسائیت ساری دنیا میں غالب آکر جملہ اقوام کو خداوند یسوع مسیح کے آگے جھکنے اور اسے اپنا نجات دہندہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دے گی۔

انیسویں صدی کے اِس ہولناک پس منظر میں جب ہم بیسویں صدی کے نصف آخر پر (جس میں سے ہم گزر رہے ہیں) نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ دنیا کا سرے سے نقشہ ہی بدلا ہوا ہے نہ مغربی استعماریت کا وہ عروج نظر آتا ہے اور نہ عیسائیت کا وہ پہلا سا طمطراق۔ مشرق کے محکوم علاقے مغربی

طاقتوں کے غلبہ و استیلاء سے ایک ایک کر کے آزاد ہوتے جا رہے ہیں اور ہو بھی رہے ہیں۔ بغیر کسی جنگ یا توپ و تفنگ کے۔ جس تیزی سے یہ غلبہ مٹ رہا ہے اسی تیزی کے ساتھ ان نو آزاد علاقوں میں سے عیسائیت کی صف بھی لپیٹ رہی ہے ساری دنیا کو خداوند یسوع مسیح کے نام پر فتح کر ڈالنے کے خواب دیکھنے والے پادری اب نہایت حسرت و یاس کے عالم میں یہ کہہ رہے ہیں کہ آج عیسائیت کو ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے یہ چیلنج اتنا خطرناک ہے کہ اس کی وجہ سے عیسائیت کو خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ چیلنج کیا ہے اور کس کی طرف سے ہے؟ اس کا حال یوں تو یورپ کے عیسائی اخبارات میں آئے دن چھپتا رہتا ہے لیکن انگلستان سے شائع ہونے والے عیسائی ہفت روزہ "انکوائرر" (THE INQUIRER) نے اپنی ایک حالیہ اشاعت میں ایک نئے انداز سے اس کا پھر اعادہ کیا ہے اس میں "عیسائیت کو چیلنج" "THE CHALLENGE TO CHRISTIANITY" کے زیر عنوان مسٹر آرتھر پیکاک کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس میں وہ رقمطراز ہیں:۔

"سنہ ۱۹۶۰ء اور اس کے بعد کی سمٹتی ہوئی دنیا میں عیسائیت کو غیر عیسائی مذاہب کی طرف سے ایک زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ مذاہب ان ممالک میں جو حال ہی میں سیاسی آزادی سے ہمکنار ہوئے ہیں بہت زور آزمائی کا اظہار کر رہے ہیں۔ خود مغربی اقوام ان مذاہب میں جس طرح دلچسپی لے رہی ہیں اور ان کے مطالعہ کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں اس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ افریقہ میں اسلام آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے یورپ اور امریکہ میں مشرق کی مذہبی تحریکات مثلاً راما کرشنا تحریک، ویدانت مجالس، بدھسٹ حلقے اور اسلام کی طرف منسوب ہونے والی جماعتیں دن بدن پنپ رہی ہیں۔" (دی انکوائرر بابت ۵ ستمبر ۱۹۶۴ء)

"انکوائرر" کا یہ اقتباس اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ عیسائیت کا وہ طمطراق جو انیسویں صدی کے اواخر تک اس کا طرہ امتیاز تھا نہ صرف مشرق میں بلکہ خود مغرب میں بھی اب ختم ہو چکا ہے دنیا کو فتح کرنے کے خواب تو رہے ایک طرف اب اسے خود اپنے گھر کی فکر پڑی ہوئی ہے کیونکہ "انکوائرر" کے اپنے قول کے مطابق غیر عیسائی مذاہب میں خود عیسائی کہلانے والے مغربی عوام کی دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے اور وہ ان کے مطالعہ کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوتے جا رہے ہیں۔۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آج جماعت احمدیہ کی عظیم الشان منظم تبلیغی جد وجہد کے نتیجہ میں افریقہ ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ میں اسلام جس شان سے پھیل رہا ہے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے مسٹر پیکاک نے اسلام کے ذکر کیساتھ دوسرے مشرقی مذاہب کو خواہ مخواہ گھسیٹ مارا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ افریقہ اور یورپ و امریکہ میں صرف اور صرف اسلام ہی ہے جو جماعت احمدیہ کی منظم تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں پھیل رہا ہے۔ اس میں

شک نہیں فی زمانہ مغربی اقوام بدھ مت اور ویدک دھرم میں بھی دلچسپی لے رہی ہیں لیکن یہ دلچسپی صرف علمی نوعیت کی ہے ان مذاہب کی طرف سے نہ وہاں کوئی منظم تبلیغ کی داغ بیل پڑی ہے اور نہ ہی وہاں لوگ دینی مسلک کے طور پر ان مذاہب کو اختیار کر رہے ہیں اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مسٹر بیلاک نے "انکوائرر" میں جس چیلنج کا ذکر کیا ہے اس سے یہ ظاہر و باہر ہے کہ عیسائیت کا انیسویں صدی والا وہ پہلا سا طمطراق ختم ہو چکا ہے اور اب اسے الٹے لینے کے دینے پڑے ہوئے ہیں۔

یہ صورتِ حال حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو روز روشن کی طرح دنیا پر آشکار کر رہی ہے اس لئے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ مغربی اقوام پورے مشرق پر چھائی ہوئی تھیں اور ان کے اس غلبہ کی وجہ سے سارے مشرق میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک عیسائیت کا طوطی بول رہا تھا آپ نے عیسائیت کے زوال پذیر ہونے اور بالآخر اسلام کے غالب آنے کی پہلے ہی پیشگوئی فرما دی تھی آپ نے اس آنے والے انقلاب کو اپنی صداقت کے حق میں ایک نشان کے طور پر پیش فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔" (اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

آج اس انقلاب کو ہم اپنی آنکھوں سے رونما ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ انقلاب رونما ہو رہا ہے اور اس شان سے ہو رہا ہے کہ خود یورپ کے عیسائی پادری اس کے ظاہر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں یہ ابھی اس انقلاب کی ابتداء ہے۔ خدائی وعدوں کے بموجب یہ انقلاب اپنے کمال کو پہنچے گا کیونکہ یہ خدائی تقدیر ہے دنیا کی کوئی طاقت اس تقدیر کے بروئے کار آنے کو روک نہیں سکتی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پہلے ہی خبردار فرما گئے ہیں آپ کا یہ انتباہ لکھ رکھنے اور ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے آپ نے متنبہ فرمایا تھا:۔

"چاہو تو میری بات کو لکھ رکھو کہ اب کے بعد مُردہ پرستی (یعنی عیسائیت) روز بروز کم ہوگی یہاں تک کہ نابود ہو جائے گی کیا انسان خدا کا مقابلہ کرے گا؟ کیا ناچیز قطرہ خدا کے ارادوں کو رد کر دے گا؟ کیا فانی آدم زاد کے منصوبے الٰہی حکموں کو ذلیل کر دیں گے؟ اے سننے والو سنو اور اے سوچنے والو سوچو کہ حق ظاہر

ہوگا اور وہ جو سچا نور ہے وہ چمکے گا۔" (انجام آتھم)

آج دنیا کے حالات اور خود اغیار کی گواہی زبان حال سے پکار رہی ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب ایک عیسائیت ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کے مغلوب ہونے اور کل ادیان پر اسلام کے غالب آنے کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی یہ بشارت بھی بہ تمام و کمال پوری ہو گی کہ:۔

"اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب (اسلام) اور اس سلسلہ (احمدیہ) میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرۃ الشہادتین)

موجودہ حالات میں جبکہ غلبۂ اسلام سے متعلق ہم آسمانی پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کے ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والے کامل غلبہ کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دیں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم **تحریک جدید** میں جس کا مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام کی عالمگیر مہم کے ذریعہ اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرنا ہے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئیے کہ اس وقت ہماری ذراسی بھی غفلت نہایت خطرناک نتائج پر منتج ہو سکتی ہے وہ مغربی اقوام جو عیسائیت سے مایوس اور بیزار ہو کر تلاش حق میں دوسرے مذاہب کے مطالعہ کی طرف مائل ہو رہی ہیں اگر ہماری فرض ناشناسی کی وجہ سے اسلام کی طرف آنے کی بجائے خدانخواستہ دوسرے مذاہب کی طرف بہہ گئیں تو ان کے ایک دلدل سے نکل کر دوسری دلدل میں پھنسنے کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔ خدا ہماری اس غفلت پر ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا ——— اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ط

خدا تعالےٰ ہمیں وقت کی نزاکت کو سمجھنے اور اس کے مطابق تحریک جدید کے مالی جہاد میں پہلے سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم خدائی وعید کے نہیں بلکہ اس کے بے انداز افضال و انعامات کی بشارتوں کے مورد بنیں۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

بچوں کا صفحہ

ہمارا پیارا مرکز ——— قادیان

اے قادیاں دارالاماں ٭ اونچا رہے تیرا نشاں

قادیان ہمارا مقدس مقام اور احمدیت کا دائمی مرکز ہے۔ یہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہیں آپؑ نے اپنی ساری زندگی گزاری۔ یہیں سے آپؑ نے اشاعتِ اسلام کی زبردست مہم چلائی۔ یہیں بہشتی مقبرہ میں آپؑ مدفون ہوئے۔ وہ مکان جس میں آپؑ رہا کرتے تھے دارالمسیح کہلاتا ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں بیت الدعا، مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ اور منارۃ المسیح اور دوسرے شعائر اللہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کے وقت مجبوراً ہمیں قادیان سے ہجرت کرنا پڑی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی "داغِ ہجرت" پوری ہوئی اُس وقت ۳۱۳ مجاہدوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ قادیان کے مقدس مقامات کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ وہ لوگ آج تک مشکلات اور خطرات کے باوجود وہاں دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ وہاں وہ مقدس مقامات کی حفاظت بھی کر رہے ہیں اور وہیں سے وہ سارے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ یہ نڈر اور خوش نصیب مجاہد درویش کہلاتے ہیں۔ ان کے امیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل ہیں۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے فرزند محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب بھی ان درویشوں میں شامل ہیں۔ آپ وہاں بیٹھ کر اسلام کی بڑی خدمات بجا لا رہے ہیں۔

اگرچہ قادیان ہمیں مجبوراً چھوڑنا پڑا لیکن یہ ہمارا ایمان ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمارا مقدس اور پیارا مرکز ہمیں واپس مل جائے گا۔ وہ خدا جس نے قادیان سے ہجرت کی پہلے سے ہی خبر دے رکھی تھی اُسی کا وعدہ ہے کہ قادیان ہمیں پھر واپس ملے گا۔ اُس نے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تھا کہ :-

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ
الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ

یعنی وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو لوگوں کے بار بار لوٹنے کی جگہ لوٹا کر لائے گا۔

اِس الہام کا صاف مطلب یہ ہے کہ احمدیوں کو قادیان واپس ملے گا۔ سو ہم اِس خدائی وعدہ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام کی صورت میں نازل ہوا پورا یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خدائی وعدہ پورا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقدس اور پیارے مرکز میں ضرور واپس لے جائے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ یہ وعدہ جلد سے جلد پورا ہو اور ہم اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں خوشی اور حمد کے ترانے گاتے ہوئے قادیان جائیں۔ اے اللہ تُو ایسا ہی کر۔ آمین +

ہمارا چاند

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے + قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا + بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں + نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اِس سا کوئی بُستاں ہے
کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز + اگر لُولوئے عمّاں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

(دُرِّثمین)

ضمیمہ نتیجہ امتحان سہ ماہی سوم منعقدہ ۱۱/۱۳ ستمبر ۱۹۶۴ء

اکتوبر ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں امتحان سہ ماہی سوم منعقدہ ۱۱/۱۳ ستمبر ۱۹۶۴ء کا تفصیلی نتیجہ شائع ہوا تھا اُس میں اُن احباب کا نتیجہ شامل نہیں تھا جن کے پرچے تاخیر سے موصول ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسے احباب کا نتیجہ ضمیمہ کے طور پر ذیل میں درج ہے:۔

نمبر شمار	نام مجلس	نام امتحان دہندگان	درجہ
۱	راولپنڈی	مکرم بشیر احمد صاحب کمرشل کالج	دوم
۲	"	" حکیم محمد جمیل صاحب	"
۳	"	" چوہدری فضل احمد صاحب	"
۴	چک لالہ ضلع راولپنڈی	" چوہدری محمد عبد اللہ خاں صاحب	اوّل
۵	کنری	" غلام مرتضٰے صاحب	دوم
۶	کراچی	" ولی الدین صاحب صدیقی	"
۷	دوالمیال ضلع جہلم	" ملک علی حیدر صاحب	"
۸	"	" منشی مولا بخش صاحب	اوّل
۹	فیکٹری ایریا ربوہ	" سید محمد شریف صاحب	دوم
۱۰	"	" ماسٹر ملک سعد اللہ خاں صاحب	اوّل
۱۱	"	" سیّد عبد المنان صاحب	"
۱۲	"	" مرزا محمد یعقوب صاحب	"
۱۳	واہ کینٹ	" مرزا محمد اشرف صاحب	دوم
۱۴	"	" کرامت حسین شاہ صاحب	اوّل
۱۵	"	" شیخ فضل حق صاحب	"
۱۶	"	" قریشی بشیر احمد صاحب دہلوی	"
۱۷	"	" صوبیدار ملک حبیب اللہ خاں صاحب	"

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

جس گھڑی کا وارد ہو جانا یقینی ہے اس کو فراموش مت کرو
ہر وقت ایسے رہو کہ گویا تیار ہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

”جس دن کا آنا نہایت ضروری اور جس گھڑی کا وارد ہوجانا نہایت یقینی ہے اس کو فراموش مت کرو اور ہر وقت ایسے رہو کہ گویا تیار ہو کیونکہ نہیں معلوم کہ وہ دن اور گھڑی کس وقت آجائے گی۔ سو اپنے وقتوں کی محافظت کرو اور اس سے ڈرتے رہو جس کے تصرف میں سب کچھ ہے۔ جو شخص قبل از بلا ڈرتا ہے اس کو امن دیا جائے گا۔ جو شخص بلا سے پہلے دنیا کی خوشیوں میں مست ہورہا ہے وہ ہمیشہ کے لئے دکھوں میں ڈالا جائے گا۔ جو شخص اس قادر سے ڈرتا ہے وہ اس کے حکموں کی عزت کرتا ہے پس اس کو عزت دی جائے گی۔ جو شخص نہیں ڈرتا اس کو ذلیل کیا جائے گا۔

دنیا بہت ہی تھوڑا وقت ہے۔ بے وقوف وہ شخص ہے جو اس سے دل لگاوے اور نادان ہے وہ آدمی جو اس کے لئے اپنے رب کریم کو ناراض کرے۔ ہوشیار ہوجاؤ تا غیب سے قوت پاؤ۔ دعا بہت کرتے رہو اور عاجزی کو اپنی خصلت بناؤ۔ جو دعا صرف رسم وعادت کے طور پر زبان سے کی جاتی ہے وہ کچھ بھی چیز نہیں۔ جب دعا کرو تو بجز صلوۃ فرض کے یہ دستور رکھو کہ اپنی خلوت میں جاؤ اور اپنی زبان میں نہایت عاجزی کے ساتھ جیسے ایک ادنی سے ادنی بندہ ہوتا ہے خدا تعالی کے حضور میں دعا کرو :-

اے رب العالمین! میں تیرے احسانوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم وکریم ہے اور تیرے بےغایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہوجاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو۔ میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما رحم فرما رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کیونکہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین ثم آمین۔“

(الحکم ۲۱ فروری ۱۸۹۸ء)

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا۔

جلد ۵ دسمبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۱۲

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

دسمبر ۱۹۶۴ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ: چھ روپے فی پرچہ ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

دعوئ ایمان و اطاعت کے امتحان کا وقت	ایڈیٹر	۳
جلسہ سالانہ کے عظیم الشان اغراض و مقاصد	حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۱۲
صادقوں کی صحبت اور اس کی اہمیت	"	۱۳
فَیَاطَالِبِیْ رُشْدٍ عَلٰی بَابِہٖ احْضُرُوْا (عربی نظم)	"	۱۶
وصلِ آں یار اصلِ ہر کامیست (فارسی نظم)	"	۱۷
جلسۂ سالانہ کی روحانی برکات کے حصول کا طریق	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ	۱۸
انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کے نام پیغام	"	۲۲
انصار اللہ کے فرائض منصبی	محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس	۲۳
"خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا"	مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد	۳۳
حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ	۳۷
قبولیتِ دعا کی دو ذاتی مثالیں	مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر	۴۱
اجتماع انصار اللہ کی روحانیت سے معمور فضا	ایڈیٹر	۴۴
بچوں کے صفحات:-		
بچپن کی ہنسی	"	۴۷
"اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا" (اردو نظم)	درثمین	۴۸

ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم - مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۱۲

۱۵ دسمبر ۱۹۶۴ء

دعویٰ ایمان و اطاعت کے امتحان کا وقت

آؤ اور والہانہ لبیک کہہ کر اپنے مومن ہونے کا ثبوت دو

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مامور من اللہ پر ایمان لانے والوں کے دو علیحدہ علیحدہ گروہوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو وہ کثیر التعداد سچے اور حقیقی مومن جو خدا اور رسول کی آواز پر کمال درجہ بے نفسی سے محض لوجہ اللہ لبیک کہتے اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ اُن کے ہر حکم کی اطاعت بجا لاتے ہیں۔ ایسے مومنین حقہ کا امتیازی نشان یہ ہوتا ہے کہ جونہی ان کے کان میں خدا اور رسول کی آواز پڑتی ہے تو وہ بے اختیار سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا پکار اٹھتے ہیں اور پھر اس کا عملی ثبوت بہم پہنچانے میں ایک لمحہ بھی توقف نہیں کرتے۔ دوسرے وہ قلیل التعداد مومن جو زبان سے ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک نہیں کہتے اور اگر لبیک کہتے بھی ہیں تو ان کا لبیک کہنا اور اطاعت بجا لانا فی الاصل خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے۔

اول الذکر لوگ جنہیں حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے ہمیشہ گوش برآواز رہتے ہیں۔ آواز آنے کی دیر ہوتی ہے کہ وہ لبیک! لبیک! کہہ کر فوراً آ حاضر ہوتے ہیں اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اُسے وہ ذاتی منفعت اور مضرت سے بے نیاز ہو کر محض رضائے الٰہی کی خاطر پورے انشراح کے ساتھ بجا لاتے ہیں۔ وہ بصیرت اور ایقان و اذعان کی رو سے جانتے ہیں کہ بہر حال کامیابی

فرستادہ حق کی آواز پر لبیک کہنے میں ہی مضمر ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم اس کی آواز پر لبیک کہیں اور پھر ناکام و نامراد رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی اصلی اور حقیقی مومن ہیں اور ہمارے انعامات کے وارث ہیں۔ برخلاف اس کے موخر الذکر لوگ زبان سے تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اطاعت گزار ہیں لیکن وہ ہر حکم پر پہلے یہ سوچتے ہیں کہ آیا اس کے نتیجہ میں انہیں کوئی ذاتی فائدہ حاصل ہوگا یا نہیں۔ اگر انہیں ذاتی منفعت کی توقع ہوتی ہے تو وہ لبیک کہہ گزرتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں بظاہر کسی فائدہ کی توقع نہ ہو تو وہ اس حکم کو اپنے نفس پر بوجھ خیال کر کے پہلو بچا جاتے اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ ایمان کے ایسے نام نہاد دعویداروں کو اللہ تعالیٰ سرے سے مومن ہی نہیں گردانتا۔ انہیں وہ ایمان اور اطاعت گزاری کے دعوے کے باوجود ایک لحاظ سے مرتدین (یعنی عہد سے پھر جانے والوں) میں ہی شمار کرتا ہے ؛

ان دونوں گروہوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں بڑی تفصیل سے کیا ہے چنانچہ پہلے اطاعت کو مشروط کرنے والے نام کے مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(النور آیات ۴۸ تا ۵۲)

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کا وعدہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اپنے اقرار سے) پھر جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں۔ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لئے بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں ایک گروہ اعراض کرنے لگ جاتا ہے لیکن اگر کوئی بات ان کے حق میں ہو تو وہ فوراً اظہار اطاعت کرتے ہوئے آجاتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ خود ظالم ہیں۔

ظاہر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے وعدہ سے پھر جانے والوں کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ایمان کے باوجود مومن نہیں ہیں اور اس لئے نہیں ہیں کہ جب اللہ کا رسول

انہیں اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ اس کا کہا مانیں تو وہ جان بچانے لگ جاتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ سرے سے اس کی آواز پر لبیک ہی نہ کہیں۔ البتہ ایسی صورت میں جبکہ خدا کا رسول انہیں ایک ایسے امر کے متعلق بلائے جو ان کے حق میں جاتا ہو یعنی یہ کہ انہیں ذاتی نفع پہنچنے کی امید ہو تو وہ اطاعت کے دعوے کرتے ہوئے فوراً آموجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی صورت نہ ہو تو وہ خدا کے رسول کی آواز پر کان نہیں دھرتے اور صاف پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا گمان یہ ہوتا ہے کہ رسول انہیں بعض احکام دے کر ان کی جانوں پر ظلم کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ روگردانی کرکے اپنی جانوں پر خود ظلم کر رہے ہوتے ہیں ؛

ایسے نام کے مومنوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے حقیقی مومنوں کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ذاتی نفع و نقصان سے بالا ہو کر فوراً لبیک کہتے اور آموجود ہوتے ہیں اور پھر انہیں جو حکم بھی ملتا ہے بلا چون و چرا وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے :۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

(النور آیات ۵۲، ۵۳)

جب مومنوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کا جواب یہ ہوا کرتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا۔ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیاب ہوا کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کا تقویٰ اختیار کریں وہی اپنی مراد کو پہونچتے اور فائز المرام ہوتے ہیں۔

خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک نہ کہہ کر اطاعت سے گریز کرنے والے اور ان کی آواز پر بلا توقف لبیک کہہ کر اطاعت کا اعلےٰ نمونہ پیش کرنے والے دونوں گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اسی سورۃ کے آخر میں مسلمانوں کو زبردست انتباہ فرمایا ہے کہ وہ خدا اور اس کی آواز پر لبیک نہ کہنے کو معمولی بات خیال نہ کریں بلکہ یہ وہ امر ہے کہ جو انہیں کسی فتنہ میں مبتلا کرکے مستحقِ عذاب بنا سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

(اے مومنو!) یہ نہ سمجھو کہ رسول کا تم میں سے کسی کو بلانا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم میں سے بعض کا بعض کو

اَلَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (النور آیت ۶۴)

بلانا۔ اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے پہلو بچا کر بھاگ جاتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ جو رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس سے ڈریں کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی آفت نہ پہنچ جائے۔ یا ان کو دردناک عذاب نہ پہنچے

سو ظاہر ہے کہ ایمان کی ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا مامور اپنے متبعین کو بلائے تو وہ سب کام کاج چھوڑ کر فوراً لبیک کہتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس کی آواز پر لبیک نہ کہنا اور عمداً اعراض کے بہانے تلاش کرنا ایسی خطرناک لغزش ہے کہ جو ایمان لے آنے کے باوجود ایسے نام کے مومنوں کو مستحق عذاب بنا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے مامور من اللہ کی پکار مومنوں کے لئے ایک آزمائش کا درجہ رکھتی ہے۔ انہیں اس وقت اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھانا ہوتا ہے کہ وہ نام کے مومن نہیں بلکہ حقیقی مومن ہیں اور یہ کہ وہ والہانہ طور پر لبیک کہے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ؎

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے اذن پاکر ہمارے لئے ایسی ہی ایک آزمائش رکھی ہے اور ہمیں مرکز میں آ جمع ہونے کے لئے پکار رہے آپ کی یہ پکار کوئی وقتی پکار نہیں بلکہ دائمی پکار ہے۔ اس پر لبیک کہنا اور تامرگ کہتے چلے جانا ہمارا اولین فرض ہے۔ اگر ہم آپ کی اس آواز پر لبیک کہتے ہیں تو گویا ہم اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اور اگر خدانخواستہ ہم دنیوی مصروفیتوں اور کاروبار کو بہانہ بنا کر لبیک کہنے سے گریز کی راہیں تلاش کرتے ہیں تو پھر ہم زبان سے لاکھ مومن ہونے کا دعوے کریں ہم عند اللہ مومن شمار نہیں ہو سکتے اور ان کامیابیوں اور انعامات کے وارث نہیں بن سکتے جن کا حقیقی مومنوں سے خدا نے وعدہ فرمایا ہے — آپ کی وہ دائمی پکار کیا ہے؟ وہ ہے جلسۂ سالانہ میں سال بہ سال شمولیت اختیار کرنے کی (پُرزور ترغیب و تحریض اور تاکیدی تلقین پر مشتمل) وہ ندا جو آپ نے خدائی منشاء اور اذن کے ماتحت آج سے ۷۲ سال قبل بلند کی اور سال بہ سال جس پر لبیک کہتے چلے جانے کو اپنے تمام حقیقی متبعین کے لئے لازمی قرار دیا۔ وہ دائمی ندا یا پکار حضور علیہ السلام کے الفاظ میں یہ ہے :-

(۱) "آج کے دن جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجائے تو

حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر (مرکز میں) آجانا چاہیئے۔" (آسمانی فیصلہ)

(۲) "ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔"

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

(۳) "کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایہ سفر میسر آجائیگا۔ گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا۔" (آسمانی فیصلہ)

(۴) "اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں۔ جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

حضور علیہ السلام کی اس پکار کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ وقتی نہیں دائمی پکار ہے۔ حضور کے تمام متبعین کا اس پکار پر سال کے سال لبیک کہہ کر اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دیتے رہنا ضروری ہے۔ اگر کوئی احمدی صحت و فرصت اور عدم موانع قویہ کے باوجود اس ندا پر لبیک کہہ کر مرکز میں آحاضر نہیں ہوتا اور اس جلسہ میں شمولیت سے احتراز کرتا ہے تو وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا کے زبانی دعوے کے باوجود اپنے آپ کو عند اللہ وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اور بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کا مصداق بناتا ہے۔ اس کے لئے خوف کا مقام ہے کیونکہ ایسے ہی معدودے چند نام کے مومنوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ ایسے لوگ خواہ وہ کتنے ہی معدودے چند کیوں نہ ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خواب میں دکھائے گئے تھے۔ وہ ایک مختصر سا خواب

ہے۔ لیکن اسے پڑھ کر بدن پر لرزہ طاری ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"میں نے دیکھا کہ اپنی جماعت کے چند آدمی کشتی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا آؤ میں تم کو ایک خواب سناؤں مگر وہ نہ آئے۔ میں نے کہا کیوں نہیں سنتے؟ جو شخص خدا کی باتیں نہیں سنتا وہ دوزخی ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۰۵)

اس خواب کے تعلق میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس میں حضور کو غیر لوگ نہیں بلکہ خود اپنی جماعت کے چند لوگ دکھائے گئے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان و اطاعت کے دعوے کے باوجود آپ کی آواز پر کان نہیں دھرتے۔ اس خواب کو مدنظر رکھتے ہوئے عدم موانع قویہ کے باوجود جلسہ سالانہ پر نہ آنے والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ جلسہ سالانہ پر آنے والے اُن احباب کے لئے بھی کچھ کم خوف کا مقام نہیں جو جلسہ میں بیٹھ کر خدا اور رسول ؐ کی باتیں سننے کی بجائے بازاروں میں گھوم پھر کر یا ہوٹلوں میں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ اپنی اس غفلت کے نتیجہ میں قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالےٰ کے واضح ارشاد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا خواب کی رو سے اپنے آپ کو کس خوفناک وعید کا مصداق بنا رہے ہیں۔ ایسے لوگ یقیناً خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی روشنی میں مامور من اللہ کی آواز پر لبیک کہنے کی اہمیت واضح کرنے کے بعد ہم حصول ثواب کی خاطر احباب جماعت کو یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُس دائمی پکار پر جس کا سطور بالا میں ہم ذکر کر آئے ہیں لبیک کہنے اور اپنے دعوئے ایمان کو سچا کر دکھانے کا وقت اب پھر قریب آ پہنچا ہے۔ کیونکہ ہمارے الٰہی جلسہ سالانہ کے شروع ہونے میں اب بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ ہفتہ عشرہ کی بات ہے کہ یہ بابرکت جلسہ شروع ہو کر شمع احمدیت کے اُن ہزاروں ہزار پروانوں کو جو دیوانہ وار اپنے مرکز میں پہنچ کر اس میں شمولیت کی غیر معمولی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے اس قابل بنا دے گا کہ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر اپنے مولےٰ کریم اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے۔ اور ایسی غالب آ جائے کہ ان میں سے ہر ایک کو بالکل نیا انسان بنا دے اور وہ ذوق و شوق اور ولولہ عشق سے سرشار ہو کر دین کی راہ میں عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہو جائے۔

سو اے آخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے مقدس گروہ میں شمولیت کے فخر سے بہرہ یاب ہونے والو! آؤ

خدا کا مسیح تمہیں بلا رہا ہے اور بلا بھی رہا ہے تمہیں ایک نئی حیات سے ہمکنار کرنے کی خاطر۔ آؤ اور دیوانہ وار آؤ۔ دل کی گہرائیوں سے والہانہ لبیک کہتے ہوئے بے اختیار اپنے مرکز کی طرف کھنچے چلے آؤ۔ یاد رکھو اور اسے کبھی نہ بھولو کہ یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے۔ تمہیں اپنے عمل سے ثابت کر دکھانا ہے کہ تم اپنے دعویٰ ایمان واطاعت میں سچے ہو اور عنداللہ حقیقی مومن کہلانے کے ۲ مستحق ہو۔ آج روئے زمین پر تمہیں وہ پاکباز مقدس گروہ ہو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا جن کا شیوہ اور طرّہ امتیاز ہے۔ اپنے اِس امتیاز کو برقرار رکھتے ہوئے آؤ اور جذبۂ بے اختیار کے ماتحت اس شان سے آؤ کہ جس شان سے پروانے شمع پر گرتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جاکر اس پر نثار ہوتے ہیں۔ اپنی دیوانگی اور شیفتگی کے اس مظاہرہ سے دنیا پر ثابت کر دکھاؤ کہ تم ابراہیم ثانی کے سدھائے ہوئے پرندے ہو اور اس طرح ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا کا پرکیف نظارہ دنیا کو ایک دفعہ پھر دکھا دو۔ تا دنیا یہ نظارہ دیکھ کر حیران ہو اور حیرانی کے عالم میں یہ باور کئے بغیر نہ رہے کہ مسیح محمدی نے احیاءِ موتیٰ کا جو معجزہ دکھایا حقیقی الواقعہ وہ اپنی ذات میں ایک دائمی معجزہ ہے۔ اس کے انفاس قدسیہ سے جو مردے زندہ ہوئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اب تک زندہ ہیں بلکہ ہمیشہ ہی زندہ رہیں گے اور موت انہیں اپنی آغوش میں کبھی نہ لے سکے گی ؛

حیاتِ ابدی کی بشارت سے شادکام ہونے والے خوش نصیبو یقین جانو کیونکہ اس میں ذرا کلام نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق آسمان پر وہ قومیں تیار کر رہا ہے جو تمہاری تقلید میں مسیح محمدی کی اس آواز پر لبیک کہتی ہوئی دیوانہ وار آئیں گی، دنیا کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے اور اس کثرت سے آئیں گی کہ رسل و رسائل کے وسیع سے وسیع انتظامات بھی ناکافی ثابت ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ راستوں میں گڑھے پڑ پڑ جائیں گے۔ اور يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ کا خدائی وعدہ ہر سال پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ پورا ہوتا چلا جائے گا۔ وہ قومیں تم پر رشک ہی نہیں بلکہ فخر کریں گی کہ تم نے ان سے پہلے لبیک کہہ کر السابقون الاولون کا رفیع الشان مقام حاصل کیا اور اس طرح رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے مصداق ٹھہرے۔ ذرا سی قربانی سے تم عظیم الشان انعام کے وارث بن سکتے ہو۔ ایسا انعام جس کی یاد جلسہ سالانہ کی بدولت سال بہ سال تازہ ہوتی چلی جائے گی۔ اور اقوامِ عالم کی آنے والی نسلیں تم پر محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کر کے تمہارے تذکرہ جمیل کو درخشاں سے درخشاں تر کرتی چلی جائیں گی۔ اپنے کسی بھائی کو اس کی ذرا سی غفلت سے اجرِ عظیم سے محروم نہ ہونے دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی اس وقت کی غفلت اس کو اجرِ عظیم ہی سے محروم نہ کرے۔ بلکہ عذابِ الیم کا بھی مستحق بنا دے۔ اَلعیاذ باللّٰہ۔ پس خود بھی آؤ اور اپنے بھائیوں کو تحریک کر کے انہیں بھی اپنے

ہمراہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لانے کی کوشش کرو اور پھر جلسہ میں پورے ذوق و شوق اور عزم و تعہد سے خدا اور رسول کی باتیں سنو اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں اپنے اوقات کو گزار کر وہ کچھ پاؤ جو پہلوں نے پایا یعنی خوشنودیٔ باری تعالیٰ اور رضائے الٰہی کا انمول سرمایہ۔

یہ کوئی معمولی انسانی جلسہ نہیں بلکہ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ تم اس الٰہی جلسۂ سالانہ میں شمولیت کی نیت سے خدا کی راہ میں سفر کا عزم کرتے ہوئے قدم اٹھاؤ اور ان عظیم الشان دعاؤں کے وارث بنو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے حق میں پہلے سے مانگ گئے ہیں اور جو عند اللہ یقیناً شرفِ قبول سے نوازی گئی ہیں حضور علیہ السلام کے قلبِ مطہر سے اٹھی اور لبِ ہائے مبارک سے نکلی ہوئی وہ عظیم الشان دعائیں یہ ہیں:-

"ہر یک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالےٰ اُن کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور اُن کے ہم و غم دور فرما دے اور اُن کو ہر یک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے۔ اور ان کی مرادات کی راہیں اُن پر کھول دیوے اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتامِ سفر اُن کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا! اے ذوالمجد و العطاء! اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت و طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین" (اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

خوش نصیب ہے وہ انسان جو مسیحِ پاک علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہہ کر اس جلسۂ سالانہ میں جس کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے شرکت کی غیر معمولی سعادت سے بہرہ یاب ہو اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی ان دعاؤں کا وارث بنے اور بدنصیب ہے وہ غفلت شعار جو ادنےٰ ادنےٰ حرجوں کی پرواہ کرتے ہوئے ان دعاؤں کا مصداق بننے سے لاپرواہی اختیار کرے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ جملہ احباب کو (بجز اس کے کہ ان میں سے کسی کو عدمِ صحت و فرصت یا دیگر موانع قویہ پیش آ جائیں) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دائمی پکار پر لبیک

رکھتے ہوئے دعوئ ایمان و اطاعت کے اس خدائی امتحان میں پورا اترنے اور اس طرح عند اللہ حقیقی مومن ثابت ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور خدا نہ کرے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضور علیہ السلام کو خواب میں دکھائے گئے ان معدودے چند لوگوں میں شامل ہو جو باہم کشتی کرنے والے اور حضور علیہ السلام کی آواز پر کان نہ دھر کر دوزخی ہونیکی وعید سننے والے تھے اور جنہیں خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ان کے دعوئ ایمان کے باوجود مومن تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہیں روحانی مریضوں شکوک و شبہات کی دلدل میں رینگنے والوں اور اپنی جانوں پر خود ظلم کرنے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ سارے ہی بتوفیق و تائید الٰہی سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہہ کر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کے خوش نصیب زمرہ میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ یاب ہوں اور اس شان سے بہرہ یاب ہوں .... کہ جلسہ سالانہ کے بابرکت ایام میں ربوہ کی مقدس سرزمین ان سے اس طرح معمور نظر آئے جس طرح سمندر پانیوں سے لبریز اور آسمان ستاروں سے بھرپور ہیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر کیونکہ تیری تقدیر اور وعدوں کے عین مطابق ہے۔

آمین اللّٰھم آمین

آسمانی بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا اور نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا، نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ اُن میں بے ہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روایتوں کو ملانے والے، اور خدا تعالیٰ اس اُمّتِ وسط کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا، وہی راہ جس کو قرآن لایا تھا، وہی راہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھلائی تھی، وہی ہدایت جو ابتداء سے صدیق اور شہید اور صلحاء پاتے رہے۔ یہی ہو گا ضرور یہی ہو گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے"۔

(اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسہ سالانہ کے عظیم الشان اغراض و مقاصد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"تمام مخلصین داخلین سلسلۂ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ تا اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کسی بُرہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی۔ اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعفِ فطرت یا کمیٔ مقدرت یا بُعدِ مسافت یہ میسّر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کے لئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کیلئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدمِ موانعِ قویّہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ر دسمبر سے ۲۹ر دسمبر تک قرار پائے یعنی آج کے دن کے بعد جو ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ر دسمبر کی تاریخ آ جاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربّانی باتوں کے سُننے کے لئے اور دُعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے اور اس جلسے میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دُعائیں اور خاص توجّہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے۔ اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے مُنہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتۂ تودّد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسے میں اس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیّت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کیلئے بدرگاہِ حضرت عزّت جلّشانہ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسے میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔" (اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء)

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صادقوں کی صحبت سے دور رہے

صادقوں اور راستبازوں کے پاس بیٹھنے والا بھی اُنہیں میں شریک ہوتا ہے

صادق بننا چاہتے ہو تو کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے پاک حکم پر عمل کرو

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب و ملفوظات میں کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے قرآنی حکم پر عمل کرنے کی بار بار تلقین فرمائی ہے اور اس لئے فرمائی ہے کہ تزکیۂ نفس اور تطہیرِ قلب کے لئے صادقوں اور راستبازوں کی صحبت اختیار کرنا ازحد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اپنے احباب کو بڑی کثرت کے ساتھ یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ بار بار مرکز میں آکر حضورؑ کی صحبت میں رہیں۔ پھر اسی غرض سے حضورؑ نے اِذنِ الٰہی کے ماتحت جلسہ سالانہ کی بُنیاد ڈالی۔ ذیل میں حضورؑ کے پُرمعارف ملفوظات کا ایک نہایت قیمتی اقتباس ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے جس میں حضورؑ نے کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے خدائی حکم کی اہمیت کو بڑے ہی دلنشیں انداز میں واضح فرمایا ہے۔

(ادارہ)

"اصلاح نفس کی ایک راہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کونوا مع الصادقین یعنی جو لوگ قولی، فعلی، عملی اور حالی رنگ میں سچائی پر قائم ہیں اُن کے ساتھ رہو۔ اس سے پہلے فرمایا۔ یاایھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللہ۔ یعنی ایمان والو تقویٰ اللہ اختیار کرو اس سے یہ مراد ہے کہ پہلے ایمان ہو پھر سُنّت کے طور پر بدی کی جگہ کو چھوڑ دے اور صادقوں کی صحبت میں رہے۔ صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ جو اندر ہی اندر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہر روز کنجریوں کے ہاں جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ کیا میں زنا کرتا ہوں؟ اس سے کہنا چاہیئے کہ ہاں تو کرے گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اس میں مبتلا ہو جاویگا۔ کیونکہ صحبت میں تاثیر ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جو شخص شراب خانہ میں جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پرہیز کرے اور کہے کہ میں نہیں پیتا ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ ضرور پئے گا۔ پس اس سے کبھی بے خبر نہیں رہنا چاہیئے کہ صحبت میں بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح نفس کے لئے کونوا مع الصادقین کا حکم دیا ہے۔ جو شخص نیک صحبت میں جاتا ہے۔ خواہ وہ مخالفت ہی کے رنگ میں ہو لیکن وہ صحبت اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے گی۔ اور ایک نہ ایک دن وہ اس مخالفت سے باز آجائے گا۔

ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمارے مخالف اسی صحبت کے نہ ہونے کی وجہ سے محروم رہ گئے ۔اگر وہ ہمارے پاس آکر رہتے ، ہماری باتیں سنتے تو ایک وقت آجاتا ۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کر دیتا اور وہ حق کو پا لیتے ۔لیکن اب چونکہ اس صحبت سے محروم ہیں اور انہوں نے ہماری باتیں سننے کا موقعہ کھو دیا ہے ۔ اسلئے کبھی کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ دہریے ہیں ، شراب پیتے ہیں ، زانی ہیں ۔اور کبھی یہ اتہام لگاتے ہیں ۔کہ نعوذ باللہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں ۔ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟ صحبت نہیں ۔ اور یہ قہر الٰہی ہے کہ صحبت نہ ہو ۔ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کی ہے تو صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپ کے پاس آنے کا موقع ملا ۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں ۔تو ان میں سے صدہا مسلمان ہو گئے ۔ جب تک انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہ سنی تھیں ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک دیوار حائل تھی جو آپ کے حسن و جمال پر ان کو اطلاع نہ پانے دیتی تھی ۔ اور جیسا دوسرے لوگ کذاب کہتے تھے (معاذ اللہ) وہ بھی کہہ دیتے تھے ۔ وہ ان فیوض و برکات سے بے نصیب تھے جو آپ لے کر آئے تھے اس لئے کہ دور تھے ۔لیکن جب وہ حجاب اٹھ گیا اور پاس آکر دیکھا اور سنا تو وہ محرومی نہ رہی اور سعیدوں کے گروہ میں داخل ہو گئے ۔اسی طرح پر بہتوں کی بدنصیبی کا اب بھی یہی باعث ہے ۔جب ان سے پوچھا جاوے کہ تم نے ان کے دعویٰ اور دلائل کو کہاں تک سمجھا ہے تو بجز چند بہتانوں اور افتراؤں کے کچھ نہیں کہتے ۔ جو بعض مفتری سنا دیتے ہیں وہ ان کو سچ مان لیتے ہیں اور خود کوشش نہیں کرتے کہ یہاں آکر خود تحقیق کریں ۔ اور ہماری صحبت میں آکر دیکھیں ۔اس لئے ان کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور وہ حق کو نہیں پا سکتے ۔ لیکن اگر وہ تقویٰ سے کام لیتے تو کوئی گناہ نہ تھا کہ وہ آکر ہم سے ملتے جلتے رہتے اور ہماری باتیں سنتے رہتے حالانکہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے بھی ملتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں ، ان کی مجلسوں میں جاتے ہیں ۔ پھر کون سا امر مانع تھا جو ہمارے پاس آنے سے انہوں نے پرہیز کیا ۔

غرض یہ بڑی ہی بدنصیبی ہے اور انسان اس کے سبب محروم ہو جاتا ہے ۔اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ کونوا مع الصادقین ۔ اس میں بڑا نکتہ معرفت یہی ہے کہ چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے ۔اسلئے ایک راستباز کی صحبت میں رہ کر انسان راستبازی سیکھتا ہے ۔ اور اس کے پاک انفاس کا اندر ہی اندر اثر ہونے لگتا ہے جو اس کو خدا تعالیٰ پر ایک سچا یقین اور بصیرت عطا کرتا ہے ۔اس صحبت میں صدق دل سے رہ کر وہ خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو ایمان کو بڑھانے کے ذریعے ہیں ۔جب انسان ایک راستباز اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے ۔ لیکن جو راستبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدوں اور شریروں کی صحبت کو اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کرتی ہے ۔اسی لئے احادیث اور قرآن شریف میں صحبت بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تہدید پائی جاتی ہے ۔اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اٹھ جاؤ ورنہ جو اہانت سنکر نہیں اٹھتا اس کا شمار بھی ان میں ہی ہو گا ۔ صادقوں اور راستبازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے ۔اس لئے کس قدر

ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کونوا مع الصادقین کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دُنیا میں بھیجتا ہے وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں لوگ تیرا ذکر کر رہے تھے مگر ایک شخص ان میں سے نہیں تھا تو اللہ فرماتا ہے کہ نہیں وہ بھی ان میں ہی سے ہے کیونکہ انھم قوم لا یشقی جلیسھم۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صحبت سے کس قدر فائدے ہیں۔ سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دُور ہے۔

غرض نفس مطمئنہ کی تاثیروں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اطمینان یافتہ لوگوں کی صحبت میں اطمینان پاتے ہیں۔ امّارہ والے نفس میں امارہ کی تاثیریں ہوتی ہیں۔ اور جو شخص نفس مطمئنہ والے کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس پر بھی اطمینان اور سکینت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور اندر ہی اندر اسے تسلی ملنے لگتی ہے۔ مطمئنہ والے کو پہلی نعمت یہ دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے آرام پاتا ہے۔ جیسے فرمایا یاایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ"۔ یعنی اے خدا تعالیٰ میں آرام یافتہ نفس اپنے رب کی طرف آجا وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ اس میں ایک باریک نکتۂ معرفت ہے جو یہ کہا کہ خدا تعالیٰ تجھ سے راضی تو خدا سے راضی۔ بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس مرحلہ پر نہیں پہنچتا اور لوامہ کی حالت میں ہوتا ہے اُس وقت تک خدا تعالیٰ سے ایک قسم کی لڑائی رہتی ہے۔ یعنی کبھی کبھی وہ نفس کی تحریک سے نافرمانی بھی کر بیٹھتا ہے۔ لیکن جب مطمئنہ کی حالت پر پہنچتا ہے تو اس جنگ کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے صلح ہو جاتی ہے۔ اُس وقت وہ خدا سے راضی ہوتا ہے اور خدا اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لڑائی جھگڑا بالکل جاتی رہتی ہے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۲۴۷ - ۲۵۰)

حیاتِ جاودانی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" یہاں کا رہنا تو ایک قسم کا آستانۂ ایزدی پر رہنا ہے۔ اس حوضِ کوثر سے وہ آبِ حیات ملتا ہے کہ جس کے پینے سے حیاتِ جاودانی نصیب ہوتی ہے۔ جس پر ابدالآباد تک موت ہرگز نہیں آسکتی"

(ملفوظات جلد ششم ص۱۸۵)

عربی منظوم کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَيَا طَالِبِي رُشْدٍ عَلَى بَابِي احْضُرُوا

پس اے ہدایت کے طالبو! میرے دروازے پر حاضر ہو جاؤ

وَإِنِّي أَنَا الْمَوْعُودُ وَالْقَائِمُ الَّذِي بِهِ تُمْلَأَنَّ الْأَرْضُ عَدْلًا وَتُثْمِرُ

"اور میں مسیح موعود اور وہ امام قائم ہوں جو زمین کو عدل سے بھریگا اور ویران جنگلوں کو پھلدار کریگا

بِنَفْسِي تَجَلَّتْ طَلْعَةُ اللّٰهِ لِلْوَرَى فَيَا طَالِبِي رُشْدٍ عَلَى بَابِي احْضُرُوا

میرے ساتھ خدا کی صورت خلقت پر ظاہر ہوگی۔ پس اے ہدایت کے طالبو میرے دروازے پر حاضر ہو جاؤ

خُذُوا حَظَّكُمْ مِنِّي فَإِنِّي إِمَامُكُمْ أُذَكِّرُكُمْ أَيَّامَكُمْ وَأُبَشِّرُ

اپنا حصہ مجھ سے لے لو کہ میں تمہارا امام ہوں تمہیں تمہارے دن یاد دلاتا ہوں اور بشارت دیتا ہوں

وَقَدْ جِئْتُكُمْ يَا قَوْمِ عِنْدَ ضَرُورَةٍ فَهَلْ مِنْ رَشِيدٍ عَاقِلٍ يَتَدَبَّرُ

اور اے میری قوم ضرورت کے وقت تمہارے پاس آیا ہوں پس کیا کوئی تم میں رشید اور عقلمند ہے جو اس بات کو سوچے

وَمَا الْبِرُّ إِلَّا تَرْكُ بُخْلٍ مِنَ التُّقَى وَمَا الْبُخْلُ إِلَّا رَدُّ مَنْ يَتَبَقَّرُ

اور نیکی بجز اس کے کوئی چیز نہیں کہ تقویٰ کی راہ سے بخل کو دور کر دیا جاوے اور بخل بجز اسکے کچھ نہیں کہ جسکا علم وسیع اور کامل ہے اور پاتے ہے بہتر ہے اس کو قبول نہ کیا جائے

وَقَالُوا إِلَى الْمَوْعُودِ لَيْسَ بِحَاجَةٍ فَإِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ يَهْدِي وَيُخْبِرُ

اور انہوں نے کہا کہ مسیح موعود کی طرف کچھ حاجت نہیں کیونکہ اللہ کی کتاب ہدایت دیتی اور خبر دیتی ہے

وَمَا هِيَ إِلَّا بِالْغَيُورِ دُعَابَةٌ فَيَا عَجَبًا مِنْ فِطْرَةٍ تَتَهَوَّرُ"

اور یہ تو خدائے غیور کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا ہے پس ایسے بیباک فطرتوں پر تعجب آتا ہے"

اعجاز احمدی صفحہ ٦۰-٦۱

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وصلِ آں یار اصلِ ہر کامیست

(ہر مقصد کا اصل اُس یار کا وصل ہے)

ہست بر عقل منّتِ الہام
عقل پر الہام کا یہ احسان ہے کہ

کہ ازو پخت ہر تصوّر خام
اس کی وجہ سے ہر ناقص تصوّر پختہ ہو گیا

آں گماں بُرد وایں نمود فراز
اُس نے تو گمان کیا اور اِس نے کھلم کھلا ظاہر کر دیا

آں نہاں گفت ایں کشود آں راز
اُس نے خفیہ کیا اور اِس نے راز کو ظاہر کر دیا

آں فرو ریخت ایں بکف بسپرد
اُس نے گرا دیا اور اِس نے ہاتھ میں دیا

آں طمع داد وایں بحب آورد
اُس نے صرف لالچ دیا اور اِس نے پورا کر دیا

آنکہ بشکست ہر بُتِ دلِ ما
وہ چیز جس نے ہمارے دل کے ہر بُت کو توڑ دیا

ہست وحیٔ خدائے بے ہمتا
وہ خدائے لاثانی کی وحی ہی تو ہے!

آنکہ مارا رُخِ نگار نمود!
وہ جس نے ہمیں معشوق کا چہرہ دکھا دیا

ہست الہامِ آں خدائے ودود
وہ خدائے مہربان کا الہام ہی تو ہے

آنکہ داد از یقینِ دل جامے
وہ جس نے دلی یقین کا جام ہمیں دیا

ہست گفتارِ آں دلارامے
وہ اس محبوب کی گفتار ہی تو ہے

وصلِ دلدار و مستی از جامش
دلبر کا وصل اور اس کے جامِ شراب کا نشہ

ہمہ حاصل شُدہ ز الہامش
سب اس کے الہام سے حاصل ہوئے

وصلِ آں یار اصلِ ہر کامیست
ہر مقصد کا اصل اُس یار کا وصل ہے

وانکہ زیں اصل غافل آں خامیست
اور جو اس اصل سے غافل ہے وہ کچّا ہے.

(براہین احمدیہ حصہ [illegible])

جلسہ سالانہ کی رُوحانی برکات اور اُن کے حصول کا طریق

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

میں باہر سے آنے والوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ.... جلسہ پر آئیں اور خوب آئیں اور غیر از جماعت دوستوں کو اپنے ساتھ لائیں لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا. کہ عرصہ سے جلسہ پر آنے والوں میں یہ میلان پیدا ہو گیا ہے کہ جلسہ کا نام آرام سہولت اور مہمان نوازی رکھ لیا گیا ہے ۔ بہت سے لوگ جلسہ سالانہ پر آکر بھی اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ وہ جلسہ دیکھنے آتے ہیں جلسہ سننے نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کو میں کہوں گا کہ وہ یہاں تقاریر نہ سُن کر گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ۔ اگر انہوں نے یہاں آکر تقاریر نہیں سُننی تو بہتر ہے کہ وہ یہاں نہ آئیں ۔ اور اسیطرح وہ غیر از جماعت افراد جو ان کے ساتھ آئیں اگر وہ جلسہ کی تقاریر سُننے کیلئے تیار نہیں ۔ یا جو انہیں ساتھ لاتے ہیں. وہ انہیں جلسہ میں بٹھانے پر قادر نہیں تو میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان کا میلہ کے رنگ میں یہاں آنا انہیں خود بھی گنہگار بناتا ہے اور دوسرے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ جو انہیں دیکھتے ہیں وہ بھی ان کی وجہ سے گنہگار بنتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر ان کی سی حرکات کرنے لگ جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں مثل مشہور ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے ۔ اگر محلہ میں ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اسے دیکھ کر دو چار اور بچے بھی ایسے نکل آتے ہیں جو نماز چھوڑ دیتے ہیں ۔ اگر ان میں سے کسی بچہ کو ماں کہتی ہے کہ تم نماز پڑھا کرو تو وہ کہتا ہے تم مجھے نماز کے لئے کہتی ہو فلاں شخص بھی نماز نہیں پڑھتا اس لئے اگر میں نے نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا۔ پھر جب دو تین بچے سُست ہو جاتے ہیں تو پانچ سات اور ایسے ہو جاتے ہیں جو ان کی نقل میں نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ مائیں ڈانٹتی ہیں تو وہ کہتے ہیں ہمارا سارا محلہ نماز نہیں پڑھتا میرا کیا ہے۔ اگرچہ محلہ میں صرف پانچ سات اشخاص ہی ایسے ہوتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے. لیکن وہ کہتے یہی ہیں کہ سارا محلہ نماز نہیں پڑھتا وہ چند آدمیوں کی غفلت کو سارے محلہ کی طرف منسوب کر کے اپنی غفلت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ نماز کی عادت کم ہو جاتی ہے۔ یہی حال رسم ورواج کا ہے۔ آخر جب تک سگرٹ نہیں نکلا تھا. لوگ اس کے بغیر گزارہ کرتے تھے۔ لیکن اب جس کو بھی کہا جاتا ہے کہ تم سگرٹ نہ پیئو تو وہ بہانے بناتا ہے۔ لیکن سگرٹ پینا ترک نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ دوسروں کو سگرٹ پیتے دیکھتے ہیں تو انہیں بھی سگرٹ پینے کا شوق آتا ہے۔ اور وہ شوق میں سگرٹ

پینا شروع کر دیتے ہیں .... پس عام طور پر لوگ ایک دوسرے کی نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چائے کی دوکان پر بیٹھتا ہے تو دوسرا شخص اسے دیکھ کر وہاں بیٹھ جاتا ہے اور سمجھتا ہے فلاں شخص یہاں بیٹھا ہے۔ میں بھی بیٹھ جاؤں تو کیا حرج ہے۔ پھر دو تین اَور آ جاتے ہیں وہ ان دونوں کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو وہ بھی وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر دس بیس اَور آ جاتے ہیں اور پہلے چار پانچ آدمیوں کو وہاں بیٹھے دیکھ کر وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے جلسہ گاہ سے کافی تعداد سامعین کی غائب ہو جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے۔ ایک بادشاہ کے دربار میں صفائی کرنے کے لئے ایک خاکروبہ اور ایک خاکروب آیا کرتا تھا۔ اس خاکروب اور خاکروبہ نے سؤر پال رکھے تھے۔ اتفاقاً سؤر کا ایک بچہ مر گیا۔ پالے ہوئے جانور سے انسان کو محبت ہو جاتی ہے چاہے وہ سؤر ہو یا کوئی اَور جانور۔ ان کے لئے سؤر کا بچہ ایسا ہی تھا جیسے ہمارے گھر کے لئے گھوڑا یا کوئی اَور جانور۔ دربار کی صفائی کرتے ہوئے خاکروبہ کو اس سؤر کے بچے کا خیال آ گیا اور وہ دربار کی ایک دیوار کے ساتھ اپنا سر رکھ کر رونے لگ گئی۔ اتنے میں دربار کا ایک چپڑاسی آیا۔ اس نے خاکروبہ کو روتے ہوئے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ خدانخواستہ اندر کوئی حادثہ ہو گیا ہے مجھے پتہ نہیں لگا اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا کہ میں رو نہیں رہا تو مجھ پر بے وفائی کا شبہ کر لیا جائے گا۔ اسلئے وہ بھی رونے لگ گیا۔ پھر ایک اَور چوبدار آیا اس نے کہا یہ دونوں رو رہے ہیں ضرور کوئی واقعہ ہوا ہے مجھے پتہ نہیں لگا اگر کوئی شخص آ گیا اور اس نے دیکھ لیا کہ میں رو نہیں رہا تو وہ خیال کرے گا کہ مجھے نواب صاحب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ بھی مصنوعی طور پر رونے لگ گیا۔ پھر کلرک آئے انہوں نے بھی ان لوگوں کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ پھر چھوٹے افسران آئے درباری آئے اور وزراء آئے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا تو کام تھا کہ ہم ہر وقت خبر رکھیں لیکن ہمیں اس حادثہ کا کوئی علم نہیں ہوا ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ رو رہے ہیں اگر ہم نہ روئے تو ہم پر بے وفائی کا شبہ کر لیا جائے گا۔ یہ خیال کر کے وہ بھی رونے لگ گئے۔ بڑے آدمیوں نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے آنکھوں پہ رومال رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک بڑا وزیر آیا وہ کچھ عقلمند تھا وہ رویا نہیں اُس نے پاس والے وزیر سے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ اس نے کہا مجھے تو علم نہیں میرے پاس والے وزیر رو رہے تھے اسلئے میں بھی رونے لگ گیا۔ اُس نے کہا اس سے پوچھو کیا بات ہے۔ جب اس نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا مجھے تو علم نہیں میرے ساتھ والا وزیر رو رہا تھا۔ آخر بات خاکروبہ پر پہنچی اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ میرا سؤر کا بچہ مر گیا تھا مجھے وہ یاد آ گیا تو میں نے رونا شروع کر دیا۔ اب دیکھو خاکروبہ نے سؤر پالا تھا اس کا بچہ مر گیا اور وہ محبت کی وجہ سے رونے لگ گئی۔ تو اسے دیکھ کر سارا دربار رونے لگ گیا۔ اگر اس وقت بادشاہ دربار میں آ جاتا تو سب کو معطل کر دیتا۔ کہ تم میری بدخواہی چاہتے ہو۔ پس انسان میں نقل کی عادت ہوتی ہے ایک شخص اگر کوئی کام کرتا ہے تو اُسے دیکھ کر دوسرا بھی وہی کام کرنے لگ جاتا ہے۔

پس میں جماعت کو متنبہ کر دیتا ہوں۔ کہ جلسہ سالانہ پر وہ لوگ آئیں جو جلسہ گاہ میں بیٹھ کر تقاریر سنیں۔ اور جو لوگ تقاریر نہیں سن سکتے وہ جلسہ پر ہرگز نہ آئیں، ہرگز نہ آئیں۔ پھر دوست صرف ان غیر از جماعت لوگوں کو ساتھ لائیں جن کو وہ جلسہ گاہ میں تقاریر کے دوران میں بٹھا سکتے ہیں۔ جو غیر از جماعت لوگ یہاں آ کر تقاریر نہیں سننے وہ فساد کی نیت سے یہاں آتے ہیں۔ حصول علم کے لئے نہیں آتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔ میں ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ جو لوگ یہاں آ کر بیمار ہو جائیں یا پہلے سے بیمار ہوں۔ لیکن جلسہ پر اخلاص کی وجہ سے آ جائیں اور وہ جلسہ گاہ میں سارا وقت نہ بیٹھ سکیں تو وہ بازاروں میں نہ پھریں دوکانوں پر نہ بیٹھیں، بلکہ اپنی بیرکوں یا ان جگہوں میں بیٹھیں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ رمضان میں ہر سال یہ شور پڑتا ہے کہ بازاروں میں کھانے پینے کی دکانیں بند رہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر کھانے پینے کی عام اجازت ہو تو بچوں اور دوسرے لوگوں کی نظر میں روزہ کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ بیمار بھی جلسہ گاہ میں بیٹھیں۔ انہیں تندرست رکھنا ہمارا کام ہے۔ انہیں اپنی صحت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ وہ بیشک آرام کریں۔ لیکن انہیں یہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ وہ بازاروں میں جائیں اور دکانوں پر بیٹھیں۔ وہ جلسہ گاہ سے بے شک باہر چلے جائیں۔ لیکن اپنی بیرکوں اور بیٹھکوں میں بیٹھیں۔ اگر انہیں کوئی خطرناک بیماری ہے تو الگ بات ہے۔ ورنہ ہمارا ڈاکٹر موجود ہو گا۔ اس کے پاس جا کر علاج کرانا چاہیئے۔ بہر حال انہیں گھروں میں بیٹھنا چاہیئے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کے بُرے نمونہ سے متاثر نہ ہوں۔

جماعت کے معنے ہی یہ ہیں کہ اس میں ایک نظم پایا جاتا ہو۔ ہمارے ہاں تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو تقاریر کے دوران میں جلسہ گاہ میں نہ بیٹھے سوائے پہرہ داروں کے یا ان لوگوں کے جو کھانا پکانے اور کھلانے پر مقرر ہوں۔ میں انہیں بھی کہوں گا کہ وہ اپنے فارغ وقت میں جلسہ گاہ میں بیٹھ کر تقاریر سنیں۔ لیکن اگر وہ ڈیوٹی کے لئے جلسہ گاہ سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو ان کی نقل نہیں کرنی چاہیئے۔ آخر ۳۹-۴۰ ہزار افراد کا کھانا پکانا آسان امر نہیں۔ ۳۹-۴۰ ہزار افراد کے لئے بیسیوں نان پز ہوتے ہیں۔ بیسیوں پیڑے کرنے والے ہوتے ہیں۔ بیسیوں دیگیں پکانے والے باورچی ہوتے ہیں سینکڑوں خدمت گار ہوتے ہیں۔ ۳۹-۴۰ ہزار افراد کی خدمت کرنے والوں کی تعداد پانچ سات سو یا ہزار تک پہنچ جاتی ہے ان لوگوں کو جلسہ گاہ سے اٹھنا پڑتا ہے۔ انہیں اپنی ڈیوٹیوں کے سلسلہ میں اِدھر اُدھر چلنا پھرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ جلسہ گاہ سے باہر نہ جائیں تو باقی لوگ بھی جلسہ نہ سن سکیں۔ لیکن یہ لوگ اسلئے ڈیوٹی پر رہتے ہیں تا باقی لوگ جلسہ سن سکیں۔ اور بچے گم نہ ہوں۔ یہ پہریدار ہی ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے گم شدہ بچے مل جاتے ہیں۔ پچھلے جلسہ پر ایک دوست نے سنایا کہ وہ سڑک پر جا رہا تھا کہ دو عورتیں باتیں کرتی ہوئی پاس سے گزریں۔ ایک نے اپنے پاس والی عورت سے کہا تم اپنے بچہ کی پوری حفاظت نہیں کرتیں ایسا نہ

ہو کہ وہ گم ہو جائے۔ اس نے کہا تم پہلے سال یہاں آئی ہو۔ میں کئی سال سے یہاں آ رہی ہوں۔ یہاں کوئی بچہ گم نہیں ہوتا۔ جو گم ہوتا ہے لوگ پکڑ کر دے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پہریدار ہوشیاری سے کام کرتے ہیں بلکہ یہاں تو بعض دفعہ دو دو دن کے بعد بھی بچے مل جاتے ہیں کیونکہ میں نے پہریداروں کو یہ ہدایت دی ہوئی ہے کہ اگر تم کسی کو بچہ اٹھائے لے جاتے دیکھ لو اور بچہ گھبرایا ہوا ہو یا وہ رو رہا ہو تو تم اسے روک لو اور اس وقت تک اُسے جانے نہ دو جب تک وہ اپنے آپ کو اس بچہ کا باپ ثابت نہ کر دے۔ اگر کوئی شخص بچہ اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہو تو اگر وہ شرارت سے ایسا کر رہا ہے تو بچے کی شکل سے ہی معلوم ہو جائے گا کہ اٹھا کر لے جانے والے کا بچہ سے کوئی رشتہ نہیں۔ لازماً بچہ گھبرایا ہوا ہوگا۔ بے شک بعض دفعہ مٹھائی وغیرہ دے کر بھی بچوں کو چپ کرا لیا جاتا ہے۔ لیکن بچے گھبرائے ہوئے ضرور ہوتے ہیں اور ان کے چہروں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص انہیں جبراً اُٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے یہ مستقل ہدایت دی ہوئی ہے کہ جب بھی ایسا بچہ دیکھو اس شخص کو دفتر میں لے جاؤ اور جب تک وہ اپنے آپ کو اس بچہ کا باپ نہ ثابت کر دے اسے نہ چھوڑو یہی وجہ ہے کہ چالیس سال سے جماعت کے اتنے بڑے جلسے ہو رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ جلسہ کے موقعہ پہ کوئی بچہ گم ہو گیا ہو۔ خدا تعالیٰ کرے کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہو۔ پس ان کاموں کے لئے بعض آدمیوں کو لگانا پڑتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر یہ لوگ پھرتے ہیں۔ تو اپنی ڈیوٹیوں کی وجہ سے پھرتے ہیں۔ انہیں ان کی نقل کر کے جلسہ گاہ سے نہیں اُٹھنا چاہیئے۔ یہ لوگ جاگتے ہیں اسلئے کہ تم سوؤ۔ یہ لوگ چوکس رہتے ہیں اسلئے کہ تمہارے بچے گم نہ ہوں۔ اگر انہیں دیکھ کر تم ان کی نقل کرنے لگ جاتے ہو تو یہ ایک بُرا بدلہ ہے۔ جو تم ان کی خدمت کا دیتے ہو۔

پس باہر والے لوگ اگر جلسہ گاہ میں بیٹھ سکتے ہیں اور تقاریر سُن سکتے ہیں تو وہ جلسہ سالانہ پر آئیں ورنہ نہ آئیں۔ اگر احمدی دوست جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بعض غیر از جماعت لوگ ساتھ لاتے ہیں تو وہ پہلے یہ دیکھ لیں کہ آیا وہ ان چند دنوں کیلئے ان پر کنٹرول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان پر کنٹرول کر لیں گے تو انہیں ساتھ لائیں۔ اگر وہ پہلے سے بیمار ہیں لیکن شوق کی وجہ سے جلسہ سالانہ پر آ جاتے ہیں یا یہاں آ کر بیمار ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی بیٹھکوں اور بیرکوں میں لیٹ کر آرام کریں۔ بیمار ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جا کر علاج کرائیں وہ بازاروں میں نہ پھریں، دوکانوں پر نہ بیٹھیں کیونکہ وہ خود تو معذور ہیں لیکن دوسرے لوگ دیکھ کر ان کی نقل کریں گے۔ پس میں باہر سے آنے والوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سال اس ارادہ کے ساتھ یہاں آئیں کہ وہ تقاریر پورے انہماک کے ساتھ سنیں گے اور جلسہ کے دوران میں اِدھر اُدھر بازاروں میں نہ پھریں گے۔ تا جماعت کے دوستوں کو جلسہ کے موقعہ پر تقاریر سننے کی عادت پڑ جائے اور ہمارا جلسہ جو کچھ عرصہ سے میلوں کا سا رنگ پکڑ رہا ہے پھر سے جلسے کا رنگ اختیار کر لے۔ ہمارا جلسہ اپنے ساتھ بہت سی روحانی برکات رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے اور وہاں یونہی بیٹھ رہتا ہے۔ عبادت نہیں کرتا تو کیا تم اس کے اس فعل کو عبادت کہو گے۔ اسطرح جو لوگ جلسہ پر مرکز میں آتے ہیں اگر وہ یہاں آ کر جلسہ کی تقاریر سے پوری طرح مستفید نہیں ہوتے تو ان کا یہاں آنا بھی کسی برکت کا موجب نہیں ہوگا"

(روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۵۲ء)

انصار اللہ کے دسویں سالانہ اجتماع کے نام

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا بصیرت افروز پیغام

تمہارا نام "انصار اللہ" ہے تم نے ہمیشہ اس نام کی عزّت کا خیال رکھنا ہے

خدا تعالےٰ تمہیں حقیقی معنوں میں "انصار اللہ" بنائے

امسال بھی انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہؤا کہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سالِ گزشتہ کی طرح اسے اپنے ایک بصیرت افروز پیغام سے نوازا۔ چنانچہ مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۶۴ء ۳ر بجے سہ پہر حضور ایدہ اللہ کی زیر ہدایت محترم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے اجتماع کا افتتاح حضور کے اس تازہ پیغام سے فرمایا۔ حضور کے پیغام کا متن ذیل میں ھدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"تمہارا نام انصار اللہ ہے۔ تم نے اپنے اس نام کی عزّت کا خیال رکھنا ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں حقیقی معنوں میں انصار اللہ بنائے۔ آمین!"

انصار اللہ کے فرائض منصبی

(محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء کو "انصار اللہ" کے دسویں سالانہ اجتماع کا افتتاح محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے فرمایا۔ اس موقع پر آپ نے اجتماع انصار اللہ کے نام حضور ایدہ اللہ کا ایک رُوح پرور تازہ پیغام پڑھ کر سنانے کے علاوہ خود جو افتتاحی خطاب فرمایا اس کا مکمل متن افادۂ عام کی غرض سے ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے (ادارہ)

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے ہم سب کو پھر ایک دفعہ اس مبارک اجتماع میں آپس میں مل کر بیٹھنے کا موقع عطا فرمایا۔ اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے سے یہ فائدہ مدنظر ہے کہ وہ بھائی جن کے پاس زیادہ نور ہے وہ نور اُن میں جو نسبتاً کمزور ہیں۔ سرایت کر کے انہیں قوت دے گا اور اس طرح وہ ایک دوسرے کے اُن پاکیزہ خیالات و افکار سے متاثر ہوں گے جو ان کے دماغوں میں موجزن ہیں۔ نیز وہ اُن روح پرور علمی تقریروں سے مستفیض ہوں گے جو اس اجتماع میں کی جائیں گی۔

قومی اجتماعات کی اہمیت

اسلام نے ایسے قومی اجتماعات کو بڑی اہمیت دی ہے ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ وحدت جمہوری قائم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تمام دنیا کی طرف مبعوث فرما کر یہی ارادہ فرمایا ہے کہ تمام انسانوں کو نفسِ واحد کی طرح بنا دے اور اس کا نام وحدت جمہوری ہے جس سے بہت سے انسان بحالت مجموعی ایک انسان کے حکم میں سمجھے جاتے ہیں۔ مذہب سے بھی یہی منشاء معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح کے دانوں کی طرح وحدت جمہوری کے ایک دھاگے میں سب پروئے جائیں۔ باجماعت نمازوں کا حکم بھی اسی غرض کے لئے ہے کہ تا کل نمازیوں کا ایک وجود شمار کیا جائے حتیٰ کہ حج بھی اسی لئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"اس وحدت جمہوری کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی ابتداء اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ کہ اوّل یہ حکم دیا کہ ہر ایک محلہ والے پانچ وقت نمازوں کو باجماعت محلّہ کی مسجد میں ادا کریں۔ تاکہ اخلاق کا تبادلہ آپس میں ہو اور انوار مل ملا کر کمزوری کو دور کر دیں اور آپس میں متعارف ہو کر اُنس پیدا ہو جاوے۔

تعارف بہت عمدہ شے ہے کیونکہ اس سے اُنس بڑھتا ہے جو کہ وحدت کی بنیاد ہے حتیٰ کہ تعارف والا دُشمن ایک ناآشنا دوست سے بہت اچھا ہوتا ہے۔

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوں کیونکہ ایک شہر کے لوگوں کا ہر روز جمع ہونا تو مشکل ہے۔ اسلئے یہ تجویز کی کہ شہر کے سب لوگ ایک ہفتہ میں ایک دفعہ مل کر تعارف اور وحدت پیدا کریں۔ آخر کبھی نہ کبھی تو سب ایک ہو جاویں گے۔

پھر سال کے بعد عیدین میں یہ تجویز کی کہ دیہات اور شہر کے لوگ مل کر نماز ادا کریں تاکہ تعارف اور انس بڑھ کر وحدت جمہوری پیدا ہو۔ پھر اسی طرح تمام دُنیا کے اجتماع کے لئے ایک دن عمر بھر میں مقرر کر دیا کہ مکّہ کے میدان میں سب جمع ہوں غرضیکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ آپس میں الفت اور اُنس ترقی پکڑے"۔ (ملفوظات جلد ہفتم صـ۱۳۰)

اور ہمارے آج کے سالانہ اجتماع کے بھی یہی مقاصد ہیں۔ پس خوش نصیب ہیں وہ دوست جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس اجتماع میں شمولیت کی توفیق بخشی اللہ تعالیٰ انہیں اس اجتماع کی برکات سے پوری طرح نوازے اور ان کا سفر و حضر میں اور ان کے پیچھے ان کے گھر والوں کا حافظ و ناصر ہو آمین۔

اصلاح نفس اور تبلیغ ہدائیت

برادرانِ کرام! آپ انصار اللہ کے گروہ میں شامل ہیں اور انصار اللہ کی تنظیم میں وہی شامل ہوتا ہے جو اپنی عزیز عمر کے چالیس سال گذار چکا ہو۔ اور اس وقت انسان کی عقل میں پختگی آجاتی ہے۔ ظاہری قویٰ کی نشوونما ختم ہو کر انمیں ضعف اور کمزوری سرایت کرنے لگ جاتی ہے۔ مگر اس وقت اسکی ذمہ داری اپنے نفس کی اصلاح تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کی اولاد اور اس سے چھوٹی عمر والوں کی ذمہ داری بھی ایک حد تک اس پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اُسے اپنے لئے قابل عزت و احترام سمجھکر اس کے اعمال کو دیکھتے اور اسکی نقل کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں سے متعلق یہ ذکر کر کے کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے متعلق انصار اللہ ہونے کا دعویٰ کیا فرماتا ہے۔ " فآمنت طائفة من بنی اسرائیل وکفرت طائفة فایدنا الذین آمنوا علی عدوهم فاصبحوا ظاهرین"۔ کہ ان کی نیکی اور تقویٰ اور انکی تبلیغی جدوجہد اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کا ایک بڑا گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کیا۔ لیکن جب انہوں نے حتی المقدور تبلیغی مساعی میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا تو ہم نے ان کی مساعی کے نتائج کو بابرکت بنا دیا۔ حتیٰ کہ ایمان لانے والا گروہ دوسرے مخالف گروہ پر

غالب آ گیا۔

پس انصار اللہ ہونے کی حیثیت میں ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے تئیں فسق و فجور اور ہر قسم کی ناپاکی سے بچا کر اور تزکیۂ نفس کرکے ایک طرف تو ہم اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل کریں اور دوسری طرف اس آسمانی صداقت کو جسے قبول کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں توفیق عطا فرمائی دوسروں تک پہنچائیں اگر یہ دونو باتیں ہم اس عمر میں نہیں کریں گے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا تھا کہ:۔

"انصار اللہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سے گذر رہے ہیں۔ اور یہ آخری حصہ وہ ہوتا ہے جب انسان دُنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان کی فکر میں ہوتا ہے۔ اور جب کوئی انسان اگلے جہان جا رہا ہو تو اُس وقت اُسے اپنے حساب کی صفائی کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اور وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ ایسی حالت میں دُنیا سے کوچ نہ کر جائے کہ اس کا حساب گندہ ہو۔ اس کے اعمال خراب ہوں اور اس کے پاس وہ زادِ راہ نہ ہو جو اگلے جہان میں کام آنے والا ہے۔ جب احمدیت کی غرض یہی ہے کہ بندے اور خدا کا تعلق درست ہو جائے تو ایسی عمر میں اور عمر کے ایسے حصہ میں اس کا جس قدر احساس ایک مومن کو ہونا چاہیئے وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ (انصار اللہ) اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں گے وہ اگر دین کی محبت اپنے نفوس میں اور پھر تمام دُنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے وہ اگر احمدیت کی اشاعت کو اپنا اوّلین مقصد قرار نہ دیں گے اور وہ اگر اس حقیقت سے اغماض کریں گے کہ انہوں نے اسلام کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے تو انصار اللہ کی عمر کے بعد اور کون سی عمر ہے جس میں وہ یہ کام کریں گے۔"

(الفضل ۱۷ ار نومبر ۱۹۴۳ء)

اے انصار اللہ! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں ایک الٰہی جماعت بنا دے۔ اور تم تمام دُنیا کے لئے نیکی اور راستبازی کا نمونہ ٹھہرو۔ تم اپنے اخلاق اور عادات میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرو جو دوسروں کے لئے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

"چاہیئے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو۔ اور تمہاری پیشانیوں میں اثرِ سجود نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھاؤ۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون"۔ (ازالہ اوہام)

خلق اللہ کی ہمدردی اور ترک ایذاء بنی نوع

دوسری بات جو میں کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سلسلہ احمدیہ کے اُن اصولوں میں سے جو سلسلہ کے لئے امتیازی نشان قرار دیئے ہیں ۔ ایک اصل انسانی ہمدردی اور ترک ایذاء بنی نوع ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :۔

" عام خلق اللہ کی ہمدردی کرو اور اپنے نفسانی جوشوں سے کسی کو مسلمان ہو یا غیر مسلمان تکلیف مت دو نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے "۔

یقین کرو کہ سب سے بڑی ہمدردیٔ خلق راہ حق کی طرف ہدایت دینا ہے ۔ اور رو گردان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے روشناس کرانا ہے ۔ اور اس کے بعد اپنے بھائیوں کا ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا اور آپس میں کمال محبت و اخوّت سے رہنا ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

" میں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو ۔ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں ۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو وہ نمونہ دکھاؤ جو کہ غیروں کے لئے کرامت ہو ۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے ۔ یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ۔"

اور فرماتے ہیں :۔

" اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایک ہو جاؤ ۔ جیسے کہ ایک پیٹ سے دو بھائی ۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں "۔ (کشتی نوح)

اور فرماتے ہیں :۔

" ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دُعا نہیں کرتے اور اسکو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں ۔ کونسا ایسا عیب ہے جو کہ دور نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے "۔ (ملفوظات جلد ۷ صہ ۸)

آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ جب ہمیں کسی جماعت کے دوستوں میں اختلاف اور جھگڑے کی خبر پہنچتی ہے تو ہمیں کس قدر دکھ ہوتا ہے ۔ بعض ایسے ہیں کہ سالہا سال تک ایک دوسرے سے بولنے کے بھی روا دار نہیں ہوتے ۔ اور کینہ اور بغض

سے اپنے سینوں اور دلوں کو صاف کرنا نہیں چاہتے۔ میں انصاراللہ بھائیوں سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اپنے مقامات پہ پہنچ کر اس کمزوری کو دُور کرنے کی کوشش کریں اور دو دو تین تین افراد کی مصالحت کمیٹیاں مقرر کر کے تمام ایسے بھائیوں میں جو ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں صلح کرائیں تا سب کے سب احمدی اللہ تعالیٰ کے بندے ہو کر بھائی بھائی بنکر رہیں۔

پھر خلق اللہ کی ہمدردی سے مراد یہی نہیں کہ ہماری ہمدردی صرف اپنی جماعت کے افراد یا صرف نوع انسان تک محدود رہے۔ بلکہ ہماری ہمدردی ساری مخلوق سے ہونی چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے کہ اگر انسان اُسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے تو رفتہ رفتہ پھر وہ درندہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے جب تک اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ مروت سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے۔ اور اسمیں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔ جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے میں آجکل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہتا۔ کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو نہیں میں سمجھتا ہوں۔ کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں"۔

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

پس ہمدردی کرو مگر تمام مخلوق سے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور اسکی ربوبیت سے نوع انسان اور غیر انسان میں سے کوئی بھی محروم نہیں۔ اور وہ ادنیٰ سے ادنیٰ جانور کو بھی اپنی مربیانہ سیرت سے بے بہرہ نہیں رکھتا۔ اسی طرح اس کے حقیقی پرستار کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ آپ بھی اس صفت اور سیرت اپنے اندر حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق اسکی ہمدردی سے محروم نہ رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسوہ بتاتا ہے کہ آپ دوسروں کی ہمدردی کے لئے بے تاب رہتے اور خصوصاً غرباء اور ضرورتمندوں سے ضرور ہمدردی اور شفقت کا اظہار فرماتے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

"غریبوں کی خاطر خدا تعالیٰ نے سفارش کی ہے اور فرمایا ہے۔ ولا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس یہ صرف غریبوں کے حق میں ہے۔ کہ جن کے کپڑے میلے ہوتے ہیں اور ان کو چنداں علم نہیں ہوتا خدا تعالیٰ کا فضل ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ کیونکہ امیر لوگ تو عام مجلسوں میں خود ہی پوچھے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک۔ ان سے با اخلاق پیش آتا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے غریبوں کی سفارش

کی ہے جو بے چارے گمنام زندگی بسر کرتے ہیں ''۔ (صفحہ ۹۱ ملفوظات جلد ۷)

اسی طرح ایک بڑھیا غریب عورت کے ساتھ حضور کی ہمدردی اور شفقت کا واقعہ ملاحظہ ہو حضور فرماتے ہیں :
" ایک مرتبہ میں باہر سیر کیلئے جارہا تھا۔ ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وہ ذرا آگے تھا اور میں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی ۷۰ یا ۷۵ برس کی ضعیفہ ملی اس نے ایک خط اُسے پڑھنے کے لئے دیا مگر اسنے جھڑکیاں دے کر ہٹادیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی اس نے وہ خط مجھے دیا۔ میں اُسے لے کر ٹھہر گیا۔ اور اسکو پڑھکر اچھی طرح سمجھا دیا اس پر اسے سخت شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا مگر ثواب اسے بھی محروم رہا "۔ (ملفوظات صفحہ ۱۰۶ جلد ۷)

جماعت احمدیہ کا مقام اور اس کا اصل کام

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور اس کے حق میں کنتم خیر امّۃ اخرجت للنّاس و فخر المؤمنین کا سرٹیفکیٹ عطا کر کے تمام دینی سلسلوں اور جماعتوں پر اسے فضیلت دی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دوسری قوموں اور دوسرے اہل مذاہب کو یہ چیلنج کیا۔ انبئونی من مثل ھؤلاء ان کنتم صادقین کہ اگر تم سچے ہو تو اس جماعت جیسی کوئی اور جماعت تو پیش کرو جو اعمال صالحہ اور دنیا میں نیکی قائم کرنے میں اس کی مثیل ہو اور مؤیّدیت تائیدات الٰہیہ ہونے میں اسکی نظیر ہو۔ گویا اس وقت اور کوئی ایسی مذہبی جماعت روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ اور اس امر سے جماعت کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انتخاب سے یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری جماعت میں جسے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک خاص مقصد یعنی اشاعت دین قویم اور اقامت شریعت اسلامیہ کے لئے چنا ہے یہ کام سرانجام دینے کے لئے استعداد موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔ کہ وہ جماعتوں سے ان کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا کرتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد اخترناھم علی علم علی العالمین کہ ہم نے انہیں اس زمانہ کی تمام قوموں سے علم کی بنا پر منتخب کیا تھا۔ اور انہیں ان پر فضیلت عطا کی تھی۔ لیکن فرمایا فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم لیکن جب ان کی رُوحانی حالت بگڑ گئی اور اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور انمیں کجی آگئی اور راہ مستقیم سے دور ہو گئے اور سرکشی اور فسق و فجور کو اختیار کر لیا۔ ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ کے مصداق ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کا غضب ان پر ٹوٹ پڑا وہ یہاں تک گرے کہ انسانیت سے بھی گر گئے اور ان کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا۔ پس یہ عبرت کا مقام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔ کہ یہ جماعت گناہوں سے پاک ہو اور اپنے چال چلن کا عمدہ نمونہ دکھاوے وہ قرآن شریف کی تعلیم پر سچی عامل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنا ہو جاوے۔ ان میں باہم کسی قسم کا بغض و کینہ نہ رہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری اور سچی محبت کرنے والی جماعت ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہو کر اس غرض کو پورا نہیں کرتا اور سچی تبدیلی اپنے اعمال سے نہیں دکھاتا۔ وہ یاد رکھے کہ دشمنوں کی اس مراد کو (کہ یہ جماعت ہلاک اور تباہ ہو جاوے) پورا کر دے گا وہ یقیناً ان کے سامنے تباہ ہو جائے گا۔" (ملفوظات صفحہ ۱۸۸ جلد ۷)

تقویٰ اللہ اختیار کرنے کی اہمیت

پس ہلاکت اور تباہی سے بچنے کے لئے تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اور اس جماعت کے قیام کی غرض بھی یہی ہے کہ زبان کان آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جائے .... تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو اور بے جا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ "حقیقی متقی" جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"وہ شخص ہے کہ جس کی خواہ آبرو جائے ہزار ذلت آتی ہو۔ جان جانے کا خطرہ ہو۔ فقر و فاقہ کی نوبت آئی ہو تو وہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان سب نقصانوں کو گوارا کرے لیکن حق کو ہرگز نہ چھپاوے"

(ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۴۷)

دُنیا آج یہ خیال کرتی ہے کہ کذب اور جھوٹ بولنے اور دھوکہ اور فریب دہی کے بغیر گذارہ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ علماء جو اپنے آپ کو وارث رسول کہتے ہیں وہ یہ فتویٰ دے چکے ہیں۔ کہ اگر اپنا حق لینے کے لئے توریہ سے کام نہ چلے تو صریح جھوٹ بولے اور لکھتے ہیں کہ انسان کی عملی زندگی میں ایسے اوقات بھی آجاتے ہیں جس وقت نہ صرف جھوٹ بولنا جائز بلکہ بعض حالات میں ناگزیر ہوتا ہے۔

لیکن اے انصار اللہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اسلئے کھڑا کیا ہے کہ تا تم صدق اور راستبازی کو جو تمام انبیاء کا شعار رہا اور ان کی جماعتوں کا طرّہ امتیاز تھا دُنیا میں "قولاً" اور "عملاً" قائم کرو۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"خوب یاد رکھو کہ اگر تقویٰ اختیار نہ کرو گے اور اس نیکی سے جسے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کثیر حصہ نہ لوگے تو اللہ تعالیٰ سب سے اول تم ہی کو ہلاک کرے گا۔ کیونکہ تم نے ایک سچائی کو مانا ہے اور پھر عملی طور سے اس کے منکر ہوتے ہو۔ اس بات پر ہرگز مغرور مت ہو کہ بیعت کر لی ہے۔ جب تک پورا تقویٰ اختیار نہ کرو گے ہرگز نہ بچو گے"۔ (صفحہ ۲۴۹ ملفوظات جلد ۷)

پس تقویٰ اختیار کرو اور خدا سے مدد چاہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں اور آپ کے قلم اور زبان سے نکلے ہوئے کلماتِ طیبہ اور ملفوظات مبارکہ کا جہاں تک ممکن ہو بکثرت مطالعہ کرو کہ وہ ہدایت اور نور سے پُر ہیں۔ اور زندگی کے ہر پہلو کی اصلاح کا ان میں سامان موجود ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی کتب و ملفوظات کا بالاستیعاب مطالعہ

اللہ تعالیٰ نے جب سے کہ اپنے مقدس انبیاء اور مرسلین کے ذریعہ نوعِ انسانی کی ہدایت کا سلسلہ شروع کیا صرف دو ہی مبارک وجود ایسے ہیں جنہیں دُنیا کی تمام اقوام اور تمام مذاہب اور تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا یعنی سیّدنا و مولٰنا خاتم الانبیاء سیّد المرسل والاصفیاء حضرت محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خادم و غلام حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور ان دونوں کی وحی اور ان کے ملفوظات اللہ تعالیٰ نے اسلئے محفوظ کر دیئے تا قیامت تک آنیوالے لوگ ان سے ہدایت اور نور حاصل کرتے رہیں۔ پس میں انصار اللہ سے یہ اپیل کروں گا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور ملفوظات ہمیشہ اپنے زیر مطالعہ رکھیں بلکہ مساجد اور گھروں میں ان کے درس جاری کریں۔ تا وہ اور ان کی اولادیں اور جماعت کے دیگر افراد اس نور اور ہدایت سے مستفید ہوں جو ان میں ودیعت کی گئی ہے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ جماعت کے دوستوں نے ابھی تک اس امر کی طرف کماحقہٗ توجہ نہیں دی۔ اور میں یہ اپنے علم کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظاتِ طیبہ جو پہلی دفعہ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کی صورت میں شائع کر رہی ہے۔ اور سات جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ ان کی طرف جماعت نے وہ توجہ نہیں دی جو انہیں دینی چاہیئے تھی۔ یہ ملفوظات خدا تعالیٰ کے مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ کلمات مبارکہ ہیں جو آپ نے بذاتِ خود اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تا وہ اپنی اصلاح کر سکیں اور مدارج روحانیہ حاصل کر کے اس غرض کو پورا کر سکیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اس بیش بہا روحانی دولت کے خزانہ کو حاصل کریں جس کے حصول پر ان کی دُنیا اور آخرت کی سعادت موقوف ہے۔

آخری نصیحت

میری آخری نصیحت یہ ہے کہ ہر حال میں عسر ہو یا یسر تنگی ہو یا آسانی۔ اپنے خالق و رازق خدا سے مدد چاہتے رہو اور دُعا کرتے رہو۔ دُعا کی مثال جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"ایک چشمہ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو

سیراب کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دُعا ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا" (صفحہ ۵۹ جلد ۷ ملفوظات)

"یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا اس کے دین دنیا پر آفت نہ آئے گی وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔۔۔ یہ میری نصیحت ہے۔ جس کو میں ساری نصائحِ قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں"۔ (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

اور ایک نصیحت کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو بار بار کرتے رہتے۔ ہمیشہ یاد رکھو جو یہ ہے :۔

"کوئی جوانی پہ بھروسہ نہ کرے کہ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر ہے۔ اور ابھی بہت وقت باقی ہے۔ تندرست اپنی تندرستی اور صحت پر ناز نہ کرے۔ اسی طرح اور کوئی شخص جو عمدہ حالت رکھتا ہے وہ اپنی وجاہت پہ بھروسہ نہ کرے۔ زمانہ انقلاب میں ہے۔ یہ آخری زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ صادق اور کاذب کو آزمانا چاہتا ہے۔ اس وقت صدق و وفا کے دکھانے کا وقت ہے اور آخری موقعہ دیا گیا ہے۔ یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہ وقت ہے کہ تمام نبیوں کی پیشگوئیاں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے صدق اور خدمت کا یہ آخری موقعہ ہے جو نوع انسان کو دیا گیا ہے۔ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ جو اس موقع کو کھو دے۔

نرا زبان سے بیعت کا اقرار کچھ چیز نہیں۔ عمل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس راہ پہ چلو جو میں نے پیش کی ہے۔ عبد اللطیف رضی کے نمونہ کو ہمیشہ مدنظر رکھو کہ اس سے کس طرح پر صادقوں اور وفاداروں کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے پیش کیا ہے۔

ہمیشہ ملتے رہو یہ دنیا چند روزہ ہے۔ ایک دن آتا ہے کہ نہ ہم ہوں گے نہ تم اور نہ کوئی اور۔ یہ سب جنگل ویرانہ ہو گا۔

آخری وقت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ آنے والی نسلیں آپ لوگوں کا منہ دیکھیں گی۔ اگر تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس تعلیم کا عامل نہ بناؤ گے۔ تو گویا آنیوالی نسلوں کو تباہ کرو گے۔ انسان کی فطرت میں نمونہ پرستی ہے وہ نمونہ سے بہت جلد سبق لیتا ہے۔ ایک شرابی اگر کہے کہ شراب نہ پیئو، یا ایک زانی کہے کہ زنا نہ کرو، یا ایک چور کہے کہ چوری نہ کرو تو ان کی نصیحتوں سے دوسرے کیا فائدہ اٹھائیں گے۔ بلکہ وہ تو کہیں گے کہ بڑا ہی خبیث ہے وہ جو خود کرتا ہے۔ دوسروں کو اس سے منع کرتا ہے۔ جو لوگ خود ایک بدی میں مبتلا ہو کر وعظ کرتے ہیں وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں"۔

(ملفوظات جلد ۶ صفحہ ۱۶۴)

"پس خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہو گے۔ تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دیئے جاؤ گے اور خدا ہر ایک قدم میں تمہارے ساتھ ہو گا اور کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکے گا...... یقیناً یاد رکھو کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور دل ان کے خدا کے خوف سے پگھل جاتے ہیں انہیں کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور وہ ان کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔ دنیا صادق کو نہیں دیکھتی پر خدا جو علیم و خبیر ہے وہ صادق کو دیکھ لیتا ہے۔ پس اپنے ہاتھ سے اسکو بچاتا ہے۔ کیا وہ شخص جو سچے دل سے تم سے پیار کرتا ہے۔ اور سچ مچ تمہارے لئے مرنے کو بھی تیار ہوتا ہے۔ اور تمہارے منشاء کے موافق تمہاری اطاعت کرتا ہے اور تمہارے لئے سب کو چھوڑتا ہے۔ کیا تم اس سے پیار نہیں کرتے ہو پھر کیونکر خدا نہیں کرے گا۔ خدا خوب جانتا ہے۔ کہ واقعی اس کا وفادار کون ہے اور کون غدار اور دنیا کو مقدم رکھنے والا ہے۔ سو تم اگر ایسے وفادار ہو جاؤ گے۔ تو تم میں اور تمہارے غیروں میں خدا کا ہاتھ ایک فرق کر کے دکھلائے گا!

ہمارے کام کا انسان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہمارے کام کا وہ انسان ہو سکتا ہے جبکہ ایک مدت اور نہیں تو کم از کم ایک سال ہماری مجلس میں رہے اور تمام ضروری امور کو سمجھ لیوے اور ہم اطمینان پا جاویں کہ تہذیب نفس اسے حاصل ہو گئی ہے تب وہ بطور سفیر وغیرہ کے یورپ وغیرہ ممالک میں جا سکتا ہے۔ مگر تہذیب نفس مشکل مرحلہ ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھنا آسان مگر یہ مشکل۔ دینی تعلیم کے لئے بہت علوم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ طہارت قلب اور شے ہے۔ خدا ایک نور جب دل میں پیدا کر دیتا ہے تو اس سے علوم خود حاصل ہوتے جاتے ہیں"

(البدر یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

"خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا"

(المسیح الموعودؑ)

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالدؔ ایم اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کی خدمت کے لیے بے پناہ جوش سے سرشار تھے اور حضورؑ کے دل میں یہ شدید تڑپ تھی کہ آپؑ خدا تعالیٰ ہی کے ہو جائیں اسی کیلئے سب کچھ قربان کر دیں اور اسی میں کھوئے جائیں کیونکہ

"جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔" (الحکم ۳۱ اگست ۱۹۰۱ء)

اور کیونکہ

"سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دیں تا کہ وہ حیاتِ طیبہ کے وارث ہوں"۔ (الحکم ۱۶ اگست ۱۹۰۱ء)

چنانچہ جہاں حضور علیہ السلام نے خود اپنی ساری طاقتیں اور ساری قوتیں مادام الحیات اسی مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ اور اس طرح خدا میں کھوئے جا کر ایک نئی زندگی پالی وہاں حضورؑ کی یہ زبردست خواہش بھی تھی کہ آپؑ کو ماننے والے اور آپ کی اتباع کا دعویٰ کرنے والے بھی اسی رنگ میں رنگین ہو جائیں اور خدا کے لئے سب کچھ قربان کر دیں حضورؑ کی اتباع میں اسکی راہ میں اپنے اوپر فنا وارد کر لیں اور نئی زندگی پا جائیں چنانچہ انہیں وقف کی پرزور تحریک فرماتے ہوئے حضورؑ نے فرمایا:-

"پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر مجھے کہدیا جائے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کردوں اور یہ بات پہنچا دوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سُنے یا نہ سنے کہ

اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیاتِ طیبہ اور ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ

اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کر لے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی میری موت میری قربانیاں میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی رُوح بول اٹھے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا خُدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور خُدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں"

(الحکم ۳۱ر اگست ۱۹۰۰ء)

ان ارشاداتِ عالیہ میں حضور علیہ السلام نے نہایت درد بھرے انداز اور پُر زور الفاظ میں وصیّت اور تاکید فرمائی ہے کہ جماعت کا ہر فرد اللہ تعالےٰ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے یہاں تک کہ اسکی زندگی اور اسکی موت غرضیکہ اس کا سب کچھ خدا تعالےٰ کے لئے ہو جائے پھر آپؑ نے محاسبہ کی تحریک فرماتے ہوئے تاکیداً فرمایا کہ افراد جماعت اس امر کا جائزہ لیتے رہیں کہ ان میں سے کتنے ہیں جو حضورؑ کے اس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔

خدا تعالےٰ کے لئے زندگی وقف کر دینے سے یہ مطلب نہیں کہ انسان راہب بن جائے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں جا بسے اور دُنیا اور اس کے کاروبار سے کوئی واسطہ نہ رکھے بلکہ خدا کے لئے زندگی وقف کر دینے سے غرض یہ ہے کہ دُنیا مقصود بالذات نہ ہو اصل غرض دین کا حصول ہو دُنیا کا حصول اس کے لئے محض ایک وسیلہ ہو زندگی کا اصل مقصد نہ ہو جیسے کسی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے سواری ایک وسیلہ ہوتی ہے اصل مقصود نہیں ہوتی چنانچہ وقف کا مفہوم بیان فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دُنیا سے کوئی غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ اللہ تعالےٰ دُنیا کے حصول سے منع کرتا ہے بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے یہ بزدلوں کا کام ہے مومن کے تعلقات جس قدر وسیع ہوں وہ اس کے مراتبِ عالیہ کا موجب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا نصب العین دین ہوتا ہے اور دُنیا اور اس کا مال و جاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دُنیا مقصود بالذّات نہ ہو۔ بلکہ حصول دنیا سے اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دُنیا کو حاصل کیا جائے کہ وہ دین کی خادم ہو ......

اللہ تعالےٰ نے جو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً اس میں بھی دُنیا کو مقدّم کیا ہے لیکن کس دُنیا کو؟ حَسَنَۃَ الدُّنْیَا کو جو آخرت میں حَسَنَات کا موجب ہو جائے" (الحکم ۱۶؍ اگست ۱۹۰۱ء)

اور مزید تشریح فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"خود اللہ تعالےٰ اس للّٰہی وقف کی طرف ایما کر کے فرماتا ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اس جگہ اسلم وجھہ للہ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال آبرو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے خدا ہی کے لئے وقف کرے اور دُنیا اور اسکی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے" منہ

خدا کی خاطر زندگی وقف کرنے والے کبھی گھاٹے اور نقصان میں نہیں رہتے بلکہ خداتعالےٰ ان کا خود کفیل ہو جاتا ہے ان کے سب کام خود بنا دیتا ہے۔ اور انہیں ہر قسم کے ہمّ وغم سے نجات دے دیتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"یاد رکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر ان کو اطلاع ملتی۔ جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اس للّٰہی وقف کا اجر ان کا رب دینے والا ہے یہ وقف ہر قسم کے ہموم وغموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے"۔ (الحکم ۳۱؍ اگست ۱۹۰۰ء)

اور پھر فرمایا:۔

"یہ مت سمجھو کہ تم خداتعالےٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت سے دُشمن پیدا ہو جائیں گے۔ خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا اور اس پر کبھی بُرے دن نہیں آسکتے۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو اگر تمام دُنیا اسکی دُشمن ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں"۔ (الحکم ۱۰؍ جولائی ۱۹۰۲ء)

اور اُن لوگوں پر جو ان باتوں کے باوجود اپنی زندگی خدا کے لئے وقف نہیں کرتے تعجّب کا اظہار

فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

"مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف نہیں کر دیتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کرکے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی ہیں"۔ (الحکم ۳۱؍اگست ۱۹۰۰ء)

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو حضور علیہ السلام کے تتبع اور حضورؑ کے ارشادات کی تعمیل میں اسلام کے لئے زندگی وقف کرنے کی توفیق دے اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص بصمیم قلب یہ کہہ سکے کہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (آمین یا رب العالمین)

خوفِ الٰہی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"انسان کو ہر وقت خدا تعالےٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ کھلی اور چھپی ہوئی بدکاریاں آخر انسان پر وہ گھڑی لے آتی ہیں جس کا اُسے آسائش کے ایّام میں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف ہر وقت دل پر رہے اور اس کی عظمت وجبروت سے ڈرتا رہے اور اعمالِ صالحہ کی کوشش کرتا رہے اور پھر دُعا کے ساتھ اس کی توفیق مانگے"۔

(الحکم ۱۰؍مارچ ۱۹۰۴ء)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ

(مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ مربی سلسلہ مقیم حیدر آباد)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ تھے۔ اور ۱۸۹۰ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے بعد جلد ہی حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ اس طرح حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں رہنے لگے۔ اور حضور کی پاک صحبت تربیت اور روحانی توجہ سے فیض یاب ہوئے۔ چنانچہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں :-

"میری پیدائش ۱۸ر دسمبر ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی جہاں حضرت والد صاحب مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً ۱۸۹۴ء کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قیام آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے ۱۸ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اچھی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضورؑ نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کو خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہوں سے فرماتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جانا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔ آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں۔ جن دنوں حضورؑ باہر مہمانوں میں کھانا کھایا کرتے تھے دونوں وقت میں بھی شریک ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہم عربی میں اسقنی الماء کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے۔ بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؑ نے مغرب و عشاء (کی نمازیں) اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔ غالباً میں پیدائشی احمدی ہوں۔ نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضورؑ کے دعاوی پر ایمان ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ

کو دل سے صدیق اکبر اور سچا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبّت و پیار کا تعلق تھا۔ ان کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو خلیفہ ثانی سمجھا اور سمجھتا ہوں۔ باقاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبد الکریم صاحبؓ، حافظ روشن علی صاحبؓ، مولوی سرور شاہ صاحبؓ، مولوی محمد اسماعیل صاحبؓ اور حضرت خلیفہ اولؓ سے عربی علوم کے پڑھنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۳ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہؤا۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرس تھا۔ اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔ اس ملازمت کے علاوہ بعض اَور کام بھی خلافت ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وجود سے جو شرف حاصل ہوئے وہ اس لئے لکھے ہیں کہ ابتدا اچھی ہے۔ پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہا بھی ایسی اچھی ہو کہ

عروسی بود نوبت ماتمت ٭ اگر بر نکوئی بود خاتمت "

(منقول از رسالہ جامعہ احمدیہ قادیان دسمبر ۱۹۳۰ء)

حضرت میر صاحبؓ ہمارے استاد تھے اور بڑے شفیق استاد تھے۔ آپ پُر وقار اور پُر رعب شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ بے تکلفی، بشاشت اور محبت سے گفتگو کرتے۔ اور مسکراہٹ آپ کے چہرہ پر کھیلتی رہتی تھی۔ طرزِ بیان نہایت پیارا اور دلکش تھا۔ مسئلہ خواہ کیسا ہی مغلق اور پیچیدہ ہو آپ ایسے آسان طریق پر بیان کرتے کہ ذہنوں میں بیٹھ جاتا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا عطا کیا تھا۔ مذاہب عالم کا بڑا وسیع مطالعہ تھا۔ احادیث پر عبور تھا۔ درسِ حدیث اس شان سے دیتے کہ سننے والوں کو وجد آجاتا۔ خود بھی روتے اور سننے والوں کو بھی رلاتے۔

تعلیمی لحاظ سے آپ کا کارنامہ مبلغین سلسلہ کو تیار کرنا ہے۔ اِس وقت جو علماء اور مبلغین میدان جہاد میں خدمات بجا لا رہے ہیں اُن میں اکثریت اُن کی ہے جنہوں نے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

مہمان نوازی اور اکرام ضیف کا وصف بھی آپ میں بدرجۂ احسن پایا جاتا تھا۔ آپ کے سپرد ایک لمبا عرصہ ناظر ضیافت کا عہدہ رہا۔ جلسہ سالانہ میں مہمان نوازی کے فرائض بھی آپ کے سپرد رہے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے ان فرائض کو سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے اکرام ضیف کی وجہ سے ہر باہر سے آنے والا مہمان یوں محسوس کرتا کہ گویا میں اپنے گھر میں آگیا ہوں۔

غرباء پروری اور یتیم نوازی آپ کا امتیازی وصف تھا۔ جماعت کے غریب، یتیم اور بے کس افراد کی پرورش، تعلیم اور ترقی کے لئے آپ رات دن کوشاں رہتے۔ بڑی محبت و الفت اور پدرانہ شفقت کا ان کے ساتھ سلوک کرتے۔

دارالشیوخ آپ کی ہی یادگار تھی۔ جس میں سینکڑوں غریب، معذور اور یتیم بچے آپ کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پاتے تھے۔
آپ بلند اخلاق کے حامل تھے۔ قول و عمل یکساں تھا۔ عالم باعمل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے والہانہ محبت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ کے سوانح زندگی بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے۔ آپ نہایت کامیاب مناظر تھے۔ بڑے اطمینان اور دلجمعی سے مدمقابل کے اعتراضات کا جواب دیتے۔ اور مجمع پر چھا جاتے۔

آپ معمور الاوقات تھے اور خدمت خلق۔ غرباء و یتامیٰ پروری اور علمی خدمات میں آپ مشغول رہتے۔ لیکن طبیعت پُرمذاق تھی اور آپ ایک زندہ دل انسان تھے اور تقویٰ کی باریک راہوں پر آپ کا عمل تھا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ وہ پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ قادیان بیان فرماتے ہیں:۔

"موضع کھاہڑی میں گڑبڑ کے نتیجہ میں فریقین پر ایک دوسرے کے خلاف مقدمہ دائر ہو گیا۔ جس میں پندرہ سولہ احمدیوں کو ملزم گردانا گیا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحومؓ اور خاکسار بھی انہیں میں تھے۔ چنانچہ اس مقدمہ کی تاریخ کے لئے ہمیں گورداسپور اور دھاریوال جانا پڑتا تھا۔ ہم صبح کی گاڑی قادیان سے چلکر بٹالہ اتر جاتے اور پٹھانکوٹ کی گاڑی کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں آرام کرتے جو بابو محمد شریف صاحب احمدی مرحوم کے آباؤ اجداد نے بنوائی ہوئی تھی۔ اسی جگہ صبح کا ناشتہ بھی کرتے۔ ان دنوں قادیان سے یہ گاڑی منہ اندھیرے ہی روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد میں حضرت میر صاحب نے جو امیر قافلہ ہوتے تھے آنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا کہ چار پانچ آدمی زیادہ آئے ہیں۔ اس پر آپ نے مجھے حکم دیا اسٹیشن سے اتنے ٹکٹ بٹالہ تا قادیان لائے جائیں۔ چنانچہ ٹکٹ آنے پر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ دیا اور فرمایا چونکہ یہ دوست گاڑی پر سواری کر چکے ہیں اور محکمہ ریل نے پوچھا نہیں مگر سرکار کو اس کا حق ملنا چاہیئے"۔

(الفرقان ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء صد ۴۵)

حضرت میر صاحبؓ کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء کو چوّن سال کی عمر میں ہم کو داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کی وفات سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت میر صاحبؓ اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تھے تو حضرت مسیح موعودؑ

کے دُعا کرنے پر حضورؑ کو ان کے متعلق قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ الہام ہُوا تھا کہ "سلامٌ قولاً من رّبٍّ رّحیم" اور وہ اس خدائی بشارت کے ماتحت اُس وقت صحت یاب ہو گئے لیکن جب ان کی مقدر اجل آ گئی تو یہ عجیب توارد ہے بلکہ غیر معمولی تصرفِ الٰہی ہے کہ ان کے پہلو میں لیسین پڑھنے والے دوست جب اس آیت پر پہونچے کہ "سلامٌ قولاً من رّبٍّ رّحیم" تو عین اُس وقت حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے خدائی آواز پر لبیک کہا اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ گویا یہی قرآنی آیت بچپن کے زمانہ میں میر صاحبؓ کی دنیوی زندگی کی بشارت بنی اور اجل مقدر کے وقت اخروی زندگی کی کامیابی کی بشارت بھی یہی قرآنی آیت بنی"۔

(رسالہ الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو جو خراجِ تحسین عطا فرمایا اس کا ایک مختصر اقتباس حسب ذیل ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ، خدمات سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر انہی کو رہتا تھا۔ وہ رات دن قرآن و حدیث پڑھانے میں لگے رہتے تھے۔ زندگی کے اس آخری دَور میں وہ کئی بار موت کے منہ سے بچے۔ کیونکہ جلسہ سالانہ پر وہ اس طرح اندھا دھند کام کرتے تھے کہ کئی بار ان پر نمونیہ نے حملہ کیا۔ میر صاحبؓ کی وفات سلسلہ کا نقصان ہے اور اتنا بڑا نقصان ہے کہ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ اس نقصان کا پورا کرنا آسان نہیں"

(الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء)

بالآخر ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ حضرت میر صاحبؓ کے درجات کو بلند کرے۔ آپ پر برکات نازل فرمائے۔ اور ہم سب کو آپ کے پاک نمونہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دارالامان میں داخلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"تکالیف کو برداشت کرنے پر آمادہ رہو اور ہر ابتلا اور امتحان میں پورے اُترنے کے لئے کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے اسکی توفیق اور مدد چاہو تو میں تمہیں یقیناً کہتا ہوں کہ تم صالحین میں داخل ہو کر خدا تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت کو پاؤ گے اور ان تمام مشکلات پر فتح پا کر دارالامان میں داخل ہو جاؤ گے"۔

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء)

قبولیتِ دُعا کی دو ذاتی مثالیں

(مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق مبلغ انچارج غانا و مغربی افریقہ)

مثالِ اوّل

میرے پہلے تبلیغی دورۂ گولڈ کوسٹ (غانا) کے دوران ۱۹۳۹ء میں گولڈ کوسٹ کا ایک نوجوان باشندہ جو بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ حج کے لئے گیا تھا اور اپنی پوری جوانی تک مکہ میں ہی رہا تھا اپنے وطن گولڈ کوسٹ واپس لوٹا اور ایک گاؤں بنام صراحہ میں اس نے اقامت اختیار کی۔ اس نے واپس پہنچتے ہی پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ مہدی علیہ السلام ہرگز ظاہر نہیں ہوئے اور احمدیت (نعوذ باللہ) باطل ہے۔

جب اس غیر احمدی نوجوان کا چرچا اس علاقہ میں زیادہ ہوا تو علاقہ کے احمدی چیف رئیس میرے پاس لوکل مرکز سالٹ پانڈ میں آئے اور بیان کیا کہ اس قسم کا ایک غیر احمدی نوجوان مکہ سے واپس آیا ہے جو ہمارے علاقہ میں احمدیت کے خلاف لوگوں کو اکسا رہا ہے اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے آپکو وہاں جاکر اس کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہیئے اور یہ کہ اگر اسکے اثر کو جلد زائل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ بعض احمدیوں کی ٹھوکر کا باعث بنے گا۔ انکی گفتگو سن کر میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں انشاء اللہ ضرور جاؤں گا اور اس شخص سے مناظرہ کرونگا چنانچہ دوسرے دن ہی میں اس علاقہ میں گیا اور بمقام صراحہ جو کہ احمدیت کی مخالفت کا پرانا مرکز ہے پہنچا میرے پہنچنے سے پہلے ہی اردگرد کے احمدی احباب وہاں موجود تھے میں نے ایک کثیر مجمع کے سامنے اس غیر احمدی نوجوان سے گفتگو شروع کردی اور اسے چیلنج دیا کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے کہ مہدی علیہ السلام ظاہر نہیں ہوئے اور احمدیت نعوذ باللہ باطل ہے تو میرے ساتھ مناظرہ کرلے لیکن اس نے مناظرہ کرنے سے بالکل انکار کردیا اور وہ اور اس کے ہمنوا غیر احمدی کہنے لگے کہ مناظرہ کی بجائے آپ ظہور مہدی علیہ السلام اور انکی صداقت پر لیکچر دیں اور ہم سنتے ہیں اور لیکچر کے بعد ہم آپ پر کچھ سوالات کریں گے۔ چنانچہ خاکسار نے اڑھائی گھنٹہ تک مسلسل ایک مبسوط تقریر علامات ظہور مہدی و مسیح علیہ السلام پر کی تقریر کے بعد ایک شخص نے صرف دو سوال مجھ پر کئے جن کے جوابات دیئے گئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ممکن ہے وہ لوگ مزید استفسارات کریں میں اس گاؤں میں ایک رات ٹھہر گیا لیکن کسی نے کوئی بات دریافت نہ کی اور میں دوسرے دن واپس سالٹ پانڈ لوٹ آیا لیکن میری واپسی کے ایک دن بعد صراحہ گاؤں اور اس کے آس پاس کے غیر احمدی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے سفید لٹھے کا جھنڈا بنایا اور اپنے سروں اور کلائیوں پر سفید لٹھے کی پٹیاں باندھیں جسے وہاں فتح یابی کی علامت قرار دیا جاتا ہے اور مختلف دیہات میں بطور جلوس گھومے اور نعرے لگائے کہ ہم نے امیر جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ کو شکست دیدی ہے اور ساتھ ہی وہ فینٹی میں گاتے جاتے Mahdi onba asasse onwsu. یعنی "مہدی ظاہر نہیں ہوا کیونکہ زلزلہ نہیں آیا گویا

ان کے نزدیک مہدی کے آنے کی بڑی علامت زلزلہ کا آنا تھا اور وہ ان کے ملک میں نہیں آیا۔ مجھے جب ان کے اس رویہ کی خبر پہنچی تو میں نے چند دن نہایت ہی قلق کے ساتھ دُعا کی اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے اظہار اور تائید کے لئے اس ملک میں زلزلہ کا نشان ظاہر فرمائے۔ چند دنوں کی دُعا کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ گولڈ کوسٹ میں ضرور زلزلہ کا نشان مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دکھلائے گا۔

چنانچہ اس وثوق اور یقین کی بناء پر میں نے اس علاقہ کی احمدی جماعتوں کو ایک سرکلر بھیجا کہ فلاں فلاں تاریخ کو فلاں فلاں گاؤں میں اجلاس منعقد کئے جائیں گے اسلئے اردگرد کی جماعتیں وہاں پہنچ جائیں چنانچہ اُس علاقہ کے تین گاؤں یعنی افرانسی، اکوامکرم اور مدینہ پٹیڈ یاسی جو ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر واقع ہیں کے متعلق اعلان کیا گیا۔ اول الذکر دو تو دیہات میں مقررہ تواریخ پر پبلک اجلاس منعقد کئے گئے جن میں احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی۔ مشرک اور عیسائی بھی شریک ہوئے ان اجلاسوں میں میں نے اپنے مناظرہ کے چیلنج اور تقریر کا ذکر کیا اور اصل حقیقت سے پبلک کو آگاہ کیا کہ مکہ سے واپس آنے والے نوجوان نے میری ایک بات کا بھی جواب نہ دیا اور نہ ہی اسے میری تقریر پر اعتراض کرنے کی جرأت ہوئی صرف ایک شخص نے دو سوال دریافت کئے جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے اور بجائے اس کے کہ یہ لوگ ندامت سے اپنے سر نیچے کرتے الٹا انہوں نے جھوٹی فتح یابی کا گانے اور ناچنے سے اظہار کیا۔ نیز ہر دو دیہات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں متعلق زلازل بیان کر کے عام پبلک میں ببانگ دہل اعلان کیا کہ دُنیا کے دوسرے ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق زلازل آچکے ہیں اور اب گولڈ کوسٹ (غانا) کی باری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت میں ضرور جلد ہی گولڈ کوسٹ کی زمین زلزلہ سے ہلا کر آپ کے مخالفین کو ملزم کرے گا۔

اس دورہ کو جاری رکھتے ہوئے جب میں تیسرے گاؤں مدینہ پٹیڈ یاسی بروز جمعرات پہنچا اور دوسرے دن حسب تاریخ مقررہ اجلاس منعقد ہونا تھا تو دورہ کے تیسرے اجلاس کے منعقد ہونے سے پہلے جمعرات کی رات کو قریباً آٹھ بجے شام شدید زلزلہ آیا جس کے جھٹکے رات کو بعد میں بھی محسوس ہوتے رہے اس زلزلہ سے گولڈ کوسٹ میں کئی مکانات مسمار ہوئے اور بعض مقامات پر غیر از جماعت لوگ بوجہ خوف اپنی جانیں بچانے کے خیال سے زلزلہ کے وقت احمدیہ مساجد میں جا گھسے چنانچہ اس زلزلہ کے نشان کو دیکھ کر بعض مشرک اور عیسائی اپنے ستار بجا بجا کر Mahdi waba na asasse wawasu کا گیت گاتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ "مہدی ظاہر ہو گیا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ زلزلہ آ گیا ہے"۔ یہ زلزلہ ماہ جولائی ۱۹۳۹ء میں آیا جو ایک طرف تو اس عاجز کی دُعا کی قبولیت کا ثبوت تھا اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زبردست نشان۔ اور اس کا ایک نمایاں اثر یہ ہوا کہ جب خاکسار دورہ کے بعد سالٹ پانڈ

واپس لوٹا تو ایک اشتہار مشتمل بر پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام متعلقہ زلازل عربی اور انگریزی میں فوراً شائع کیا اور ایک ماہ کے اندر ۱۸۰ نومبائعین جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے ۔ فالحمد للہ علی ذالک ۔

دوسری مثال

ایک دفعہ کا واقعہ ہے یہ عاجز تن تنہا بوقت شب سالٹ پانڈ مشن ہاؤس میں اندھیری شب کی تاریکی میں تہجد کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھا۔ جب میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا تو میرے دل میں دوران تہجد رویت باری تعالیٰ کی خواہش پیدا ہوئی اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے میں نے نہایت ہی زاری سے دعا شروع کردی۔ تضرع اور ابتہال کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح رواں تھے ایک رکعت میں جب میں نے رکوع سے سر اٹھایا اور قیام کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ پڑھا تو پنجابی میں میری زبان سے نکلا۔ " او اللہ تو کہیو جہیا ایں "۔ یعنی اے اللہ تو کیسا ہے ۔ جب یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تو رات کی تاریکی میں میرے قبلہ رخ جو بند کھڑکی تھی اس پر ٹینس بال جتنی ایک گول روشنی ظاہر ہوئی اس کے بعد وہ گولائی میں والی بال اور پھر فٹ بال کے سائز پر نمودار ہوئی ۔ اور گولائی میں بڑھتی بڑھتی تمام کھڑکی پر ظاہر ہوتی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ ایک قوی ہیکل انسان کی شکل میں روشنی میں کھڑکی پر ظاہر ہؤا ۔ لباس بہت ہی فاخرانہ اور خوبصورت تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور ہوا کے چلنے سے لباس سے ہلکی سی سُریلی آواز پیدا ہو رہی تھی ۔ یہ نظارہ دو تین منٹ تک جاری رہا ۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کو سُنتا اور قبول کرتا ہے اور اپنے کمال رحم اور شفقت اور مہربانی سے مختلف صورتوں میں بندوں پر ظاہر ہو کر اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے ۔

صحابہؓ کی جان نثاریاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" ہمارے ہادیٔ اکملؐ کے صحابہؓ نے اپنے خدا اور رسولؐ کے لئے کیا کیا جاں نثاریاں کیں ۔ جلاوطن ہوئے ظلم اٹھائے ، طرح طرح کے مصائب برداشت کئے ، جانیں دیں ، لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے ۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جاں نثار بنا دیا ۔ وہ سچی الٰہی محبت کا جوش تھا " (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

اجتماع انصار اللہ کی رُوحانیت سے معمور فضا

شرکت کی سعادت سے بہرہ یاب ہونیوالے احباب کے قلبی تاثرات

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس کے خاص فضل اور احسان کے نتیجے میں امسال بھی انصار اللہ کا سالانہ اجتماع ربوہ کی مقدس سرزمین میں ۱۳ نومبر سے ۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء تک اپنی روایات کے مطابق دعاؤں ذکر الٰہی اور انابت الی اللہ کے رُوح پرور ماحول میں بڑی آب و تاب کے ساتھ منعقد ہوا اور ہوا بھی اس شان سے کہ وَ لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی کے خدائی وعدہ کے ماتحت سابقہ اجتماعوں پر ایک گونہ سبقت لے گیا۔ فالحمد للہ علی ذالك۔

حقیقت یہ ہے کہ اجتماع کے بابرکت ایام میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بصیرت افروز پیغام اور بیش بہا نصائح پر مشتمل محترم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کے افتتاحی خطاب کے بعد اجتماع کے ہر اجلاس میں اُس اجلاس کے مقررہ موضوع پر سلسلہ وار قرآن مجید کی آیات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب و ملفوظات کے پُر معارف درسوں، علماء سلسلہ کی ایمان افروز تقاریر اور آخر میں محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے پُر مغز و پُر اثر اختتامی خطاب نے وہ سماں باندھا کہ روحانی کیف و سرور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا اور فزوں سے فزوں تر ہوتا چلا گیا اور اس طرح اجتماع میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے والے خوش نصیب انصار کو علم و عرفان اور تزکیۂ نفوس و تطہیرِ قلوب کی دولت سے مالا مال کرنے کا موجب بنا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر شب نمازِ تہجد میں عجز و نیاز ہر روز دعاؤں میں آہ و زاری بکثرت ذکر الٰہی اور صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کی زبانی حضور کی سیرتِ طیبہ کے اذکارِ مقدس نے سوز و گداز اور عشق کی گرمی سے روحوں کو پگھلا کر رکھدیا، سینے دُھل کر صاف ہو گئے اور چہرے روحانی مسرت و شادمانی سے کِھل کر گلُ تر کی طرح نکھر اُٹھے۔ الّا ماشاء اللہ سبھی نے اجتماع کی روحانیت سے معمور فضا کی اثر انگیزی کو محسوس کیا اور حسبِ استعداد اس سے رُوحانی حظ اٹھایا۔ چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر بعض احباب کے تاثرات ذیل میں ہم درج کرتے ہیں جو اجتماع کی روحانیت سے معمور فضا اور اس کی اثر انگیزی پر دال ہیں۔

مبالغہ نہیں حقیقت

سب سے پہلے مکرم جناب شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ کوئٹہ و قلات ڈویژن نیز ممبر نگران بورڈ کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں۔ آپ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد مجلس انصار اللہ کے رکن کی حیثیت سے امسال پہلی بار اجتماع میں شمولیت

کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ آپ مکرم جناب قائد صاحب عمومی مجلس مرکزیہ کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۸ نومبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سب سے پہلی چیز جس نے مجھے بہت متاثر کیا وہ حسنِ انتظام ہے جو شروع سے آخر تک اپنے پورے جمال کے ساتھ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ میں نمایاں طور پر نظر آیا۔ اس انتظامی قابلیت کے لئے متعلقہ عہدیداران مرکزیہ مستحق دعائے خاص و مبارکباد ہیں۔ ناشتہ اور کھانا کھانے کے وقت مہمانوں کی طرف سے اگر قدرے ترش روئی بھی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کارکن حضرات نے قرآنی ارشاد وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (سورۃ لقمان) کے مطابق بے رخی سے پرہیز کیا اور حسنِ مدارات سے پیش آئے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

اجتماع کا پروگرام مجموعی طور پر بڑا اثر انگیز اور حقیقی خشوع و خضوع پیدا کرنے والا تھا۔ ذکرِ الٰہی اور انابت الی اللہ سے معمور ایک ایسا ماحول تھا جس کے نتیجہ میں دلوں کے زنگ چھوٹ جائیں دل دنیا کی آلائشوں سے دھل کر پاک و صاف ہو جائیں اور تقویٰ کا جامہ پہن کر (وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ سورہ اعراف) طاعت و بندگی اور حقیقی عبودیت کے آداب سے آشنا ہو جائیں اور روح صیقل ہو کر اپنے خالق و مالک کے رنگ میں رنگین اور صبغۃ اللہ کی مورد بن جائے۔ اگر کوئی اسے مبالغہ سمجھے تو میں دعوت دیتا ہوں کہ بشرطِ زندگی و حسنِ نیت آئندہ اجتماع میں شامل ہونے کا ابھی سے قصد کر لے۔

پروگرام کا وہ خاص حصہ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام نے "ذکرِ حبیب" کے موضوع پر اپنے پاکیزہ خیالات و افکار کا اظہار فرمایا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ آنکھوں دیکھا حال بیان فرمایا کتنا روح پرور، نشاط انگیز اور بصیرت افروز تھا! پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقتدر صحابہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کا روحانی لطف اپنا جواب آپ تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُن تمام اچھی باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہم اس روحانی اجتماع میں سن کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (زمر)"

روحانی سمندر

مکرم جناب روشن الدین صاحب اوکاڑہ سے ایڈیٹر "انصار اللہ" کے نام اپنے مکتوب میں اجتماع کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس دفعہ مجلس انصار اللہ اوکاڑہ نے مجھے اور میاں فضل الدین صاحب کو اجتماع انصار اللہ میں بطور نمائندہ

بھیجا۔ اس پُر وقار اجتماع میں جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اُس کی لذّت اور سرور سے وہ اب بھی ایک ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں۔ ہر مقرر کا طرزِ بیان اور لب و لہجہ ایسا تھا کہ ہر بات دل پر نقش ہوئے بغیر نہ رہتی تھی۔ درس قرآن کریم، درس حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام منظوم کے وہ حصے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پڑھے گئے وجد کی سی حالت پیدا کرنے والے تھے۔ غرض ہر طرف علم و عرفان کا دریا رواں تھا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روحانی سمندر کو تا قیامت جاری رکھے اور پیاسے ہمیشہ ہی اس سے اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ آمین"

انفرادی شان اور خاص کیفیّت

ایک مخلص احمدی نوجوان کو جو ابھی اپنی عمر کے لحاظ سے خدام الاحمدیہ کے رکن ہیں امسال پہلی بار انصار اللہ کے اجتماع میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ ہیں ہمارے مکرم چوہدری خالد سیف اللہ خان صاحب ایگزیکٹو انجینئر الیکٹریسٹی۔ واپڈا ایقرمل پلانٹ لائلپور۔ آپ مکرم قائد صاحب عمومی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۶۴ء میں رقمطراز ہیں :-

"مجھے گزشتہ دنوں خدا تعالیٰ کے فضل سے انصار اللہ کے سالانہ اجتماع میں شمولیت کی توفیق ملی الحمد للہ۔ پروگرام اتنی عمدگی سے ترتیب دیا ہؤا تھا اور اتنی عمدہ علمی، تربیتی، اخلاقی اور روحانی تقاریر اور مقالے اس میں شامل کئے گئے تھے کہ بے اختیار اس کے منتظمین کرام کیلئے دعا نکلتی تھی۔ اُنہیں دنوں مجھے کچھ اور مصروفیت بھی تھی۔ میرے لئے سارا پروگرام سننا ممکن نہ تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ کون سے حصہ کیلئے وقت نکال سکتا ہوں پروگرام کو بار بار دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا۔ پروگرام کی کوئی ایک شق بھی ایسی نہ تھی جسے چھوڑنے کو دل چاہتا ۔ اس اجتماع میں ہماری جماعت کے چوٹی کے بزرگوں اور علماء نے حصہ لیا اور وہ تمام وجود جن میں سے ایک ایک کو ملنا ہم باعث سعادت و برکت سمجھتے ہیں سب اس میں شریک ہوئے اور ان سے ملنے، سننے اور ان کی دعاؤں میں شریک ہونے کا موقع ملا۔

اس میں قرآن مجید اور احادیث کے درس انفرادی حیثیت کے حامل تھے۔ روزانہ ایک خاص موضوع پر یہ درس ہوئے جس سے ان کی تاثیر اور افادیت میں بہت اضافہ ہؤا۔ اس کے علاوہ خصوصیت سے ذکر حبیب علیہ السلام، سوال و جواب کا پروگرام، قبولیتِ دعا کی دو ذاتی مثالیں اور تقریری مقابلے بہت دلچسپ اور پُر لطف تھے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ ہر تقریر اور ہر مقالہ اپنے اندر ایک خاص کیفیت لئے ہوئے تھا۔

اجتماع کا انتظام بھی نہایت عمدہ تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کو، آپ کو اور دیگر منتظمین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آپ سب کے خلوص اور عشق میں برکت دے۔ اور آپ کے دلوں میں جماعت کے ہر فرد کی تعلیم و تربیت کے لئے جو سوز اور درد پایا جاتا ہے اس میں آپکو کامیابی عطا فرمائے اور ہمیں بھی آپ کی طرح خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر قدم مارنے کی توفیق ملے آمین"

بچوں کا صفحہ

بچپن کی ہنسی

یہ قدرتی بات ہے کہ بچوں کو ہنسی بہت آتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر کھِل کھِلا کر ہنس پڑتے ہیں۔ اگر کسی بات پر ہنسی آجائے تو پھر ہنستے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہنسی ہے کہ رکنے میں نہیں آتی۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بس لوٹ پوٹ ہوئے جاتے ہیں۔

ہنسی اپنی ذات میں بُری نہیں ہوتی۔ خاص طور پر بچوں کی ہنسی تو بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ہنس مُکھ بچے کو دیکھ کر سب خوش ہوتے ہیں۔ لیکن ہنسی موقع پر ہی اچھی لگتی ہے۔ اور وہ بھی اِس صورت میں کہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ بے موقع ہنسنے کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ جو بچہ بے موقع ہنستا ہے وہ بے ادب کہلاتا ہے۔ بعض اوقات بچوں کو پتہ نہیں ہوتا کہ یہ موقع ہنسنے کا نہیں ہے۔ وہ بلاوجہ ہنستے چلے جاتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ جب بڑے ہنسنے سے منع کریں تو بچوں کو چاہیئے کہ فوراً ہنسنا بند کر دیں۔

مثال کے طور پر مسجد میں ہنسنا بہت بُری بات ہے۔ مسجد خدا کا گھر ہوتی ہے۔ اُس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنا چاہیئے نہ کہ ہنسنا۔ جو بچہ مسجد میں ہنستا ہے اور اپنی ہنسی کو نہیں روکتا وہ بے موقع ہنستا ہے اسی لئے اُس کے ہنسنے پر خوش ہونے کی بجائے سب بُرا مناتے ہیں۔ اگر کسی بچے کو مسجد میں ہنسی آئے تو اُسے اپنی ہنسی کو روکنا چاہیئے۔ اور اگر ہنسی نہ رُکے تو فوراً مسجد سے باہر آ جانا چاہیئے۔

ہم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کا ایک واقعہ سناتے ہیں۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے کہ ابھی آپ چھوٹے بچے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگوں کو کچھ نصیحت فرما رہے تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد میں آ گئے۔ وہاں اپنے کسی ساتھی بچے کی بات پر آپ کو ہنسی آئی۔ بیٹھے بیٹھے آپ نے ہنسنا شروع کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فوراً آپ کو ہنسنے سے منع کیا اور فرمایا مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ اُس وقت تو عمر بچے ہی تھے۔ لیکن جونہی حضور ؑ نے منع کیا آپ نے

فوراً اپنی ہنسی کو روکا اور جب دیکھا کہ ہنسی نہیں رکتی تو جلدی سے اُٹھ کر فوراً مسجد سے باہر چلے گئے۔ (بحوالہ البدر جلد ۳ نمبر ۸ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء)

بچوں کو چاہیئے کہ یہ بات پلّے باندھ لیں۔ مسجد میں کبھی نہ ہنسیں۔ ہنسی اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ نہیں ہنسنا چاہیئے۔

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

دیکھو! خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا
گم نام پا کے شُہرۂ عالَم بنا دیا

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
مَیں خاک تھا اُسی نے ثُرَیّا بنا دیا

میں تھا غریب و بے کس و گمنام و بے ہُنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کِدھر

لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہُوا
اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہُوا

(دُرّثمین)

جو دنیا کو رد نہیں کر سکتا وہ ہمارے سلسلہ کی طرف نہیں آسکتا دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر پار اترنا مشکل ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''جو شخص دنیا کو رد نہیں کر سکتا وہ ہمارے سلسلہ کی طرف نہیں آسکتا۔ دیکھو حضرت ابو بکرؓ نے سب سے اول دنیا کو رد کیا اور آپ کی آخری پوشاک یہی تھی کہ کمبل پہن کر آ حاضر ہوئے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے آپ کو سب سے اول تخت پر جگہ دی۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ آپ نے سب سے اول فقر اختیار کیا تھا۔ خدا تعالی کی ذات پاک ہے کہ کسی کا قرضہ اپنے ذمہ نہیں رکھتی، اوائل میں نقصان ضرور ہوتے ہیں، دوستوں یاروں کے تعلقات قطع کرنے پڑتے ہیں، لیکن ان سب کا بدلہ آخرکار دیتا ہے۔ ایک چوڑھے چمار کی خاطر جب ایک کام کیا جاوے اور تکلیف برداشت کی جاوے تو وہ اپنے ذمہ نہیں رکھتا تو پھر خدا کس لئے اپنے ذمہ رکھے۔ وہ آخرکار سب کچھ دے دیتا ہے۔

بارہا ہم نے سمجھایا ہے کہ جس شخص کو اور اغراض سوائے دین کے ہیں وہ ہمارے سلسلہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر پار اترنا مشکل ہے۔ اس لئے جو ہمارے پاس آوے گا وہ مر کر آوے گا لیکن خدا اس کی قدر کرے گا اور وہ نہ مرے گا جب تک کہ دنیا میں کامیابی نہ دیکھ لے۔ جو کچھ برباد کر کے آوے گا خدا اسے سب کچھ پھر دے گا۔ لیکن ایک دنیادار قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان خود ہی غداری کرتا ہے کہ نام تو خدا کی طرف آنیکا کرتا ہے اور اس کی نظر اہل دنیا کی طرف ہوتی ہے،،

(البدر ۸ نومبر ۱۹۰۳ء)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا